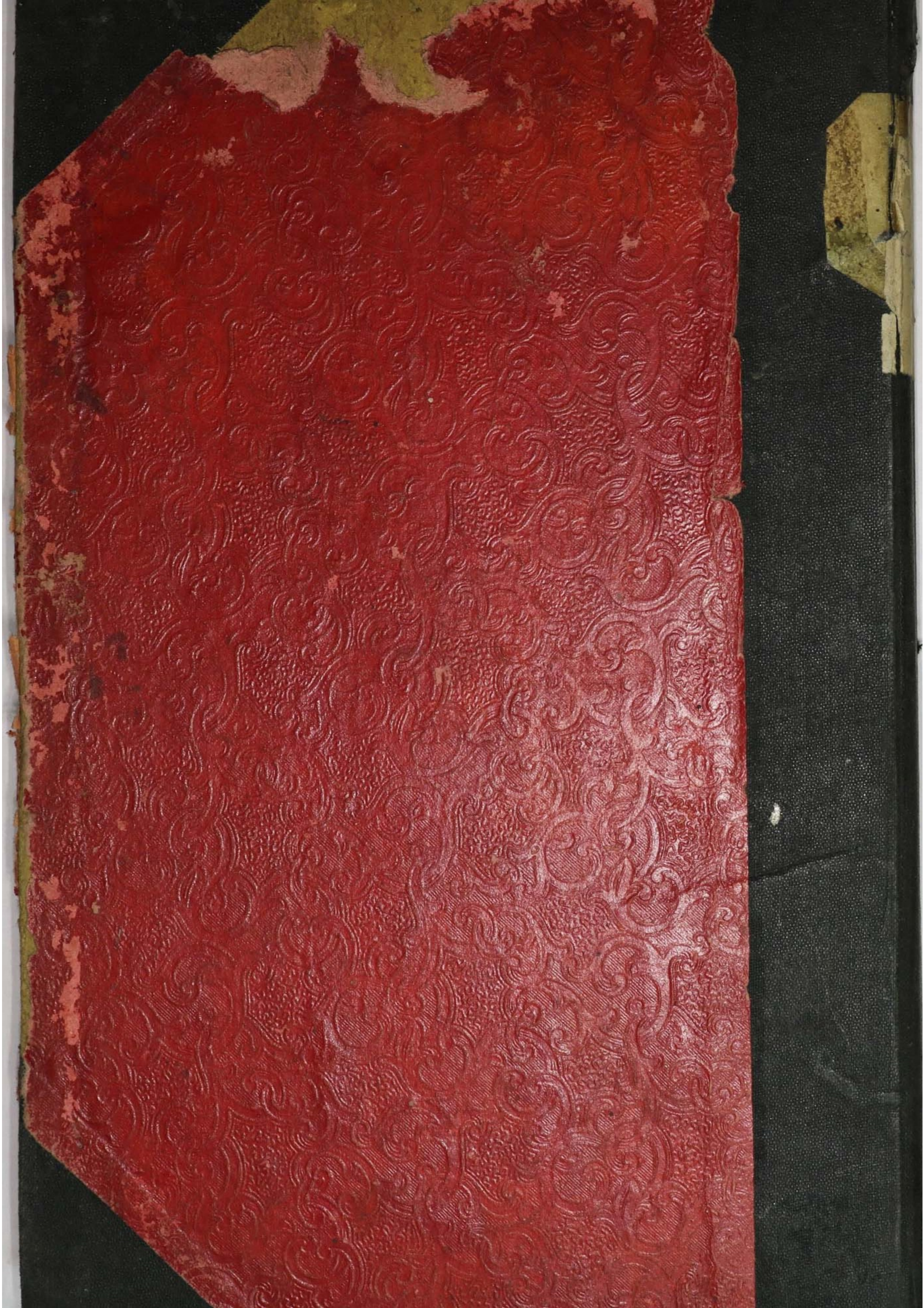


583

عکس نسخه

احقر سید وقار حسین میمن سادات ضلع بجنور

۴۸۶
۱۲۱

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جاء الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقا

الحمد للہ والمنۃ کہ جلد اول کتاب مستطاب

امامۃ القرآن

تصنیف جناب معلی القاب بحر العلوم والفنون مولانا سید محمد ہارون صاحب طاب ثراہ زنگی پوری

حسب فرمائش حاجی خان محمد خان کربلائی مشہدی سکنہ قائم والہ ضلع ڈیرہ غازی خان

بکوشش

نذر حسین محمد سبطین تاجران کتب ملتان

طبع ہوئی

قیمت دو روپیہ

۷۸۶

حیدری کیلنڈر سنہ ۱۹۳۳ء

یعنی

جنتری سنہ ۵۱-۱۳۵۲ھ

نقشہ تاریخی حضرات معصومین علیہم السلام

اسماے گرامی	تاریخ ولادت	تاریخ شہادت	نام قاتل	جائے دفن
حضرت محمدؐ	۱۷ ربیع الاول سنہ ۱ عام الفیل	۲۸ صفر سنہ ۱۱ھ	کمبیرہ	مدینہ منورہ
حضرت فاطمہؑ	۲۰ جمادی الثانی سنہ ۵ بعثت	۳ جمادی الثانی سنہ ۱۱ھ	پہلو شکن	جنت البقیع مدینہ
حضرت علیؑ	۱۳ رجب المرجب سنہ ۳۰ عام الفیل	۲۱ رمضان سنہ ۴۰ھ	ابن ملجم	نجف اشرف
حضرت حسنؑ	۱۵ رمضان سنہ ۳ھ	۲۸ صفر سنہ ۵۰ھ	جعدہ باشارہ معاویہ	جنت البقیع مدینہ
حضرت حسینؑ	۳ شعبان سنہ ۴ھ	۱۰ محرم سنہ ۶۱ھ	شمر بحکم یزید پلید	کربلائے معلےٰ
حضرت زین العابدینؑ	۱۵ جمادی الاول سنہ ۳۸ھ	۲۵ محرم سنہ ۹۵ھ	ولید (ملعون)	جنت البقیع مدینہ
حضرت محمد باقرؑ	یکم رجب سنہ ۵۷ھ	۷ ذالحجہ سنہ ۱۱۴ھ	ہشام (ملعون)	″
حضرت جعفر صادقؑ	۱۷ ربیع الاول سنہ ۸۳ھ	۱۵ شوال سنہ ۱۴۸ھ	منصور (ملعون)	″
حضرت موسےٰ کاظمؑ	۷ صفر المظفر سنہ ۱۲۸ھ	۲۵ رجب سنہ ۱۸۳ھ	ہارون (ملعون)	کاظمین
حضرت علی رضاؑ	۱۱ ذی قعدہ سنہ ۱۵۳ھ	۲۳ ذی قعدہ سنہ ۲۰۳ھ	مامون (ملعون)	خراسان
حضرت محمد تقیؑ	۱۰ رجب سنہ ۱۹۵ھ	۲۹ ذی قعدہ سنہ ۲۲۰ھ	معتصم (ملعون)	کاظمین
حضرت علی نقیؑ	۵ رجب سنہ ۲۱۴ھ	۳ رجب سنہ ۲۵۴ھ	متوکل (ملعون)	سامرہ
حضرت حسن عسکریؑ	۱۰ ربیع الاول سنہ ۲۳۲ھ	۸ ربیع الاول سنہ ۲۶۰ھ	معتمد (ملعون)	″
ہمنام رسول مہدیؑ	۱۵ شعبان سنہ ۲۵۶ھ	غیبت صغریٰ سنہ ۲۶۱ھ	قدم سے مہدیٔ دیں کے زمین قائم ہے پیدا قرار کشتی دیں کے لنگر ایسے ہوتے ہیں	

دیباچہ مصنف غفر لہٗ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

لِلّٰہِ الْحَمْدُ فِی الْاُوْلٰی وَالْاٰخِرَۃِ وَالشُّکْرُ لَہٗ عَلَی الْاٰیَۃِ الْکَاثِرَۃِ وَنِعَمِہِ الْبَاطِنَۃِ وَالظَّاھِرَۃِ۔ وَالصَّلوٰۃُ عَلٰی نَبِیِّہٖ وَحَبِیْبِہٖ سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَعَلٰی عِتْرَتِہِ الطَّیِّبَۃِ الطَّاھِرَۃِ صَلوٰۃً نَیِّرَۃً بَاھِرَۃً مَا طَلَعَتِ الشَّمْسُ سَافِرَۃً وَاَشْرَقَتِ الْاَنْجُمُ الزَّاھِرَۃُ۔ **امابعد**۔ اخوان مومنین وخلان ملت والدین کی خدمت میں التماس ہے کہ یہ پہلا حصہ باب اول **کتاب امامۃ القرآن** کا آپ حضرات کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے جسمیں بہتر آیتوں کی تفسیر مذکور ہے۔ اس کتاب کے لکھنے کی غرض صرف نشر فضائل اہلبیت الطاہرین علیہم السلام ہے۔ اور یہ کہ دنیا پر اچھی طرح واضح ہو جائے کہ کتاب خدا میں انکا ذکر فضیلت و کمال کے اظہار کیساتھ اسقدر آیا ہے کہ جس قدر عام دنیا ابتک نہیں سمجھ سکی ہے۔ **ابن عباسؓ** کی روایت جو تاریخ الخلفاء علامہ سیوطی میں قَالَ نَزَلَتْ فِیْ عَلِیٍّ ثَلٰثَمِائَۃِ اٰیَۃٍ (علیؑ کی مدح میں تین سو آیتیں نازل ہوئی ہیں)۔ نیز کتاب ینابیع صفحہ ۱۰۳ چھاپہ بمبئی میں اَخْرَجَ الطَّبْرَانِیُّ عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍؓ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمَا قَالَ نَزَلَتْ فِیْ عَلِیٍّ ثَلٰثَمِائَۃِ اٰیَۃٍ۔ اس سے صاف ظاہر ہے۔ کہ فضائل علیؑ و آل علیؑ قرآن میں بکثرت اس سے زیادہ مذکور ہیں جس قدر لوگ پا سکے ہیں۔ نیز یہ بھی روایات پر نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ دیگر اصحاب کی مذمتیں قرآن میں موجود ہیں لیکن علیؑ کا ذکر سوائے خیر و مدح کے بصورت عتاب و تعریض نہیں آیا ہے۔

ابن عباس کی دوسری روایت ینابیع صفحہ ۱۲۶ چھاپہ مصر میں ہے وَلَقَدْ عَاتَبَ اللّٰہُ

اصحاب محمدؐ فی غیر مکان وما ذکر علیاً الا بخیر" تمام اصحاب نبیؐ پر خدا نے کئی موقع پر (قرآن میں) عتاب کیا ہے۔ مگر جب علیؑ کا ذکر کیا تو خوبی ہی کے ساتھ"۔

(۴) بطریقِ اہلبیت طاہرینؑ تو اس سے زیادہ آیات کا ثبوت ملتا ہے۔ جو مدح علی ابن ابیطالب علیہ السلام اور دیگر ائمہ طاہرینؑ میں اُتری ہیں۔ لیکن اسوقت تک جتنی آیتوں کا کتب اہل سنت والجماعت سے پتہ چل سکا ہے وہ اجمالاً تو تین سو ہیں اور تفصیلاً دو سو تقریباً۔

پہلی کوشش تفسیر آیات فضائل میں ۔ پہلی کوشش اس بات میں کہ آیات فضائل کو کتب اہل سنت سے ثابت کر کے دنیا کے سامنے پیش کیا جائے۔ علاء ابن بطریق کی کوشش ہے جو قدمائے فرقہ امامیہ سے ہیں مگر وہ اپنی کتاب میں تقریباً پچاس آیتوں کا پتہ لگا سکے ہیں"

دوسری کوشش ۔ اونکے بعد دوسری کوشش علامہ حلی علیہ الرحمہ کی ہے۔ کتاب منہاج الکرامۃ میں کہ اسمیں بھی آیات کے نزول کا ثبوت شان اہلبیتؑ میں کتب اہل سنت والجماعت سے دیا ہے۔ مگر تقریباً پچاس سے زیادہ آیتیں نہیں ہیں

تیسری کوشش ۔ پھر جناب علامہ حلی علیہ الرحمۃ کی کتاب نہج الحق وکشف الصدق میں ہے۔ جسمیں چوراسی آیتوں تک تلاش کیا گیا ہے۔

چوتھی کوشش ۔ اس کے بعد چوتھی کوشش جناب علامہ مفتی سید عباس شوشتری اعلی اللہ مقامہ کی ہے۔ جنھوں نے اپنی مفصل کتاب **روائح القرآن** میں ایک سو اکتیس آیتوں کا پتہ لگایا ہے کہ بالتفصیل بیان فضائل اہلبیت طاہرین میں کتب اہل سنت میں مذکور ہیں۔

ضرورت پانچویں کوشش کی ۔ یہ کتاب عربی زبان میں ہے اور علاوہ فن مناظرہ کے بہترین کتاب ہونے کے علم ادب کا بہترین نمونہ بھی ہے۔ چونکہ یہ کتاب عام اہل ہندوستان کے فہم سے باہر ہے (بہ سبب عربی زبان ہونے کے) اس وجہ سے فقیر سندی **سید محمد ہارون** زنگی پوری کی ہمت نے یہ تقاضا کیا کہ اگر ان آیات کی تفسیر اردو زبان میں ہو جاتی تو عام پبلک کو اس سے خاصہ فائدہ پہونچتا۔ یہ سوچکر پہلے اس کا مقدمہ لکھا جو آیندہ مذکور ہوگا۔

(وہ دس باتیں ہیں جنسے اسلام کا تمام جھگڑا رفع ہوسکتا ہے)
جو دیکھنے والونکو بہت پسند آیا۔ پھر آیات کی تلاش شروع کی۔ بحمد للہ اسوقت تک دو سو دو
آیتوں کا پتہ مل چکا ہی۔ جو کتب اہل سنت والجماعت میں بہ تفصیل مذکور ہیں۔ جنسے فضائل و کمالات اہلبیت
طاہرینؑ کا حال معلوم ہوتا ہی۔

(۶) یہ کتاب تقریبًا آج سے دس سال قبل لکھی جانی شروع ہوئی تھی۔ مگر بیماریوں کی شدت اور آلام دنیا کی زیادتی نے ابتک اسکے تمام کرنیکا موقعہ نہ دیا۔ بیشتر اس دوران میں خیال گذرا کہ اب اسکا لکھنا ملتوی ہی کردو لیکن فرزند ارجمند سعید ذو الفضل الحسینی مولوی سید محمد رضی مولوی فاضل و منشی فاضل سلمہ اللہ تعالیٰ کے اصرار سے دوبارہ اس کے اتمام کی ہمت کی اور خدا کی مدد پر بھروسہ کرکے کام شروع کیا۔ چنانچہ اس وقت یہ پہلا حصہ باب اول کا نذر احباب کیا جاتا ہے۔

(۷) اس کتاب میں یہ خاص اہتمام کیا گیا ہی کہ جو بات لکھی جائے اُسکا حوالہ بچشم خود دیکھکر لکھا جائے۔ اور حتی الامکان کوئی دعوے اقناعی دلیل سے نہ ثابت کیا جائے بلکہ ہر دعوے کا ثبوت برہان قوی سے دیا جائے تاکہ آئندہ کسی ناظر کو گفتگو کا موقع نہ ملے۔

(۸) باب اول کے آیات میں اگرچہ صرف فضائل کے آیات کی تفسیر ہے مگر اُن سے جہاں جہاں خلافت بلافصل جناب امیر المومنین علیہ السلام اور اُنکی اولاد طاہرینؑ کی امامت و خلافت کا ثبوت ہوتا تھا اُسے بھی نہایت حسن و خوبی کے ساتھ بالاختصار واضح کردیا ہی۔ اور ہر ایک موقعہ پر کافی دلیلیں پیش کردی ہیں۔

(۹) اس باب اول کا دوسرا حصہ بھی ایسے ہی آیات کی تفسیر کا مجموعہ ہوگا اور اُنمیں ضمنًا جہاں جہاں ثبوت خلافت بلافصل ہوگا۔ بیان کیا جائیگا۔

(۱۰) دوسرا باب صرف اُن آیات کی تفسیر کے لئے تجویز کیا گیا ہی جن سے بصراحت تمام خلافت بلا فصل حضرت امیر المومنین علیہ السلام کی اور عمومًا خلافت اون کے گیارہ فرزندان

کی ثابت ہوتی ہے۔

(۱۱) اپنی طرف سے تو اس فقیر نے بہت کوشش کی ہے کہ کتاب کی عبارت عام فہم ہو عربی عبارتوں کا ترجمہ ورنہ کچھ مواقع پر کر دیا جائے۔ لیکن پورا اطمینان اُس وقت ہوگا جبکہ پبلک اسے پڑھ کر پسند کریگی۔

تصنیف کتاب ہٰذا سے اظہار حق مقصود ہے نہ مناظرہ

جا بجا اس بات میں مقابلتاً ذکر دیگر اصحاب رسول صلے اللہ علیہ وآلہ کا بھی آگیا ہے اور اُن کے حالات بیان کیے گئے ہیں۔ مگر اُن سے مقصود صرف اظہار حق ہے نہ کسی غیر مذہب والے سے مناظرہ کرنا۔ طعن مقصود نہیں۔ بلکہ اصل امر کا واضح کر دینا مد نظر ہے۔

اگر یہ فقیر اپنی مطلب میں کامیاب ہو گیا ہے تو امید ہے کہ اسلام کے کل فریق اس کتاب کا مطالعہ خوشی سے کرینگے اور جن لوگوں کو ہدایت ملنے والی ہوگی وہ بالضرور اس سے راہ ہدایت پر آجائینگے۔ اسلیے کہ اس کتاب میں وہ تمام رستے کھول دیے گئے ہیں جنپر چلنے سے انسان یقیناً انسان حق تک پہونچ سکتا ہے۔

مقدمات کتاب کو ٹھنڈے دل سے پڑھیے

(۱۲) کتاب کے پہلے جو مقدمات لکھے گئے ہیں وہ غالباً نہایت ضروری ضروری باتوں پر مشتمل ہیں۔ ناظرین سے التماس ہے کہ نہایت ٹھنڈے دل سے انہیں پڑھیں۔ اور اخذ ورد میں جلدی سے کام نہ لیں۔ کیونکہ جلدی عموماً ہر کام کو خراب کر دیتی ہے۔

یہ کتاب عموم اہل اسلام کی راہنما ہے

(۱۳) یہ کتاب جس طرح ایک جویائے مذہب کے لیے بہترین راہنما کا کام دیسکتی ہے اوسطرح ایک پختہ کار مذہب والے کو دل بہلانے اور تلخی وقت رفع کرنیکا بھی کام دیسکتی ہے اوسطرح ایک پختہ کار مذہب والیکو دل بہلانے اور تلخی وقت رفع کرنیکا بھی کام دیسکتی ہے۔ اور شیعہ روضہ خوان و صاحبان ممبر کیلیے تو بہترین ذخیرہ ہے۔ نیز مصنفین کے واسطے بھی جس قدر صحیح حوالے اس کتاب سے ملینگے وہ دوسری جگہ کم مل سکینگے۔

دعائے مصنف اور ھدیہ

(۱۴) خدائے تعالی کی جناب میں دعا ہے کہ اس کتاب کو مقبول خاص و عام اور جو امید اس خاطی کو تصنیف سے اس کتاب کی ہے وہ پوری کرے اور ثواب

اس کا اس فقیر کی پدر بزرگوار جناب سید عبد الحسن صاحب مغفور اور چھوٹے بھائی سید حیدر حسین مرحوم اور جواں مرگ فرزند سید شبیر حسین مرحوم کی روحوں کو پہونچے کہ میں نے اس کا ثواب اونکی روحوں کو ہدیہ کیا - وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم -

ملتمس عبد فقیر محمد ہارون حسینی زنگی پوری

مورخہ ۱۹ فروری ۱۹۲۱ء مطابق ۲۸ جمادی الاول ۱۳۳۹ھ

پہلا مقدمہ*

اسلامی فرقوں کا اختلاف اور اُنکی صورتیں

(۱۵) اسلام کے فرقوں کا مختلف ہونا ایسا بدیہی امر ہے جسپر دلیل پیش کرنیکی ہرگز ضرورت نہیں ہے اور نیز انکا اختلاف باہمی اصول و فروع میں بھی ایسا کھلا ہوا ہی کہ جو شخص ذرہ بھی غور نظر سے کام لیگا فوراً اُسکو معلوم ہو سکیگا - اگرچہ اور مذاہب میں بھی اختلاف ہے لیکن اسلام کے فرقوں کا اختلاف حد درجہ کو پہونچا ہوا ہی - اسوقت بھی جو فرقے اسلام کے موجود ہیں اونکی تعداد بھی بہت زیادہ ہی چہ جائیکہ جو فرقے معدوم ہو گئے اُنہیں بھی اگر ملا لیجئے تو بہت بڑی تعداد ہو جاتی ہی - اسوقت کے موجود فرقوں میں سے ایک فرقہ وہ ہی جس نے اپنا نام "اہل سنت والجماعت" قرار دیا ہے - اس فرقہ میں اصولاً و فروعاً اختلاف کے لحاظ سے جو فرقے اسوقت بھی موجود ہیں وہ یہ ہیں ۔ اشاعرہ[1] - معتزلہ[2] - حنفیہ[3] - شافعیہ[4] - حنبلیہ[5] - مالکیہ[6] - اہل حدیث[7] جنکو وہابی بھی کہتے ہیں - قادیانی[8] - اہل القرآن[9] وغیرہم -

* یہ وہ مقدمات ہیں جن کو اہل اسلام اگر ٹھنڈی دلوں ایک مرتبہ پڑھ لیں تو اُمید ہے کہ آئندہ وہ تمام شکوک و شبہات جو دلوں میں پیدا ہوتے ہیں یکسر رفع ہو جائیں اور مذہب صحیح کی وہ شاہ راہ جسے صراط مستقیم کہتے ہیں بالکل عین الیقین کے ساتھ مشاہدہ میں آجائے - اپنے اہل وطن مسلمانوں سے یہ میری درخواست ہے جسے اُمید ہے کہ وہ قبول فرمائینگے اسکے بعد جو طریقہ استدلال آیتوں سے قرآن مجید کے اختیار کیا گیا ہی اسکے پڑھنے کے بعد تو مذہب آفتاب کیطرح اس قدر روشن نظر آئیگا کہ اوسکی روشنی قبر تک بھی کم نہوگی - (محمد ہارون مصنف کتاب ہذا)

دوسرا فرقہ جسے رسولؐ کی اہلبیت سے زیادہ تعلق ہے۔ اون کی اختلافی تعداد بھی علاوہ گذشتہ اور فنا شدہ فرقوں کے جو بالفعل موجود ہیں وہ یہ ہیں۔ اثنا عشریہ[1] جو بارہ اماموں کی امامت کے قائل ہیں۔ اون کی تقسیم دو فرقوں پر ہو گئی ہے (اصولیہ[1]۔ اخباریہ[2]) بوہرہ[3]۔ زیدیہ جنکی کثیر تعداد ملک یمن میں اب بھی موجود ہے۔

لیکن یہ امر بھی اسی کے ساتھ بالکل بدیہی ہے کہ انہیں سے براستی اور حق پر ایک ہی فرقہ ہوگا اگرچہ عقلاً یہ بھی ممکن ہے کہ کوئی بھی حق پر نہ ہو۔ مگر چونکہ مخبر صادق جناب ختمی مرتبت رسول خدا حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ نے فرمایا ہے کہ سَتَفْتَرِقُ اُمَّتِیْ عَلٰی ثَلَاثٍ وَسَبْعِیْنَ فِرْقَةً اَلنَّاجِیَةُ مِنْهَا وَاحِدَةٌ وَالْبَاقُوْنَ هَلْکٰی۔ (تمام فرقوں میں سے راہ راست پر صرف ایک فرقہ ہے) (ملل ونحل شہرستانی۔ برحاشیہ ملل ابن حزم صفحہ ۵۔) جسکا حاصل مطلب یہ ہے کہ میری اُمت کے تہتر فرقے ہو جائینگے جنمیں سے نجات پانیوالا ایک ہی فرقہ ہوگا۔ اور باقی فرقے سب ہلاک ہونے والے ہیں (کیونکہ وہ حق پر نہیں ہیں) اسوجہ سے اس امر کو ماننا لازم ہو کہ ان تہتر فرقوں میں سے ایک فرقہ ضرور حق پر ہوگا۔

دوسرا مقدمہ

رسولخدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فقط ایک ہی دین سکھایا ہے

(۱۶) وہ دین اور احکام جسے رسولخدا صلے اللہ علیہ وآلہ خدائے تعالیٰ کیطرف سے لیکر آئے ہرگز اونمیں کسی قسم کا اختلاف نہ تھا۔ بلکہ ہر مسئلہ کا ایک خاص حکم ہر حال میں ایک خاص اعتقاد تھا جسے آنحضرت نے اپنی اُمت تک پہونچایا لیکن اُمت کے لوگوں نے ان تمام اُموریں اختلاف پیدا کر دیا۔ رسولخداؐ نے ہرگز نہیں فرمایا کہ خدائے تعالیٰ دکھائی بھی دیسکتا ہی نہ رسولخداؐ نے ہرگز نہیں فرمایا کہ بندے اپنے کاموں میں مختار ہیں اور مجبور بھی ہیں۔ نہ رسولخداؐ نے ہرگز نہیں فرمایا کہ نماز میں ہاتھ باندھکر بھی نماز پڑھو اور کھولکر بھی۔ نہ رسول خداؐ نے ہرگز نہیں فرمایا کہ نبیذ حرام بھی ہے حلال بھی۔ علیٰ ہذا القیاس جو اسلام کے فرقوں میں اختلاف ہے وہ اُمت کی وجہ سے ہے

نہ رسول اللہ کی طرف سے۔

پس اس صورتمیں عقل اور انصاف کا یہ تقاضا ہی کہ اُس اعتقاد اور اُس حکم کو تلاش کرے جسے واقعی

عقل وانصاف کا تقاضا

رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ نے فرمایا محض لکیر کے فقیر بنے رہنا یا ہر دعوے دار کی رائے کو تسلیم کرنا آخرت کے لیئے سودمند نہ ہوگا کیونکہ جب پروردگار عالم یہ سوال کریگا کہ تمنے سچے احکام پر رسولؐ کے اور واقعی ارشادات پر ہمارے حبیب کے کیوں عمل کیا اور اگر معلوم نہ تھا تو کیوں نہ تحقیق کی اور خود اوسکی سچائی کی جانچ کرنے سے کیوں باز رہے؟ تو اُسوقت سوائے ندامت اور گردن جھکائے رہنے کے کچھ جواب بن پڑیگا۔

اصلی معاملہ مذہب کی تحقیق ہر شخص پر فرض ہے۔

لہذا ہم مسلمانوں سے ہر شخص کا یہ فرض ہونا چاہیئے کہ وہ اصلی معاملات کی خود تحقیق کرے اور واقعی اور غیر واقعی کی خود جانچ کرے سچ کبھی چھپا نہیں رہتا حق ہمیشہ روشن رہتا ہی۔ ہر عوام الناس کے پیچھے دوڑ جانا۔ جو کچھ وہ کہے اوسی کو آمنا وسلمنا کہنے لگنا ہرگز عقل کے موافق نہیں ہے۔

اصل حقیقت کے معلوم کرنیکا ذریعہ

البتہ اس امر کی تلاش ضرور ہونی چاہیئے کہ وہ کونسا ذریعہ ہے جس سے ہم کو حق کا پتہ معلوم ہوسکے اور وہ کون سے طریقے ہیں جنپر چلنے سے ہمکو سیدھی راہ اسلام کی مل سکتی ہے۔ اور کیا وہ واقعی احکام واعمال ہیں جن کا پابند ہونا چاہیئے۔

(۱۷) اس بات کی تحقیقات کے واسطے جہانتک عقل کی رسائی ہو صرف دو چیزیں معلوم ہوتی ہیں۔ ایک عقل ہے دوسری نقل۔ لہذا پہلے ہر شخص کا فرض ہو کہ اپنے مذہب کے تمام اصول کو معلوم کرکے عقل کے سامنے پیش کرے اور اُس سے دریافت کرے کہ آیا یہ امور مطابق عقل ہیں یا نہیں اُس کے باقی مذاہب کے بھی اصول کو فرداً فرداً دریافت کرے اور عقل سے جانچے جو اُنمیں مطابق عقل معلوم ہوں اونکو تسلیم کرے اور باقی مذاہب کو غلط سمجھے کیونکہ جو بات عقل کے خلاف ہے وہ ہرگز حکم خدا نہیں ہوسکتی ہو اس سبب سے پروردگار عالم جو حکیم ہے وہ ہرگز بے عقلی کا حکم نہیں دیسکتا اور اگر وہ ایسا کرے تو ہرگز اوسکو حکیم نہیں سمجھا جاسکتا دوسری نقل۔ جسکی دو قسمیں ہیں۔ ایک قرآن مجید جو خدا تعالیٰ کی آسمانی کتاب ہے۔ جسمیں ذرہ بھر

بھی کسی مقام پر اختلاف نہیں ہی کیونکہ وہ خود فرماتا ہے لَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا" یعنے اگریہ قرآن مجید خدا تعالیٰ کے سوا کسی اور کیطرف سے ہوتا تو لوگ اسمیں بہت سا اختلاف پاتے (لیکن چونکہ یہ خدا تعالیٰ کا نازل فرمایا ہوا ہے جو حکیم مطلق ہے اور جو عالم جزو و کل ہے اس وجہ سے اسمیں بالکل اختلاف نہیں ہی) اور نیز فرمایا ہے۔ ذٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ هُدًى لِلْمُتَّقِينَ۔ نیز فرمایا ہے تِبْيَانًا لِكُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَمَوْعِظَةً اور نیز فرمایا ہے مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ پس اس بنا پر تمام اختلافات کو اسی قرآن مجید پر پیش کرنا چاہیئے اور اسی سے امر حق کو دریافت کرنا ممکن ہوسکتا ہے

دوسری حدیث رسولخدا کی جس سے مراد وحی غیر معجز ہے۔ یہ بھی تحقیق حق کا بڑا ذریعہ ہے۔ کیونکہ اسکی سچائی میں کوئی شبہہ نہیں ہوسکتا اسلیئے کہ رسولؐ کے ارشادات کی نسبت خود پروردگار عالم فرماتا ہی مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحٰى۔ پھر اُمت رسولؐ کی طرف مخاطب ہوکر فرماتا ہے مَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا۔ پس معلوم ہوا کہ جو امر ان دونوں سے باہر ہے یا اس سے مخالفت رکھتا ہے وہ باطل اور غلط ہے۔ اور جو امر ان دونو سے مطابقت رکھتا ہے وہ حق اور صحیح ہے۔

(۱۸) اب اگر کوئی یہ کہے کہ مسلمان تو سب ہی قرآن و حدیث کو مانتے ہیں اور ہر ایک اپنے دعوی کی دلیل میں آیت قرآنیہ اور حدیث نبویؐ پیش کرتا ہے تو پھر کیونکر یہ اختلاف رفع ہوسکتا ہے تو ہم اس کا یہ جواب دینگے کہ اول تو قرآن کے آیات کی تفسیر میں اور احادیث میں جو بالکل متفق علیہ اہل اسلام ہیں ہر آدمی کو ماننا چاہیئے۔ کیونکہ اوسکی صحت میں کوئی شبہہ نہیں ہوسکتا۔ اور جو صرف ایک فریق نے نقل کی ہو اور دوسرا فریق اسکو بہ دلائل رد کرتا ہو اُسے تسلیم نہ کرے کیونکہ اوسکی صحت میں شبہہ ہے **اور دوسری راہ جو بہت آسان ہی** وہ یہ ہے کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ کی حدیث متفق علیہ فریقین ہے کہ "اِنِّي تَارِكٌ فِيكُمُ الثَّقَلَيْنِ كِتَابَ اللّٰهِ وَعِتْرَتِي أَهْلَ بَيْتِي مَا إِنْ تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا لَنْ تَضِلُّوا بَعْدِي" اور خدا تعالیٰ نے خود قرآن مجید میں قرآن کی نسبت فرمایا ہی۔ مَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللّٰهُ وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ۔

اس حدیث کو مسلم اور ترمذی نے حسب ذیل اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے حدثنا علی ابن مسند الکوفی قال حدثنا محمد ابن الفضل قال حدثنا الاعمش عن عطیۃ العوفی عن ابن سعید الخدری والاعمش ایضًا۔ عن حبیب بن ثابت عن زید بن ارقم قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وآلہ وسلم۔ انی تارک فیکم الثقلین ما ان تمسکتم لن تضلوا بعدی احدہما اعظم من الآخر کتاب اللہ حبل ممدود من السماء الی الارض وعترتی اہلبیتی۔ ولن یفترقا حتیٰ یردا علیّ الحوض فانظروا کیف تخلفونی فیہما،، پھر اسی حدیث کو ترمذی نے دوسرے لفظوں میں نقل کیا ہے عن جابر بن عبد اللہ الانصاری قال رائت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فی حجۃ الوداع یوم عرفۃ وہو علی ناقتہ القصویٰ یخطب فسمعتہ یقول ایہا الناس انی ترکت فیکم من ما ان اخذتم بہ لن تضلوا کتاب اللہ وعترتی اہل بیتی۔ وفی الباب عن ابی ذر وابی سعید وزید بن ارقم وحذیفہ بن اسید (صفحہ ۵۸۹ جامع ترمذی چھاپ لکھنؤ مطبع نولکشور باترجمہ) حاصل ان دونوں حدیثوں کا یہ ہے کہ یَا اَیُّہَا النَّاس میں تم میں ان دو چیزوں کو چھوڑے جاتا ہوں کہ اگر تم ان دونوں چیزوں سے متمسک ہوگے تو ہرگز گمراہ نہ ہوگے ایک تو خدائے تعالیٰ کی کتاب ہے اور دوسری میری عترت ہے۔ جو میری اہلبیتؑ ہیں۔

اس حدیث کو مسلم سے ینابیع المودۃ میں ان لفظوں میں نقل کیا ہے وانا تارک فیکم الثقلین اولہما کتاب اللہ فیہ الہدیٰ والنور فخذوا کتاب اللہ وتمسکوا بہ فحث علی کتاب اللہ ورغب فیہ ثم قال واہلبیتی اذکرکم اللہ فی اہلبیتی اذکرکم اللہ فی اہلبیتی الخ (ینابیع المودۃ مطبوعہ استنبول صفحہ ۲۹) اسی حدیث کو سید علی ہمدانی شافعی سنی المذہب نے اپنی کتاب مودۃ القربیٰ میں نقل کیا ہے وعن ابی سعید الخدری قال قال رسول اللہ صلعم اِنّی تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ حبل ممدودۃ من السماء الی الارض وعترتی اہلبیتی لَنْ یَفْتَرِقَا حتیٰ یردا علی الحوض (مودۃ القربیٰ مودۃ دوم چھاپ لاہور صفحہ ۲۵) اسی حدیث کو ابن حجر مکی نے صواعق محرقہ میں مسلم اور ترمذی سے نقل کیا ہے (دیکھو صواعق محرقہ چھاپ مصر صفحہ ۸۹) اسی حدیث کو مطالب السئول میں اس بنا پر بہت آسان بات ہے کہ احکام قرآن وحدیث رسولؐ کو ان دو سے لیا جائے جنمیں کسی قسم کا شک نہیں ہے۔ ایک تو راسخون فی العلم سے اور دوسرے عترت و

و اہلبیت رسولؐ سے (ہم آئندہ بتائینگے کہ راسخون فی العلم سے مراد یہی اہلبیت رسول ہیں نہ کوئی اور)
اور اگر ان کے غیر سے احکام لیئے جائینگے تو صحیح سمجھے جانے کے قابل نہ ہونگے۔
چونکہ یہہ زمانہ روشنی علم اور آزادی اظہار خیالات کا ہے جسمیں کوئی شخص کسی کا مزاحم نہیں ہوسکتا اسلیئے جیسی تحقیق
واقعیت کے اس زمانہ میں ہوسکتی ہے ویسی پہلے کبھی نہیں ہوسکتی تھی۔ اسلیئے ضرور ہے کہ ہر شخص امر حق کو
تلاش کرے کیونکہ ہر شخص کو مرنا ضرور ہے۔ اور مرکر خدا تعالی کو اپنے اعتقادات اور اعمال کی جوابدہی
یقینی ہے۔ سُنی سنائی باتوں یا تعصب سے کام لینا اور اسوجہہ سے اپنے اعمال اور اعتقاد کو خراب کرنا جبکہ

بقیہ حاشیہ صفحہ سابق - کمال الدین محمد بن طلحہ شافعی نے نقل کیا ہے صفہ ۱۱ و ۱۲ مطبوعہ لکھنؤ نیز اسی
حدیث کو مسلم اور ترمذی سے کتاب الاتحاف میں شیخ عبداللہ محمد بن عامری شبراوی شافعی نے نقل کیا ہے
(دیکھو اتحاف صفہ ۶ مطبوعہ مصر) نیز اس حدیث کو علامہ سیوطی نے کتاب احیاء المیت فی الاحادیث الواردہ
فی آل البیت میں روایت کیا ہے۔ (دیکھو کتاب اتحاف چھاپ مصر صفہ ۱۱) اس اہتمام کیساتھ اس حدیث
کو نقل کرنے سے مطلب یہہ ہے کہ تمام علمائے اسلام نے اسکو صحیح مانا ہے اور جب یہہ حدیث صحیح ہے
تو اسپر عمل کرنا بھی ہر مسلمان پر فرض ہے یعنے اپنے تمام دینی معاملات کو خواہ اصول ہوں یا فروع انہیں دو **قرآن**
اور اہلبیت رسولؐ سے حاصل کرنا فرض ہے۔ سوائے اہلبیتؑ کے کوئی شخص واقعی طور پر احکام خدا کو نہیں جان سکتا
اور اگر جان سکتا ہوتا تو رسول خدا اس اہتمام سے اہلبیتؑ ہی کا ذکر خاص کر نہ فرماتے بلکہ کسی اور کو بتا جاتے
جن سے احکام الہی حاصل کیئے جائیں۔ لیکن چونکہ آنحضرتؐ نے حصر فرما دیا ہے کہ اگر مسلمان ان دو سے
متمسک ہونگے تو گمراہی میں نہ پڑینگے اسلیئے ضلالت اور گمراہی سے بچنے کے لیئے ہر شخص پر قرآن اور
اہلبیتؑ ہی کی پیروی لازم ہے لیکن نہایت افسوس ہے تو یہہ ہے کہ اہل اسلام نے رسول اللہ کے اس فرمودہ پر
بہت کم عمل کیا ہم دیکھتے ہیں کہ اسلام کے صرف ایک فرقہ کی کتابیں تو اہلبیتؑ کی تعریفات سے بھری ہوئی ہیں لیکن باقی فرقہائے
اسلام نے بالکل ان سے تمسک نہیں کیا اور نہ انکی کچھہ قدر کی۔ اس کی دلیل یہہ ہے کہ انکو کے تمام اعمال اور افعال اور
اعتقادات ان کے اہلبیت کے ارشادات کے برخلاف ہیں کتابیں بھی انکی حدیث اہلبیتؑ سے بالکل خالی ہیں اگر وہ لوگ اہلبیتؑ سے تمسک کیا ہوتا
اور انکو حسب فرمودہ رسول خدا اپنا پیشوا بنایا ہوتا تو ضرور ان کے فرمودہ احکام اور تعلیم کردہ امور پر عمل کرتے۔"

نتیجہ ہلاکت اور عذاب دائمی ہے - نہایت کوتاہ اندیشی اور بے عقلی کی بات ہے - اہل اسلام چونکہ اُور اپنے اختلافات مٹا کر ایک طریقہ جسے ملت ابراہیم کہنا چاہیئے یا دین الٰہی واقعی اُسی عامل کرو اور نفسانیت کو ترک کرو کہ اس کا انجام بُرا اور نہایت بُرا ہے -

تیسرا مقدمہ

اہل اسلام کے اختلافات کا سبب

(۲۰) اسلامی فرقوں کا سبب اختلاف جہانتک بعد غور سمجھہ میں آتا ہے وہی واقعہ ہے جسے ابن عباسؓ یاد کرکے رویا کرتے تھے اور کہتے تھے یوم الخمیس وما یوم الخمیس اور یہہ واقعہ ہے کہ رسول خدا بستر بیماری پر لیٹے ہوئے ہیں - دُنیا میں صرف کچہہ دیر کے مہمان ہیں - عزیز و اقارب اندوہ گین اردگرد بیٹھے ہوئے ہیں دوست احباب بھی مجتمع ہیں - حسرتیں لوگوں کے چہرہ سے ظاہر ہیں - رسول خدا صلے اللہ علیہ و آلہ چونکہ یقین کر چکے ہیں کہ یہہ وقت اون کے لیئے دنیا میں آخری وقت ہے - اسلیئے ارادہ فرماتے ہیں کہ کچہہ وصیت کر جائیں جس سے اونکی اُمت کے لوگ فائدہ مند ہو سکیں جیسا کہ عام دنیا کا دستور ہے - لیکن ازبسکہ آپ سمجہہ رہے ہیں کہ تحریری وصیت کا اثر دیرپا ہوتا ہے - بہ نسبت تقریری وصیت کے اور نیز یہہ کہ میرے بعد لوگ میرے غم میں مبتلا ہو جاینگے - ممکن ہے کہ وصیت کا پورا مضمون لوگوں کو یاد نہ رہے اسلیئے قلم بند کر دینا زیادہ مناسب ہے بدیں خیال آپ فرماتے ہیں اِیْتُوْنِیْ بِدَوَاۃٍ وَقِرْطَاسٍ اَکْتُبْ کِتَابًا لَا تَضِلُّوْا بَعْدِیْ - لاؤ میرے پاس دوات اور کاغذ کہ میں تمہارے واسطے ایک تحریر لکھدوں (یا لکھوا دوں) تاکہ میرے بعد تم لوگ گمراہ نہ ہو - فقال عمرؓ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ قَدْ غَلَبَ الْوَجَعُ - حَسْبُنَا کِتَابُ اللّٰہِ تو عمر نے کہا کہ رسول اللہ پر درد غالب ہے ہمیں تو کتاب خدا کافی ہے - (رسولؐ کی تحریر کی ہمیں حاجت نہیں)

حضرت عمرؓ نے آنحضرتؐ کو وصیت نامہ لکھوانے سے روکدیا -

یہی یہہ بات کہ قرآن مجید پر تو عمل کیا جاتا ہے" تو یہہ بھی بہت کم ممکن ہے اول تو اسوجہ سے کہ قرآن مجید بہت کچہہ مجمل اور قابل تفسیر و تشریح ہے ہر شخص اوس کے حقایق کو سمجہہ نہیں سکتا اور اگر سمجہہ سکتا تو آج دنیا میں اسقدر اختلاف نہ ہوتا اسوجہ سے کہ رسولخدا نے قرآن کے ساتھ اوس کے مفسر کو بھی بتلا دیا کہ وہ اہلبیتؑ ہی ہیں - جو واقعی مطالب قرآن کو بتا سکتے ہیں - دوم - اسوجہ سے کہ جب ہم اہلبیتؑ کی تفسیر کو اور ونکی تفسیر سے ملا کر دیکھتے ہیں تو باہم مخالفت پاتے ہیں جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اہلبیتؑ کی تفسیر کے برخلاف عمل کیا جا رہا ہے اور جب ایسا ہوا تو قرآن کے ارشادات پر کہاں عمل ہو سکا وہ تو صرف اپنی رائے پر عمل ہوا جو بالکل اسلام میں ناجائز سمجھا گیا ہے (مصنف غفرلہ)

حدیث قرطاس کا ثبوت اور اسکی مجمل بحث۔

وکثر اللغط فقال النبیؐ قوموعنی لاینبغی عندی التنازع" قال ابن عباس الرزیة کل الرزیة ماحال بیننا وبین کتاب رسول اللہ۔ (کتاب ملل ونحل شہرستانی صفحہ ۱۹ و ۲۰ چھاپہ مطبع ادبیہ مصر) اس روایت کو ملا عبد الکریم شہرستانی نے محمد بن اسمٰعیل بخاری کی کتاب سے نقل کیا ہے جسے آجکل صحیح بخاری کہتے ہیں۔

صحیح بخاری سے حدیث قرطاس کا ثبوت

(۲۱) اب میں خود اس حدیث کو صحیح بخاری سے بحوالہ باب و جزو اور صفحہ کے نقل کرتا ہوں کتاب[۱] العلم باب کتابة العلم اوسکے الفاظ یہ ہیں۔ حدثنا یحیی بن سلیمان قال حدثنی ابن وھب قال اخبرنی یونس عن ابن شہاب عن عبید اللہ بن عبد اللہ عن ابن عباس قال لما اشتد بالنبیؐ قال ایتونی بکتاب اکتب لکم کتابا لا تضلوا بعدہٗ قال عمرؓ ان النبیؐ غلبه الوجع وعندنا کتاب اللہ حسبنا۔ فاختلفوا وکثر اللغط قال قوموا عنی ولاینبغی عندی التنازع فخرج ابن عباس یقول ان الرزیة کل الرزیة ماحال بین رسول اللہ وبین کتابه ۲۔ نیز اسی حدیث کو کتاب الجہاد باب ہل تشفع الی اہل الذمة[۲] میں بخاری نے روایت کیا ہے مگر اسمیں یہ فقرہ ہے فقالوا ھجر رسول اللہ یعنے لوگ کہنے لگے کہ یہ تو ہذیان ہے جسے رسول اللہ نے بکا ہے۔ (معاذ اللہ من ذالک) ۳۔ کتاب الخمس باب اخراج الیہود من جزیرة العرب میں بخاری نے نقل کیا ہے ۴۔ باب مرض النبی ووفاته (صفحہ ۵۷ چھاپہ مصر) میں روایت کی ہے جسکی عبارت حسب ذیل ہے۔ عن سلیمان الاحول عن سعید بن جبیر قال قال ابن عباس یوم الخمیس وما یوم الخمیس اشتد برسول اللہ فقال ایتونی اکتب لکم کتابا لن تضلوا بعدہٗ ابدا فتنازعوا ولاینبغی عند نبیؐ تنازع فقالوا ما شانه اھجر استفھموہ فجعلوا یردون علیه فقال دعونی فالذی انا فیه خیر مما تدعونی الیه۔ یعنے کہ سلیمان احول[۳] نے سعید بن جبیر سے

[۱] تیسیر الباری ترجمہ صحیح بخاری سیپارہ یکم مطبوعہ مطبع احمدی لاہور کتاب العلم باب کتابة العلم صفحہ ۶۲

[۲] تیسیر الباری سیپارہ ۱۲ صفحہ ۴۲

[۳] اگرچہ ان احادیث میں کسی موقعہ پر حضرت عمر کا نام مذکور نہیں ہے۔ مگر علمائے اسلام نے مثل شارح دیوان مسمی علامہ عسکری۔ ابن اثیر صاحب نہایہ صفحہ ۲۵۵۔ مولوی عبد الحق محدث دہلوی صاحب اشعة اللمعات صفحہ ۳۳۶۔ مدارج النبوة صفحہ ۵۴۲ جلد ۲۔ صاحب معارج النبوت صفحہ ۳۴۲ رکن ۴۔ صاحب تاریخ روضة الاحباب صفحہ ۳۸۶ مطبوعہ انوار محمدی۔ امام غزالی صاحب سر العالمین صفحہ ۹ مطبوعہ بمبئی وغیرہ نے تصریح کردی ہے کہ منع کرنے والے تحریر سے اور آنحضرت کو ہذیان کی نسبت دینے والے حضرت عمر تھے۔ (مصنف غفرلہ)

کی ہے وہ کہتے ہیں کہ ابن عباس نے کہا کہ پنجشنبہ کا دن بھی کیا قیامت کا دن تھا کہ رسول خدا پر درد کی شدت ہوئی تو حضرتؐ نے فرمایا کہ لاؤ میرے پاس (قلم دوات کاغذ) تاکہ میں تمہیں ایسی تحریر لکھدوں جس سے تم اس کے بعد ہرگز کبھی گمراہ نہ ہو (یہ سنکر) لوگ جھگڑا کرنے لگے حالانکہ نبیؐ کے نزدیک جھگڑنا مناسب نہیں ہے تو لوگ کہنے لگے آپکا کیا حال ہے کیا یہ ہذیان ہے"! اسے پوچھو تو سہی" پس لوگ حضرت کے کلام کو رد کرنے لگے۔ حضرتؐ نے فرمایا مجھے چھوڑدو کیونکہ میں جس حالت میں ہوں وہ میرے لیئے اوس سے بہتر ہے جسکی نسبت تم میری طرف دیتے ہو۔ اس حدیث میں جملہ یوم الخمیس وما یوم الخمیس اور جملہ لن تضلوا[۲] بعدہ ابداً اور تنازعوا[۳] اور اہجر استفہموہ[۴] اور

اس حدیث کے چار لفظوں پر غور کرنا ضروری ہے

جملوا یردون علیہ قابل غور ہیں یعنے کہ ابن عباسؓ اس دن کی مصیبت کو سخت مصیبت فرماتے ہیں۔ وجہ اسکی یہ ہے کہ حضرت عمر اُس عظیم الشان اور جلیل القدر کام کو روک دیا جو ہمیشہ کے لیئے باعث ہدایت ہوتا اور چونکہ وہ کام رُک گیا اور رسول خدا وصیت نامہ نہ لکھوا سکے اس وجہ سے اُمت کے تہتر فرقے ہو گئے۔ جنمیں سے صرف ایک فرقہ ناجی نکلا اور باقی سب گمراہ اور ناری ہو گئے۔

چند وجوہ سے یہ فعل حضرت عمر کا نامناسب تھا

کس[۱] قدر افسوس کی بات ہے کہ حضرت عمر نے اسلام کے اتنے بڑے گروہ کی گمراہی کا مظلمہ اپنے سر لیا اور سب کو یکقلم اپنے اس فعل سے جہنم کا مستحق بنا دیا۔ دوسرے[۲] یہ کہ رسول خدا بیمار تھے اور تکلیف کی شدت حضرت پر تھی ایسے وقت میں ایک اہم کام کو آپ انجام دینا چاہتے تھے اُسوقت لوگونکو آپسمیں حضرت کے کلام پر جھگڑنا کیا ضروری تھا اوّل[۱] تو اس فعل سے خدا تعالیٰ کے کلام لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَکُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ کی مخالفت کی۔ دوسرے[۲] اِذَا تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَی اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ کی مخالفت کی کہ نزاع اور جھگڑا تو کر بیٹھے مگر اُسکا فیصلہ نہ خدا سے لیا نہ رسولؐ سے اور نہ کسی صاحب امر سے۔ تیسرے[۳] یہ کہ کیسی سختدلی کو اُسوقت ان لوگوں نے برتا جو ہرگز ایک ایسے بیمار کے مقابلے زیبا نہ تھی جو قریب بہ رحلت ہو۔ جس سے اوسکی دلشکنی ہو۔ اور جس سے اُس نے ان لوگوں کو اپنے پاس سے نکال دیا۔

چوتھے کتنی بڑی گستاخی کی کہ رسول کی نسبت ہذیان بکنی کہدی جو ہرگز اونکی شان میں مناسب نہ تھی پانچویں رسول کے کلام کو ہذیان بتایا باوجودیکہ خدائے تعالیٰ اون کے کلام کی اسقدر توقیر کرتا ہے کہ سورہ نجم میں ارشاد فرماتا ہے ما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحیٰ (رسول خدا اپنے خواہش نفس سے کچھ نہیں بولتے رکھتے) وہ وحی ہے جو اُن کے پاس بھیجی جاتی ہے) چھٹے۔ رسولؐ کے کلام کو رد کیا۔ حالانکہ خدا تعالیٰ بڑے زور سے حکم دیتا ہے ما اتاکم الرسول فخذوہ وما نہاکم عنہ فانتہوا۔ یعنے جو کچھ تم کو رسول دے یا سکھائے اور بتائے اوسکو لو اور جس امر سے منع کرے اُس سے باز رہو بالجملہ پانچویں مقام پر بخاری نے اسی باب میں اس روایت کو نقل کیا ہے کتاب المرضےٰ باب قول المریض صفحہ ۲۷ پارہ ۱۸ تیسیر القاری جسمیں تصریح ہے کہ فقال عمر ان النبی قد غلب علیہ الوجع وعندکم القرآن حسبنا کتاب اللہ فاختلف اہل البیت فاختصموا فمنہم من یقول قربوا یکتب لکم النبی کتاباً لن تضلوا بعدہ ومنہم من یقول ما قال عمر۔ ترجمہ اسکا یہ ہے۔ عمر نے کہا کہ نبی پر اسوقت درد غالب ہے اور تم لوگوں کے پاس قرآن موجود ہی ہمیں قرآن خدا کافی ہے۔ پس گھر کے اندر موجودہ اشخاص نے اختلاف کیا۔ پس تمام لوگ آپسمیں جھگڑنے لگے بعضے تو یہ کہتے تھے کہ لاؤ قلم دوات کاغذ کہ رسول اللہ تمہارے لیئے وہ چیز لکھدیں جسکے بعد تم لوگ گمراہ نہ ہو اور بعضے وہی بات کہتے تھے جو عمر نے کہی تھی۔

۷۔ کتاب الاعتصام بالکتاب والسنہ بابت کراہتہ الخلافت میں اسی روایت کو نقل کیا ہے۔

روایت مشکواۃ میں بھی حدیث قرطاس مروی ہے

(۲۲) نیز اسی حدیث کو کتاب مشکواۃ شریف میں بعد باب الکراہت اور قبل باب مناقب کے نقل کیا ہے۔ غرض یہ روایت ایسی معتبر و مستند ہے جس کا انکار کسی طرح ممکن نہیں۔

ابتدائے اختلاف اہل اسلام حضرت عمر کی وجہ سے ہوئی

(۲۳) اور جب یہ بات معلوم ہوگئی تو یہ بھی ثابت ہوگیا کہ ابتدا اختلاف اور اسلامی فرقوں کی تفریق کی اوسی روز بنیاد پڑ گئی تھی جبکہ حضرت عمر نے رسول اللہ کو آخری وقت وصیت نامہ لکھوانے دیا۔ اور اس سے پہلے جو حضرت نے اہلبیت اور قرآن دونوں سے تمسک کرنے کی ہدایت کی تھی اوسکو رد کر دیا۔ اور فرمادیا کہ حسبنا کتاب اللہ ہمیں تو کتاب خدا کافی ہے۔

(اور اہلبیتؑ کی پیروی اور انکا کہنا ماننا کچھ لازم نہیں ہے) جس سے دو فریق اُس مجمع میں ہو گئے - ایک تو وہ تھا جو حضرت عمر کے کہنے کو نہ مانتے تھے - اور کہتے تھے کہ رسولؐ کو وصیت نامہ لکھوانا چاہیئے - اور دوسرے وہ تھے جو حضرت عمر کے ہم رائے ہوئے -

دوسرا سبب اختلاف

(۲۴) اس کے بعد دوسرا سبب اختلاف خواہش ریاست[۱] و حکومت ہے جس کا ظہور اُس وقت ہوا جبکہ سقیفہ بنی ساعدہ میں اصحاب رسولؐ نے مجمع کیا اور جانشین رسول کا انتخاب شروع کر دیا - حالانکہ ابھی رسولؐ کی میت بے دفن پڑی تھی - اور سوائے چند آدمیوں کے جو آپ کے رشتہ دار تھے جنمیں علی ابن ابیطالبؑ بھی تھے آنحضرت کی نعش کے پاس کوئی نہ تھا یہانتک کہ حضرت کی نعش دفن بھی ہو گئی اور اصحاب و انصار شریک جنازہ و نماز نہ ہوئے - آخر کار یہ فیصلہ باہمی کر لیا کہ ابوبکر کو جانشین حضرت کا بنانا چاہیئے چنانچہ ایسا ہی ہوا -

اس اختلاف کا عظیم تر ہونا بیان عبدالکریم شہرستانی سے

(۲۵) یہ اختلاف ایسا ہے جسکو ملا عبدالکریم شہرستانی نے کتاب ملل و نحل ص۲۲ حاشیہ کتاب ملل و نحل بر حاشیہ ملل و نحل ابن حزم ظاہری مطبوعہ مصر میں یوں لکھا ہے - واعظم[۲] خلاف بین الامۃ خلاف الامامۃ اذ ما سل سیف فی الاسلام علیٰ قاعدۃٍ دینیۃٍ مثل ما سل علی الامامۃ فی کل زمان و سہل اللہ ذالک فی صدر الاول فاختلف المہاجرون والانصار فیہا وقالت الانصار منا امیرٌ ومنکم امیرٌ واتفقوا علیٰ رئیسہم - فی نفسی کلاما فی الطریق فلما وصلنا الی السقیفۃ اردت ان اتکلم فقال ابوبکر مہ یا عمر فحمد اللہ

[۱] جیسا کہ امام غزالی نے کتاب سر العالمین ص — طبع بمبئی میں بعد ذکر حدیث غدیر فرمایا ہے وہذا تسلیم و رضیٰ و تحکیم ثم بعد ہذا غلب الہوی بحب الریاسۃ وعقد البنود وخفقان الرایات وازدحام الخیول فی فتح الامصار وامر الخلافۃ ونہیہا فحملہم علی الخلاف فنبذوہ وراء ظہورہم واشتروا بہ ثمنا قلیلاً انتہی" یعنے ابوبکر و عمر وغیرہ کا بخٍ بخٍ لک کہنا اس بات کو بتاتا ہے کہ ان لوگوں نے جناب امیر علیہ السلام کی خلافت کو مان لیا تھا پھر خواہش ریاست و حکومت اور پھریروں کا باندھنا اور جھنڈوں کا لہرانا اور ملکوں کا فتح کرنا اور امر خلافت میں فوجوں کے ازدحام نے غلبہ کیا اور اُنکو مخالفت رسول کرنے پر آمادہ کر دیا - پس ان لوگوں نے قول رسول یا یہ کہ اپنی مبارکباد دینے کو پس پشت ڈالا اور اس کے عوض تھوڑی قیمت حاصل کی "

[۲] ترجمہ عبارت ملل و نحل - سب سے بڑا اختلاف اُمت میں امامت کے مسئلہ کا اختلاف ہے کیونکہ مذہبی قاعدہ پر کوئی تلوار ایسی نہیں

واثنی علیہ وذکر ما کنت اقدرہ فی نفسی کانہ یخبر عن غیب فقبل ان یشتغل الانصار فی الکلام مددت الیہ یدی فبایعتہ وبایعہ الناس وسکنت النائرۃ الا ان بیعۃ ابی بکر کانت فلتۃ وقی اللہ شرہا فمن عاد الی مثلہا فاقتلوہ فایما رجل بایع رجلاً من غیر مشورۃ من المسلمین فانہما تغرۃ ان تقتلا وانما سکتت الانصار عن دعواہم لروایۃ ابی بکر عن النبی الائمۃ من قریش وہذہ البیعۃ ہی التی جرت فی السقیفۃ ثم لما عاد الی المسجد انثال الناس علیہ وبایعوہ عن رغبۃ سوی جماعۃ من بنی ہاشم وابی سفیان من بنی امیۃ وامیر المؤمنین علی کرم اللہ وجہہ کان مشغولاً بما امرہ النبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم من تجہیزہ ودفنہ وملازمۃ قبرہ من غیر منازعۃ ومدافعۃ۔

(۲۶) اور جب یہ معاملہ اسطرح طے ہو گیا تو مسلمانوں کے دو فریق اُسوقت سے ہو گئے ایک تو وہ فریق رہا جو ابوبکر کی خلافت کو حق سمجھتا رہا۔ دوسرا وہ فریق ہُوا جو اہلبیت رسولؐ میں سے علی ابن ابیطالب علیہ السلام کو بچند وجوہ جنکا ذکر آگے آئیگا خلیفہ سمجھتا رہا اور یہی اختلاف بڑھتے بڑھتے اس حد کو پہونچا کہ شاخ در شاخ پیدا ہونے لگی۔ اور تہتر فرقوں کی نوبت آگئی۔

کبھی جیسے امامت پر ہر زمانمیں تلوار کھچی دیسے اس معاملہ میں سخت جنگ وجدل اسلام میں واقع ہوئی اور خدا تعالے نے اس امر کو صدر اول (ابوبکر کی خلافت) میں آسان کر دیا تھا۔ پس اس مسئلہ خلافت میں مہاجرین اور انصار نے اختلاف کیا انصار نے کہا کہ حاکم و بادشاہ ہم میں سے کسی شخص کو ہونا چاہیئے اور ایک تم میں سے۔ اور ان لوگوں نے اپنے سردار سعد بن عبادہ انصاری پر اتفاق کیا تھا مگر ابوبکر و عمر نے خواہ اونکی خبر لیلی کہ سقیفہ بنی ساعدہ میں آموجود ہوئے اور عمرؓ نے کہا کہ میں اپنے دلمیں ایک بات بنا رہا تھا۔ لیکن جب ہم دونو سقیفہ بنی ساعدہ میں پہونچ گئے تو میں نے چاہا کہ کچھ کلام کروں ابوبکر نے کہا چپ رہ اے عمر بس اس ابوبکر نے حمد و ثنا خداوند عالم کی ادا کی اور وہی باتیں کہی جو میں دلمیں ٹھہرا رہا تھا پس قبل اس کے کہ انصار گفتگو شروع کریں میں نے ہاتھ بڑھایا اور ابوبکر سے جھٹ بیعت کرلی اور لوگوں نے بھی اونکی بیعت کرلی اور شعلہ بیٹھ گیا۔ آگاہ ہو کہ ابوبکر کی بیعت ایک ناگہانی بات تھی اللہ نے اُس کے شر و فتنہ سے بچایا (ورنہ بڑا کشت و خون ہوتا) پس آئندہ جو شخص ایسا کرے (یعنی اسطرح چھین جھپٹ کی بیعت عمل میں لائے) اسکو قتل کرو کیونکہ جب کوئی مسلمان بغیر اور مسلمانوں کے مشورہ کے کسی کی بیعت کرلی تو وہ قتل کیے قابل ہے اور انصار صرف اس وجہ سے چپ ہو گئے کہ ابوبکر نے ایک روایت رسول خدا کی سنادی کہ امام قریش میں سے ہونگے اور یہ وہ بیعت تھی جو سقیفہ میں واقع ہوئی پھر جب مسجد رسولؐ میں سب لوگ آئے تو ابوبکر پر ٹوٹ پڑے اور اونکی بیعت کرلی سوائے بنی ہاشم کے اور بنی امیہ میں سوائے ابوسفیان کے (ان لوگوں نے ابوبکر سے اُسوقت بیعت نہ کی) اور علیؑ اُسوقت رسول اللہ کی تجہیز و تکفین میں مشغول تھے۔ جو رسول اللہ نے اونکو حکم دیا تھا۔ بغیر نزاع اور مقابلہ کے۔"

چوتھا مقدمہ

معاملہ امامت میں مسلمانوں کے اختلاف کا شمار

جب یہہ معلوم ہو گیا کہ سبب اختلاف یہہ خواہش ریاست وجاہ تھی جس نے رسول اللہ کے اُس ارشاد سے لوگونکو ہٹا دیا جسمیں تمسک بالثقلین کی ہدایت آپنے فرمائی تھی - یہہ بھی معلوم کر لینا چاہیئے کہ صرف معاملہ خلافت و امامت میں کتنے اختلاف مسلمانوں نے اختلاف اول کے بعد پیدا کیئے -

۱ پہلا اختلاف تو یہی پیدا ہوا کہ مسئلہ امامت آیا اصول دین کا مسئلہ ہے یا فروع دین کا مسلمانوں میں جو فرقہ امامیہ کہا جاتا ہے اُسکا تو یہہ خیال ہے کہ امامت کا مسئلہ اصول دین میں سے ہے - اسیوجہ سے یہہ لوگ اصول دین کو پانچ بتاتے ہیں - توحید[۱] خدا تعالی - عدل[۲] - نبوت[۳] - امامت[۴] - معاد[۵] - اور جو فرقہ اہل سنت کے نام سے مشہور ہے اُن کے علماء نے اس مسئلہ کو فروع دین کا مسئلہ بتایا ہے چنانچہ علامہ سعد الدین تفتازانی شرح مقاصد میں تحریر فرماتے ہیں کہ لا نزاع فی ان مباحث الامامۃ بعلم الفروع الیق یعنے اسمیں کوئی اختلاف نہیں ہے - کہ امامت کا مسئلہ فروع دین میں داخل کیئے جانے کے زیادہ لائق ہے -

۲ دوسرا اختلاف یہہ ہے کہ آیا امام کا معصوم ہونا ضروری ہے یا نہیں - جس فریق نے علی ابن ابیطالب علیہ السلام کو پہلا امام اور اون کے دونوں صاحبزادوان امام حسن اور امام حسین علیہم السلام کو دوسرا اور تیسرا امام اور پھر امام حسین ؑ کی اولاد میں سے یکے بعد دیگرے نو امام مانے ہیں - وہ تو امام کیواسطے عصمت کو لازم جانتے ہیں - کیونکہ یہہ بزرگوار بالاتفاق تمام گروہ اہل اسلام کے معصوم و محفوظ تھے - اور جبکہ انکو بیگناہ امام ہاتھ آتا تھا تو کیا ضرورت تھی کہ گناہگار و ظالم و فاسق و بت پرست کو امام مانتے -

اہل سنت کے نزدیک امام کے لیئے عصمت شرط نہیں

لیکن جس فریق نے حضرت ابوبکر و عمر وغیرہم کو امام و خلیفہ مانا ہے ان لوگوں کے نزدیک امام کی عصمت شرط نہیں - کیونکہ یہہ بزرگوار قطعاً معصوم نہ تھے بلکہ انکا بہت بڑا زمانہ قبل اسلام کے پہلے بت پرستی میں گذر چکا تھا اور ظاہر ہے کہ جو شخص بت پرست رہ چکا ہو

اور اتنے بڑے گناہ کا ایک مدت تک مرتکب ہو چکا ہو وہ کیونکر معصوم ہو سکتا ہے - علیٰ ہذا القیاس ازبسکہ اور بادشاہان بنی اُمیہ و بنی عباسیہ چونکہ عموماً شرابخور و ظالم لہو و لعب میں عمر بسر کرنے والے تھے اوصاف رذیلہ سے متصف تھے وہ کس طرح معصوم نہیں کہے جا سکتے تھے اسوجہ سے ضرور ہوا کہ امام کے واسطے معصوم ہونا لازم نہ سمجھا جاوے - ورنہ یہ لوگ امام نہیں مانے جا سکتے تھے - اور یہ بات خلاف مقصود تھی اسلیئے اس شرط ہی کو حذف کردیا -

امامت میں تیسرا اختلاف

تیسرا اختلاف یہ ہے کہ آیا امام خدا اور رسول کا مقرر کردہ اور منصوص ہونا چاہیے یا نہیں امامیہ فرقہ نے چونکہ اپنے اماموں کے متعلق نصوص صریحہ پائے ہیں اسلیئے نص کو لازم جانا ہے اور اہلسنت نے چونکہ اپنے خلفاء کو اجماع و شوریٰ کے ذریعہ سے منتخب کیا ہے اور اُنپر کوئی نص رسول یا خدا کی طرف سے نہیں ہے اسوجہ سے ان لوگوں نے منصوص ہونے سے انکار کردیا ہے -

امامت میں چوتھا اختلاف

چوتھا اختلاف یہ ہے کہ امامیہ فرقہ اس امر کا قائل ہے کہ امام کو اپنے زمانہ کے تمام جن وانس سے ہر صفت میں افضل ہونا چاہیئے - چنانچہ یہ لوگ اپنے اماموں کے متعلق ان باتوں کو ثابت کرتے ہیں اور تواریخ و احادیث سے ثبوت دیتے ہیں کہ جن سے انکی افضلیت ثابت ہوتی ہے - اور اہلسنت کا گروہ اس بات کا قائل ہے کہ خلیفہ کو افضل ہونا کچھ ضروری نہیں ہے کیونکہ اون کے خلفائے علم و عمل وغیرہ اوصاف میں اپنے زمانہ کے موجودہ اشخاص سے بھی بہت کم تھے - جیسا کہ اہل سیر و تواریخ نے صاف لکھدیا ہے اور آئندہ بھی اس کتاب میں معلوم ہوگا -

پانچواں اختلاف اسلامیوں کا یہ ہے کہ آیا امام کے لازم ہے کہ وہ شریف خاندان کا ہے - یا

امامت میں پانچواں اختلاف

اُس کا شریف ہونا ضروری نہیں - جمہور اہلسنت تو شریف ہونے کو تسلیم کرتے ہیں اسلیئے کہ وہ ایک حدیث پیش کرتے ہیں کہ رسول خدا نے فرمایا لایزال اُمتی قائماً حتی یمضی اثنا عشر خلیفۃً کلھم من قریش " برابر میری اُمت کا حال درست رہیگا جبتک کہ بارہ خلیفہ گذر نیگے اور وہ سب قبیلہ قریش سے ہونگے - اور چونکہ قریش کا قبیلہ تمام قبیلوں سے اشرف مانا گیا ہے اور رسول نے خلفاء کا قریش سے ہونا لازم بتایا ہے - اسلیئے اسکی ضرورت سمجھی گئی - لیکن خوارج اور اکثر معتزلہ امام کیواسطے

شریف ہونے کو لازم نہیں سمجھتے۔

امامت میں چھٹا اختلاف

چھٹا اختلاف یہ ہے کہ امام کا مقرر کرنا آیا لازم ہے یا نہیں۔ اگر لازم ہے تو کس پر۔

شیعہ امامیہ کا اعتقاد یہ ہے کہ امام کا مقرر کرنا خدا اور رسولؐ پر لازم ہے۔ اور یہ لوگ اپنے دعوے پر عقلی اور نقلی دلیلیں بھی پیش کرتے ہیں۔ جمہور اہلسنت اور اکثر معتزلہ کی یہ رائے ہے کہ عقلاً اُمت پر امام کا مقرر کرنا لازم نہیں ہے۔ مگر چونکہ امام کے متعلق قرآن مجید میں ذکر آیا ہے اس وجہ سے بدلیل سمعی اوسکی تقرری اُمت پر لازم ہے۔

۳ معتزلین میں ایک گروہ کا یہ بھی اعتقاد ہے کہ عقلاً اُمت پر اوسکی تقرری لازم لازم ہے۔

۴ طائفہ نجدیہ اور خوارج کا یہ اعتقاد ہے کہ ہرگز امام کا مقرر کرنا نہ خدا پر لازم ہے نہ اُمت پر۔

۵ ابوبکر اصم کی یہ رائے ہے کہ جسوقت دنیا میں عدل و انصاف جاری ہو اُسوقت تو امام کی تقرری لازم نہیں ہے ہاں اگر فتنہ و فساد قائم ہو تو اُسکے رفع کرنے کے واسطے خلیفہ بنا لینے کی ضرورت ہے۔

۶ بعض کی یہ بھی رائے ہے کہ فتنہ و فساد کے واسطے امام کی تقرری لازم نہیں ہے کیونکہ ایسے وقت میں اوسکی جان کا ہر وقت خوف رہیگا۔ لیکن امن کے زمانہ میں خلیفہ کا مقرر کرنا اُمت پر ضروری ہے۔

امامت میں ساتواں اختلاف

ساتواں اختلاف اسلام میں یہ ہے کہ امام کا تقرر اور اوسکی امامت کا انعقاد کیونکر ہو سکتا ہے ۱ شیعہ امامیہ تو قائل ہیں کہ جسپر خدا و رسول نے نص کر دیے ہیں اور جنکی خوبی و صلاحیت و علم و تقوے و حلم و شجاعت و شرافت ذات و صفات کو جانچ کر امامت کے لیے کر دیا ہے وہی امام ہو سکتا ہے۔ اور اس مطلب پر یہ لوگ دلیل نقلی ہی بیسیوں پیش کرتے ہیں جو واقعی صحیح و قابل تسلیم ہیں۔

۲ زیدیہ فرقہ نے دعوت سے بھی امام کا انعقاد مانا ہے یعنے کہ جو ہاشمی قبیلہ کا آدمی تلوار لیکر اُٹھا اور خروج کیا اور لوگونکو اپنی امامت کی طرف دعوت کی وُہی امام ہے خواہ اُسپر خدا و رسول کی طرف سے نص ہو یا نہ ہو۔ اور خواہ اُمت نے اُسپر اتفاق کیا ہو یا نہ کیا ہو۔

۳ اہلسنت کا فرقہ اس بات کا قایل ہے کہ اہل حل و عقد کے اختیار و اتفاق سے امامت کا انعقاد ہوتا ہے یعنے کہ وہ شخص امام ہو سکتا ہے جسے اہل حل و عقد امام بنا دیا ہو خواہ خدا و رسول کی نص اوس کے متعلق

ہو یا نہ ہو - اور اکثر شوریٰ اور قہر و غلبہ اور استخلاف کو بھی موجب انعقاد امامت مانتے ہیں جیسا کہ شاہ ولی اللہ دہلوی نے ازالۃ الخفا میں پانچ طریقے امامت کے مانے ہیں - ۱ اجماع اُمت جیسے لوگوں نے اتفاق کرکے ابوبکر کو خلیفہ بنالیا - ۲ استخلاف جیسا کہ ابوبکر نے عمر کو خلیفہ بنادیا - ۳ شوریٰ جیسا کہ عمر نے مرتے وقت اس معاملہ کو چھ آدمیوں کے مشورہ پر چھوڑدیا - ۴ قہر و غلبہ مع قابلیت جیسا کہ معاویہ نے قہر و غلبہ سے سلطنت حاصل کی - ۵ قہر و غلبہ بلا قابلیت جیسا کہ مروان بن حکم نے سلطنت حاصل کی تھی - غرض یہہ لوگ جن جن طریقوں سے بادشاہ ہوئے اُن اُن طریقوں کو انعقاد امامت کا ایک طریقہ مقرر کرلیا گیا ورنہ ان قاعدوں کی بنیاد کچھہ قرآن و حدیث کے رو سے نہیں ہے -

امامت میں آٹھواں اختلاف

آٹھواں اختلاف یہہ ہے کہ رسول اللہ کے بعد اگر کوئی امام ہو تو کون ہو ؟

(۱) اہل سنت کا فرقہ عام طور پر قائل ہے کہ ابوبکر کو از بسکہ چند آدمیوں نے منتخب کرکے خلیفہ بنالیا تھا - اس لیئے وہ آنحضرتؐ کے خلیفہ ہیں -

(۲) امامیہ فرقہ اس امر کا قائل ہے کہ چونکہ رسول خداؐ نے مقام خم غدیر میں حضرت علی ابن ابیطالب علیہ السلام کو اپنا خلیفہ مقرر کیا تھا اسلیئے وہ خلیفہ اول ہیں -

خلاصہ یہہ کہ اسلامی فرقوں کے درمیان صرف مسئلہ امامت ہی میں اسقدر اختلاف ہے - باقی اور اُمور اختلافی تو بالائے طاق رہے جنکا حصر و شمار بھی دشوار ہے -

پانچواں مقدمہ

ضرورت امام کے متعلق

ضرورت امام کے متعلق جہانتک غور کیا جاتا ہے اور عقل سے کام لیا جاتا ہے معلوم ہوتا ہے کہ امام کا ہونا ہر زمانہ میں ضروری ہے - اور امام سے مراد ہدایت کرنے والے ہیں - اسوجہ سے کہ خداوند تعالیٰ نے جو آدمیوں کو پیدا کیا ہے تو انکو مہمل نہیں چھوڑا ہے اُن کے متعلق کچھہ کام بھی کیئے ہیں - جیسا کہ خود ہی فرماتا ہے

ماخلقت الجن والانس الا لیعبدون ما اُرید منہم من رزق وما ارید ان یطعمون - یعنے کہ میں نے انسان کو اور جنات کو صرف عبادت ہی کے واسطے پیدا کیا ہے میں اُن سے

کچھ روزی نہیں مانگتا اور نہ چاہتا ہوں کہ وہ مجھے کھانا کھلائیں - مطلب یھہ ہے کہ میں نے اپنی ذات کو فائدہ پہونچانیکیواسطے آدمیوں اور جنوں کو نہیں پیدا کیا ہی بلکہ غرض اون کے پیدا کرنے سے صرف عبادت ہی - اور عبادت سے مراد احکام خدا کی تعمیل ہے - خواہ وہ احکام نماز[۱] و روزہ[۲] و حج[۳] و زکواۃ[۴] و خمس[۵] و جہاد[۶] کے متعلق ہوں خواہ معاملہ کے تمدن کے متعلق ہوں معاملہ اخلاق کے متعلق - اور جب یھہ بات ضروری ہی کہ بندگان خدا پر عبادت پروردگار عالم فرض ہے تو عقلاً لازم ہے کہ کوئی شخص اُن احکام کے بتلانے والا اور سکھانیوالا بھی ہونا چاہیئے کیونکہ بغیر سیکھنے اور بکہانے کے خدائی احکام کسی کو کیونکر معلوم ہو سکتے ہیں -

خدانے ہر زمانہ میں ایک ایک ہادی مقرر کیا جسکے مختلف نام ہیں

(۲۸) اس وجہ سے خدا تعالیٰ نے ایک ایک شخص کو ہمیشہ ہدایت کرنیوالا اپنی طرف سے مقرر کیا ہی - کبھی خلیفہ[۱] کے نام سے نامزد کیا ہی - جیسا کہ آدمؑ اور داؤدؑ کو خلیفہ بنایا ہی - چنانچہ فرماتا ہے آدم کی نسبت اذ قال ربک للملائکۃ انی جاعلٌ فی الارض خلیفہ اور حضرت داؤدؑ کے متعلق فرمایا ہی یا داؤد انا جعلنٰک خلیفۃ فی الارض اور کبھی اس ہدایت کرنیوالیکو امام[۲] کے نام سے نامزد کیا ہے جیسا کہ حضرت ابراہیمؑ کو امام فرمایا ہے چنانچہ انکی نسبت ارشاد کیا ہے اِنّی جاعلک للناس اماما اے ابراہیم میں تم کو لوگوں کا امام بنانے والا ہوں - اور نیز اکثر بنی اسرائیل کی نسبت فرمایا ہے وجعلنا ہم ائمۃ یہدون بامرنا ہمنے اُن میں سے امام بنائے جو ہمارے حکم کے مطابق ہدایت کرتے تھے -

اور کبھی اُس ہدایت کرنیوالیکو رسول[۳] سے تعبیر کیا ہی جیسا کہ آخری پیغمبر کی نسبت فرماتا ہے یَا اَیُّہَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَا اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ اے رسول پہونچادی اُس حکم کو جو تجھپر اُتارا گیا ہی - اور فرمایا ہے - مَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِہِ الرُّسُلُ نہیں ہے محمدؐ مگر رسول اُس سے پہلے بہت رسول گذر چکے ہیں - وغیرہ ذالک جو بیشمار مقام پر قرآن مجید میں مذکور ہے -

اور کبھی نقیب[۴] کے نام سے موسوم فرماتا ہے چنانچہ فرماتا ہے وبعثنا منہم اثنے عشر نقیبا ہم اُن بنی اسرائیل میں بارہ نقیب مبعوث کیئے -

اور کبھی[۵] اسباط سے تعبیر کی ہی جیسا کہ ارشاد ہوا ہی وبعثنا منہم اثنی عشرۃ اسباطاً اُمماً یعنی ہم نے

اُنمیں سے بارہ سبط جو ہر ایک بجائے بارہ اُمت کے تھا مبعوث کیا۔

اور کبھی بعض ہادیوں کو نبی کے نام سے نامزد کیا ہی جیسا کہ اکثر ہادیوں کے بابمیں قرآن مجید ظاہر فرماتا ہی چنانچہ نقل قول حضرت عیسیٰ میں فرماتا ہے قال انی عبد اللہ آتانی الکتاب وجعلنی نبیاً کہا عیسیٰ نے مین بیشک خدا کا بندہ ہوں اُس نے مجھکو کتاب دی اور نبی مقرر کیا۔ اور حضرت ہارون کے متعلق فرماتا ہی ووھبنا لہ من رحمتنا اخاہ ہارون نبیا اور ہمنے اوسکو اپنی رحمت سے اُس کے بھائی ہارون کو نبی بخشا۔ اور حضرت ادریس کی نسبت فرماتا ہی واذکر فی الکتاب ادریس انہ کان صدیقاً نبیا۔ اور ای ہمارے رسول یاد کر کتاب میں ادریس کے وہ صدیق نبی تھا۔ اور حضرت اسحاق ویعقوب کی نسبت فرماتا ہے ووھبنا لہ اسحٰق ویعقوب وکلاً جعلنا نبیا۔ ہم نے اُس (ابراہیم) کو بخشا اسحٰق اور یعقوب اور ہر ایک کو نبی بنایا۔

غرض اسیطرح اور بہت سے ہادیوں کی نسبت نبی کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔ خلاصہ یھ کہ عہد رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ تک ابتدائے خلقت بنی آدم سے ایک ایک ہدایت کرنیوالا ضرور رہا ہے جو عوام الناس تک حکم خدا کی تبلیغ کرتا اور انکو اخلاقی اور تمدنی تعلیمیں دیتا رہا ہی۔ پس کوئی وجہ نہیں کہ بعد رسولخدا کے کوئی ہادی دنیا میں مبعوث نہ کیا جائے۔ جو احکام الٰہی کو خلق تک پہونچائے۔

رسولخدا کے بعد دنیا میں امام کا ہونا لازم ہے

(۲۹) اگرچہ اس معاملہ پر کہ رسول اللہ کے بعد بھی امام وخلیفہ کا ہونا لازمی ہی بہت سی دلیلیں عقلی موجود ہیں۔ مگر یہانپر صرف تین چار دلیلیں ذکر کیجاتی ہیں۔

دلائل ضرورت امام میں سے پہلی دلیل۔

(۱) ایک یھ کہ جو ضرورت ہر زمانہ میں ہادی کے موجود ہونیکی رہی ہی جسکی وجہ سے ہمیشہ انبیاء ورسل مبعوث ہوتے رہے ہیں وہی اب بھی موجود ہی یعنے عوام الناس کا احکام الٰہیہ سے ناواقف ہونا اور پھر محکوم عمل علیٰ حد جزم بھی رہنا۔ کیونکہ ہر شخص جانتا ہی کہ میں بیفائدہ پیدا نہیں کیا گیا ہوں بلکہ غرض میرے پیدا ہونے سے یھ ہے کہ خدا تعالی کی عبادت کروں اور اُسکے ارشادات کی تعمیل کروں لیکن چونکہ وہ ناواقف ہے اسلیئے بغیر معلّم کے واقف نہیں ہو سکتا پس جسطرح اگلے زمانمیں اسی ضرورت کے رفع کرنے کے واسطے انبیاء مبعوث ہوئے تھے اوسیطرح اب بھی وہ ضرورت باقی ہے لہذا خدا تعالیٰ پر فرض ہی کہ وہ مثل زمانۂ سابق کے ہم میں بھی ہادی مقرر کرے جو رسول اللہ کے تعلیمات اور

قرآنی احکام کو ہم تک پہونچائے۔ رہی یہ بات کہ رسول وانبیاء کا سلسلہ رسول اللہ تک ختم ہوگیا
اسلیئے ان کے بعد جو ہادی ہو اوکو رسول نہ کہا جائیگا بلکہ کسی اور نام سے مثل خلیفہ امام کے نامزد ہوگا۔

دوسری دلیل ضرورت امام پر

(۳۰) دوسری دلیل یہ کہ رسول اللہ جس شریعت کو ہم پر چھوڑ گئے ہیں
اوسکا کوئی نہ کوئی حافظ بھی ضرور ہونا چاہیئے ورنہ از بسکہ دنیا میں اہل غرض بہت ہوتے ہیں جیسا کہ مشاہدہ
سے معلوم ہوا ہی تو ممکن ہی کہ اُس شریعت میں کمی بیشی کردیں جس سے نقص شریعت لازم آئی چنانچہ اُسوقت
بھی کثرت سے منافق موجود تھے۔ جیسا کہ قرآن بتارہا ہی۔ اور یہ بات باوجود امکان تقرری کسی حافظ کے
نہایت قبیح ہی اور عقل کے خلاف کہ شریعت کو برباد ہوتے ہوئے دیکھا جائے اور پھر بھی اوسکی حفاظت کیلئے کوئی
شخص مقرر نہ کیا جائے۔

ضرورت امام پر تیسری دلیل

(۳۱) تیسری دلیل۔ دنیا میں ہر زمانہ میں منازعات و مخاصمات ہوتے رہتے ہیں۔
جیسا کہ بداہۃً اور مشاہدہ سے معلوم ہے لہذا بالضرور خدائیتعالیٰ کی طرف سے کوئی ایسا شخص مقرر ہونا چاہیئے جسکی
طرف لوگ اپنے معاملات کے تصفیہ کی غرض سے رجوع کرسکیں اور وہ حق کے موافق اونکے درمیان فیصلہ کرسکے۔

ضرورت امام پر چوتھی دلیل

(۳۲) چوتھی دلیل۔ رسول نے دنیا میں بہت تھوڑے دنوں زندگی کی چالیس
برس کی عمر تک تو آپ مبعوث برسالت ہی نہ ہوئے تھے اور جب ہوئے تو ایک بڑا زمانہ حضرت کو نہایت
خوف و تکلیف و قیدوں کوہ میں بسر ہوا۔ اُسپر کفار قریش کا مخالف ہونا اور نشر احکام الٰہیہ میں سدراہ بننا
جو بہت مشہور اور واضح امر ہے پھر اسکے بعد جب آپ کو کسی قدر اطمینانی حالت حاصل ہوئی تو اکثر مجاہدات
میں زمانہ گذرا اگرچہ ابحالتیں بھی آپنے بہت کچھ تبلیغ رسالت کردی۔ مگر چونکہ نبوت سے گیارہ برس بعد آپکی
وفات ہوگئی اس وجہ سے جیسا چاہیئے تھا عام طور پر تمام عالم میں ویسا ہی طریقے سے تبلیغ نہ ہوسکی۔ لہذا
بعد حضرت کے کسی شخص کو حضرت کا قائمقام ایسا ہونا چاہیئے کہ جو اُس کمی کو پورا کرے۔ اور جن زحمتوں سے
حضرت نے اسلام کو پھیلایا تھا اُسکو تکمیل تک پہونچادے۔

پانچویں دلیل ضرورت امام پر

(۳۳) پانچویں دلیل احکام خدا کے حاصل کرنے کے صرف دو ذریعے ہیں۔ ایک کتاب خدا
جسے قرآن مجید کہتے ہیں۔ دوسرے احادیث رسول۔ قرآن مجید کی تو یہ حالت ہے کہ اُسکے آیات دو قسم کے

ہیں ایک محکم دوسری متشابہ - جو آیات متشابہ ہیں اونکا سمجھنا تو عام آدمیوں کا کام ہی نہیں - جیسا کہ ہر عاقل آدمی سمجھتا ہے - رہی محکمات وہ بھی اسقدر مجمل ہیں کہ بغیر ایک وسیع تفصیل و تفسیر کے حل نہیں ہو سکتے - اب اگر کوئی شخص اُن آیات کا مفسر خدا تعالیٰ کا مقرر کردہ نہ ہوگا جو اُن آیات کی حقیقت اور واقعی اُن کے مطالب سے واقف ہو تو ہرگز مطالب قرآن اور احکام الٰہیہ معلوم نہیں ہو سکتے - پھر اس قرآن مجید کا ہم میں ہونا ہی بیکار ہے کیونکہ جب اُس کے مطالب سے حقیقی طور پر فائدہ مند ہی نہیں ہو سکتے تو اُس کے موجود ہونیکا ہم میں کیا نتیجہ -

رہے احادیث رسولؐ اونکی حالت یہ ہے کہ اون کے نقل میں رواۃ احادیث نے اسقدر اختلاف کیا ہے کہ کسی قول پر اعتماد نہیں ہو سکتا پھر آخر احکام خدا کیونکر معلوم ہو سکتے ہیں - سوائے اس کے کہ تسلیم کیا جاوے کہ کوئی نہ کوئی شخص سچی حدیثیں اور سچے احکامات بتانیوالا ضرور خدا کی طرف سے مقرر ہونا چاہیئے - جو ہم تک تعلیمات واقعیہ خدا تعالیٰ کے پہونچائے -

چھٹی دلیل ضرورت امام کی

(۳۴) چھٹی دلیل اگر کسی زمانہ میں ہدایت کرنے والا موجود نہ ہو اور اُس زمانیکے لوگ خدائی احکام کی تعمیل یکقلم ترک کر دیں اور بروز قیامت اُن لوگوں سے پروردگار عالم سوال کرے کہ تم نے عبادات کیوں ترک کیں ہمارے احکام پر کیوں نہ عامل ہوئے تو وہ کہہ سکینگے کہ از بسکہ ہم ناواقف تھے اور بہ سبب ناواقفیت کے ترک عبادات کیا تو اسوقت خدا تعالیٰ ہرگز اُن سے مواخذہ نہیں کر سکتا - کیونکہ اُس نے خود ہی ہدایت کا فرض پورا کرنے میں کوتاہی کی - حالانکہ یہ الزام اُسپر عائد نہیں ہو سکتا - اور اگر واقعی اُس نے اس الزام اُٹھانے کے قابل کام کیا اور کوئی ہادی کسی زمانہ میں مقرر نہ کیا تو بیشک خلاف عقل کام کیا - لیکن وہ جل ذکرہ و عز اسمہٗ علیم و حکیم ہے اُس سے ہرگز خلاف عقل کوئی کام نہیں ہو سکتا اور نہ وہ ظالم ہے پس ضرور ہوا کہ ہر زمانہ میں اوسکی طرف سے کوئی شخص ہدایت کرنیوالا موجود رہے تاکہ اوسکا قول لیہلک من ہلک عن بینۃ و یحیی من حیّ عن بینۃ درست رہے اور جب کہ ہر زمانہ میں ایک ہادی کا ہونا ضروری ہوا تو کیا وجہ کہ اس زمانے میں یعنی بعد جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ و آلہ کے کوئی ہدایت کرنے والا خدا کی طرف سے موجود نہ ہو - اگر اسوقت کوئی ہدایت

کرنیوالا موجود نہیں ہے تو وہی اعتراض عاید ہوتا ہے لہذا ضروری ہوا کہ اس وقت بھی کوئی نہ کوئی ہادی موجود ہو اور وہ نہیں ہے مگر وہی جسکی نسبت ختمی مرتبت نے بتصریح حدیث ثقلین میں فرمایا ہے کتاب اللہ وعترتی اہلبیتی اور یہ کہ لن یفترقا حتی یردا علی الحوض یعنے دو ہادی تمہارے لیئے چھوڑے جاتا ہوں ایک کلام اللہ اور ایک اپنی اہلبیتؑ - اور یہ کہ وہ دونو ایک دوسرے سے جدا نہ ہونگی جبتک میرے پاس حوض کوثر پر وارد نہ ہوں - پس اگر یہ کہا جائے کہ اہلبیت میں کوئی ہدایت کرنیوالا موجود نہیں ہے تو قرآن واہلبیت کا جدا جدا ہونا لازم آتا ہے اور رسول کا ارشاد غلط ٹھیرتا ہے - حالانکہ رسول کا ہر قول مثل قول خدا صحیح ہے ہرگز غلط نہیں ہو سکتا - لہذا یہ بھی ماننا ضرور ہوگا کہ جسطرح قرآن مجید ہدایت کے لیئے ہم میں موجود ہے اوسیطرح اہلبیتؑ میں بھی ایک ایک شخص ہدایت کے لیئے اب بھی موجود ہے اور نہیں ہے وہ مگر

جناب مہدی آخر الزمان علیہ الصلواۃ فی کل آن

چھٹا مقدمہ

امام میں کیا کیا شرطیں اور اُنکے اوصاف کیسے ہونے چاہئیں

(۳۵) امام یا خلیفہ جو کسی نبی کی نیابت میں کام کرتا ہے ضرور ہے کہ اُسمیں کچھہ شرائط بھی پائے جائیں - ازبسکہ وہ رسولؐ کے بعد دین کی حفاظت کرنیوالا احکام خدا کا پھیلانیوالا اُمت کے معاملات کا نگران منازعات عامۃ الناس کا فیصلہ کرنیوالا ہے لہذا اُسمیں بھی وہی شرائط پائے جانے ضروری ہیں - جو رسولؐ میں موجود ہوتے ہیں - مثلاً علم[۱] عصمت[۲] - نص الٰہی یا نص رسول[۳] معجزہ[۴] - شرافت نسب[۵] - شرافت حسب[۶] حسن اخلاق ظاہریہ و باطنیہ[۷]

علم کی صفت امام میں ہونی ضروری ہے

علم کی شرط تو اسوجہ سے ہے کہ اگر امام یا خلیفہ جاہل ہوگا تو وہ بیرے کہ خود گم است کرا رہبری کند - کا مصداق ہو جائیگا - جب وہ بیچارہ احکام خدا سے خود ہی ناواقف ہوگا تو دوسروں کو کیا ہدایت کر سکیگا اور ضرورت کے موقعہ پر کس قوت کے ذریعے سے امر بالمعروف نہی عن المنکر کر سکیگا -

علم کی ضرورت پر قرآنی مثالیں

(۳۶) اسی وجہ سے ہادی کو عالم ہونا بھی لازم ہے خدا تعالیٰ نے اپنے ہر خلیفہ کو جسکو وہ [illegible] مبعوث کیا

علم کی صفت پہلے اُسے عنایت فرمائی۔ ملاحظہ ہو کہ آدم علیہ السلام جو بنا بر آیہ اِنّی جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً کے خدا تعالیٰ کے پہلے خلیفہ ہیں۔ اونکی نسبت وہ فرماتا ہی وَعَلَّمَ آدَمَ الْاَسْمَآءَ کُلَّھَا یعنے خدا نے آدم کو تمام اسم تعلیم کر دیئے۔ آخر یہ کیوں۔؟ اس لیئے تاکہ لوگونکو تعلیم دیسکیں۔ اور نیک و بد کی معرفت کے بعد خود بھی اُن کے عامل بن سکیں۔ اور دوسرونکو اُنکا عامل و محترز بنا سکیں۔ ورنہ کیا ضرورت تھی کہ اُنکو تمام اسماء تعلیم فرمائے گئے۔ پھر حضرت خضر علیہ السلام کی نسبت فرماتا ہی وعلمناہ من لدنا علما ہمنے اُسے اپنے پاس سے علم عنایت کیا تہا اور اُسے تعلیم دی تھی۔ پھر حضرت یحییٰؑ کی نسبت فرماتا ہی وآتیناہ الحکم صبیا۔ اور ہمنے اونکو بچپنے ہی میں حکمت دی تھی۔ پھر حضرت عیسیٰؑ کے قول کی نقل فرماتا ہی انی عبد اللہ آتانی الکتاب وجعلنی نبیا واوصانی بالصلوۃ والزکوۃ ما دمت حیا۔ بیشک میں خدا تعالیٰ کا بندہ ہوں جھکو اُس نے کتاب دی اور مجھہ کو نبی بنایا اور مجھے نماز و زکواۃ کی وصیت کی کہ جبتک میں جیتا رہوں اونکا پابند رہوں۔ پھر حضرت لوط کی نسبت فرمایا ہی ولوطا آتیناہ حکما وعلما سورۃ انبیاء۔ اور لوط کو ہم نے حکمت و علم دیا۔ پھر حضرت سلیمان کی نسبت فرماتا ہی وداؤد وسلیمان اذ یحکمان فی الحرث اذ نفشت فیہ غنم القوم وکنا لحکمھم شٰھدین ففھمناھا سلیمان وکلا آتینا حکما وعلما۔ داؤد و سلیمان جبکہ زراعت کے معاملہ میں فیصلہ کر رہے تھے جبکہ قوم کی بھیڑوں نے اسکو کہا لیا تھا اور ہم اُس کے فیصلہ کو سُن رہے تھے تو ہمنے سلیمان کو فیصلہ کا طریقہ سمجھا دیا اور ان دونو کو ہم نے حکمت و علم عطا کیا تہا۔“ پھر حضرت ابراہیم کی نسبت فرماتا ہے ولَقَدْ آتَیْنَا اِبْرَاھِیْمَ رُشْدَہٗ مِنْ قَبْلُ وَکُنَّا بِہٖ عَالِمِیْنَ۔ ابراہیمؑ کو ہمنے اُنکا رشد عنایت کیا تھا پہلے ہی سے اور ہم اُس کے عالم تھے۔ پھر حضرت موسیٰؑ و ہارونؑ کی نسبت فرماتا ہی وَلَقَدْ آتَیْنَا مُوْسیٰ وَھَارُوْنَ الْفُرْقَانَ وَضِیَآءً وَّذِکْرًا لِّلْمُتَّقِیْنَ ہمنے موسےؑ و ہارونؑ کو فرقان اور روشنی (یعنے علم) اور متقین کے لیئے ذکر (یاددہانی) عطا کی۔ پھر حضرت ختمی مرتبت کی نسبت فرمایا ہی وَاَنْزَلَ اللّٰہُ عَلَیْکَ الْکِتَابَ وَالْحِکْمَۃَ وَعَلَّمَکَ مَا لَمْ تَکُنْ تَعْلَمُ۔ (سورہ نساء جزو ۵ رکوع ۱۴) خدا نے تمپر کتاب اور حکمت نازل کی اور جو تمہیں معلوم نہ تھا وہ بتایا۔“ پھر حضرت ہی کی نسبت فرماتا ہی۔ مَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی عَلَّمَہٗ شَدِیْدُ الْقُوٰی ذُوْ مِرَّۃٍ (سورہ نجم) وہ اپنے دل سے کچھ نہیں کہتا

وہی کہتا ہے جو اُسپر وحی ہوتی ہے۔ اُسے شدید قوتوں والے نے تعلیم دی ہے" پھر فرماتا ہے اقرأ وربک الاکرم الذی علم بالقلم علم الانسان مالم یعلم (سورۂ قلم) اے رسول پڑھو اور تمہارا رب کریم وہ ہے جس نے قلم سے تعلیم کی (یا قلم کو تعلیم کی) اور انسان کو وہ کچھ تعلیم کیا جس سے وہ ناواقف تھا۔

الغرض یہ تمام خلفائے خدا اسی غرض سے متصف بہ صفت علم کیئے گئے تھے کہ ہدایت کا کام پورے طور سے انجام دیسکیں لہذا اُن خلفاء اللہ کو بھی جو کہ اونکی نیابت کا فرض پورا کریں۔ اسی صفت سے متصف ہونا چاہیئے ورنہ ہدایت ناممکن ہے۔

امام کو معصوم ہونا ضروری ہے
اوس کی پہلی دلیل

عصمت ۔ یعنی گناہوں سے ہر طرح محفوظ ہونا اسوجہ سے ضروری ہے کہ اگر ہادی میں یہ صفت نہ ہو گی تو جھوٹ بھی بول سکیگا خود غرضی سے احکام خدا میں تبدیلی بھی کر سکیگا احکام خدا کے پہونچانیں سستی کو بھی دخل دیسکیگا یا طمع سے احکام خدا کو کچھہ کا کچھہ بتا سکیگا یا اُسے بھول چونک بھی ہوسکیگا۔ حالانکہ یہ تمام باتیں خدائی احکام کے صحیح طور پر خلق اللہ تک مضر ہیں۔ پہلا ایک عقلمند آدمی کس طرح غیر معصوم کی باتوں پر اعتماد یا اوسکا اعتبار کر سکیگا جبکہ اوس کو معلوم ہوگا کہ یہ ہمارا ہادی جھوٹ بھی بول سکتا ہے خود غرضی بھی کر سکتا ہے اسے سہو و نسیان بھی ہوسکتا ہے اور جب اُسے اوسکی باتوں کا اعتبار نہ ہوگا تو اُس کے بتائے ہوئے احکام پر اطمینان کے ساتھ عمل کیونکر کریگا۔ علاوہ اسکے جب ہدایت کرنیوالا بھی معصوم نہ ہوگا اور اُمت بھی معصوم نہوگی تو ایسے ہدایت کرنیوالیکی وقعت ہی لوگوں کے دلونمیں کیونکر پیدا ہوگی؟ اور جب اسکی وقعت وعظمت ہی لوگوں کے دلمیں نہ ہوگی تو کوئی اوسکی بات تو انکو قابل عمل اور لازم الامتثال ہی کب سمجھیگا۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اس میرے ہدایت کرنے والیکو مجھہ سے فوقیت ہی کیا ہے جیسا میں خاطی و گنہگار ہوں ویسا ہی یہ بھی ہے اور جب ایسا ہوا تو وہ غرض خداوندی جو کسی شخص کو امام بنانیکی ہے حاصل نہ ہوگی۔ پھر اوس کا مقرر کرنا ہی عبث ہوگا۔ حالانکہ عبث کا کام اور بیفائدہ خدا کی ذات سے ناممکن ہے۔ کیونکہ وہ حکیم ہے لہذا اُس ہدایت کرنیوالیکو معصوم بھی ہونا ضروری ہے۔

دوسری دلیل

امام کو منصوص ہونا چاہیئے

(۳۸) نص یعنے خدا و رسول کی طرف سے اس بات کی تصریح کہ فلاں شخص خلیفہ

یا امام مقرر کیا گیا۔ اگر کسی شخص کی نسبت نص الٰہی ہو اور پھر وہ شخص دعوئے امامت کرے تو لوگوں کو کیونکر اطمینان دلا سکیگا کہ میں خدا کی طرف سے منصوب ہوں اور میرا کہنا ماننا تم لوگوں پر لازم ہے۔ جب کوئی شخص ایسے نامنصوص خلیفہ سے دریافت کریگا کہ تمہارے پاس خدا کی طرف سے مقرر ہونیکی کیا سند ہے؟ تو وہ کون سا سرٹیفکیٹ پیش کر سکیگا جس سے لوگوں کو اطمینان ہو سکے۔

منصوصیت امام کی ایک دنیاوی مثال

دیکھئے دنیاوی معاملات میں تو ایسا ہوتا ہے کہ جب کوئی بادشاہ کسی کو ضلع کا حاکم یا صوبہ کا لفٹنٹ یا ملک کا گورنر بناتا ہے تو اس کے واسطے ایک خاص فرمان دیتا ہے کہ میں نے فلاں شخص کو فلاں تاریخ سے فلاں عہدہ پر مقرر کیا جس سے سب کو اُسکی حکومت کا حال معلوم ہو جاتا ہے اور وہ لوگ باطمینان اُس کے مطیع ہو جاتے ہیں۔ برخلاف اس کے اگر کوئی شخص بغیر فرمان کے ایک مجمع میں آکر کہے کہ میں لفٹنٹ گورنر ہوں یا مثلاً ڈپٹی کلکٹر یا ڈپٹی کمشنر وغیرہ ہوں اور اس سے پہلے نہ اُس کا نام اس عہدہ کے ساتھ گزٹ میں شائع ہوا ہو اور نہ اُس کے پاس کوئی مُہر شاہی کا فرمان ہو تو کب کوئی شخص ایسے دعویدار کی بات کو تسلیم کریگا۔ میں یقین کرتا ہوں کہ لوگ ایسے شخص کو ضرور جھوٹا یا دیوانہ سمجھینگے اور ہرگز اوسکی اطاعت نہ کرینگے۔

علیٰ ہذا القیاس اگر کوئی شخص امام یا خلیفہ ہونیکا دعوٰے کرے اور اپنے پاس کوئی سند یا حدیث رسول اپنے منصب کے متعلق نہ رکھتا ہو تو کیونکر کوئی معلوم کر سکیگا کہ یہ شخص اپنے دعوٰے میں سچا ہے۔ اور اس کا حکم ماننا ہم پر فرض ہے اور جب اُنکا حکم نہ مانا گیا تو اوس کی تقرری بے فائدہ ہوئی۔ حالانکہ خدا تعالیٰ بے فائدہ کوئی کام نہیں کرتا۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ اُسکے متعلق کوئی نص صریح خدا و رسول کی ضرور ہونی چاہیئے۔

امام کو صاحب معجزہ ہونا لازم ہے

(۳۹) **معجزہ** یعنے ایسی باتیں اور ایسے اُمور کا ظاہر کرنا جن کا ہو جانا عادتاً ناممکن ہو وہ بھی ایک قسم کی سند ہے اور ہمیشہ خلفاء اللہ کے پاس موجود رہی ہے۔ جس سے وہ ہر وقت اپنی عہدہ کا ثبوت پیش کر سکتے تھے۔ مثلاً حضرت موسیٰ کے پاس عصا کا معجزہ تھا جس سے وہ اپنی نبوت کو ثابت کرتے تھے نیز ید بیضا کا ایک روشن معجزہ حضرت کے پاس تھا۔ علیٰ ہذا القیاس حضرت صالح کے پاس ناقہ کا معجزہ تھا۔ حضرت سلیمانؑ کے پاس تسخیر جن و وحوش و طیور

اور منطق الطیر کا معجزہ تھا۔ حضرت داؤد کے پاس لوہے کو نرم کرنیکا معجزہ تھا۔ جس سے بغیر آگ کی مدد کے موم کیطرح نرم کرتے اور اس سے زرہ بناتے تھے۔ حضرت ابراھیم کے پاس بردو سلام کا معجزہ تھا حضرت عیسیٰ کو کور مادرزاد اور مبروص وغیرہ کے تندرست کر دینے کا معجزہ تھا۔ اور ہمارے نبی آخر الزمان محمد مصطفےٰ کو چند قسم معجزے ملے تھے۔ مثلاً چاند کو شق کرنا۔ سنگریزوں کا آپکے ہاتھ میں تکلم کرنا درختوں کا آپسے ہمکلام ہونا۔ خشک اشجار کا ہرا ہو جانا۔ فصاحت و بلاغت قرآن مجید۔ بیماروں کو اچھا کر دینا۔ مردوں کو زندہ کر دینا۔ وغیرہ وغیرہ جنکی تعداد اس مقام پر بیان نہیں ہو سکتی۔

یہ صفت اس وجہ سے ان کو مرحمت ہوئی تھی کہ جب کفار و مخالفین اون سے سند دریافت کریں کہ تم کیونکر خدا کی طرف سے بھیجے اور مبعوث شدہ معلوم ہو سکتے ہو تو وہ اُس سند کو پیش کر کے اپنے دعوے کو ثابت کریں اور جس سے اونکی عظمت اور وقعت کا سکہ اون کے دلوں پر بیٹھے۔

(۴۰) پس اگر اسیطرح رسول کے بعد آنے والے امام یا خلیفہ کے پاس کوئی ایسی سند نہ ہوگی تو مخالفین اوس کے مذہب کو کیونکر سچا سمجھینگے۔ خصوصاً وہ لوگ جو رسول کی رسالت ہی کو تسلیم نہ کرتے ہوں۔ اون کے لیے اثبات حقیت مذہب کا کیا ذریعہ ہوگا؟ مثلاً یہود یا عیسائی جو قرآن مجید کو کتاب اللہ اور جناب محمد مصطفےٰ کو رسول نہیں جانتے اور اون کے احکام کو واجب العمل نہیں سمجھتے اگر اُن کے سامنے کوئی شخص یہہ دعوے کرے کہ میں خلیفہ رسول ہوں اور احکام خدا کی پہونچانیوالا ہوں تم کو میرا حکم ماننا ضرور ہے اور وہ یہود یا عیسائی اُس دعویدار سے پوچھیں کہ تمہاری سچائی کا کیا ثبوت ہے حالانکہ ہم تمہارے رسول کو سچا نہیں سمجھتے اور اُنکو نبی نہیں مانتے تو وہ دعویدار جس کے پاس معجزہ کی سند نہیں ہے کیونکر اُنہیں بتا سکیگا کہ میں خدا کی طرف سے سچا ہادی ہوں جس کے سبب سے لوگ اوس کے اقوال کو قابل سند اور واجب العمل سمجھہ سکیں اور جب وہ ہادی اپنے دعوے کے ثبوت میں عاجز رہیگا۔ تو کوئی شخص اوسکو سچا نہ مانیگا۔ اور اُسکی باتوں پر عمل بھی نہ کریگا۔ پھر ایسے شخص کا معین ہی ہونا بیکار ہوگا۔ اور اگر اُس کے پاس معجزہ ہوگا تو وہ بتا سکیگا کہ دیکھو میں اس دلیل سے سچا ہوں کہ تم لوگ جس کام سے قطعاً عاجز ہو میں اوسکو بے زحمت و محنت کر دکھاتا ہوں۔ مثلاً مردہ کو زندہ کرنا یا خشک درختوں کو

یک چشم زدن میں بارور کردینا یا اور اسی قسم کی امور کا ظاہر کرنا جیسا کہ اور دعویداران خلافت رسول نے کیا اور جھوٹے دعویدار اس سے عاجز رہے۔

شرافت نسب کی ضرورت

(۴۱) شرافت نسب کی شرط اس وجہ سے ہے کہ اگر خدا تعالیٰ کسی ایسے شخص کو جو قوم کا رذیل ہو نبی یا امام و خلیفہ مقرر کرے تو ہرگز شریف النسب آدمیونکو اوسکی اقتدا سے پسند نہوگی عادتاً یھہ بات معلوم ہی کہ اگر ایک چمار قوم کا آدمی یا حجام یا بڑھئی کسی سید یا شیخ صحیح النسب کا پیشوا بننا چاہی تو ہرگز یھہ لوگ اوسکی اقتدا کو منظور نہ کرینگے بلکہ بے امام رہنا پسند کرینگے لیکن ہرگز ایکے ہوبی کو امام نہ بنائینگے۔ پس ایسے شخص رذیل کا مقرر کرنا بھی عبث ہوگا۔ جبکہ لوگ اوس سے فائدہ مند نہ ہوسکینگے۔

امام کے شرافت حسب کی ضرورت

(۴۲) شرافت حسب کی شرط بھی اسی غرض سے ہی کیونکہ ایک شریف النسب اگر قصابی یا نعل سازی شروع کردی یا نور بافی کا پیشہ اختیار کرلے تو یقیناً لوگوں کے دلوں سے اوسکی وقعت کم ہوجائیگی اور بے وقعت شخص لوگوں کے نزدیک امامت کیلیے قابل قبول نہوگا۔

امام کے حسن الخلق ہونیکی ضرورت

حسن اخلاق ظاہریہ و باطنیہ کی شرط اس وجہ سے ہے کہ ہادی کا فرض ہی کہ وہ لوگوں کے دلونکو اپنی طرف متوجہ کرسکے تاکہ لوگ بخوشی اوسکی باتونکو سنیں اور انپر کاربند ہوں نیز یھہ وجہ بھی ہی کہ وہ اپنے نیک کاموںکو نمونہ بنائے تاکہ اُسے دیکھکر عامۃ الناس بھی نیک اور صالح بننے کی کوشش کریں۔ اگر ہادی بدخلق بدمزاج اور زشت خو ہوگا تو لوگ اوسکی صحبت سے نفرت کرینگے اُس کے پہلو سے بھاگینگے اوسکی باتونکو نہ سُنینگے۔ بلکہ اُس کے قریب بھی نہ آئینگے جیسا کہ خود پروردگار عالم فرماتا ہوا اپنے رسول کے متعلق فرمایا ہے وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ۔ اے رسول اگر تم سخت زبان مونہہ پھٹ سخت دل ہوتے تو لوگ تمہارے پاس سے جُدا ہوجاتے۔ اسی سبب سے حضرت کو یھہ ہدایت فرمادی گئی۔ واخفض جناحک للمؤمنین اے رسول تم مؤمنین سے متواضع ملو اور اُن سے بانکسار تمام پیش آؤ۔ (جزو ۱۴ رکوع ۶) اور بعد ان صفات سے متصف ہونے کے فرمایا۔ اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيمٍ اے رسول تمہارا خلق بڑا ہے۔ پس لازم ہوا کہ نائب رسول بھی ایسا خوش خلق اور حسن العادت ہو جیسے کہ رسول ہے۔ تاکہ لوگوں کو اُن سے

اُس پیدا ہو اور اُنکی باتیں دل سے سُنکر اُنپر عامل ہوسکیں۔ فلیز اگر نائب رسول بدخلق یا بدزبان ہوگا تو آخر لوگونکو حُسن اخلاق کی ہدایت ہی کیا کر سکیگا۔ ہادی اور واعظ کو پہلے اُن اوصاف سے متصف ہونا لازم ہی جنکی ہدایت وہ اوروں کو کرنا چاہتا ہی۔ اگر ایک سخت آدمی کسی کو ہدایت کری کہ تم نرم دل ہو جاؤ یا سیئی الاخلاق آدمی کسی کو بُرے اخلاق سے منع کرے یا مثلاً ایک شرابخوار آدمی کسی شرابی کو منع کری کہ تو شراب کو چھوڑ دی تو بھلا اوسکی بات کا اثر سُننے والے پر کب ہوگا۔ جبکہ سُننے والا جانتا ہی کہ یہہ شخص ناصح بھی مثل میرے کہ ہی بداطوار و بداخلاق ہے

(۴۴) یہہ تمام شرطیں جو ہادی کے لیئے بیان کی گئیں ایسی واضح اور بدیہی ہیں کہ اسمیں کسی عاقل کو اعتراض ہی نہیں ہوسکتا لیکن افسوس ہے تو یہہ ہے کہ جتنی صفتیں ایک خلیفہ میں موجود ہونی چاہئیں وہ سب اُن لوگوں میں موجود نہ تھیں جنکو اسلام کے سواد اعظم نے خلیفہ مانا ہی۔ البتہ تمام صفتیں بطور احسن واکمل اُن لوگوں میں موجود تھیں جنکو دنیا پرست آدمیوں نے اس مطلب پر نہیں سمجھا۔ حالانکہ وہی اس قابل تھے کہ اُنکو امام اور پیشوا اول سے مانا جاتا۔

سواد اعظم نے جنکو پیشوا مانا ہی اونمیں اوصاف امام موجود نہ تھے

ہم دیکھتے ہیں کہ سواد اعظم نے رسول اللہ کے حضرت ابوبکر حضرت عمر حضرت عثمان اور حضرت معاویہ حضرت یزید مروان عبدالملک بن مروان۔ ولید بن عبدالملک۔ ہشام بن عبدالملک یزید بن عبدالملک وغیرہم کو خلیفہ رسول اللہ مانا ہی لیکن انمیں سے کسی میں یہہ

جیسا کہ علامہ سیوطی نے تاریخ الخلفاء میں درج فرمایا ہی وایضاح ذالک ان المراد بالاجتماع انقیادہم لبیعتہ والذی وقع ان الناس اجتمعوا علی ابی بکر ثم عمر ثم عثمان ثم علی الی ان وقع امر الحکمین فی صفین فتسمی معاویۃ یومئذ بالخلافۃ ثم اجتمع الناس علی معاویۃ عن صلح الحسن ثم اجتمعوا علی ولدہ یزید ولم ینظم للحسین امر بل قتل قبل ذالک ثم لما مات یزید وقع الاختلاف الی ان اجتمعوا علی عبدالملک بن مروان بعد قتل ابن الزبیر ثم اجتمعوا علی اولادہ الاربعۃ الولید ثم سلیمان ثم یزید ثم ہشام وتخلل بین سلیمان ویزید عمر ابن عبدالعزیز فہولاء سبعۃ بعد الخلفاء الراشدین والثانی عشر ہو الولید بن یزید بن عبدالملک الخ یعنے توضیح اسکی یہہ ہی کہ مراد اجتماع سے (جس سے خلافت وامامت کا ثبوت ہوتا ہی) یہہ ہی

اوصاف موجود نہ تے جو سابق میں ذکر ہوئے۔

اسلام کے خود ساختہ پیشواؤں میں علم کی صفت | علم کی حالت یہہ تھی کہ جب کسی مسئلہ میں مشکل آن پڑتی تھی تو اوائل کے خلفا حضرت علی علیہ السلام کیطرف رجوع کرتے تھے اور بسا اوقات جبکہ موجود نہ ہوتے تھے۔ تو دیگر صحابیین سے اُس مسئلہ کا حکم دریافت کرتے تھے۔ ستر مرتبہ یہہ کہنے کی نوبت آئی۔ لولا علی لہلک عمر لولا علی لہلک عثمان قضیہ ولا ابا حسن لہا۔ واللہ ربات الحجال افقہ من عمر۔ وغیرہ وغیرہ اور جبکہ صدر اول و دوم و سوم کے علم کی یہہ کیفیت تھی تو اوروں کے علم کی کیا حالت ہوگی۔ ؎ قیاس کن زگلستان من بہار مرا۔ ملاحظہ ہو کنز العمال ملا علی قاری فرماتے ہیں۔

حضرت ابو بکر کا علم پہلی روایت	عن حمید بن الرحمان عن ابیہ قال دخلت علی ابی بکر فقال وددت انی سالت رسول اللہ من میراث العمۃ والخالۃ" (کتاب الفرائض حرف فا کنز العمال) یعنی حمید

بن عبدالرحمن نے اپنے باپ سے روایت کی ہے اوس نے کہا کہ میں حضرت ابو بکر کی خدمت میں گیا اُنہوں نے فرمایا کہ کیا اچھا ہوتا کہ میں رسول اللہ سے پھوپھی اور خالہ کی میراث کو دریافت کر لیتا۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت ابو بکر کے پاس جب مسئلہ پیش ہوا اور آپ کو اس کا حکم معلوم نہ تھا تو ارشاد ہوا کہ مجھے محبوب تھی یہہ بات کہ آنحضرت سے میں دریافت کر لیتا یعنی کہ ابتک مجھکو اسکا حکم نہیں معلوم

دوسری روایت	نیز اسی کتاب کی کتاب الاجارہ حرف الالف میں مذکور ہے وَوَدِدْتُ اِنِّیْ کُنْتُ سَالْتُہٗ

عَنْ مِیْرَاثِ الْعَمَّۃِ وَاَبْنَتِ الْاَخْتِ فَانَ فِیْ نَفْسِیْ مِنْہَا حَاجَۃٌ۔ میں پسند کرتا تھا کہ (کاش) رسول خدا سے پھوپھی اور بھانجی کے میراث کا حال دریافت کر لیتا کیونکہ اسکی مجھ کو ضرورت ہے۔" ظاہر ہے کہ اس قسم کے فقرے وہی کہیگا جسے کسی چیز کا علم نہ ہوگا۔ کیونکہ اگر جانتا ہوگا تو اوسکو دریافت کرنے پر تاسف کی ضرورت کیا تھی۔

بقیہ حاشیہ صفحہ سابق۔ کہ لوگ جنکی بیعت پر اطاعت کریں اور جو کچھ واقع ہوا یہہ تھا کہ لوگوں نے اتفاق کر لیا کہ ابو بکر پر پھر عمر پھر عثمان پر پھر علی پر (اور لوگوں کے ہی اتفاق سے یہہ لوگ خلیفہ ہوئے ورنہ رسول کا ارشاد یا خدا کی ہدایت ان کے متعلق نہ تھی) یہانتک کہ دونوں حکم (ابو موسیٰ اشعری اور عمرو عاص) کا معاملہ جنگ صفین کے روز واقع ہوا کہ ان دونوں

تیسری روایت نیز اسی کتاب کے کتاب الحدود حرف الحاء بحث حد لواطہ میں مذکور ہے عن محمد بن ا

المنکدر ان خالد بن الولید کتب الی ابی بکر انہ وجد رجلاً من بعض نواحی العرب ینکح کما تنکح المرأۃ

وان ابابکر جمع ناساً من اصحاب رسول اللہ وکان علی ابن ابیطالب اشدہم یومئذ قولاً فقال ان ہذا

ذنب لا تعمل بہ امتہ من الامم الا امتہ واحدۃ فصنع بہم ما علمتم اری ان تحرقوہ بالنار فکتب الیہ

ابوبکر یحرق بالنار۔ ابن ابی الدنیا فی ذم الملاہی وابن منذر وابن بشران حق) یعنے محمد ابن منکدر سے مروی ہے کہ خالد بن ولید نے ابوبکر کو خط لکھا کہ ایک شخص عرب کے قبیلہ یا نواح سے پایا گیا ہے جو وہ فعل کراتا ہے جو عورتیں کراتی ہیں تو ابوبکر نے اصحاب رسول میں سے چند آدمیونکو جمع کیا۔ اور علی ابن ابیطالب اُس زمانے میں سب سے بہتے تھے کلام میں (یا یہہ کہ علی کی بات اُس زمانہمیں بڑھی چڑھی رہتی تھی) تو علی ابن ابیطالب نے کہا کہ یہہ ایسا گناہ ہے کہ اُمتوں میں سے کسی اُمت نے سوائے ایک اُمت کے ایسا نہیں کیا اور جس اُمت نے ایسا کیا اُس کے ساتھ جو خدا کا برتاؤ ہوا وہ تو تم جانتے ہو (یعنے اُمت حضرت لوط پر زمین اُلٹ دی گئی) میری رائے ہے کہ تم اُس (بدفعلی کرنیوالیکو) آگ میں جلادو۔ پس ابوبکر نے خالد کو لکھدیا کہ اُسے آگ میں جلادے۔ پس ابوبکر نے خالد کو لکھدیا کہ اُسے آگ میں جلادے۔ معلوم ہوا کہ حضرت ابوبکر کو اس مسئلہ کا حکم نہیں معلوم تھا لہذا لوگونکو جمع کیا تاکہ اس کا حکم دریافت کریں اور علی ابن ابیطالب اُس زمانہمیں سب سے بہتر مسئلہ دان تھے لہذا لوگونکو جمع کیا

بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۴ مگر علی کو خلافت سے ہٹادیا اور معاویہ کو خلیفہ بنادیا) پس اُس روز معاویہ نے اپنی کو خلیفہ کہلوایا پھر لوگوں نے اوسکی خلافت پر اتفاق کرلیا۔ صلح حسنؑ کیوقت لوگوں نے پھر اوس کے بیٹے یزید (قاتل امام حسینؑ) پر اتفاق کیا (اور اُسکو بیعت و اجتماع کے ذریعہ سے خلیفہ بنالیا) اور حسین کا کام درست نہ ہوسکا بلکہ وہ اس سے قبل ہی قتل ہوگئے پھر جب یزید مرگیا تو لوگوںمیں اختلاف پھیلا یہانتک کہ سب نے عبد الملک بن مروان پر اتفاق کیا۔ ابن زبیر کے مارے جانیکے بعد پھر اُسکے چار بیٹوں ولید سلیمان۔ یزید اور ہشام پر اتفاق کرلیا۔ اور سلیمان و یزید کے درمیان عمر بن عبد العزیز حائل ہوگئے پس یہہ ستا خلیفہ ہوئے (۱ معاویہ ۲ یزید ۳ عبد الملک بن مروان ۴ ولید ۵ سلیمان ۶ یزید ۷ ہشام) بعد خلفاء راشدین (ابوبکر۔ عمر۔ عثمان۔ علی) کے اور بارہواں خلیفہ ولید بن یزید بن عبد الملک ہے (جس نے قرآن مجید پر تیر ملاری تھی) اور تیروں ہی اسکو ٹکڑے ٹکڑے کردیا تھا اور حالت جنابت میں اپنی کنیز کو حکم دیا تھا کہ اسی حالتمیں نماز ظہر مسجد میں جاکر پڑھا چنانچہ اُسنے اسی حالتمیں نماز ظہر بجماعت مسجد پڑھائی ہے

تھا اسکا حکم دریافت کریں اور علی ابن ابیطالب اُس زمانہ میں سب سے بہتر مسئلہ دان تھے لہذا حضرت ابوبکر نے اون کے قول پر عمل کیا اور خود کوئی حکم نہ دے سکے۔

چوتھی روایت حضرت ابوبکر کے علم کی ۔ ۔ ۔

نیز استیعاب[۴] صفحہ ۴۱۳ عبد البر میں مذکور ہے ذکر عبد الرحمن بن سہل انصاری قال حدثنا یحیی بن سعید قال سمعت القاسم بن محمد یقول جاءت الی ابی بکر جدتان فاعطی السدس ام الام دون ام الاب فقال له عبد الرحمن بن سہل یا خلیفة رسول الله اعطیت التی لو ماتت لم یرثہا وترکت التی لو ماتت ورثہا فجعله ابوبکر بینہما یعنے بیان کیا یحییٰ بن سعید نے کہ میں نے قاسم بن محمد سے سُنا وہ کہتے تھے کہ ابوبکر کے پاس (کسی میت کی) دو جدہ (نانی اور دادی) آئیں بغرض میراث طلب کرنے کے تو ابوبکر نے نانی کو سدس (چھٹا حصہ) دیا اور دادی کو کچھ نہ دیا۔ تو عبد الرحمن بن سہل نے کہا کہ ای خلیفۂ رسول تم نے اُس عورت کو ترکہ دیا کہ اگر وہ خود مرجاتی تو صاحب ترکہ اُس کا وارث نہ ہوتا اور اُس عورت کو چھوڑ دیا کہ اگر وہ مرجاتی تو صاحب ترکہ اُسکا وارث ہوتا۔ پس ابوبکر نے دونو عورتونکو حصہ دلوایا۔ (حالانکہ اس سے پہلے بسبب لاعلمی مسئلہ کے دادی کو بالکل محروم قرار دیا تھا۔ جب عبد الرحمن نے اس مسئلہ کا حکم بتایا تب آپ کو معلوم ہوا)

پانچویں روایت علم حضرت ابوبکر کی

کتاب اتقان سیوطی[۵] نوع ۳۶ میں مذکور ہے۔ واخرج ابو عبیدہ فی فضائل عن ابراہیم التیمی ان ابابکر الصدیق سئل عن قوله تعالیٰ فاکہة وابا فقال ای سماء تظلنی وای ارض تقلنی اذا انا قلت فی کتاب الله ما لا اعلم یعنے ابو عبیدہ نے فضائل میں ابراہیم تیمی سے روایت کی ہے کہ ابوبکر صدیق سے فاکہة وابا (جو قرآن کی آیت کا ٹکڑہ ہے) کے معنے دریافت کیے گئے تو فرمایا کہ کونسا آسمان مجھ پر سایہ ڈالیگا اور کونسی زمین اُٹھائیگی اگر میں خدا کی کتاب میں وہ بات کہوں جسے نہیں جانتا مطلب یہ ہے کہ چونکہ مجھے ابا کے معنے معلوم نہیں ہیں (حالانکہ یہ لفظ لغات عرب سے ہے) اس لیے اپنی رائے سے میں اسکے معنے نہیں جانتا۔

چھٹی روایت علم ابوبکر کی

نیز کنز العمال میں (کتاب الالف مادہ حرف الالف)[۶] یہ روایت نقل کی ہے عن میمون بن مہران کان ابوبکر اذا ورد علیه خصم نظر فی کتاب الله فان وجد فیه ما یقضی به قضی به وان لم یجد فی کتاب الله نظر ہل کانت من النبی سنة فان علمہا قضی بہا فان لم یعلم خرج فسال المسلمین فقال اتانی کذا وکذا فنظرت

فی کتاب اللہ و فی سنۃ رسول اللہ فلم اجد فی ذالک شیئاً فہل تعلمون ان النبی قضیٰ فی ذالک بقضاء فربما

قام الیہ الرھط فقالوا نعم قضیٰ فیہ بکذا وکذا فیاخذ بقضاء رسول اللہ و یقول الحمد للہ جعل فینا من یحفظ عن

نبینا وان اعیاہ ذالک دعی رؤس المسلمین و علمائہم فاستشارہم فاذا اجتمع رایہم علی الامر قضیٰ بہ وان عمر ابن

الخطاب کان یفعل ذالک فان اعیاہ ان یجد فی القرآن او السنۃ نظر ہل کان لابی بکر فیہ قضاء فان وجد ابا بکر فقد

قضیٰ فیہ بقضاء قضیٰ بہ والا دعا رؤس المسلمین و علمائہم واستشارہم فاذا اجتمعا علی امر قضیٰ بینہم الدار قطنی۔"

میمون بن مہران سے مروی ہی کہ اُس نے بیان کیا کہ ابوبکر کے پاس جب کوئی دعویدار آتا تو پہلے وہ کتاب خدا پر نظر کرتے اگر اوسمیں کوئی حکم اونکو ملجاتا تو اُس کے مطابق فیصلہ کردیتے اور اگر کتاب خدا میں کوئی حکم نہ ملتا تو دیکھتے کہ آیا رسول کی کوئی حدیث ہی یا نہیں اگر معلوم ہو جاتی تو اُس کے مطابق فیصلہ کردیتے پس اگر قرآن و حدیث کسی میں اُس مسئلہ کا حکم نہ ملتا تو باہر آتے اور مسلمانوں سے دریافت کرتے اور کہتے کہ میرے پاس ایسا ایسا معاملہ آیا ہی میں نے قرآن و حدیث کو دیکھ لیا مجھے کوئی حکم نہ معلوم ہوا تو کیا تم لوگ جانتے ہو کہ رسول نے اس قسم کے مسئلہ میں کیا حکم دیا ہی؟ پس کبھی کوئی گروہ اُٹھ کھڑا ہوتا تھا اور کہتا کہ ہاں رسول نے اسطرح اور اسطرح فیصلہ کیا ہی۔ تو ابوبکر اُس فیصلہ رسول کو لیتے اور کہتے کہ شکر خدا کا اوس نے ہم میں ایسے لوگ بنائے جو رسول اللہ کے اقوال و فیصلہ جات کو یاد رکھتے ہیں۔ اور اگر وہ اس سے عاجز آتے تو سردار مسلمانوں اور علماء اسلام کو بلاتے پھر اون سے مشورہ لیتے پس جب اُن لوگوں کی رائے کسی امر پر متفق ہوجاتی تو اسکے مطابق فیصلہ کرتے اور بیشک عمر بن خطاب بھی ایسا ہی کرتا تھا جب وہ قرآن و حدیث میں حکم کے پانے سے عاجز ہوجاتے تو دیکھتے آیا ابوبکر نے اس دعوی کا کیا فیصلہ کیا ہی اگر ملجاتا تو اُس موافق فیصلہ دیتے ورنہ رؤس مسلمین و علمائے مسلمین کو جمع کرکے اُن سے مشورہ لیتے جب وہ لوگ کسی رائے پر اتفاق کرتے تو اُس کے موافق آپ فیصلہ کردیتے۔

اس سے بھی معلوم ہوا کہ احکام خدا سے یہہ دونو بزرگوار اس قدر ناواقف تھے کہ خود کچھ حکم نہ دیسکتے تھے لوگوں سے پوچھ پوچھ کے فیصلہ دیا کرتے تھے وجہ اسکی صرف یہی ہی کہ یہہ لوگ صحبت رسول میں اپنے نہ بیٹھے تھے اور نہ حضرت کی احادیث کو یاد رکھتے تھے اسوجہ سے دریافت کرنے کی ضرورت پڑا کرتی تھی۔

دوسری روایت جس سے ابوبکر کا ناواقف ہونا علم سے ثابت ہوتا ہے

کتاب زین الفتیٰ التفسیر سورۂ ہل اتیٰ کی پانچویں فصل میں ابو محمد احمد بن محمد بن علی العاصمی نے نقل کیا ہے اخبرنا الشیخ محمد ابن القاسم الفارسی رحمۃ اللہ قال حدثنا محمد بن محمد بن عثمان الفزاری قال حدثنا ابوبکر محمد ابن الحسن بن درید قال حدثنا العکل عن ابی عائشہ عن حماد عن حمید عن انس قال اقبل الیہودی بعد وفاۃ النبی حتیٰ دخل المسجد فقال این وصی محمد فاشار القوم الی ابی بکر فوقف علیہ فقال انی اریدان اسئلک عن اشیاء لایعلمہا الا نبی او وصی نبی قال ابوبکر سل عما بدالک قال الیہودی اخبرنی عما لیس للہ وعما لیس عند اللہ وعما لا یعلم اللہ فقال ابوبکر ہذہ مسائل الزنادقۃ وہم ابوبکر والمسلمون بالیہودی فقال ابن عباس ما انصفتم الرجل فقال ابوبکر اما سمعت ما تکلم بہ فقال ابن عباس ان کان عندکم جوابہ والا فاذہبوا بہ الی من یجیبہ فانی سمعت رسول اللہ لعلی ابن ابیطالب اَللّٰہُمَّ اِہْدِ قَلْبَہٗ وثبت لسانہ قال فقام ابوبکر ومن حضرہ حتی اتوا امیر المؤمنین واستاذنوا علیہ فقال ابوبکر یا ابا الحسن ان ہذا الیہودی سألنی عن مسائل الزنادقۃ فقال اما ما لا یعلمہ اللہ عزوجل فذالک قولکم یا معشر الیہود عزیر ابن اللہ واللہ لا یعلم لنفسہ ولدا واما قولک اخبرنی عما لیس للہ فلیس للہ شریک وفی غیر ہذہ الروایۃ - واما قولک عما لیس عند اللہ فلیس عند اللہ فقر ولا جور - فقال اشہد ان لا الٰہ الا اللہ وان محمدا رسول اللہ واشہد انک وصی رسول اللہ فقال المسلمون لعلی ابن ابیطالب یا مفرج الکرب +

روایت مذکورہ کا ترجمہ

ترجمہ عبارت روایت بعد حذف اسناد یہ ہے کہ ایک یہودی بعد وفات رسول اللہؐ مدینہ کی مسجد میں آیا اور پوچھا کہ محمدؐ کے جانشین و وصی کہاں ہیں لوگوں نے ابوبکر کی طرف اشارہ کیا وہ ادھر پہنچ گیا اور کہا کہ جناب میں آپ سے چند چیزیں ایسی دریافت کرنا چاہتا ہوں جن کا علم نبی و وصی کے سوا کسی کو نہیں ہو سکتا - ابوبکر نے کہا جو چاہو پوچھو - یہودی نے کہا بتایئے کہ خدا کے لیے کیا چیز نہیں ؟ اور اس کے پاس کیا چیز نہیں ؟ اور خدا کیا چیز نہیں جانتا ؟ ابوبکر صاحب نے فرمایا زندیقوں (کافروں) کا سا سوال کرتا ہے یہ کہکر ابوبکر صاحب و دیگر صحابہ نے قصد کیا کہ یہودی کو پیٹیں - ابن عباس نے بولا کہ تم لوگوں نے انصاف نہیں کیا - ابوبکر بولے کہ کیا تمنے اس کے (ملحدانہ) سوالات نہیں سنے ؟ ابن عباس نے کہا کہ بھائی اگر آپکے پاس اس کا جواب ہو تو بتا دیجئے اور اگر نہیں ہے تو ایسے شخص کے پاس لیجئے جو اسے جواب دے سکے - کیونکہ

میں نے سنا ہی کہ رسول خدا علی کے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ خدایا ان کے دلکو ہدایت یافتہ کر“ اور انکی زبان کو ثبات دے - راوی کہتا ہی کہ ابو بکر اُٹھے اور نیز حاضرین جلسہ یہانتک کہ امیر المؤمنین علی ابن ابیطالب علیہ السلام کے پاس آئے اور اذن طلب کیا ابو بکر نے کہا یا ابوالحسن یہہ یہودی مجھ سے زندیقوں کے سے سوال کرتا ہی آپنے فرمایا - خدا جس بات کو نہیں جانتا وہ ای گروہ یہود تمہارا یہہ قول ہی کہ عزیر خدا کے بیٹے تھے حالانکہ خدا کو اس کا علم نہیں کہ اسکا کوئی بیٹا بھی ہی - اور یہہ تیرا سوال کہ خدا کے لیئے کیا چیز نہیں ہی اُس کا جواب یہہ ہی کہ خدا کا کوئی شریک نہیں ہی - تیسرے یہہ سوال کہ خدا کے پاس کیا چیز نہیں تو اسکا جواب یہہ ہی کہ خدا کے پاس فقر و افلاس وظلم نہیں ہی - یہودی یہہ سنکر مسلمان ہوگیا اور خدا کی وحدانیت کی گواہی دی اور رسالتمآب کی رسالت کی اور امیر المؤمنین علی ابن ابیطالب علیہ السلام کی امامت کی شہادت دی۔

حضرت عمر کا جہل

(۴۱) حضرت عمر کی نسبت عبد البر نے استیعاب میں نقل کیا ہی عن سعید ابن المسیب قال کان یتعوذ من معضلۃ لیس لہا ابو الحسن و قال فی المجنونۃ امر برجمہا و فی التی وضعت لستۃ اشہر فاراد عمر رجمہا فقال لہ علی ان اللہ یقول حملہ و فصالہ ثلثون شہرا الحدیث و قال لہ ان اللہ رفع القلم عن المجنون الحدیث وکان یقول لولا علی لہلک عمر - اس حدیث کی سنن ابن داؤد باب فی المجنون یسرق او یصیب میں نقل کیا ہی جسکی عبارت یہہ ہی - اتی عمر بمجنونۃ قد زنت فاستشار فیہا اناسا فامر عمر ان ترجم فمر بہا علی ابن ابیطالب فقال ما شان ہذہ فقالوا مجنونۃ بنی فلان زنت فامر بہا ان ترجم فقال ارجعوا بہا ثم اتاہ فقال یا امیر المؤمنین اما علمت ان القلم قد رفع عن ثلثۃ عن المجنون حتی یبرا الحدیث“ ان دونوں روایتوں کا مطلب یہہ ہی کہ ایک مجنونہ عورت عمر کے پاس لائی گئی - جسپر زنا کا حکم لگایا گیا تھا پس آپنے اوسکو سنگسار کرنیکا حکم دیا اور اسیطرح ایک عورت جس نے چھہ مہینے پر بچہ جنا تھا اُسے بھی رجم کا حکم دیدیا مگر علی ابن ابیطالب علیہ السلام نے اونکی نسبت یہہ فرمایا کہ ای عمر کیا تمہیں معلوم نہیں کہ تین قسم کے آدمی مرفوع القلم ہیں (اُنپر کوئی حد جاری نہیں ہوسکتی) منجملہ ان کے ایک مجنون ہے کہ جبتک صحیح و سالم نہ ہو جاوے - اُسپر حد نہیں جاری ہو سکتی - اور دوسرے کی نسبت فرمایا کہ خدا تعالی فرماتا ہی حملہ و فصالہ ثلثون شہرا یعنی حمل اور دودھ بڑھائی کی مدت تیس مہینے ہے - پس جب دو سال

ازالۃ الخفا

مدت دودھ بڑہائی کی اسمیں سے وضع کر لیجائے تو چھ مہینے مدت حمل کی رہ جاتی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ چھ مہینہ کی مدت حمل سے بچہ پیدا ہو سکتا ہے۔ پس عمر نے کہا اگر علیؑ نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتا۔"

شاہ ولی اللہ صاحب ازالۃ الخفا میں تحریر فرماتے ہیں "روی ان عمرؓ امر برجم معاذ ان یکن لک علیہا سبیل فلا سبیل لک علی ما فی بطنہا فرجع عن حکمتہ وقال لولا معاذ لہلک عمر" اسی روایت کو کنز العمال میں فضائل صحابہ کی فصل میں یوں نقل کیا ہے۔ عن ابی سفیان عن اشیاخ لہم ان امراۃ غاب عنہا زوجہا سنتین ثم جاء وہی حامل فرفعہا الی عمر فامر برجمہا فقال لہ معاذ ان یکن لک علیہا سبیل فلا سبیل لک علی ما فی بطنہا فقال عمر احبسوہا حتی تضع فوضعت غلاما ثنیتان فلما راہ ابوہ عرف الشبیہ فقال ابنی ورب الکعبۃ فبلغ ذالک عمر فقال عجزت النساء ان تلدن مثل معاذ لولا معاذ لہلک عمر" ترجمہ روایت ہے کہ عمر نے ایک عورت کی بابت رجم کرنیکا حکم دیا تو معاذ بن جبل صحابی رسول نے کہا کہ اگر تم کو اس عورت کے متعلق اختیار ہے تو اسکے پیٹ کے بچہ پر کیا اختیار اگر اسوقت عورت کو رجم کیا جائے تو دونو مر جائینگے پس عمر اپنی رائے سے ہٹ گئے اور کہا کہ اگر معاذ نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو گیا تھا۔ کنز العمال کی عبارت کا حاصل یہ ہے کہ ابی سفیان سے مروی ہے اُسنے بنی شیوخ سے روایت کی ہے کہ ایک عورت کا شوہر دو سال تک گم رہا پھر واپس آیا تو بیوی کو حاملہ پایا۔ پس اس کا دعوے عمر کے پاس پیش کیا عمر نے تراق اُس کے رجم کرنیکا حکم دیدیا معاذ نے کہا کہ اگر تم کو اس عورت کے رجم کرنیکا اختیار ہے تو اس کے پیٹ کے بچہ پر کیا اختیار تو عمر نے کہا کہ اسے قید رکھو یہانتک کہ بچہ جن لے۔ پس اُس نے بچہ جنا جس کے اگلی دو دانت موجود تھے جب بچہ کو اُسکے باپ نے دیکھا تو شباہت سے پہچان لیا اور کہا کہ خدا کی قسم یہ تو میرا بچہ ہے۔ جب اسکی خبر عمر کو پہونچی تو فرمایا کہ معاذ کے مانند آدمی پیدا کرنے سے عورتیں عاجز ہیں اگر معاذ نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو گیا تھا۔

صحیح مسلم

علاوہ ازیں اور بھی چیزیں ضروری ہیں جن سے انکی ناواقفیت ثابت ہوتی ہے حالانکہ امام کو ان سے واقف ہونا ضروری ہے۔ چنانچہ صحیح مسلم میں ہے۔ عن عبید اللہ بن عبید اللہ ان عمر بن الخطاب سال ابا واقد اللیثی ما کان یقرء بہ رسول اللہ فی الاضحی والفطر فقال کان یقرء فیہما بقاف والقرآن المجید واقتربت

الساعۃ وانشق القمر" عبید اللہ بن عبید اللہ سے مروی ہی کہ عمر ابن خطاب نے ابو واقد لیثی سے دریافت
کیا کہ رسول اللہ عید رمضان وعید قربان میں کیا پڑھتے تھے تو اُس نے کہا کہ آپ سورہ ق والقرآن المجید
اور سورہ اقتربت الساعۃ وانشق القمر پڑھا کرتے تھے۔

بھلا یہ بھی کوئی بات ہی جس سے آپ نا واقف تھے معلوم ہوتا ہی کہ آپ کی شرکت نماز عیدین وغیرہ نہایت
بے توجہی سے ہوتی تھی۔ جس سے آپ کو کیفیت صلواۃ وغیرہ کی طرف چنداں التفات نہ ہوتا تھا اسیوجہ سے
یہ بھی خبر نہ ہوئی کہ رسولخدا نماز عیدین میں کون سی سورۃ تلاوت فرماتے تھے۔

تفسیر کشاف

قرآن مجید کے معانی سے بھی آپ کی نا واقفیت ثابت ہوتی ہے۔ چنانچہ تفسیر کشاف ذیل تفسیر او یاخذہم
علی تخوف میں فرماتے ہیں۔ عن عمر رضی اللہ قال علی المنبر ما تقولون فیہا فسکتوا فقال شیخ من ہذیل لغتنا التخوف
التنقص قال فہل تعرف العرب فی اشعارہا قال نعم شاعرنا وانشد البیت فقال عمر ایہا الناس علیکم بدیوانکم لا یضل
قالوا وما دیواننا قال شعر الجاہلیۃ فان فیہ تفسیر کتابکم" عمر نے ممبر پر کہا کہ تم لوگ اس معاملہ میں کیا کہتے ہو (او
یاخذہم علی التخوف کے کیا معنے ہیں)، پس سب نے سکوت کیا تو ایک بڈھا ہذیل کے قبیلہ کا اُٹھا اور کہا کہ ہماری
زبان میں تخوف کے معنی تنقص کے ہیں تو عمر کہنے لگے کہ کیا عرب کے لوگ اشعار میں اس لفظ کو اس معنی میں استعمال
کرتے ہیں؟ اُس نے کہا ہاں ہماری شاعر نے یہ کہا ہی اور شعر پڑھا تو عمر نے کہا ایہا الناس تم کو لازم ہے
کہ اپنے دیوان کی حفاظت کرو۔ لوگوں نے کہا کہ ہمارا دیوان کیا ہی؟ عمر نے کہا اشعار جاہلیۃ تمہارا دیوان ہی
کیونکہ اُسمیں تمہاری دیوان کی تفسیر کی ہے۔

نیز ازالۃ الخفا میں شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں۔ عن محمد بن زید بن عبد اللہ بن عمر قال قرأ عمر ابن الخطاب
ہذہ الآیۃ ما جعل علیکم فی الدین من حرج ثم قال ادعوا الی رجلاً من بنی مدلج قال عمر بالحرج فیکم قال الضیق
محمد بن زید بن عبد اللہ بن عمر سے مروی ہی کہ عمر بن خطاب نے اس آیت کو پڑھا ما جعل علیکم فی الدین
من حرج پھر کہا کہ ایک شخص کو بنی مدلج میں سے بلاؤ۔ اُس سے عمر نے پوچھا کہ حرج سے مراد تم لوگ
کیا لیتے ہو۔ اُسنے کہا حرج بمعنی ضیق (تنگی) ہے۔

تفسیر درمنثور میں سیوطی نے لکھا ہی۔ الخطیب عن انس ان عمر قرأ علی المنبر فانبتنا فیہا حبًّا وعنبًا الی قولہ

وأبّاً قال کل هذه قد عرفناه فما الاب ثم رفض عصاً کانت معه بیده فقال هذا لعمر الله هو التکلف فما علیک ان لاتدری ما الاب اتبعوا ما بین لکم من هذا الکتاب فاعملوا به و مالم تعرفوه فکلوه الی ربه " خطیب نے اُس سے روایت کی ہی کہ عمر نے بالائے ممبر پڑہا فانبتنا فیہا حبّاً وعنباً - ابّاً تک تو سب کہا کہ سب کے معنی تو میں سمجھ گیا مگر ابّاً کے معنے نہیں سمجھا - پس چھڑی اپنے ہاتھ سے چھوڑدی اور کہا کہ یہ خدا کی قسم تکلیف ہے (تمام معنی قرآن کے کوئی یاد کرے اسکو کیا ضرورت پڑی ہی کہ ہر ہر لفظ قرآن کا بھی سمجھ میں آئے) تمہارا نقصان ہی کیا ہی جو اَبّ کے معنے تمہیں نہیں معلوم - ایہا الناس جو ظاہر ظاہر معنی قرآن کے ہوں اُسپر عمل کرو اور جسے جانتی ہو اُسے خدا کے حوالے کرو - (نہایت تفتیش و جستجو کر کے قرآن کے معنی سمجھنے کی ضرورت نہیں ہی -

سُبحان اللہ کیا معرفت ہی منصفو بھلا تم ہی بتاؤ کہ جسے تخوّف - حج - ابّ کے معنے نہ معلوم ہوں جو قرآن کے الفاظ ہیں - اور جسے مسائل شرعیہ کی خبر نہ ہو کہ مجنونہ پر حد جاری کرنی چاہیئے یا نہیں - اور جسے یہ خبر نہ ہو کہ رسولخدا نماز عیدین میں کیا پڑہتے تھے وہ اوروں کو مسائل شرعیہ کی تعلیم کیونکر دیسکتا ہوگا - ایسے شخص کی امامت سے اُمت کو کیا فائدہ مذہبی پہونچ سکتا ہے -

(۴۲) برخلاف اس کے ہمیں اصحاب و اعزہ رسول میں ایک ایسا شخص بھی نظر آتا ہی جس کے علم کے دریا کا کہیں کنارہ ہی نظر نہیں آتا - اُس کے علم و معرفت کی کوئی حد نہیں معلوم ہوتی کیا قرآن کیا حدیث کیا احکام کیا علوم غریبہ جسمیں نظر کیجے اوسمیں اس بزرگ کو یدطولیٰ موجود ہی - یہانتک کہ بڑے بڑے ماہرین علوم اُس کے آگے سر تسلیم خم کرتے ہیں - لیکن افسوس ہی تو اس بات کا کہ عوام الناس ایسے بزرگ کا ساتھ چھوڑ کر غیر عالموں کی طرف رجوع کرتے ہیں اور اُنکو اپنا پیشوا بناتے ہیں جنسے کوئی مذہبی یا علمی کام نہیں نکل سکتا -

(۴۳) ملاحظہ ہو اُس بزرگ کی علمی قابلیت کہ ہر شخص اُس کا مدحت سرا ہی حتیٰ کہ خدا اور رسول بھی اوسکی مدح میں فرماتے ہیں - خدا تعالی تو فرماتا ہی "کُلَّ شَیْءٍ اَحْصَیْنَاهُ فِیْ اِمَامٍ مُّبِیْنٍ" یعنے ہر شے کو امام مبین میں جمع کر دیا ہے - اس آیت میں بھی امام مبین سے مراد علی ابن ابیطالب علیہ السلام ہیں جیسا کہ آئندہ معلوم ہوگا -

اور رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ فرما گئے ہیں انا مدینۃ العلم وعلیؑ بابہا میں علم کا شہر ہوں اور علیؑ اسکا دروازہ ہیں اور ابن عباس صحابی جلیل رسول خدا بھی ارشاد کر گئے ہیں اعطی الامام علی رضی اللہ عنہ تسعۃ اعشار العلم وانہ لاعلمہم بالعشر الباقی امام علی رضی اللہ عنہ کو خدا تعالی کی طرف سے علم کے نو حصے عطا کیئے گئے ہیں اور دسویں حصے کے آپ تمام آدمیوں سے زیادہ عالم و واقف ہیں (ملاحظہ ہو ینابیع المودۃ ۶۹) علی ہذا القیاس ابن مسعود رضی اللہ عنہ بھی یہی ارشاد فرماتے ہیں چنانچہ ابن مغازلی شافعی صاحب ینابیع المودۃ (چھاپ بیروت صفحہ) نے نقل کیا ہے وہ لکھتے ہیں ابن المغازلی وخرمس الخوارزمی اخرجا بسندہما عن علقمہ عن ابن مسعودؓ قال کنت عند النبیؐ فسئل عن علم علیؑ فقال قسمت الحکمۃ عشرۃ اجزاء فاعطی علی تسعۃ اجزاء والناس جزء اً واحداً وہو اعلم بالعشر الباقی۔

خلاصہ یہ کہ یہ بزرگ بعد رسول اللہ کے تمام لوگوں سے علم میں مقدم اور افضل ہے انشاء اللہ اس کے متعلق آئندہ ہم بہت تفصیل سے لکھینگے۔

عصمت کی یہ حالت کہ اُنمیں سے جو سواد اعظم کے نزدیک تیمے وعدوی واموی وعباسی میں خلیفہ مانے گئے اکثر ایسے امور کے مرتکب تھے جو عصمت تو کیا ایمان کو بھی سلب کرتے ہیں۔ میں اس موقعہ پر ان امور کو عرض کرنا نہیں چاہتا یہاں صرف اسی قدر کہتا ہوں کہ جو اول عمر سے چالیس چالیس سال تک بُت پرستی میں عمر گذار چکے ہوں وہ کس طرح معصوم ہو سکتے ہیں" سواد اعظم کو بھی انکی عصمت کا دعوے نہیں ہے۔ لہذا ہم بھی اُن سے اتفاق کرتے ہوئے اس بات کو طول دینا نہیں چاہتے کیونکہ جس بات کو سب لوگ تسلیم کرتے ہیں اُسکا ثابت کرنا بیکار ہے:

(۴۵) **نص کی حالت** یہ ہے کہ ان خلفا میں سے باوجودیکہ کسی کے متعلق نص رسول یا نص خدا نہیں ہے پھر بھی سواد اعظم انکو خلیفہ مانتا ہے اور وہ بغیر نص کے مدعی خلافت تھے۔ سواد اعظم سلام نے تسلیم کیا ہے کہ حضرت ابوبکر اجماع سے خلیفہ ہوئے۔ حضرت عمر استخلاف ابوبکر سے خلیفہ ہوئے حضرت عثمان شوریٰ سے خلیفہ ہوئے۔ غرض اسطرح اور خلفاء بھی اجماع عوام الناس یا قہر و غلبہ سے خلیفہ بنے کسی کے لیئے نص الٰہی یا نص رسول ہی نہیں ہے

اور نہ کوئی شخص اونکی نسبت اس امر کا دعوے کرتا ہے۔ جیسا کہ آپ کو سیوطی کی عبارت مذکورہ سے
معلوم ہوا کہ خلفہ صرف بیعت و اتفاق عوام الناس سے خلیفہ ہوئے۔

(۴۶) شرافت نسب کی حالت یہہ ہے کہ ان خلفاء میں سے اکثر اس صفت سے خارج ہیں
اور انکا تو میں نام نہیں لیتا لیکن صرف معاویہ اور یزید کا ذکر کرتا ہوں جنکو سواد اعظم نے پانچواں
اور چھٹا خلیفہ قرار دیا ہے ابن ابی الحدید معتزلی نے تو شرح نہج البلاغہ میں یوں لکھا ہے۔

"ہو ابو عبد الرحمن معاویہ بن ابی سفیان صخر بن حرب ابن امیہ بن عبد الشمس بن عبد مناف و امہ ہندا
بنۃ عتبہ بن ربیعہ بن عبد الشمس بن عبد مناف و ابو سفیان المذکور کان فی حروب النبی قائدا
والہند کانت مشہورۃ بمکۃ بالزنا و الفجور" یعنے معاویہ کا نسب نامہ باپ کی طرف یوں ہے۔ کہ وہ
ابو عبد الرحمن معاویہ بن ابی سفیان صخر بن حرب بن امیہ بن عبد الشمس بن عبد مناف ہے اور اسکی
ماں ہند ہے جو بیٹی عتبہ بن ربیعہ بن عبد الشمس بن عبد المناف کی ہے۔ ابو سفیان مذکور (پدر معاویہ)
تو ان لڑائیوں میں جو کفار نے رسول اللہ کے ساتھ واقع کیں جو سپہ سالار رہا کیئے ہیں۔ اور ہند
(انکی مادر گرامی) مکہ میں زنا و فجور میں مشہور تھیں"

علامہ حلی نے کشف الحق میں کتاب مثالب ابو المنذر ہشام بن سائب کلبی سے نقل کیا ہے کہ معاویہ
چار شخصوں عمارہ بن ولید الحق خرامی ۔ مسافر بن ابی عمر ۔ ابو سفیان ایک اور شخص سے منسوب کیا جاتا ہے
مگر واقعی نہیں معلوم کہ نطفہ ان چار میں سے کس کا ہے۔

ابو سعید اسمٰعیل بن علی سمعانی نے کتاب مثالب میں امیہ اور شیخ ابو الفتوح جعفر بن محمد ہمدانی
نے کتاب بہجۃ المستفید میں روایت کی ہے کہ مسافر بن عمر بن امیہ بن عبد شمس مرد صاحب جمال
دبا تواضع تھا وہ ہند پر عاشق ہو گیا اور اس کے ساتھ زنا کیا یہہ خبر قریش میں شایع ہوئی۔
تھوڑے عرصہ میں جو حمل ہند کو اس سے رہا تھا ظاہر ہو کر یہہ راز طشت از بام ہو گیا تو مسافر اسکے
باپ عتبہ کے خوف سے جدہ کو جہاں عمر بن ہند سلطان عرب تھا چلا گیا۔ عتبہ پدر ہند نے ابو سفیان کو
بوعدہ مال کثیر راضی کر کے ہند کا نکاح اس سے کر دیا۔ نکاح کے تین مہینے بعد معاویہ پیدا ہوا۔ انتہی
بقدر ضرورۃ۔

منقول از تہذیب المتین جلد دوم صفحہ ۲۱ - نیز علامہ زمخشری نے بھی ربیع الابرار میں روایت کی ہے - کہ معاویہ چار شخصوں سے منسوب تھا - مسافر[1] بن عمر - عمارہ[2] بن ولید بن مغیرہ - عباس[3] بن عبد المطلب صباح[4] مغنی عمارہ مذکور ہے " مگر اصلی حالت واقعہ نطفہ کی معلوم نہیں - بہر صورت آپ تو استقدر شریف النسب اور طیب الولادۃ ہیں - اب ان کے صاحبزادے کی حقیقت سنیئے کتاب تجارب السلف میں ہندوشاہ نے لکھا ہے - جسے صاحب ناسخ التواریخ اپنی اس کتاب کے صفحہ ۱۴۲ میں نقل کیا ہے اور وہ یہہ ہے در کتاب تجارب السلف ہندوشاہ مسطور است کہ پدر میسون (نام مادر یزید) بجدل را غلامے بود کہ سفاح نامے داشت میسون را باوے باب ناز و نیاز فراز بود از وے حاملہ گشت و بسرائے معاویہ آمد چوں دوشیزگی نہ داشت و حملش ہنوز آشکارا نبود این معنی پوشیدہ بماند تا گاہے کہ بار فرونہاد معاویہ او را پسر خویش نہاد دانست و بنام یزیدش خواند ایں بود تا ایں ہنگام کہ معاویہ از میسون برنجید و او را طلاق گفت او در رفت و با اہل خویش بپیوست و در حوارین اقامت جست " حاصل یہہ کہ بجدل جو یزید کا نانا ہے اوس کا ایک غلام مسمی بہ سفاح تھا میسون اُس سے پھنسی ہوئی تھی اور اُس سے حاملہ بھی ہو گئی تھی مگر چونکہ یہہ امر ظاہر نہیں تھا کیونکہ حمل قریب زمانہ کا تھا اسوجہ سے جب معاویہ نے میسون سے عقد کیا تھا تو اُس کو اس حمل کا حال معلوم نہ ہوا آخر جب وہ جنی تو معاویہ نے اُس بچہ کو اپنا ہی بچہ فرض کیا حالانکہ وہ سفاح کے نطفہ سے تھا یہانتک کہ معاویہ میسون سے ناراض ہوا اور اُسکو طلاق دیدی اور وہ حوارین میں اپنے عزیزوں کے پاس چلی گئی - مگر دمیری نے حیوٰۃ الحیوان میں یہہ لکھا ہے کہ جب معاویہ نے اسے طلاق دی اور اُسکو اُس کے رشتہ داروں پاس نجد میں بھیجدیا تو وہیں جنگل میں یزید پیدا ہوا اور دو برس بعد معاویہ نے اُس کو اپنا بیٹا بنایا - کیونکہ اوسکی کوئی دوسری اولاد نہ تھی - چنانچہ اونکی عبارت یہہ ہے -

ثم سیرہا الی اہلہا بنجد وکانت حاملۃ بیزید فولدتہ وارضعتہ سنتین ثم اخذہ معاویۃ منہا - باقی جو اون کے افعال تھے وہ طشت از بام ہیں مثل اس کے معاویہ خود شرابخوار تھا اوائل زمانہ رسول میں کفار مولفۃ القلوب میں داخل تھا اور رسول اللہ کی طرف سے بطور وظیفہ کے اوسکو کچھ ملتا بھی رہتا تھا - تاکہ مشرکین کا ساتھ نہ دے - بعد رسول اللہ کے جو اون کے بھائی اور وصی اور خلیفہ مسلم الخلافت اور

امام سے جنگ کی وہ واضح ہے پھر عمار کو قتل کرایا جنکی نسبت رسول خدا فرما گئے ہیں تقتلہ الفئۃ الباغیۃ - ایک باغی گروہ اونکو قتل کریگا - بلاوجہ حجر بن عدی کو معہ اون کے اصحاب کے جو اصحاب جلیل جناب رسالتمآب کے تھے قتل کروا دیا جیسا کہ استیعاب صفحہ ۱۳۷-۱۳۸ میں ابن عبدالبر نے لکھا ہے کان حجر من فضلاء الصحابۃ و مع صغر سنہ عن کبارہم (استیعاب بن عبدالبر ولادت عبدالبر سنہ ۳۶۸ھ) فقتل معاویۃ منہم ستۃ واحیی ستۃ وکان ممن قتل صفحہ ۱۳۸ استیعاب - بی بی عائشہ کو غدر کے بہانہ سے کنوئیں میں گرا کے مار ڈالا وغیرہ وغیرہ - اور یزید کے افعال کا قبح بھی اسی حد کو پہونچا ہوا ہے چنانچہ ملا محمد مبین صاحب لکھنوی فرنگی محل نے کتاب وسیلۃ النجاۃ مطبوعہ مطبع گلشن کے صفحہ ۱۹۲ میں لکھا ہے "یزید پلید بدبخت ستون دین و بنیاد خانہ حضرت سید المرسلین را برانداخت و امارت ایمان و قصر امن و امان را منہدم ساخت - بزرگے گفتہ کارے کہ یزید کرد کسے کافر فرنگ ہم نہ کردہ باشد و بعد شہادت آنحضرت خانہ کعبہ را نیز خراب کرد و در انجا بدعتہائے پدید آورد و مدینہ منورہ را حکم دار الحرب داد و در مسجد نبوی اسپہا بست و صحابہ سید الوری کہ آنجا بودند ہمہ را بے عزت و حرمت کرد و زنہا را مباح گردانید و امر زنا کرد و خود بہ شراب مخمور و مست مے ماند و با بوزینہ کہ صحبت معنوی در صورت مثال و سیرت ظاہری بازی داشت و دیگر فضائح و قبائح وے در کتاب کبار مسطور است" اور ابن حجر مکی نے بھی انکی فضیلت کی حدیث صواعق محرقہ صفحہ ۱۳۲ مطبوعہ مصر میں نقل کی ہے کہ رسولخدا نے فرمایا لا یزال امتی قائماً بالقسط حتی یکون اول من یثلمہ رجل من بنی امیۃ یقال لہ یزید" اور نیز فرمایا - اول من یبدل سنتی من بنی امیۃ یقال لہ یزید" خلاصہ یہ ہے کہ ان بزرگواروں کے حسب و نسب کی یہ کیفیت تھی - ولادت ایسی پاک - اور اعمال ایسے نیک - اور وہ بارہویں خلیفہ جنکو سیوطی نے لکھا ہے ولید بن یزید بن عبدالملک اونکی بزرگی حسب و افعال یہانتک تھے کہ خود سیوطی نے لکھا ہے (تاریخ الخلفاء صفحہ ۱۷۰ چھاپ مطبع مجتبائی دہلی) "الولید بن یزید بن عبدالملک بن مروان بن حکم الخلیفۃ الفاسق" اور دو سطروں کے بعد یوں لکھا ہے - وکان فاسقاً شریباً للخمر منہتکاً حرمات اللہ اراد الحج لیشرب فوق ظہر الکعبۃ" یعنی ولید فاسق شرابخوار حرمت خدا کا برباد کرنیوالا

تھا اُسنے حج کا صرف اس لیئے ارادہ کیا تھا وہاں جاکر خانہ کعبہ کی چھت پر شراب پیئے۔ اُس کے فسق کی وجہ سے اوسکو سرزنش اور خروج کرکے سنہ ۱۲۶ھ میں قتل کیا"۔

ساتواں مقدمہ

خلیفہ کے معنے کے بیان میں (۴۱) خلیفہ لغت میں اُسے کہتے ہیں جسکو کوئی شخص اپنی جگہ پر نائب کرکے کام کرنے کے لیئے مقرر کردے۔ اسوجہ سے خدا تعالیٰ نے بھی جن لوگونکو اپنی طرف سے کام کرنیوالا مقرر کرکے بھیجا ہے اونکو خلیفہ کے لفظ سے تعبیر فرمایا ہی۔ جیسے حضرت آدم کو انی جاعلٌ فی الارض خلیفہ میں خلیفہ کہا ہی۔ حضرت موسےٰ حضرت ہارون کو اخلفنی فی قومی میں خلیفہ کہا۔ جسکی حکایت خدا تعالیٰ نے فرمائی ہی۔ حضرت ہود کا مکالمہ اپنی قوم سے نقل کرتے ہوئے خدا تعالیٰ فرماتا ہی واذکروا اذ جعلکم خلفاء من بعد قوم نوح"۔ یاد کرو اُس احسان کو جبکہ خدا نے قوم نوح کی بعد تم کو اُنکا جانشین بنایا۔ اور حضرت صالح کا قول نقل کرتے ہوئے فرماتا ہی "واذکروا اذ جعلکم خلفاء بعد عاد" اور یاد کرو جبکہ اسی قوم تمکو خدا نے خلیفہ اور جانشین بنایا بعد قوم عاد کے۔ اور فرمایا "وعد اللہ الذین آمنوا منکم وعملوا الصلحت یستخلفنہم فی الارض" اللہ نے وعدہ کیا ہی ایمان والوں کے لیئے کہ اونکو روئے زمین پر خلیفہ بنائیگا پھر صورت عرض یہ ہے کہ خلیفہ کسی کا اوسی کو کہہ سکتے ہیں جسکو کوئی شخص بعد اپنے کام کرنے اور جانشینی کے لیئے مقرر کرے۔ اگر آپسے آپ کوئی چاہے کہ میں کسی کا خلیفہ ہوجاؤں تو اُسے ہرگز خلیفہ نہ کہا جائیگا۔

(۴۲) اور عقل بھی کہتی ہی کہ خلیفہ کسی کا وہی شخص ہوسکتا ہی جسمیں ویسی ہی قابلیت بھی ہو جیسی قابلیت اُس خلیفہ بنانے والے میں تھی۔ کیونکہ اُسے اپنے بعد اپنے کام کو اوسیطرح چلانا مقصود ہے جس طرح وہ خود چلارہا تھا۔ عام دنیا کا بھی یہی دستور ہی کہ اپنے بعد اگر کسی کو مقرر کرتا ہے تو ایک مقرر کرکے مقرر کرتا ہی جو اُس کے فرائض منصبی کو کامل طور سے انجام دے سکے۔ یا جب بادشاہ کسی کو ولیعہد بناتا ہی تو اپنی اولاد یا عزیز یا غیروں میں سے ایسے شخص کو انتخاب کرتا ہی جو سلطنت کے اہم کاموں کو مثل اُس کے درستی کے ساتھ انجام دیسکے۔ جب ایک پہلوان کہیں جاتا ہی تو اپنے شاگردوں میں سے ایسے شخص کو

اپنے مقام پر چھوڑجاتا ہے جو اُسی کے مانند اور شاگردوں سے برتاؤ کر سکے اور اُن امور کو تعلیم دے سکے جنہیں خود تعلیم دیتا تھا۔ کبھی ایسا نہیں ہوتا کہ گنوار ناقابل جاہل اور بیوقوف کو کوئی شخص اپنا قائم مقام بنائے۔
اور جب ایسا ہوتا ہے تو یہ بات کیوں نہیں تسلیم کی جاتی کہ رسول اللہ کے بعد بھی جو شخص کام کرنیوالا مقرر ہو وہ اُنکا آپ منتخب کردہ ہو۔ اور جس میں ویسے ہی تمام قابلتیں ہوں جیسی آپ میں تھیں۔ مثلاً معصوم ہونا حد درجہ کا عالم ہونا شریف النسب ہونا صاحب معجزہ ہونا منصوص من اللہ ہونا۔ خوش اخلاق و خوش نہاد ہونا۔ وغیرہ وغیرہ اور کیوں کہا جاتا ہے کہ رسول خدا کا خلیفہ وہ شخص ہو سکتا ہے نہ رسول نے خلیفہ مقرر کیا ہو نہ خدا نے۔ جاہل ہو یا عالم۔ فاسق ہو یا صالح العمل۔ مؤمن ہو یا کافر۔ شریف النسب ہو یا وضیع النسب معجزہ رکھتا ہو یا نہ۔ اور اگر واقعی ایسا ہی شخص حضرت کا قائممقام ہو جو حضرت کے فرائض کو انجام نہ دیسکے تو اسکی تقرری اُمت کے لئے کیا مفید ثابت ہو سکتی ہے۔

(۴۸) دیکھئے ہم آپکو ایسا شخص دکھلاتے ہیں جسمیں وہ تمام اوصاف موجود ہیں جو خود آنحضرت میں موجود تھے بالخصوص یہ بات کہ اسکو خود رسول نے اپنے بعد کام انجام دینے کے لئے مقرر کیا تھا۔
اگر صرف اسی حدیث کو دیکھا جائے جسے رسول اللہ کے اصحاب حدیث نے نقل کیا ہے اور جسے امام نسائی محدث اہل سُنت نے کتاب خصائص ص ۱۴ مطبوعہ مصر میں روایت فرمایا ہے۔ عن زید بن

اثیغ عن ابی ع قال قال رسول اللہ لینتھن بنو ربیعۃ اولابعثن علیھم رجلاً کنفسی ینفذ فیھم امری۔ زید بن اثیغ سے مروی ہے اُس نے کہا کہ ابی ؓ نے کہا کہ رسول خدا نے فرمایا کہ بنی ربیعہ اپنے فعل سے باز رہیں ورنہ میں اُنپر ایسے شخص کو مبعوث کرونگا جو مثل میرے نفس کے ہوگا اور وہ انہیں میری حکم کو نافذ کریگا تو حضرت عمر نے ابی سے پوچھا کہ من یعنے رسول نے کنفسی کا لفظ کس کے لئے کہا ہے قلت خاصف النعل قال وعلی یخصف النعل۔ ابی کہتے ہیں کہ میں نے کہا نعل سینے والیکو کہا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ حضرت علی اُسوقت نعل درست فرمارہے تھے۔

اور یہ حضرت کا ارشاد اس کلام کی وجہ سے ہے جسے خدا تعالی نے آیہ مباہلہ میں فرمایا ہے "قُلْ تعالوا ندع ابنائنا و ابنائکم و نسائنا و نسائکم و انفسنا و انفسکم ثم نبتہل جسمیں باتفاق جملہ اہل اسلام

انفسنا سے مراد خاص علی ابن ابیطالب کو لیتے ہیں۔ علاوہ بریں اور سنکڑوں حدیثیں ہیں جو حضرت کے فضائل و کمالات کو ظاہر کرتے ہیں۔ مثلاً اقضاکم علیؑ جو حضرت کے علم کو بتاتے ہیں۔ یا ضربۃ علی یوم الخندق افضل من عبادۃ الثقلین الیٰ یوم القیامۃ۔ جو حضرت کی شجاعت کو بتاتی ہے۔ یا مثلاً انت لحمک لحمی و دمک دمی۔ جو حضرت کی عصمت اور پاکی کو بتاتی ہے۔ یا مثلاً من کنت مولاہ فعلیؑ مولاہ۔ جو حضرت کے منصوص خلیفہ ہونیکو بتاتی ہے۔ پس اگر صرف یہی ایک حدیث موجود ہوتی تب بھی حضرت کی خلافت اوّلیہ میں شبہہ نہیں ہو سکتا۔ چہ جائیکہ متعدد مقام پر رسول اللہ نے اپنا خلیفہ بتایا ہے۔ اور لوگوں سے بھی فرمادیا ہے کہ یہی میرے جانشین ہونگے۔ پھر اُمت کے آدمیوں کو اسمیں اختلاف کا کیا سبب ہے۔ ملاحظہ ہو ایک مقام پر آپ ارشاد فرماتے ہیں۔ علیؑ منی وانا منہ فلا یودی عنی الا انا و علیؑ (خصائص نسائی صفحہ ۲۱ چھاپہ مصر) علی مجھ سے ہیں اور میں علیؑ سے ہوں۔ پس میرے فرائض یعنی لوازم ہدایت کو کوئی پورا نہیں کر سکتا۔ مگر میں اور علیؑ۔

اس حدیث میں تصریح سے حضرت نے فرمادیا ہے کہ میرے بعد خلیفہ علی ہی ہونگے نہ کوئی اور۔ دوسرے مقام پر فرمایا ہے۔ انت منی بمنزلۃ ہارون من موسیٰ۔ اور یہ کہ اما ترضیٰ ان تکون منی بمنزلۃ ہارون من موسیٰ۔ الا انہ لا نبی من بعدی "۔ اور یہ کہ یا علی انت ہارون من موسیٰ الا انہ لیس من بعدی نبی۔ باختلاف الفاظ جیسا کہ خصائص نسائی صفحہ ۱۳ و ۱۴ میں موجود ہے۔ جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جسطرح حضرت ہارون کو حضرت موسیٰ نے اپنا جانشین بنایا تھا اوسیطرح اے علیؑ میں خلیفہ تمکو بناتا ہوں۔ جبکہ آپنے جناب امیر المؤمنین علی ابن ابیطالب کی نسبت فرمایا ہے۔ ما تریدون من علی ان علیاً منی وانا منہ وہو ولی کل مؤمن بعدی۔ تم لوگ علی سے کیا چاہتے ہو بیشک علیؑ میرے بعد تمام مؤمنین کا ولی و سردار ہے۔ یعنی میرا خلیفہ ہے اور یہ اُسوقت فرمایا ہے جبکہ آنحضرت نے علی ابن ابیطالب کو ایک لشکر کا سردار کر کے بھیجا ہے۔ اور وہاں بعد فتح و غنیمت حاصل ہونے کے ایک جاریہ حضرت نے اپنے لیئے لے لی ہے۔ تو چار آدمیوں نے وہاں سے آکر رسول خدا سے انکی شکایت کی۔ ہر ایک کے کلام سے آپنے مُنہہ اونکی طرف سے پھیر لیا۔ آخر چوتھی دفعہ آپ کو یہ ارشاد فرمانا پڑا

کہ علی تو میرے بعد میرا جانشین ہی - تم لوگ اوسکی کیا شکایت کرتے ہو (ملاحظہ ہو یہ تمام خصایص نسائی صـ۱۶ و ۱۷ مطبوعہ مصر)

۴ جبکہ سورۃ برات لیکر حضرت ابوبکر کو مکہ کیطرف آنحضرت نے روانہ کیا اور پھر بحکم خدا اونکو واپس بلاکر علی ابن ابیطالب کو اپنی قائم مقامی میں روانہ فرمایا اور حضرت نے اہل مکہ اور حاجیوں تک احکام الٰہیہ پہنچائی چنانچہ خصائص نسائی ملاحظہ ہو صـ۱۵ عن سعید قال بعث رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ابا بکر ببرائۃ حتی اذا کان ببعض الطریق ارسل علیاً فاخذھا منہ ثم سار بہا فوجد ابوبکر فی نفسہ فقال رسول اللہ صلعم لا یؤدی عنی الا انا او رجل منی"

۵ جبکہ آیہ انذر عشیرتک الاقربین نازل ہوا ہی اوسوقت حضرت نے تمام بنی مطلب کے سامنے حضرت علیؑ کی نسبت فرمایا ان ہذا اخی ووصی وخلیفتی فیکم - جیساکہ مفصل آئندہ آئیگا -

۶ جبکہ تمام لوگوں کے دروازے مسجد کی طرف سے بند کیئے گئے اور جناب امیرالمؤمنین علی ابن ابیطالب کا دروازہ صرف کھلا رہا - جیساکہ آئندہ آئیگا اسکا ذکر اور عام تواریخ سیر اہل اسلام میں مذکور ہی -

۷ - جبکہ آپنے ہجرت فرمائی تو مدینہ میں صرف حضرت علیؑ کو خلیفہ بناکر چھوڑ گئے تھے - جبپر آیہ من الناس من یشری نفسہ - نازل ہوا - جیساکہ آئندہ معلوم ہوگا -

۸ - سال بیعت رضوان میں جبکہ آپنے فرمایا ہے لیبعثن اللہ علیکم رجلاً منکم امتحن اللہ قلبہ للایمان ولیضربنکم علی الدین ضرور خداوند تعالیٰ تمپر ایک شخص کو تم میں سے مبعوث کریگا جسکے دلکو خدانے ایمان کیلیئے امتحان کرلیا ہی اور وہ تم کو دین پر ماریگا - یہ سنکر ابوبکر و عمر نے کہا کہ کیا وہ شخص ہم میں سے ہوگا یارسول اللہ - ؟ آپ نے فرمایا لا ولکن ہذا الذی یخصف النعل - " اور اوسوقت علیؑ نعل درست فرمارہے تھے - اور یہ وہ واقعہ ہے کہ آنحضرت کے پاس کچھ کفار آئے تھے اور کہتے تھے کہ آپکے پاس جو غلام ہمارے آگئے ہیں اونکو واپس کردیجیے - تب آپ نے اپنے اصحاب سے مشورہ لیا اور اصحاب نے واپس ہی کرنیکی رائے دی - تب حضرت نے ناراض ہوکر یہ کلام فرمایا جو سابق میں مذکور ہوا - (دیکھو ازالۃ الخفا شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی -)

(۹) جبکہ آپ نے فرمایا ادعوالی سید العرب اور عائشہؓ نے کہا آپ سید نہیں ہیں آپ نے جواب دیا کہ میں سید بنی آدم ہوں اور علی سید العرب ہیں۔ جسمیں آپ نے سرداری کا تمغہ خاص علی ابن ابیطالبؑ کو مرحمت فرمایا۔

(۱۰) موقعہ خم غدیر پر جبکہ آپ نے مجمع عام میں اپنا خلیفہ علیؑ کو بنایا ہی جیسا کہ عام طور سے تواریخ و سیر و مناقب کی کتابوں میں مذکور ہی اور نسائی نے بھی خصائص صـ۱۸ میں کئی طریقوں سے اسے روایت کیا ہی منجملہ اون کے ایک طریقہ یہہ ہی۔ عن سعد قال کنا مع رسول اللہ بطریق مکۃ وہو متوجہ الیھا فلما بلغ غدیر خم وقف للناس ثم رد من تبعہ ولحقہ من تخلف فلما اجتمع الناس الیہ قال ایہا الناس من ولیکم قالوا اللہ ورسولہ ثلاثا ثم اخذ بید علی فاقامہ ثم قال من کان اللہ ورسولہ ولیہ فہذا ولیہ اللہم وال من والاہ وعاد من عاداہ۔

علیٰ ہذا القیاس اور بھی بہت مرتبہ حضرت نے ایسی باتیں فرمائی ہیں اور تصریح لوگوں پر ظاہر کردیا ہی۔ کہ صرف علیؑ ہی میرے بعد جانشین ہونگے لیکن عوام الناس کو دہوکا ہوگیا کہ جو بادشاہ اسلام میں ہوں وہ خلیفہ ہی ہیں۔ حالانکہ یہہ بات کسی طرح قابل قبول نہیں اسوجہ سے کہ خلافت رسولؐ کو بادشاہی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اُمت کو آنحضرت کے ایک ہادی کی ضرورت ہی۔ جو احکام خدا و رسولؐ کو سکہائے اور بتائے عام اس سے کہ وہ بادشاہ ہو یا نہ ہو عام اس سے لوگ اُس کا کہنا مانتے ہوں یا سرکشی و سرتابی کی وجہ سے نہ مانتے ہوں جیسا کہ حضرت ہارون کی بات کو بنی اسرائیل نے غیبت موسیٰؑ میں نہیں مانا اور گوسالہ پرستی کرنے لگے۔ حالانکہ حضرت موسیٰ نے ہارون کو اپنا جانشین مقرر کردیا تھا۔ اور لوگوں کو فہمایش کردی تھی کہ اونکی پیروی کرنا۔ مگر لوگوں نے سرتابی کی اور اُن سے منحرف ہوگئے جبپر حضرت موسیٰ بعد واپسی بہت ناراض ہوئے اور اُن لوگوں کے گوسالہ کو جلوا دیا۔ اور سب پر عتاب خدا ہوا جیسا کہ تفاسیر اہل اسلام عام طور سے مذکور ہے۔"

لہذا دیکھنا چاہیے کہ جسمیں اوصاف رسول پائے جاتے ہوں اور اُسکو رسول خدا نے خلیفہ مقرر کیا ہو اوسکو ہادی اور خلیفہ رسول ماننا فرض ہو نہ یہہ کہ جسکے ہاتھ میں تلوار ہو۔ عام اس سے کہ وہ جاہل و فاسق

ہی کیوں نہ ہو کیوں اوسکو خلیفہ سمجھا جائے وہ توصرف بادشاہ ہی جسطرح اور بادشاہ دنیا میں گذری ہیں۔ اور اب موجود ہیں وہ بھی اُنہیں سے ایک ہے۔ بادشاہی کی وجہ سے کسی کو نبوت یا خلافت الٓہیہ نہیں ملسکتی۔ خلافت تو خدائی منصب کا نام ہے جیسا کہ ہم نے اوپر ظاہر کردیا ہی۔ جسمیں سلطنت کی ہرگز قید نہیں۔ دیکھیئے انبیائے اور رسولان سابق کو کہ سب ہی خلفاء تھے مگر سوائے دو تین نبیوں کے کوئی بھی بادشاہ نہ تھا۔ ایک حضرت موسئے تھے ایک حضرت داؤد تیسرے حضرت سلیمان وادریس باقی جتنے انبیاء گذرے ہیں سب فقیر و تنگحال تھے باوجود اسکے پھر خلیفۃ اللہ تھے اون کی فقیری نے اونکو خلافت کے مرتبے سے نہیں ہٹایا۔ بلکہ سچ پوچھو تو بادشاہی اون کے لیئے کسی قدر مرتبہ کے گھٹانے والی ہی کیا آپنے نہیں سُنا ہی کہ حضرت سلیمانؑ بہ سبب اپنی سلطنت کے اور انبیائے علیہم السلام کی بہ نسبت زیادہ تر میدان حشر میں بغرض حساب کتاب کے ٹھیرائے جائینگے کیونکہ اونکی جوابدہی اوروں سے زیادہ سخت ہے۔ لہذا معلوم ہوا کہ صرف سلطنت کی وجہ سے جبکہ لوگونکو خلیفہ مانا گیا تھا وہ غلطی سے تھا اور ناواقفیت کے سبب سے بلکہ خلفائے رسول وہ لوگ تھے جو مثل اُن کے کمالات و صفات میں تھے۔ اور منصوص من اللہ والرسول بھی تھے۔ اگرچہ اون کے ہاتھ میں سلطنت نہ تھی۔

آٹھواں مقدمہ

عام علمائے اسلام کی رائیں سب نے بالاتفاق لکھا ہی کہ جو جلالت و بزرگی بہمہ وجوہ جناب امیرالمومنین علی ابن ابیطالب علیہ السلام کو بعد رسول اللہ کے حاصل تھی وہ کسی کو نہ تھی۔ قرآن و حدیث دونوں ہی ان کی مدح و ثنا کرتے ہیں۔ مگر میں چند کتابوں سے چند رائیں سردست لکھتا ہوں۔ اور آئندہ انشاء اللہ تعالیٰ اس سے زیادہ معلوم ہو جائیگی۔ علامہ سیوطی تاریخ الخلفاء میں لکھتے ہیں صفحہ ۱۱۴

چھاپہ مجتبائی دہلی) وعلیؓ احد العشرۃ المشہود لہم بالجنۃ واخو رسول اللہ احد السابقین الی الاسلام واحد علماء الربانیین والشجعان المشہورین والزہاد المذکورین والخطباء المعروفین واحد من جمع القرآن وعرضہ علی رسول اللہ اور پھر لکھتے ہیں انہ اول من اسلم ونقل بعضہم الاجماع علیہ“۔

اور ص۱۱۶ میں فرماتے ہیں۔ اخرج[1] الطبرانی وابن ابی حاتم عن ابن عباس قال ما انزل اللہ یا ایہا
الذین الّا وعلیؑ امیرہا و شریفہا ولقد عاتب اللہ اصحاب محمد فی غیر مکان وما ذکر علیاً الّا بخیر"
اور نیز ص۱۱۷ میں لکھتے ہیں۔ واخرج[2] ابن عساکر عن ابن عباس قال ما نزل فی احد کتاب اللہ تعالیٰ
ما نزل فی علیؑ۔ اور نیز اسی صفحہ میں لکھتے ہیں عن ابن عباس قال نزلت فی علی ثلثمائة آیة" اور
نیز لکھتے ہیں عن[3] سعد قال قال رسول اللہ لعلی لا یحل لاحد ان یجنب فی ہذا المسجد غیری وغیرک
اور نیز لکھتے ہیں عن ابن عباس قال کانت لعلی ثمانی عشر منقبة ما کانت لاحد من ہذہ الامة۔
نیز استیعاب میں عبدالبر نے لکھا ہے۔ ص۴۷ لعلی[5] اربع خصال لیست لاحد غیرہ وہو اول عربی
وعجمی صلی مع رسول اللہ وہو الذی کان لوائہ معہ فی کل زحف وہو الذی صبر معہ یوم فر عنہ غیرہ
وہو الذی غسلہ وادخلہ قبرہ"
ایک جگہ پر سینکڑوں فضائل نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔ ص۴۷۸ واخبار[6] فی مثل ہذہ او سیرتہ لا یحیط
بہ کتاب پھر ص۴۷۹ میں لکھتے ہیں۔ قال محمد[7] ابن حنبل واسمعیل بن اسحٰق القاضی لم یروی فضائل احد
من الصحابة بالاسانید الحسان ما روی فی فضائل علی ابن ابیطالب۔ نیز ابن حجر مکی صواعق محرقہ
میں لکھتے ہیں حضرت کے باب فضائل میں ص۷۲ وہی[8] کثیرة عظیمة شہیرة حتی قال احمد ما جاء لاحد من الفضائل
ما جاء لعلی وقال اسمٰعیل القاضی والنسائی وابو النیسابوری لم یروی فی حق احد من الصحابة بالاسانید الحسان
اکثر ما جاء فی علیؑ۔ نیز ابن حجر محرقہ ص۷۶ میں لکھتے ہیں۔ فی علی[9] ثلثمائة آیة اور یہ کہ[10] ما نزل فی
احد من کتاب اللہ تعالیٰ ما نزل فی علیؑ۔ نیز حضرت عمر کی یہ رائے ہے جسکو ص۷۶ میں ابن حجر نے لکھا ہے
قال عمر[11] ابن الخطاب لقد اعطی علیاً ثلاث خصال لان یکون لی خصلة منہا احب الی من حمر النعم فسئل ما ہی
قال تزویجہ بنتہ وسکناہ فی المسجد لا یحل لی فیہ والروایة یوم الخیبر اور نیز طبرانی سے اسی روایت سے نقل کرتے
ہیں ولقد[12] عاتب اللہ اصحاب محمد فی غیر مکان وما ذکر علیاً الا بخیر" اور یہ کہ کانت[13] لعلی ثمانیة
عشرة منقبة ما کانت لاحد من ہذہ الامة۔ اور سب کی جامع فضیلت وہ ہے جسے بڑے بڑے علمائے
اسلام نے نقل کیا ہے۔ منجملہ ان کے کمال الدین محمد بن طلحہ شافعی نے کتاب مطالب السؤل ص۴۲ میں

لکھا ہے ومن ذالک ما رواہ البیہقی فی کتاب المصنف معہ فضائل الصحابہ یرفعہ لسندہ الی رسول اللہ

قال من اراد ان ینظر الی آدم فی علمہ و نوح فی حلمہ والی ابراہیم فی خلقتہ والی موسیٰ فی ہیبتہ والی عیسیٰ

فی عبادتہ فینظر الی علی ابن ابیطالب علیہ السلام - اور نیز رسول اللہ سے روایت کی ہے کہ حضرت نے فرمایا

ان علیا رایۃ الہدیٰ وامام اولیائی و نور من طاعتی وہو الکلمۃ اللتی الزمہا المتقین فمن احبہ احبنی

ترجمہ عبارات سابقہ ۱ علی رضی اللہ اُن آدمیوں میں سے ہیں جن کے لیے جنت میں داخل ہونگی گواہی دی گئی ہے - اور اخ رسول ہیں - سابقین اسلام میں سے وہ بھی ایک ہیں علماء ربانین اور مشہور بہادروں اور معروف زاہدوں اور معلوم خطیبوں میں سے آپ بھی ایک ہیں - جن لوگوں نے قرآن جمع کیا اونمیں سے ایک آپ بھی ہیں - اور اُس قرآن کو آپ نے جمع کرنیکے بعد رسول اللہ کے پاس پیش بھی کیا تھا - ہمیں یہاں اور کچھ بحث نہیں صرف اتنا دکھانا مقصود ہے کہ علامہ سیوطی نے آپکا جنتی ہونے اخی رسول ہونے سابق الاسلام ہونے عالم ربانی ہونے زاہد لاثانی ہونے خطیب کامل ہونے اور جامع قرآن ہونیکو تسلیم کیا ہے اور یہی اونکی رائے ہے -

۲ - طبرانی اور ابن ابی حاتم نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ خدا نے جہاں کہیں قرآن میں یا ایہا الذین آمنو کہا ہے اُسمیں علی اور شریف مؤمنین ہیں اور دیگر اصحاب رسول کو چند مواقع پر عتاب کیا ہے مگر علی کا جہاں ذکر کیا ہے خیر و نیکی ہی سے ذکر کیا ہے -

۳ - ابن عساکر نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ جسقدر قرآن میں آیتیں علی کی شان میں آئیں اور کسی کی شان میں نہیں آئی ہیں -

۴ - سعد سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ یا علی سوائے تمہارے اور میرے کسی کو اس مسجد میں جنب ہونیکا حق نہیں ہے -

۵ - علی کے لیے چار مخصوص فضیلتیں ہیں - ۱ یہ کہ وہ تمام عرب و عجم سے پہلے شخص ہیں جنھوں نے رسول اللہ کے ہمراہ نماز پڑھی - ۲ یہ کہ یہ وہ ہیں جنکے ہاتھ میں رسول اللہ کا علم ہر جنگ میں رہا - ۳ یہی وہ ہیں کہ جس وقت تمام اصحاب رسول خدا الائی سے بھاگ گئے حضرت کے ساتھ سے جدا نہ ہوئے ۴ یہی وہ ہیں جس نے رسول اللہ کو غسل دیا اور قبر میں اُتارا -

ومن ابغضہ فقد ابغضنی۔ اور نیز لکھا ہے۔ ومن فلک[16] ما رواہ الحافظ بسندہ المذکور فی حلیۃ عن ابن عباس قال قال رسول اللہ ما انزل اللہ عزوجل یا ایہا الذین الا و علیؑ راسہا و امیرہا۔ اور نیز صفحہ ۳۷ میں لکھا ہے عن[17] علقمہ ابن عبد اللہ قال کنت عند رسول اللہ فسئل عن علی فقال قسمت الحکمۃ عشرۃ اجزاء فاعطی علی تسعۃ اجزاء والناس جزء واحدا۔

بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ۔ ۶ـ اس قسم کے حضرت کے واقعات اور آپکی سیرتیں اتنی ہیں کہ کسی ایک کتاب میں جمع نہیں ہو سکتیں۔

۷ـ۔ احمد بن حنبل اور اسمٰعیل بن اسحاق قاضی نے بیان کیا ہے جس قدر احسن روایتیں علی ابن ابیطالب کے فضائل میں ہیں وہ کسی اصحاب کے باب میں مروی نہیں ہیں۔

۸ـ۔ فضائل علی ابن ابیطالب علیہ السلام کثیر و عظیم مشہور ہیں یہانتک کہ احمد بن حنبل نے لکھا ہے کہ علی کے متعلق جسقدر فضائل مروی ہوئے ہیں اور اسمٰعیل قاضی اور نسائی اور ابو علی نیشاپوری نے لکھا ہے کہ بسند ہائے حسن جتنی روایتیں علی کے متعلق مروی ہیں وہ کسی صحابی کے لیے مروی نہیں۔

۹ـ علی کے باب مدح میں تین سو آیتیں نازل ہوئی ہیں۔

۱۰ـ کتاب خدا میں جس قدر آیتیں علی کے شان میں نازل ہوئیں کسی کی شان میں نازل نہیں ہوئیں۔

۱۱ـ۔ عمر ابن خطاب نے کہا ہے کہ علی کی تین فضیلتیں ایسی ہیں کہ اُن میں سے اگر ایک بھی میرے لیے ہوتی۔ تو سرخ بالوں والے چوپاؤں سے زیادہ محبوب تھی۔ کسی نے پوچھا وہ کیا ہیں۔ کہا ایک تو یہ کہ رسول اللہ کی صاحبزادی سے آپکا عقد ہوا۔ دوسرے یہ کہ مسجد میں سکونت کرنا اور وہ میرے لیے جائز نہیں۔ تیسرے یہ کہ خیبر کی جنگ میں رایت رسول اللہ علی کے ہاتھ میں تھا۔

۱۲ـ۔ خدا تعالی نے اصحاب رسول پر چند مواقع پر عتاب کیا اور علی کو سوائے خیر کے کسی اور طرح یاد نہیں کیا۔

۱۳ـ۔ علی کے لیے آٹھ منقبتیں تھیں جنمیں سے اس اُمت کے آدمیوں میں کسی ایک کے لیے نہیں۔

۱۴ـ۔ منجملہ اُن فضائل کے وہ بھی ہے جسے بیہقی نے کتاب مصنفہ فی فضائل الصحابہ مرفوع السند روایت کیا ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا جو کوئی چاہے کہ آدم کو اون کے علم کی حالتیں دیکھے اور نوح کو اُن کے تقوے کی حالتیں اور ابراہیم کو اون کے حلم کی حالتیں اور موسی کو اون کی ہیبت کی حالتیں اور عیسی کو اون کی عبادت کی حالتیں دیکھے تو علی ابن ابیطالب کی طرف نظر کرے۔

علیٰ ہذا القیاس بیشمار فضائل حضرت کے ہیں اور بے شمار علمائے اسلام نے اُنہیں اپنی کتابوں میں درج کیا ہے - اگر اُن سب کو جمع کیا جائے بلکہ اگر اُن علماء و مؤرخین کے نام ہی فقط لکھے جائیں جن لوگوں نے حضرت کے فضائل کو اپنی اپنی کتابوں میں درج کیا ہے تو ایک بڑی ضخیم کتاب تیار ہو جائے - لہٰذا اس سے قطع نظر کر کے صرف یہ گذارش ہے کہ ان تمام بیانات میں جہاں اور باتیں معلوم ہوتیں وہاں یہ امر بھی معلوم ہوا کہ علی ابن ابیطالبؑ وہ بزرگوار ہیں جنکی توصیف و مدح میں قرآن مجید کی تین سو آیتیں موجود ہیں - گویا خدا تعالیٰ اس تیس جزو کی قرآن میں تین سو مقام پر حضرت کی تعریف فرمائی ہے - اور یہ بھی معلوم ہوا کہ تمام اصحاب رسول اللہ کی مذمت موقع بموقع خدا تعالیٰ نے قرآن میں کی ہے مگر علی ابن ابیطالب علیہ السلام کو جہاں یاد کیا ہے خیر اور بھلائی ہی کے ساتھ یاد کیا ہے -

اسوجہ سے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اُن آیات قرآن مجید کو دیکھا جائے کہ وہ کون سی ہیں جنمیں حضرت کی مدح کی گئی ہے - اور اُنمیں کیا کیا الفاظ مدحیہ حضرت کی شان میں خدا تعالیٰ نے استعمال کیے ہیں جن کے معلوم ہونے سے اہل ایمان کو سرور ہو اور ناواقف لوگوں کو حضرت کی پیروی کی خواہش پیدا ہو کیونکہ وہ شخص جس کو خدا تعالیٰ نے اس قدر ثنا و صفت سے یاد کیا ہو اُس سے بہتر امام و پیشوا ماننے کے قابل کون ہو سکتا ہے -

نواں مقدمہ

تعداد خلفاء میں اس امر میں تو کسی مسلمان کو اختلاف نہیں ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا ہے کہ میرے بعد بارہ خلیفہ ہونگے - جسطرح ہر پیغمبر کے بارہ بارہ خلفاء یعنے نائب ہوتے آئے ہیں - چنانچہ حضرت

---

۱۵ - بیشک علی علم ہدایت ہے میرے دوستوں کا امام ہے - میرے اطاعت کرنیوالوں کا نور ہے - علی وہ کلمۂ حق ہے جسے میں نے متقین کے لیے لازم کر دیا ہے کہ جو کوئی اُسے دوست رکھے اُسنے مجھکو دوست رکھا اور جس نے اُس سے دشمنی کی اُس نے مجھ سے دشمنی کی -

۱۶ - اور منجملہ اُن کے وہ ہے جسے حافظ ابو نعیم نے اپنی سند سے جو مذکور ہے اُنکی کتاب حلیۃ الاولیاء میں ابن عباس سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ خدا تعالیٰ نے کہیں یا ایہا الذین آمنو نہیں فرمایا مگر یہ کہ علی اُس کے سردار اور امیر ہیں -

۱۷ - علقمہ بن عبد اللہ سے مروی ہے وہ کہتا ہے کہ میں رسول اللہ کے پاس ہی تھا کہ کسی نے علی کی بابت آپ سے سوال کیا - تو آپنے جواب دیا کہ حکمت دس حصوں پر منقسم ہے اُنمیں سے نو حصے علی کو دئیے گئے - باقی لوگوں کو ایک حصہ -

یعقوب کے بارہ نائب ہوئے حضرت موسےٰ کے بارہ نائب ہوئے حضرت عیسےٰ کے بارہ حواری ہوئے
علیٰ ہذالقیاس ۔ چنانچہ اس مضمون میں بکثرت صحیح و حسن حدیثیں کتب اہل اسلام میں موجود ہیں ۔ منجملہ اُن کے
یہہ ہے جسے تاریخ الخلفاء میں سیوطی نے لکھا ہے ۔ عن شعبی عن جابر بن سمرہ عن النبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم
قال لایزال ہذا الامر عزیزاً ینصرون علی من ناواہم علیہا اثنا عشر خلیفۃً کلہم من قریش اخرجہ الشیخان وغیرہما ولہ طرق
والفاظ منہا لایزال ہذا الامر صالحاً ومنہا لایزال الامر ماضیاء وایہا احمد ومنہا عند مسلم امر الناس ماضیا ما ولیہم اثنا عشر
رجلاً ومنہا عندہ ان ہذا الامر لاینقضی حتی یمضی لہ فیہم اثنا عشر خلیفۃ ومنہا عندہ لایزال الاسلام منیعاً الی اثنا عشر
خلیفۃ ومنہا عند البزاز لایزال امر اُمتی قائماً حتی یمضی اثنا عشر خلیفۃً کلہم من قریش (مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی
اور اسی قسم کی روایت صاحب مودۃ القربیٰ سید علی ہمدانی شافعی نے بھی دسویں مودۃ صفحہ ۸۲۸۱
مطبوعہ لاہور) میں لکھی ہے عن الشعب عن عبد اللہ بن مسعود قال قال رسول اللہ الخلفاء بعدی
اثنا عشر بعدد نقباء بنی اسرائیل ۔" نیز اسی مضمون کی حدیث عمر ابن قیس و مسروق سے بحوالہ شعبی
نقل کیا ہے جس کا حاصل یہہ ہے کہ آنحضرت نے فرمایا کہ میرے بعد بارہ خلیفہ ہونگے بقدر عدد
نقبائے بنی اسرائیل اور یہہ کہ میری اُمت کا کام اُسوقت تک درست رہیگا ۔ جبتک انمیں
بارہ خلیفہ ہونگے ۔ اور چونکہ کتب اہل سنت و احادیث صحیح بخاری و مسلم میں اور شیعوں کی عام
کتب احادیث میں موجود ہیں اسلیئے اس کے وجود میں تو کوئی بحث نہیں ہے اور تمام اہل اسلام
وغیرہ انکو صحیح مانتے ہیں ۔ لیکن اگر بحث ہے تو صرف اس امر میں کہ وہ بارہ کون ہیں ۔ سوائے
فرقہ خوارج کے سواد اعظم نے تو اُن بارہ کو خلیفہ تجویز کیا ہے جسکو علامہ سیوطی نے گنوایا ہے ۔ جنمیں
یزید بن معاویہ قاتل امام حسینؑ اور ولید بن یزید بن عبد الملک شارب الخمر اور قرآن کو تیروں سے
پارہ پارہ کرنیوالا بھی داخل ہے ۔ جیسا کہ سابق میں گذارش کیا گیا ۔ اور امامیہ اثنا عشریہ بھی بارہ
خلیفہ کے قائل ہیں ۔ مگر وہ اُن بارہ کو خلیفہ رسول مانتے ہیں ۔ جنکی تصریح خود رسول خدا نے فرما
دی ہے ۔ کیونکہ سواد اعظم جن کو خلفاء مانا ہے اُنکی کہیں تصریح رسول اللہ نے نہیں فرمائی ۔ اور
کیونکر فرماتے کیونکہ اُنمیں وہ لوگ بھی داخل تھے جو اسلام کو فائدہ پہونچانے کے عوض سیکڑوں نقصان

ہوپہنچ گئی - حتیٰ کہ خود آنحضرت کے نواسے ہی کو قتل کرادیا اور اونکی اہلبیت کی ہتک حرمت کی اور ہزاروں بدعتیں ایجاد کردیں اور محرمات خدا کو حلال اور حلال کو حرام کردیا -

اور یہ امر بھی واضح ہو کہ جنکی تصریح رسول خدا نے خود فرمائی ہے وہی مسلمانوں کے قابل اقتدا ہوسکتے ہیں نہ کوئی اور اگر اونکے علاوہ کسی اور کو اپنا مقتدا بنالیں تو اونکی غلطی ہے جس سے بعد واقفیت کے عقلاً و شرعاً باز رہنا لازم و واجب ہے کیونکہ صحیح وہی بات ہو جو ارشاد رسولؐ کے مطابق ہے اور جو اُسکے خلاف ہے وہ غلط - اب میں اُن احادیث کو نقل کرتا ہوں جنمیں بارہ کی تصریح کے بعد اُن کے اسمائے گرامی کی بھی تصریح ہے - ایک حدیث تو یہ ہے -

عن عبد الملک بن عمیر عن جابر بن سمرہ قال کنت معہ ابی عند رسول اللہ فسمعت یقول بعدی اثنا عشر خلیفۃ ثم اخفی صوتہ فقلت لابی ما الذی اخفی صوتہ رسول اللہ قال قال کلھم من بنی ہاشم" جس سے یہ معلوم ہوا کہ وہ بارہ خلیفے جو ہونگے خاص بنی ہاشم میں سے ہونگے نہ عام عرب میں سے اس سے تمام بنی اُمیہ کے سلاطین اور بنی عدی اور بنی تمیم کے بادشاہ جو خلیفہ مانے گئے ہیں خارج ہوگئے کیونکہ وہ بنی ہاشم میں سے نہیں تھے - اور یہ بھی معلوم ہوا کہ علاوہ بنی ہاشم کے جنکو خلیفہ کہا گیا قول رسول اللہ کے مخالف ہے اور غلط - البتہ صحیح یہ ہو کہ اونکو بنی ہاشم میں سے ہونا چاہیئے - خصوصاً جبکہ بنی ہاشم اُس لفظ قریش میں بھی داخل ہیں جو سابق کی حدیثوں میں نقل کیا گیا ہے -

دوسری حدیث عن سلیم بن قیس الہلالی عن سلیمان الفارسی قال دخلت علی النبیؐ فاذا الحسین علی فخذیہ وھو یقبل عینیہ ویقبل فاہ ویقول انت سید ابن سید وانت الامام بن الامام وانت حجۃ بن الحجۃ وانت ابو حجج تسعۃ من صلبک تاسعھم قائمھم" جس سے معلوم ہوا - کہ امام حسین علیہ السلام وہ بزرگوار ہیں کہ خود امام - سید - اور حجۃ اللہ ہیں اُن کے پدر بزرگوار بھی امام - سید - حجۃ اللہ ہیں - اور آپ کے صلب سے اور نو بزرگوار امام اور حجۃ پیدا ہونگے -

دوسری حدیث - عن بن نباتہ عن عبد اللہ بن عباس قال سمعت رسول اللہ یقول انا وعلیؑ

والحسن والحسین وتسعۃ من ولد الحسین مطہرون معصومون۔ جس سے معلوم ہوا کہ خود جناب رسالتمآب اور علی اور حسنین اور باقی فرزندان امام حسین علیہ السلام مطہر و معصوم ہیں اور خلیفہ کیلئے عصمت ضروری بھی ہے لہذا یہی بزرگوار جو کہ معصوم ہیں وہی خلیفہ رسول بھی ہیں۔ اس سے زیادہ تصریح اور دوسری حدیث میں ہے وہ یہہ ہے عن عبایہ ابن ربعی قال قال رسول اللہ انا سید النبیین و علی سید الوصیین وان الاوصیاء بعدی اثنا عشر اولہم علی وآخرہم قائم۔ جس سے معلوم ہوا کہ وہ بارہ خلفاء جو بعد رسول اللہ کے ہونگے اونکی ابتداء علی ابن ابیطالب علیہ السلام سے ہوگی اور انتہا قائم آل محمد تک جس سے باقی سواد اعظم کے خلفاء آپ سے آپ ہی الگ ہو گئے کیونکہ نہ ابتدا اونکی علی سے ہے نہ انتہا اونکی قائم تک۔ بلکہ ابوبکر سے ابتدا ہے اور ولید تک خاتمہ دیکھو دسویں مودۃ کتاب مودۃ القربیٰ۔ حدیث نمبر ۱-۳-۴-۷-۸) اسی قسم کی حدیث نمبر ۵ کی بھی ہے جسمیں حضرت نے صاف فرما دیا ہے فانہم خلفائی واوصیائی وہی میرے خلیفہ ووصی ہیں۔

ان سب سے زیادہ واضح وہ حدیث ہے جو ابو المؤید موفق بن احمد خوارزمی سے کتاب ینابیع المودۃ ص ۴۸۶ مطبوعہ بیروت میں نقل ہے اور وہ یہہ ہے اخرج ابو المؤید موفق بن احمد الخوارزمی بسندہ عن ابن سلیمان راعی رسول اللہ قال سمعت رسول اللہ یقول لیلۃ اسری بی الی السماء قال لی الجلیل جل جلالہ آمن الرسول بما انزل الیہ من ربہ فقلت والمؤمنون قال صدقت قال یا محمد انی اطلعت الی اہل الارض اطلاعۃ فاخترتک منہم فشققت لک اسماً من اسمائی فلا اذکر فی موضع الا ذکرت معی فانا المحمود وانت محمد خلقتک وخلقت علیاً وفاطمۃ والحسن والحسین والائمۃ من ولد الحسین من نوری وعرضت ولایتکم علی اہل الارض ومن قبلہا کان عندی من المؤمنین ومن جحدہا کان عندی من الکافرین یا محمد لو ان عبداً من عبیدی عبدنی حتی ینقطع او یصیر کالشن البالی ثم جاءنی جاحداً لولایتکم ما غفرت لہ یا محمد تحب ان تراہم قلت نعم یا رب قال انظر الی یمین العرش فنظرت فاذا علی وفاطمۃ والحسن والحسین و علی ابن الحسین ومحمد بن علی وجعفر ابن محمد وموسیٰ ابن جعفر وعلی ابن موسیٰ ومحمد ابن علی وعلی ابن محمد وحسن ابن علی ومحمد المہدی بن الحسن کانہ کوکب دری بینہم وقال یا محمد ہٰؤلاء حججی علی عبادی وہم اوصیائک

والمہدینہم السائرمن قال عترتک وعزنی وجلالی انہ منتقم من اعدائی والممد لاولیائی"

جس سے تصریح معلوم ہو گیا کہ واقعی اوصیاء اور خلفاء رسول یہ بارہ ہیں جنکو آنحضرت اور خود پروردگار نے بیان فرمایا ہی۔ نہ وہ بارہ جنکو سواد اعظم خلفائے رسول مانے ہو ئے ہے کیونکہ وہ بادشاہی کو خلافت کے معنی میں سمجھے گئے ہیں۔ حالانکہ خلافت الٰہیہ کے واسطے بادشاہی ضروری نہیں۔ جیسا کہ ہم نے ساتویں مقدمہ میں ذکر کر دیا ہو۔ بلکہ اس خلافت کے واسطے نص عصمت اور بقیہ شروط مذکورہ درکار ہیں جو صرف انہیں بارہ میں حسب ارشاد رسول پائے جاتے ہیں۔ نہ اُن بارہ میں جنکو سواد اعظم خلیفہ مانتا ہے۔

دسواں مقدمہ

ازبسکہ قرآن مجید کی نسبت پروردگار عالم ارشاد فرماتا ہو **ما فرطنا فی الکتاب من شیئ**۔ ہمنے اس کتاب میں ہر چیز بیان کر دی کوئی ایسی چیز نہیں ہو جس کے بیان میں کمی کی ہو۔ نیز فرماتا ہے لا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین۔ کوئی خشک و تر چیز ایسی نہیں ہو جو قرآن میں نہ ہو۔ یعنے ہر خشک و تر کا ذکر اس کتاب محکم میں آگیا ہو خواہ بحیثیت اجمال ہو خواہ بطور تفصیل۔ نیز فرماتا ہی نزلنا علیک الکتاب تبیانا لکل شیئ و رحمۃ و بشریٰ للمسلمین" اے رسول ہمنے تمپر قرآن نازل کیا ہر چیز کے بیان کرنے کے واسطے اور مسلمانوں کے واسطے رحمت و بشارت بناکر۔ لہٰذا ضروری ہے کہ اس قرآن میں اُس معاملہ خلافت کا بھی ذکر ہوگا جو مسلمانوں میں متنازعہ فیہا ایک مدت سے چلا آتا ہو۔ کیونکہ اگر ہم کہیں کہ اس معاملہ کا ذکر اسمیں نہیں ہو تو قرآن کی تکذیب لازم آتی ہے۔ اسلیئے کہ جب اسمیں ہر چیز کا بیان ہو تو ہر چیز میں مسئلہ خلافت بھی داخل ہے پھر اسکا ذکر اسمیں کیوں نہ ہوگا پھر اُسپر یہ بھی طرہ ہے کہ یہ مسئلہ اہم مسائل اسلام سے ہو جسپر ایمان و اسلام کا دار و مدار ہے۔ اس لحاظ سے تو لازم آتا ہو کہ اسکا ذکر بھی تفصیل سے قرآن مجید میں ہو۔

اور چونکہ اسلام میں یہی دو چیزیں ایسی ہیں۔ جن سے کسی معاملہ کا فیصلہ کیا جا سکتا ہو۔ ۱ قرآن مجید ۲ حدیث رسول۔ اور انہیں کا فیصلہ قابل سند ہو سکتا ہو۔ اسلیئے مناسب معلوم ہوا کہ جہانتک ہو سکے

اسکی تفتیش کیجاوے اور اگر اس مسئلہ کا ذکر کتاب مذکور میں ملجاوے تو اُسے گروہ اسلام کے سامنے پیش کیا جاوے
جس سے لوگوں کے خیالات پر اثر پڑے اور حقیقت کے معلوم کرنے کے بعد لوگ اُسپر عامل بنکر راہ ہدایت
پاویں۔ اسی تفتیش و تحقیق کے لیئے یہہ رسالہ شروع کیا گیا ہے اگرچہ اس مضمون میں بہت وسیع کتاب
جناب علامہ کامل حضرت مولانا مفتی سید محمد عباس صاحب قبلہ نے مسمی بہ روائح القرآن تحریر
فرمادی ہے جسکے بعد کسی دوسری کتاب کی ضرورت نہیں ہے۔ اور علامہ حلی علیہ الرحمہ نے بھی منہاج
الکرامت میں آیات قرآنیہ سے اس مطلب کو ثابت کیا ہے۔ علامہ ابن بطریق علیہ الرحمۃ نے بھی
جو قدمائے علمائے امامیہ میں ہیں کتاب خصایص خاص اسی غرض سے لکھی ہے لیکن جناب
علامہ مولانا المفتی صاحب موصوف کی کتاب ان سب میں اکمل کتب ہے باینہمہ اس احقر نے جو اس
مضمون کو دوہرانا چاہا ہے تو اس کا سبب صرف یہہ ہے کہ کتب مذکورہ عربی زبان میں ہیں۔ جن سے
عام طور پر ہمارے اہل ملک فائدہ مند نہیں ہو سکتے اور یہہ رسالہ اردو زبان میں ہوگا جو عام لوگوں کو
بھی انشاء اللہ فائدہ پہونچائیگا۔ علاوہ اس کے اس رسالہ میں چند خصوصیتیں اور بھی ہیں۔
اول یہہ کہ جناب ابن بطریق نے اپنی کتاب میں صرف بیس آیتوں پر اکتفا کی ہے۔ علامہ حلی نے
کتاب منہاج میں صرف پچاس پر۔ اور کشف الحق میں چوراسی آیتوں تک پہونچایا ہے۔ جناب مفتی
سید محمد عباس صاحب اعلی اللہ مقامہ نے ایک سو چھتیس تک پہونچایا ہے مگر اس فقیر کو بعد تفتیش کے
اڑسٹھ آیتیں اور ملیں جنکی سندیں کتب اہل سنت سے ہیں۔ اب مجموعی تعداد آیتوں کی دو سو
دو ہے ۲۰۲ والحمد للہ علی ذالک۔ دوسرے یہہ ہے کہ ہر بحث میں پوری تفصیل سے کام لیا گیا ہے
جو اس سے ماقبل کی کتابوں میں کم ہے۔ تیسرے لہجہ اس کا ایسا رکھا ہے جسے ہر مخالف
و موافق سن سکے اور ٹھنڈے دل سے پڑھ سکے۔ بخلاف روائح القرآن کے کہ اُسمیں کسیقدر
گرمی الفاظ زیادہ ہے۔ چوتھے۔ یہہ کہ حوالجات میں حتی الامکان صفحہ اور مطبع کا بھی پتہ دیا ہے
تاکہ اعتماد کرنیوالیکو کافی طور پر اعتماد کرنیکا موقع ملے۔
یہہ رسالہ سلسلہ تعلیم مذہب کا چوتھا رسالہ ہے جسمیں قرآن مجید کی صرف اُن آیتوں سے بحث ہے

جو اہلبیت رسول کی مدح وثنا یا اونکی خلافت و امامت کو باقرار جملہ مفسرین اسلام ثابت کرتے ہیں۔ اکثر آیتیں تو وہ ہیں جو صرف فضائل اہلبیت رسولؐ کے بیان کرتے ہیں اور بتاتی ہیں کہ بعد رسول خدا کے اُن سے اشرف و اکمل کوئی شخص نہیں ہوسکتا۔ جس کا لازمی نتیجہ یہہ ہی کہ اگر کوئی شخص بعد رسول اللہ کے خلیفہ رسول اور امام برحق اور قایم ہوکر فرض ہدایت کو پورا کرنیکا حق رکھتا ہی تو بس یہی بزرگوار ہیں اور چند آیتیں صریح طور پر خلافت اولیہ علی ابن ابیطالبؑ کو ثابت کرتی ہیں جن سے علوم ہوتا ہی کہ رسول خدا کے بعد اہل اسلام کے اصلی ہادی اور پیشوا اور رسول خدا کے نائب وخلیفہ وجانشین اور اسلامیوں کے امام حقیقی یہی تھے اگرچہ خود غرضیوں کے سبب سے لوگوں نے انکو خلیفہ اول نہیں مانا ہو اور عوام کی نگاہوں میں انکا رتبہ گھٹایا گیا جس کا اثر یہہ ہوا کہ اسلام کے تہتر فرقے ہوگئے جسمیں سے صرف ایک نجات پانیکا مستحق ہوا۔ اگر سب لوگ اس حکم خداوندی کو مانتے جو اس جناب کی نسبت قرآن مجید میں مکرر وارد ہوا تو ہرگز اس قدر تفرقے نہ ہوتے۔ سقیفۂ بنی ساعدہ کے اجماع اور نزاع منا امیر و منکم امیر نے یہہ سب جھگڑے پھیلائے۔ اور اُمت کو تتر بتر کردیا۔

میں اپنے اسلامی بھائیوں سے نہایت التجا کے ساتھ عرض کرتا ہوں کہ وہ اس رسالہ کو مطالعہ فرمائیں اور جو کچھہ اسمیں عرض کیا گیا ہی اسکو بغور پڑھیں۔ اور پھر عقل سلیم کے سامنے اُسے پیش کرکے فیصلہ لیں کہ آیا یہہ بیان صحیح اور حق ہے یا نہیں اگر صحیح ہو تو اس کے ماننے کی کوشش کریں اور اُسی مانکر اُن بزرگوار کے اتباع کا قصد کریں جنکی جلالت وبزرگی و امامت وخلافت کو یہہ آیتیں ثابت کرتی ہیں جو اس رسالہ میں مذکور ہی کیونکہ اس وقت جس قدر خرابی محسوس ہورہی ہی وہ یہہ ہے کہ مسلمانوں نے دو رستے اختیار کرلیئے ہیں۔ ایک تو وہ ہے جو قرآن مجید اور اُن احادیث کو قابل عمل سمجھہ رہا ہی جو اہلبیت کے علاوہ اور لوگوں سے ماخوذ ہیں اور اُن احکام کو واجب التعمیل جان رہا ہی جو برخلاف احکام اہلبیتؑ کے جاری کیئے گئے ہیں۔ مثلاً فتاوائے ابوحنیفہ وشافعی وحنبلی ومالکی وغیرہ۔ دوسرا وہ ہے جو قرآن اور اُن احادیث کو قابل عمل جانتا ہی جو بذریعہ اہلبیتؑ رسولؐ اُمت تک پہونچی ہیں۔

اگرچہ منشاء رسول اللہ کے اس ارشاد کا کہ انی تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ وعترتی اہلبیتی ما ان تمسکتم بہما لن تضلوا بعدی ولن یفترقا حتی یردا علیّ الحوض " اور اس ارشاد کا حاصل مثل اہلبیتی کسفینۃ نوح من رکبہا نجا ومن تخلف عنہا غرق وہوا۔ اور اس فرمانیکی غرض کہ اہلبیتی امان لاہل الارض۔ یہی ہو کہ قرآن مجید اور اہلبیت رسول کی پیروی کرنی مسلمانوں کا فرض ہو۔ جس سے راہ ہدایت پر قایم رہیں اور خدا تعالیٰ کے احکام کو صحیح طور پر معلوم کریں۔ لیکن چونکہ اُمت نے ان ارشادات رسول کی چنداں پرواہ نہ کی اور انکو قابل عمل نہ سمجھا۔ اسلیئے ضرورت معلوم ہوئی کہ قرآن مجید کی آیتوں سے ان بزرگواروں کا واجب الاطاعت ہونا ایک مرتبہ اور ثابت کر دیا جائے۔ تاکہ جو لوگ ناواقف ہیں وہ واقف ہو جائیں یا جو لوگ واقف ہیں مگر غفلت اور بے پرواہی کی وجہ متوجہ نہیں ہوتے وہ متنبہہ ہو جائیں اور اسطرف توجہ کریں میرا دل یقین کرتا ہو کہ ضرور اسلامی اسطرف توجہ کرینگے۔ اور ابتک جو غافل رہے ہیں اُسکا تدارک کر کے راہ راست کے اختیار کرنیمیں جلدی سے کام لینگے خدایا بحق محمدؐ و آل محمد میرے اس رسالہ کو مقبول انام کر اور جو غرض اسکے لکھنے کی ہو اوسے پورا کر دے۔ فانہٗ بیدک تحقیق ظنی ورجائی واستجابۃ سؤلی ودُعائی انک علی کل شئٍ قدیر وبالحمد لک والثناء علیک حقیق وحدیر۔

اس رسالہ میں دو باب ہیں۔ پہلے باب میں وہ آیتیں معہ شان نزول اور احادیث متعلقہ کے مذکور ہیں جن سے اہلبیت طاہرینؑ کی فضیلت تمام خلائق پر ثابت ہوتی ہو اور اُن سے بطور لازم نتیجے کے یہ سمجھا جاتا ہو اگر خلافت و امامت کا حق کسی کو ہو تو وہ انکو ہو نہ کسی اور کو۔

دوسرے باب میں وہ آیتیں معہ شان نزول واحادیث متعلقہ بہا کے بیان کی گئی ہیں جن سے صریح طور پر خلافت کا استحقاق ان کے لیئے ثابت ہوتا ہو۔

اب میں اپنے مطلب کو شروع کرتا ہوں اور خدا تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ مجھہ کو اس کے صحیح اور کامل طور پر ادا کرنیمیں مدد دے۔ اور بخیر و خوبی انجام کو پہونچائے۔ پھر اسکے بعد مقبول خلائق بنا کر ہر مسلمان کو اسکے ماننے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یا رب العالمین "

پہلا باب

پہلی آیت - بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اس آیت میں اگرچہ صاف طور پر کوئی فضیلت اہلبیت کی مذکور نہیں ہے کیونکہ اس کے معنے ہیں "میں شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا رحم کرنیوالا مہربان ہے" مگر چونکہ اس سے اہلبیتؑ کی رأس و رئیس اور افضل ناس جناب امیر المؤمنین علیہ السلام کو اس سے خاص تعلق ہے۔ اسلیئے ذکر کیا گیا۔ اس آیت کے متعلق دو باتیں قابل غور ہیں۔

اول یہ کہ آیت مذکورہ وہ جلیل الشان آیت ہے جسکی توصیف سے کتب اسلام مملو ہیں۔ بطریق اہلسنت تو یہ حدیث ہے۔ عن ابن عباس انہ قال ان لکل شیئ اساسا۔ الی ان قال واساس القرآن الفاتحۃ واساس الفاتحۃ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم یعنی ابن عباس سے مروی ہے کہ ہر شے کے لیئے ایک اساس اور جڑ ہے اور قرآن مجید کی جڑ سورۂ فاتحہ ہے اور سورۂ فاتحہ کی جڑ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہے اور نیز ابن عباس نے روایت کی ہے کہ رسول خداؐ نے فرمایا اذا قال المعلم للصبی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کتب اللہ برائۃ للصبی وبرائۃ الابویہ وبرائۃ المعلم۔ جبکہ معلم لڑکے سے کہتا ہے کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہہ تو خدا تعالیٰ لڑکے کے لیئے اور اُسکے والدین اور معلم کے لیئے برارت نامہ جہنم سے لکھدیتا ہے۔ یعنے یہ سب جہنم سے بری ہیں۔ نیز انہیں بزرگوار سے مروی ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا لما کانت لیلۃ اسری اتیت علی رائحۃ طیبۃ فقلت یا جبرئیل ما ھذہ الرائحۃ الطیبۃ قال ھذہ رائحۃ ماشطۃ ابنۃ فرعون واولادھا قلت وما شانھا قال بینما ھی تمشط ابنۃ فرعون ذات یوم اذ سقط المدری من یدھا فقالت بسم اللہ۔" نیز ابن مسعود سے مروی ہے قال من اراد ان ینجیہ اللہ من الزبانیۃ تسعۃ عشر فلیقرأ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم الایۃ السابعۃ قد اخرجہا اللہ لکم فما اخرجہا لاحد قبلکم۔ کتاب منہج العمال میں علی ابن حسام الدین ہندی نے روایت کی ہے۔ "کل امر ذی بال لم یبدء فیہ ببسم اللہ فھو اقطع"

نیز جمع الجوامع میں سیوطی نے روایت کی ہے ان عثمان عفان سئال رسول اللہؐ عن بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ فقال ھو اسم من اسماء اللہ وما بینہ وبین اسم اللہ الاکبر الا کما بین سواد العین وبیاضھا" نیز یہ ہی

وقال رسول اللہ ما نزل بسم اللہ الرحمن الرحیم برب النعیم من المشرق الی المغرب وسکنت الریاح واصغت البہائم
باذانہا ورجمت الشیاطین بالشہب۔ نیز یہ ہے اوحی اللہ تعالیٰ الی موسیٰ انی اکرمت محمد بثلاثۃ اسماء
قال یارب وماہی قال بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

عن ابن مسعود عن النبیؐ من قرء بسم اللہ الرحمن الرحیم کتب اللہ لہ بکل حرف اربعۃ آلاف حسنۃ ومحا عنہ اربعۃ
آلاف سیئۃ ورفع لہ اربعۃ آلاف درجۃ۔ اذا کان یوم القیامۃ وزنت اعمال ہذہ الامۃ فتزید رکوہ
من صلاتہم علی الف رکعۃ من صلوٰۃ غیرہم یستعجبون من ذالک فیقال لہم کان من صلاتہم بسم اللہ الرحمن الرحیم
وقال النبیؐ لا یرد دعاء اولہ بسم اللہ الرحمن الرحیم (کتاب نزہۃ المجالس صفحہ ۲ چھاپ مصر)

قال النبی امان امتی من الغرق اذا رکبوا السفن یقولوا بسم اللہ الخ صفحہ ۲۳ نزہہ مذکورہ۔
قال القرطبی البسملہ من خصوصیات ہذہ الامۃ۔ وفی تفسیر الرازی عن ابی بزرہ عن النبیؐ الا اخبرکم بآیۃ
لم تنزل علی احد بعد سلیمان ابن داؤد وقلنا بلیٰ یارسول اللہ قال بسم اللہ الخ صفحہ ۲۲ نزہہ مذکور۔

اور بہ طریق شیعہ روایات ہیں۔ جو ذیل میں مندرج ہیں۔ تفسیر امام حسن عسکری علیہ السلام میں ہے۔
کہ جناب رسالتمآبؐ نے فرمایا من حزنہ امر تعاطاہ فقال بسم اللہ الخ فہو مخلص اللہ عزوجل ویقبل بقلبہ الیہ
لم ینفک من احد الامرین اما بلوغ حاجۃ الدنیا واما یعدلہ عندہ ویدخر لدیہ ما عند اللہ خیر وابقی للمومنین۔
یعنے جسے کوئی امر باعث حزن وغم ہو اور وہ بخلوص دل اور حضور خاطر بسم اللہ الرحمن الرحیم کہے تو دو باتوں
میں سے ایک بات ضرور اُسے حاصل ہوگی۔ یا تو اوسکی دنیاوی حاجت بر آئیگی یا اُس کے لئے آخرت
میں ثواب کا ذخیرہ کیا جائیگا۔ اور مومنین کے لیئے وہی بہتر ہے جو خدا تعالیٰ کے نزدیک جمع رہا
پھر حضرت امام حسن عسکریؑ نے فرمایا کہ جناب امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا ہی کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم
سورۂ فاتحہ کی آیت ہے۔ اور یہ سورہ سات آیتوں کا ہی۔ جس کا اتمام بسم اللہ الرحمن الرحیم ہے
آپنے فرمایا کہ میں نے رسولخدا صلعم کو فرماتے ہوئے سُنا ہی کہ خدا تعالیٰ نے مجھسے ارشاد فرمایا کہ میں نے
تم کو سبع مثانی اور قرآن مجید عنایت کیا ہی۔ پس پروردگار نے مجھپر علیحدہ احسان رکھا ہی اس سورہ کے
ذریعے سے اور اُسکو مقابلہ میں قرآن عظیم کے فرمایا ہی۔ (یعنی قرآن کی عطا فرمانے اور سورہ فاتحہ کے الگ الگ

دینے کا احسان حضرت پر ظاہر فرمایا ہو۔ کیونکہ دو نو لفظ جدا جدا فرمائے ہیں) بے شبہ سورہ فاتحہ خزانہائے عرش سے بھی زیادہ عظیم و اشرف ہے اور بے شبہ یہہ سورہ خاص جناب رسالتمآب کو خدا نے دیا۔ اور اس سے اونکو شرف بخشا اور اس شرف میں کسی نبی کو شریک نہیں کیا سوائے حضرت سلیمان کے کہ اُسکو اس سورہ کا جزو مرحمت فرمایا تھا یعنے بسم اللہ الرحمن الرحیم دیکھو کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے بلقیس کا قول نقل کرتے ہوئے انی القی الیّ کتاب کریم انہ من سلیمان وانہ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ آگاہ ہو کہ جو کوئی اسکو پڑھے اور محمد و آل محمد کا معتقد ہو اور اون کے ظاہر و باطن پر اعتقاد رکھتا ہو تو پروردگار عالم ہر حرف کے عوض اوسکو ایک حسنہ دیگا جو اُس کے لیئے تمام خزانوں و مالوں سے افضل ہوگا۔ انتہی بقدر ضرورت ترجمہ عبارت الامام۔

جب یہہ بات معلوم ہوگئی کہ بسم اللہ کیا چیز ہے اور کس قدر اسکی عظمت ہی تو معلوم ہوا کہ یہہ آیت ضرور بالضرور بڑے لطائف معانی اور عجائب نکات پر مشتمل ہوگی اور اُن نکات و رموز کا جاننے والا بھی مثل اس آیت کے افضل و اکمل ہوگا۔

پس اب دوسرے امر کو بھی معلوم کر لینا چاہیئے کہ اہل حدیث نے اسکے بارہ میں کیا لکھا ہے۔

دوسرا امر یہہ ہی کہ علی ابن ابیطالب علیہ السلام کو اس آیت سے کمال خصوصیت معلوم ہوتی ہی۔ چنانچہ کمال الدین محمد بن طلحہ شافعی نے صفحہ ۸۹ کتاب مطالب السئول مطبوعہ لکھنو میں تحریر فرمایا ہی قال مرۃ لو شئت لاوقرت بعیرا من تفسیر بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ یعنے حضرت علیؑ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ اگر میں چاہوں تو صرف تفسیر بسم اللہ اسقدر بیان کروں کہ اگر وہ لکھی جائے ایک اونٹ کا بار ہو جائے۔ جس سے معلوم ہوتا ہو کہ آپ کی علم کی کثرت حد درجہ پر پہونچی ہوئی تھی۔ اور نیز یہہ کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم کے رموز نکات سے جیسے آپ واقف تھے دوسرا کوئی واقف نہ تھا۔ تب تو آپ فرماتے تھے کہ اس قدر صحیح تفسیر اسکی بیان کر سکتا ہوں۔

لیکن صرف اس سے آپکا ارشاد ہی معلوم ہوا کہ ایسا فرمایا ہی اب اُسکا ظہور ملاحظہ ہو شیخ سلیمان بن شیخ حسین بلخی قندوزی کتاب ینابیع المودۃ صفحہ ۶۹ مطبوعہ بیروت میں لکھتے ہیں۔ وقال ایضا اخذ بیدی الامام علی لیلۃ مقمرۃ فخرج الی البقیع بعد العشاء وقال اقرء یا عبد اللہ فقرأت بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

فتکلم لی فی اسرار الباء الی بزوغ الفجر۔ یعنی ابن عباسؓ نے بیان کیا ہے حضرت علیؑ نے ایک چاندنی شب میں میرا ہاتھ پکڑا اور بقیع کی طرف عشا کے بعد تشریف لے گئے اور فرمایا ای عبداللہ پڑھو۔ پس میں نے بسم اللہ کی تلاوت کی تو حضرت نے حرف ب (جو کہ بسم اللہ میں ہی) کے رموز طلوع صبح تک بیان فرماتے رہے۔ اللہ اکبر کیا علم اور کیا معرفت کہ عشا کے بعد سے لیکر صبح تک حرف بائے بسملہ کی تفسیر بیان ہوئی اگر تمام آیت کی آپ تفسیر بیان فرماتے تو نہ معلوم کتنا وقت اُس کے لیے صرف ہوتا۔

دوسری روایت اسی مضمون کی متعلق ملاحظہ کتاب قوت القلوب میں ابی طالب مکی نے لکھا ہے۔

قال ابن عباس انہ سئل امیر المومنین عن تفسیر القرآن فقال ما اول القرآن فقال فاتحہ فقال ما اول الفاتحہ قال بسم اللہ الرحمن الرحیم فقال ما اول بسم اللہ قال بسم قال ما اول بسم فقال الباء فجعل تکلم فی الباء طول اللیل فلما قرب الفجر قال لو زادنا اللیل لزدنا ثم قال لو شئت لاوقرت سبعین بعیرا من تفسیر فاتحۃ الکتاب" یعنے ابن عباس سے مروی ہے کہ اُنھوں نے جناب امیر المومنین علیہ السلام سے قرآن مجید کی تفسیر دریافت کی آپ نے فرمایا کہ ابتدائے قرآن کیا ہے ابن عباس نے کہا سورہ فاتحہ تو آپ نے فرمایا کہ شروع فاتحہ کیا ہے کہا بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ پھر پوچھا کہ شروع بسم اللہ کیا ہے کہا ب بس حرف آپ بائے بسم اللہ کو بیان کرنے لگے اور تمام شب بیان کرتے رہے۔ جب صبح قریب ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ اگر رات اور زیادہ ہوتی تو ہم اور زیادہ بیان کرتے۔ پھر فرمایا کہ اگر میں چاہوں تو صرف سورہ حمد کی تفسیر سے ستر اونٹوں کا بار کردوں۔

نیز میبندی نے لکھا ہے۔ ابن عباس گوید شبے باحضرت امیر المومنین علی علیہ السلام صحبت داشتم تا روز شرح بائے بسم اللہ فرمود و من خود را پیش او۔ چوں سبوے یافتم پیش دریائے بزرگ "

نیز کتاب در منظم میں کمال الدین محمد نے روایت کی ہے وقال ایضاً اخذ بیدی الامام علی اللیلۃ فخرج لی الی البقیع وقال اقرء یا ابن عباس فقرءت بسم اللہ الرحمن الرحیم فتکلم فی اسرار الباء الی بزوغ الفجر۔

نیز لکھتے ہیں۔ واعلم ان جمیع اسرار اللہ فی کتاب السماویہ وجمیع ما فی الکتب السماویہ فی القرآن وجمیع ما فی الفاتحہ فی البسملہ وجمیع ما فی البسملہ فی باء البسملۃ وجمیع ما فی الباء البسملۃ فی النقطۃ التی ہی تحت البسملہ

قال الامام علی عم انا النقطة التی ہی تحت الباء صہ ۴۰۸ ینابیع المودت سطر ۶ بیروت۔
جس بزرگ کے علم کی یہ حالت ہو اُس سے بہتر دنیا میں کون ہو سکتا ہے۔ جسکی اقتدا کیجائے۔ دُنیا ہمیشہ اہل علم کی اقتدا کو پسند کرتی ہے اگرچہ وہ کتنا ہی کم علم رکھتا ہو لیکن اگر ایسا عالم مل جائے تو اوسکی اقتدا و پیروی تو ہر شخص پر لازم ہو گی۔ کیونکہ اُس سے بہتر احکام آلہیہ کا اور اسرار نبویہ کا بتانیوالا کون ہو سکتا ہے؟ اہل اسلام یہ مقام غور و انصاف ہے۔"

دونوں گذشتہ عبارت کا جو درنظیم سے منقول ہے ترجمہ یہ ہے (ابن عباس کہتے ہیں) میرا ہاتھ علی ابن ابیطالب نے پکڑا اور بقیع کی طرف لے گئے اور کہا کہ کچھ پڑھو۔ میں نے بسم اللہ الخ تک تلاوت کی آپ نے اُس کے اسرار بیان فرمانے شروع کیے یہانتک کہ صبح ہو گئی۔

دوسری عبارت کا ترجمہ۔ اس بات کو جان لو کہ تمام اسرار کتب آسمانی اور جو کچھ کہ دیگر کتب اسلامی میں ہے وہ قرآن میں ہے اور جو کچھ تمام قرآن میں ہے وہ سورہ فاتحہ میں ہے اور جو کچھ تمام سورہ فاتحہ میں ہے۔ وہ بسم اللہ الرحمن الرحیم میں ہے اور جو کچھ پوری بسم اللہ میں ہے وہ بائے بسملہ میں ہے اور جو کچھ بائے بسم اللہ میں ہے وہ اُس نقطہ میں ہے جو باء کے نیچے ہے۔ پھر علی رضی اللہ نے فرمایا میں وہ نقطہ ہوں جو ب کے نیچے ہے۔

دوسری آیت

اھدنا الصراط المستقیم۔ صراط الذین انعمت علیہم غیر المغضوب علیہم ولا الضالین۔ (سورۃ فاتحہ جزو ۱)
یعنے خدایا ہمکو سیدھی راہ دکھا۔ راہ اون لوگوں کی جنپر توں نے رحمت نازل کی ہے۔ جنپر غضب نازل کیا گیا۔ نہ وہ گمراہ ہیں۔"

اس آیت میں صراط مستقیم سے مراد محمد و آل محمد کا طریقہ ہے یعنے وہ راہ جو خدا کے نزدیک سیدھی سمجھی گئی۔ اور جسکی طرف ہدایت پانیکی دعا ہمکو خدائے تعالے نے تعلیم فرمائی ہے۔ اور جنکی راہ بتائی ہے۔ اونکی یہ تعریف ہے کہ نہ اُنپر غضب و غصہ خدائے تعالی کا ہوا اور نہ وہ گمراہ ہیں وہ صرف محمد و آل محمد ہیں۔"

محمدؐ یعنے رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طریقہ تو وہ ہی جسکے تمسک وپیروی کا عام مسلمانوںکو ادعا ہی کیونکہ سب آنحضرت کو نبی مرسل جانتے ہیں۔ مگر طریقہ آل محمدؐ یعنے اونکی ہدایات پر عمل کرنیمیں بحث ہے عموماً اہل اسلام تو اون کی ہدایات سے فائدہ اُٹھانیکو بُرا سمجھتے ہیں بلکہ اُن روایات اور ہدایات پر اُنکا عمل ہے جو اہلبیت رسالت کے بالکل برخلاف ہے صرف فرقہ اسلامیوں کا ایسا ہی جو اس طریقہ کا پابند اور اُنھیں ارشادات پر کاربند ہی جو آل محمدؐ کے بتائے ہوئے ہیں۔ حالانکہ یہہ طریقہ ایسا محبوب اور خدا تعالی کے نزدیک پسندیدہ ہی کہ اوسکی ہدایت پانے کے لیے دعا کرنیکا ہمیں حکم دیا گیا بلکہ وہ دُعا بھی ہمیں تعلیم کردی کہ روزانہ ہر نماز میں کہا کرو اھدنا الصراط المستقیم ای معبود ہمیں صراط مستقیم (یعنے سیدھی راہ محمد وآل محمد کے طریقہ) کی ہدایات کر۔ کس قدر اسلامیوں سے تعجب ہے کہ روزانہ ہر نماز میں اس آیت کی تلاوت کرتے ہیں۔ اور پھر اسپر عمل نہیں کرتے۔

اب ہی یہہ بات کہ صراط مستقیم سے مراد محمدؐ وآل محمدؐ کا طریقہ ہے تو اسکا جواب یہہ ہی کہ صاحب معالم التنزیل اور امام ثعلبی نے اپنی اپنی تفسیروں میں یہہ روایت نقل کی ہی۔ عن مسلم ابن حبان قال سمعت ابا بریدہؓ یقول صراط محمد وآلہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم (سوانحعمری جناب امیر المومنینؑ کتاب ارجح المطالب مصنفہ مولوی عبید اللہ عبیدی امرتسری صـ۹۷ چھاپ لاہور) اور مشکواۃ شریف چھاپ دہلی مطبع انصاری صـ۵۵۹ پر جناب عشرہ مبشرہ کے ذیل میں یہہ حدیث مروی ہی کہ آنحضرت نے اپنی خلافت مابعد کے متعلق فرمایا وان تؤمروا علیاً ولا اراکم فاعلین تجدوہ ہادیا مہدیاً یاخذ بکم الصراط المستقیم۔ یعنے اگر تم لوگ علی کو خلیفہ بناؤ حالانکہ میں جانتا ہوں کہ تم ایسا نہ کروگے تو انہیں ہدایت کرنیوالا اور ہدایت یافتہ پاؤگے جو تمہیں صراط مستقیم پر لے چلیگا۔ جس سے صاف معلوم ہوگیا کہ صراط مستقیم وہی ہی جسپر علی چل رہے ہیں نہ کوئی اور۔ اور جہاں معلوم ہوا وہاں یہہ بھی معلوم ہوگیا کہ ازبسکہ لوگوں نے انکو اپنا امیر وبادشاہ بعد رسول اللہ کے نہیں مانا۔ لہذا وہ راہ مستقیم سے ہٹے رہے۔ خصوصاً تین خلافتوں کے زمانہ میں جنمیں قطعاً امیر المؤمنین کو خلافت وامامت میں سے حصہ نہیں دیا گیا۔ پس جو لوگ اس زمانہ میں اعمال کرتے ہیں امیر المؤمنین کی رائے سے الگ ہوکر

اور اسی حالتمیں فوت ہوئے وہ صراط غیر مستقیم پر مرے - اور ظاہر ہے کہ صراط غیر مستقیم ناحق ہے لہذا لازم آیا کہ وہ لوگ غیر حق پر مرے - اور یہی مطلب ہے اس حدیث کا جسمیں آنحضرت نے من مات ولم یعرف امام زمان مات میتۃ جاھلیۃ -

دوسری دلیل اسپر کہ واقعی اس آیت میں صراط مستقیم سے مراد اہلبیت نبوی کا طریقہ ہے نہ کوئی اور یہہ ہے کہ جن لوگوں نے یہہ راہ بتائی اونکی تین صفتیں خود ہی ظاہر فرما دی ہیں [1] یہہ کہ صراط الذین انعمت علیہم یہہ اون لوگونکی راہ ہے جنپر تونے انعام کیا ہے - [2] غیر المغضوب علیہم یہہ اون لوگونکی راہ ہے جنپر کبھی غضب نہیں کیا گیا [3] ولا الضالین یہہ اُن لوگونکی راہ ہے جو گمراہ نہیں ہوئے نہ وہ گمراہ ہیں -

اگر تلاش کیا جائے کہ وہ کون لوگ ہیں جنپر خدا تعالی کا انعام پورا ہوا اور وہ کون لوگ ہیں جنپر کبھی خدا تعالے نے عتاب نہیں کیا اور وہ کون لوگ ہیں جو کبھی گمراہ نہیں ہوئے - جنکی راہ ہدایت پانیکی دعا کرنیکا پروردگار عالم ہمکو حکم دیتا ہے - تو سوائے آل محمدؐ کے کوئی بھی دنیا میں بعد رسول اللہ کے نہ ملیگا -

یہہ مطلب اس قدر طولانی ہے کہ اگر اسکی تشریح کی جائے تو بہت بڑی کتاب صرف اسی کے بیان میں تیار ہو جائیگی لیکن چونکہ مجھکو اور بھی بہت سی آیتیں لکھنی ہیں اسوجہ سے مختصر طور پر ان تینوں صفتوں کے متعلق کچھہ عرض کرتا ہوں -

صراط الذین انعمت علیہم صراط مستقیم اُن لوگوں کی راہ کا نام ہے - جنپر خدا تعالی نے اپنی نعمت نازل فرمائی - نعمت دو قسم کی ہے - [1] ایک نعمت آخرت [2] دوسری نعمت دنیا - نعمت آخرت کے ان بزرگواروں (آل محمدؐ) کو اسقدر حصہ خدا تعالی نے مرحمت فرمایا کہ احصا حد امکان بشری سے خارج ہے - صرف اسقدر کیا کم انعام ہے کہ اونکو وہ عظمت دی کہ ساق عرش پر ان کے نام لکھے دروازہ جنت پر ان کے نام لکھے - انکو جنت دوزخ کا قسیم مقرر کیا - ان کے دوستوں و پیروؤں کے واسطے جنت واجب کی - اور اُنپر دوزخ کو حرام کیا - اور جنت کو اُنکا مشتاق بنایا - اور حاملین عرش کو سب سے پہلے ان کا محب بنایا - چنانچہ موفق بن احمد خوارزمی نے ابن مندہ سے اعمش سے اونے ابی وائل سے اُس نے ابن مسعود سے روایت کی ہے کہ جب خداوند تعالی نے آدم کو پیدا کیا اور اُسمیں روح داخل کی تو چھینک آئی پس کہا الحمد للہ

تو خدا تعالیٰ نے اونکو وحی کی کہ ای آدم تمنے میری حمد کی قسم اپنی عزت و جلال کی کہ اگر وہ دونوں بندے نہ ہوتے جنکے پیدا کرنیکا میں نے ارادہ کیا ہی تو تم کو بھی پیدا نہ کرتا۔ آدم نے عرض کی خدایا کیا وہ دونو مجھسے پیدا ہونگے۔ فرمایا ہاں۔ اور کہا کہ آدم نظر اُٹھاؤ پس جب نظر اونچی کی تو دیکھا کہ عرش پر لکھا ہوا ہے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ و ہو نبی الرحمۃ و علی مقیم الحجۃ۔ (صلا ینابیع المودۃ چھاپ بیروت)

نیز ایک حدیث کی ذیل میں کتاب ینابیع المودۃ صـ۴۸۶ میں مذکور ہی کہ جناب سالتمآبؐ نے فرمایا فقلت یا رب و من اوصیائی فنودیت یا محمد اوصیاؤک المکتوبون علیٰ سرادق عرشی فنظرت فرائیت اثنا عشر نوراً و فی کل نور سطراً اخضر علیہ اسم وصی من اوصیائی من بعدی اولہم علی و آخرہم قائم المہدی فقلت یا رب ہٰؤلاء اوصیائی من بعدی؟ فنودیت یا محمد ھٰؤلاء اولیائی احبائی و صفیائی و حججی بعدک علی بریتی وہم اوصیاؤک"۔ میں نے عرض کی کہ ای پروردگار میری اوصیاء کون ہیں تو مجھے ندا دی گئی کہ ای محمد تیرے اوصیاء وہ ہیں جنکے نام میری عرش کے پردوں پر لکھے ہوئے ہیں تو میں نے بارہ نور دیکھے اور ہر نور میں ایک سطر سبز تھی جسپر میرے اوصیاء میں سے ایک وصی کا نام ہی جو میری بعد ہونگے۔ اول اُنمیں سے علی ہیں اور آخر اونمیں سے قائم مہدیؑ۔ تو میں نے عرض کی خدایا کیا یہی میری اوصیاء ہیں۔ تو مجھے آواز آئی کہ ای محمدؐ یہی لوگ میرے اولیاء و دوست ہیں۔ اور میرے برگزیدہ ہیں اور تمہاری بعد میری حجۃ ہیں۔ میری خلق پر۔ اور وہی تمہاری اوصیاء ہیں"۔

واخرج دارالقطنی انّ علیاً قال للستۃ الذین جعل عمر ابن الخطاب لشوری بینہم کلاما طویلاً من جملتہ انشدکم باللہ ھل فیکم احدٌ قال لہٗ رسول اللہ یا علی انت قسیم النار و الجنۃ یوم القیامۃ غیری قالوا اللّٰہم لا و معناہ ما رواہ۔ عن علی رضی اللہ عنہ انہ قال یا علی انت قسیم الجنۃ و النار فیوم القیامۃ تقول للنار ہٰذا لی و ہٰذا لک صواعق محرقہ اور ینابیع المودۃ صـ۲۸۵۔ یعنی دارقطنی نے روایت کی ہی علی ابن ابیطالب علیہ السلام نے اُن چھہ آدمیوں سے جنکے متعلق عمر ابن الخطاب نے مشورہ (کا معاملہ) ڈالا تھا (کہ یہ چھہ آدمی جسپر فیصلہ کر دیں وہی میری بعد خلیفہ ہو گا۔ چنانچہ اس مشورہ میں عثمان کو خلیفہ بنایا گیا) ایک طولانی گفتگو فرمائی جسمیں سے یہ بھی تھا کہ میں تم لوگوں کو قسم دیتا ہوں کہ آیا میری سوا تم لوگوں میں کوئی ایسا ہی جسکو رسول خدا نے

فرمایا ہو۔ یا علی تم جنت و دوزخ کے قسیم ہو۔ سب نے خدا کی قسم کھاکر کہا کہ نہیں (یعنی جب آپ کے سوا یہہ کلام
رسول اللہ نے کسی کے سوا نہیں فرمایا) اس کے ہم معنی وہ حدیث بھی ہی جو علی الرضا سے مروی ہی۔ کہ
آنحضرت نے فرمایا کہ یا علی تم جنت و دوزخ کے تقسیم کرنیوالے ہو۔ پس قیامت کے دن تم کہوگے کہ یہہ شخص
میرا ہی اور وہ تیرا ہی (اسے چھوڑ دے اسے لیلے)

واخرج ابن سعد عن علی قال اخبرنی رسول اللہ اول من دخل الجنۃ انا وعلی وفاطمۃ والحسن والحسین فقلت
یا رسول اللہ محبونا قال من ورائنا" ابن سعد نے علیؑ سے روایت کی ہی کہ پہلے پہل جو جنت میں جائینگے
وہ میں ہونگا اور علی اور فاطمہ اور حسنین۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ اور ہمارے دوست؟ تو فرمایا کہ
وہ ہمارے پیچھے پیچھے جنت میں داخل ہونگے۔

اور کتاب کنوز الدقائق اور صواعق محرقہ اور فردوس الاخبار دیلمی میں بکثرت اس قسم کی حدیثیں ہیں۔ کہ
رسول خدا صلعم نے فرمایا علی وشیعتہ ہم الفائزون۔ علی اور ان کے شیعہ ہی کامیاب ہونے والے ہیں۔
(نقل از ینابیع المودۃ صفحہ ۱۸۰)

نیز مروی ہی۔ عن عمران ابن حصین مرفوعاً سئلت ربی عزوجل ان لا یدخل النار احداً من اہلبیتی فاعطانی
ذالک اخرجہ ابو سعید والملا صفحہ ۱۹۳ ینابیع چھاپ بیروت" یعنی عمران بن حصین سے مروی ہی کہ رسول خدا
نے فرمایا۔ میں نے عرض کی جناب باری میں کہ میری اہلبیتؑ میں کسی کو داخل دوزخ نہ کرے۔ پس پروردگار نے
یہہ بات مجھے عطا کی۔ (یعنی میری دعا قبول کرلی۔ اس حدیث کو ابو سعید اور ملا نے روایت کیا ہے۔)

وعن جابر مرفوعاً ابنتی فاطمۃ حوراء آدمیۃ لم تحض ولم تطمث انما سماہا اللہ فاطمۃ لان اللہ عزوجل
فطمہا وولدہا ومحبیہا عن النار" اخرجہ الحافظ النسائی جابر رفعہ رائیت علی باب مکتوباً لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ
علی ولی اللہ اخو رسول اللہ۔ جابر سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا۔ میں نے دروازہ جنت پر لکھا
دیکھا۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ علی ولی اللہ واخو رسول اللہ (مودۃ القربی چھٹی مودۃ)

المقداد بن الاسود رفعہ معرفت آل محمد برائۃ من النار وحب آل محمد جواز علی الصراط والولایۃ لآل
محمد امان من العذاب۔ آل محمد کی معرفت دوزخ سے برائت کا سبب ہے اور انکی محبت صراط پر سے

باآسانی گذرنیکا سبب ہی - اور انسے دلار کہنا عذابسے امان کا باعث ہی - (کتاب مودۃ القربیٰ سید علی ہمدانی شافعی ۱۳ مودۃ)

عن علی ان رسول اللہ اخذ بید الحسن والحسین وقال من احبنی واحب ہذین و اُمّہما و اباہما کان معی فی درجتی یوم القیامۃ (جامع ترمذی مسند ابن حنبل) رسول اللہ نے حسن اور حسین کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا کہ جو کوئی مجھکو دوست رکھے اور ان دونوکو اور ان کے ماں باپ کو وہ میری ساتھ میرے درجہ میں ہوگا۔ قیامت کے روز۔"

اخرج الترمذی والحاکم عن انس عن النبیؐ قال الجنۃ تشتاق علی ثلثۃ علیؑ وعمار وسلمان - ترمذی اور ابن حاکم سے روایت کی ہی کہ رسولخدا صلعم نے فرمایا - جنت تین شخصوں کی مشتاق ہی - ایک علی دوسرے عمار - تیسرے سلمان - (صواعق محرقہ فصل دوم ص۳۹ - ایضاً مشکوٰۃ شریف)

اب رہی بحث اسمیں کہ اہلبیت اور آل محمد سے کیا مراد ہی - تو ہم اسکو آیندہ بہت تفصیل سے لکھینگے) یہاں صرف اسقدر لکھنا کافی ہے کہ صواعق محرقہ میں ابن حجر مکی نے دوسری فصل میں جو چالیس حدیثیں جو فضائل اہلبیت میں جمع کی ہیں اوسکی تیسری حدیث اہل بیت محمد و آل محمد...... کا فیصلہ قطعی بتاتی ہے - اَلثَّالِثُ اَخْرَجَ مسلم والترمذی عن سعد بن ابی وقاص قال لما نزلت ہذہ الآیۃ ندع ابنائنا وابناءکم دعا رسول اللہ علیاً و فاطمۃ و حسناً و حسیناً فقال اللّٰہم ہؤلاء اہلبیتی - جس سے قطعی طور پر معلوم ہوتا ہی کہ جن مسلمانوں نے آل محمدؐ میں اصحاب اور اثاث اور امت کو بھی داخل کیا ہی وہ اس روایت کے رو سے سخت غلطی پر ہیں - بلکہ آل محمد صرف یہی بزرگوار ہیں اور انہی کے طریقہ کی طرف اہدنا الصراط المستقیم میں اشارہ کیا گیا ہی۔"

موفق بن احمد بسندہ عن الحسن البصری عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ اذا کان یوم القیامۃ یقعد علیؑ علی الفردوس وہو جبل قد علا علی الجنۃ وفوقہ عرش رب العالمین ومن سفحۃ تتفجر انہار الجنۃ تتفرق فی الجنان وعلی جالس علی کرسی من نور یجری بین یدیہ التسنیم لا یجوز احد الصراط الا ومعہ سند بولایۃ علی وولایۃ اہلبیتہ فیدخل محبہ الجنۃ ومبغضہ النار - (نقل از ینابیع المودۃ)

اخرج موفق بن احمد الخوارزمی عن الاعمش عن ابی وائل عن ابن مسعود قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

اول من اتخذ علیا اخاً من اہل السماء اسرافیل ثم میکائیل ثم جبرائیل واول من احبہ من اہل السماء حملۃ العرش

ثم رضوان خازن الجنان ثم ملک الموت وانہ یترحم علی محبی علی ابن ابیطالب کما یترحم علی الانبیاء علیہم السلام -

(ینابیع چھاپ بیروت ص ۱۳۳-۱۳۴)

تنبیہ - جناب رسالتمآب نے جو اسقدر اہلبیت کی محبت کی بابت اپنی اُمت کو تاکید کی ہے - یا یہ کہ پروردگار عالم نے یہ فرمایا ہے قل لا اسئلکم علیہ اجراً الا المودۃ فی القربیٰ جیسا کہ اس کا ذکر آئندہ آئیگا صرف اسی غرض سے ہے کہ جب اُمت کے دلوں میں انکی محبت پیدا ہوگی اور دل سے ان کے دوست بنینگے تولامحالہ ان کے طریقہ کی بھی پیروی کرینگے اور ان کے اشارات وہدایات پر عمل کرنیکو اپنا وسیلہ نجات اور باعث خوشنودی پروردگار سمجھینگے ورنہ صرف محبت ہی محبت سے کیا فائدہ ہوگا اگر کسی سے کسی کو محبت ہو اور وہ اُس کے کہنے کو نہ مانتا ہو بلکہ اوسکی مخالفت کرتا ہو تو وہ محبت نہیں بلکہ عداوت ہے عام اہل اسلام جو اس بات کا دعوےٰ کرتے ہیں کہ ہمکو اہلبیت سے محبت ہے اور پھر اُن کے فرمان و احکام وارشادات پر عمل نہیں کرتے تو اس محبت سے کیا فائدہ ہو سکتا ہے - اہلبیت تو فرماتے ہیں کہ مثلاً تم نماز میں ہاتھ کھولکر کھڑے ہو اور عام اہل اسلام ہاتھ باندھ کر کھڑے ہوتے ہیں - وہ کہتے ہیں سیدھا وضو کرو وہ اُلٹا وضو کرتے ہیں - وہ کہتے ہیں وضو میں پاؤں کا مسح کرو اہل اسلام بجائے اس کے پاؤں دھوتے ہیں - وہ کہتے ہیں متعہ حلال ہے اور اسمیں ثواب ہے یہ اوسکو حرام بتلاتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ عادل کے پیچھے نماز پڑھو یہ ہر فاسق وفاجر کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ خدا قابل رویت نہ سمجھو کیونکہ وہ دکھائی نہیں دیسکتا - بلکہ خود ہی فرماتا ہے لاتدرکہ الابصار اوسکو آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں - اور یہ لوگ خدا کو قابل دیدار سمجھتے ہیں - وہ کہتے ہیں قیاس پر عمل نہ کرو - یہ قیاس کو اپنا معمول بہ بناتے ہیں - غرض یہ کہ اہلبیت اگر کہتے ہیں کہ یہ دن ہے تو یہ لوگ اُسکو رات کہتے ہیں - اور اگر وہ کہتے ہیں کہ رات ہے تو یہ لوگ اوسکو دن بناتے ہیں - بس کسی قسم کی مخالفت کا نام نہیں ہو سکتا بلکہ یہ تو کھُلی ہوئی عداوت ہے نہ معلوم قیامت میں خدا تعالیٰ کو کیا جواب دینگے -

رہی یہہ بات کہ اگر کوئی شخص یہہ کہے کہ کیونکر معلوم ہوا کہ اہلبیت محمدؐ کا طریقہ اُس طریقہ سے الگ ہے جس کیطرف سواد کی علما ہدایت کرتے ہیں تو اسکا جواب یہہ ہے کہ بھائی جان دنیا میں کتابیں بکثرت موجود ہیں اور ہر وقت اُنکا ملنا ممکن ہے تمہیں چاہیئے کہ اُن کتابوں کو بھی منگا کر دیکھو جنمیں خاص اہلبیت محمدؐ کے تعلیمات درج ہیں جیسے کافی۔ من لایحضر۔ استبصار۔ بحار۔ وسائل الشیعہ۔ تہذیب الاحکام۔ امالی کتاب التوحید وغیرہ اور وہ کتابیں بھی لیکر دیکھو جنمیں قطعی اون کے تعلیمات نہیں ہیں۔ اور اگر کہیں ہیں تو ایک آدھ جیسے صحیح بخاری۔ صحیح مسلم۔ سنن ابن داؤد۔ مشکواۃ۔ سنن ابن ماجہ وغیرہ جنمیں اہلبیت کے تعلیمات کا شاید ایک آدھ ہی حرف ملے۔ ان دونو قسم کی کتابوں کو دیکھو اور پھر فیصلہ کرو۔ کہ اہلبیت محمدؐ کیا ہیں۔ اور اون کے غیروں کی کیا ہدایتیں ہیں۔ پھر یہہ سوچو آیا قابل عمل اہلبیت کی تعلیمیں ہیں۔ یا اون کے غیروں کی۔ اگر تمہیں معلوم ہو جائے کہ سواد اعظم کی کتابوں میں جس قدر احکام و تعلیمات مندرج ہیں تقریباً ہی یا اکثر اُن تعلیمات کے مخالف ہیں جو اہلبیت محمدؐ نے فرمائی ہیں تو ضرور اُنکو چھوڑنا اور اُنکو اختیار کرنا چاہیئے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے اهدنا الصراط المستقیم۔ اور پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ صراط مستقیم سے مراد اہلبیت نبیؐ کا طریقہ و تعلیم ہے۔ پس اُنہیں کی اقتدا اور اسی طریقہ کی پیروی کرنی عقلاً لازم ہے۔ آئندہ اہل اسلام کو اختیار ہے۔ ہمارا فرض تو بتا دینا ہے دلمیں ڈالنا تو ہمارا کام نہیں۔

بالجملہ آخرت کی نعمتوں کا تو آپ کو حال معلوم ہوا کہ خدا تعالیٰ نے کسقدر اہلبیتؐ پر انعام فرمایا اب اُن بیشمار نعمتوں کو بھی ملاحظہ فرمایئے جو دنیا میں اہلبیت محمدؐ کو خدا نے عنایت فرمائیں اگرچہ یہہ نعمتیں بیشمار اور لاتحصی ہیں۔ مگر میں صرف تین نعمتوں کا یہاں ذکر کرتا ہوں۔ جو خدا تعالیٰ نے اُنکو دیں۔ جس سے معلوم ہو جائیگا کہ انکا رتبہ پروردگار عالم کے نزدیک کتنا ہے اور آیا واقعی یہی لوگ ہیں جو الذین انعمت علیہم کے مصداق ہیں یا کوئی اور۔

دیکھیئے کہ اہلبیت محمدؐ کی خدا تعالیٰ کے نزدیک وہ قدر و منزلت تھی کہ متعدد مرتبہ دنیا میں ان کے واسطے طعام جنتی بھیجے میوہ ہائے جنتی بھیجے ان کے وضو کیواسطے جنت سے فرشتوں کے ہاتھ پانی

بھیجا - ان کے لیے آفتاب کو بعد غروب کے واپس کیا - فرشتوں کو انکا خادم بنایا - انکو علم دیا - ان کو حکمت سے سرفراز فرمایا - انکو تقویٰ و زہد کا مرتبہ دیا جو دنیاوی نعمتوں سے سب سے بڑی نعمت ہی - اور ان تمام اُمور کا ثبوت احادیث ذیل سے ہوتا ہی -

۱ اخرج ابن مغازلی عن ابن عباسؓ قال قال رسول اللہ صلعم نزل جبرائیل ومعہ لوزۃ فقال یا رسول اللہ ان اللہ یقرءک السلام ویقول لک فک ہذہ اللوزہ فلما فکہا فاذا فیہا ورقۃ خضراء مکتوب علیہا لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ ایدتہ بعلیؓ -

۲ اخرج موفق بن احمد الخوارزمی والیضا اخرج الحافظ ابن شیرویہ الدیلمی فی کتابہ الفردوس عن عروۃ ابن زبیر عن ابن عباسؓ قال لما قتل علی عمرو بن عبد ود العامری الذی کان اشجع العرب یوم الخندق

۱ ابن مغازلی نے ابن عباس سے روایت کی ہی کہ رسول اللہ نے فرمایا جبرائیل نازل ہوئے اور اون کے پاس ایک نور تھا تو کہا یا رسول اللہ خدا تعالیٰ آپکو سلام کہتا ہی اور فرماتا ہی کہ اس نور کو توڑو جب توڑا تو اوسمیں ایک سبز ورق تھا جسپر لکھا ہوا تھا لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ ایدتہ بعلیؓ یعنی بیان توحید و رسالت کے بعد لکھا تھا کہ مینے محمدؐ کی تائید علیؑ سے کی -

۲ موفق بن احمد خوارزمی اور نیز حافظ ابن شیرویہ دیلمی نے اپنی کتاب فردوس میں عروہ بن زبیر سے روایت کی ہے کہ جب علی نے عمر ابن عبد ود عامری کو قتل کیا جو اشجع عرب تھا (جنگ خندق میں) بعد اُسکے کہ اُسنے تین مرتبہ مبارز طلب کیے تھے اور اسوقت علیؑ کی تلوار سے خون ٹپک رہا تھا - جوہیں رسول اللہ نے دیکھا فرمایا کہ خداوند عالم نے علی کو ایک ایسی فضیلت دی جس کے مثل کسی نہ دی ہو تو جبرائیل نازل ہوئے اون کے ہاتھ میں ایک ترنج تھا اور کہا کہ خدا تعالیٰ آپ کو سلام کہتا ہے اور فرماتا ہے کہ اسے علی کو دیدو - رسول اللہ نے وہ ترنج علیؑ کو دیدیا - علی نے اوسکو لیا اور وہ شگافتہ ہو گیا اوسمیں سے ایک حریر سبز نکلا جسپر لکھا ہوا تھا اور دو سطروں میں اُسپر لکھا ہوا تھا - کہ یہ تحفہ ہے خداوند کریم کا اپنے ولی علی ابن ابیطالب کو -

۳ ابن مغازلی شافعی اور صاحب مناقب نے اپنی سند سے اعمش سے اُسنے ابی سفیان سے اُس نے انس بن مالک سے روایت کی ہی کہ ایک مرتبہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز عصر پڑھی تو اوسکے رکوع میں دیر کر دی اور نیز رکعت اولیٰ میں بھی دیر لگا دی یہانتک کہ ہم لوگوں کو خیال ہوا کہ شاید آپکو سہو ہو گیا ہی آپنے سر اُٹھایا اور نماز کو بالاختصار تمام کیا پھر ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ ای علی میرے قریب آؤ تو حضرت اپنی جگہ سے اُٹھے اور صفوں کو طے کرتے ہوئے رسول اللہ کے قریب پہونچے آپنے پوچھا کہ صف اول

بعد طلبہ البیازرہ ثلثا وکان سیف علی یقطر دما فلما راہ النبی صلعم قال اللہم اعط علیا فضیلۃ لم یعطہا احدا فہبط
جبرئیل ومعہ اترج الجنۃ فقال ان اللہ یقرئک السلام ویقول لک اعط علیا فدفعہا الیہ فاخذہا علی فتفلقت
فی یدہ فلقتین فاذا فیہا حریرۃ خضرا مکتوب فیہا سطرین تحفۃ اللہ الطالب الی الولی علی ابن ابیطالب
ایضا اخرجہ صاحب روضۃ الفضائل وصاحب ثاقب المناقب ہما عن سالم بن ابی الجور عن جابر ابن عبد اللہ
؎ اخرج ابن مغازلی الشافعی وصاحب المناقب بالاسناد عن الاعمش عن ابی سفیان عن انس بن مالک
قال صلی النبی صلواۃ العصر وبطا فی رکوعہ فی الرکعۃ الاولی حتی ظننا انہ سہی ثم رفع راسہ واوجز
فی صلواتہ وسلم ثم اقبل علینا فنادی یا علی ادن منی فمازال تخطار الصفوف الآخر حتی دنا فقال لہ ما الذی
خلفک عن الصف الاول قال کنت علی غیر وضو فاتیت بیتی ماء فلم اجد فیہ ماء فنادیت یا حسن یا حسین
فلم اجبنی احد فاذا ہاتف یقیف یا ابا الحسن فاذا رائت انا بطل من ذہب فیہ ماء وعلیہ مندیل فتوضأت
بالماء وہو اطیب من المسک فلا ادری من آتاہما ومن اخذہما منی فتبسم رسول اللہ وضمہ الی الصدر
وقبل ما بین عینیہ ثم قال ان السطل والماء والمندیل من الجنۃ والذی اتاک بالسطل والماء جبرائیل والذی
اتاک بالمندیل میکائیل والذی نفس محمد بیدہ مازال اسرافیل قابضا بیدہ علی رکبتی حتی لحقت لی الصلواۃ
وان اللہ وملائکتہ یحبونک " ینابیع المودۃ چاپ بیروت صفحہ ۱۳۶-۱۳۷-۱۴۲)

متعلق بہ حاشیہ نمبر ۳ - کیوں پیچھے رہ گئے عرض کی کہ میں بے وضو تھا تو اپنے گھر میں گیا کہ وضو کروں وہاں پانی نہ ملا میں نے پکارا یا حسن
و حسین کسی نے جواب نہ دیا - ناگاہ ایک ہاتف نے پکارا کہ یا ابو الحسن ادھر نظر کی تو دیکھا کہ ایک طشت سونیکا رکھا ہے اور اسمیں پانی ہے اور
اسپر رومال بھی دھرا ہوا تھا میں نے وضو کیا تو وہ پانی مشک سے بھی زیادہ خوشبو دار تھا کہ مجھے نہیں معلوم کہ اوسے کون لایا تھا اور کون لیگیا
رسول یہ سنکر متبسم ہوئے - اور اپنے سینہ سے لگایا - اور آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا پھر فرمایا کہ طشت اور پانی اور مندیل سب جنتی تھے اور جو طشت
اور پانی لایا تھا وہ جبرائیل تھے اور جو رومال لایا تھا وہ میکائیل تھے خدا کی قسم برابر اسرافیل میری گھٹنوں کو اپنے ہاتھوں سے پکڑے رہے
یہانتک کہ تم نماز میں شریک ہوگئے - بیشک خدا تعالیٰ اور اوس کے فرشتے تمکو دوست رکھتے ہیں

؎ صواعق محرقہ میں مذکور ہے کہ علی کے کرامات باہرہ میں سے یہ ہے کہ آفتاب آپکے لئے واپس کیا گیا اوسوقت جبکہ رسول اللہ
کا سر مبارک ان کی گود میں تھا اور وحی نازل ہو رہی تھی اور علی نے نماز عصر ادا نہ کی تھی کہ آفتاب غروب ہوگیا تھا جب

وفی الصواعق المحرقہ ومن کراماتہ ان الشمس ردت الیہ لما کان راس النبی فی حجرہ والوحی ینزل علیہ وعلی لم یصل العصر فغربت الشمس فلما سری الوحی عنہ فقال اللہم ان علیا فی طاعتک وطاعۃ نبیک فارددو علیہ الشمس فطلعت بعد ما غربت صححہ الطحاوی والقاضی فی الشفاء وحسنہ شیخ الاسلام ابو ذرعہ طبعہ غیرہ ص ۱۳۸ ینابیع المودۃ)

۵ وعن ابی سعید قال قال علی قلت یوما لفاطمۃ ہل عندک شیئ اکلہ قالت لا منذ یومین قلت بافی لم لا اعلمتنی حتی ادخلتک وولدی فی حرج قالت انی استحی من اللہ تعالیٰ ان اکلفک ما لا تقدر علیہ فاستقرضت دینارا فاردت ان اشتری ما یصلح لہم اذ عرض لی المقداد وہو مضطرب محزون فقلت ما اضطرابک قال لقد ترکت اہلی یبکون من جوع فبکیت من حزنہ ودفعت الیہ الدینار التی استقرضتہ فصلیت مع النبی الظہر والعصر والمغرب فقال لی یا ابا الحسن ہل عندک شیئ اکلہ فعرفت حالی الذی خرجت علیہ قال قد اوحی الی ان اعشی فی بیتکم فدخل فاذا جفنۃ تفور وقال یا علی ہذہ من عند اللہ تعالیٰ یرزق من یشاء من عبادہ بغیر حساب وقال الحمد للہ الذی یجری فینا ما اجری علی مریم ثم قرء کلما دخل علیہا زکریا المحراب وجد عندہا رزقا قال یا مریم انی لک ہذا ہذا ما اخرجہ الحافظ الدمشقی فی الاربعین معروف جامع صغیر سیوطی منقول از ینابیع المودۃ چھاپ بیروت ص ۱۹۹)

۶ اخرج البزاز والطبرانی فی الاوسط عن جابر بن عبد اللہ والضیاء طبرانی والحاکم والعقیلی وابن عدی عن ابن عمر والترمذی والضیاء الحاکم عن علی قال قال رسول اللہ انا مدینۃ العلم وعلی بابہا - وفی روایۃ فمن اراد العلم فلیات الباب وفی اخری عن الترمذی عن علی انا دار الحکمۃ وعلی بابہا - وفی اخری عن ابن عدی

متعلق حاشیہ صفحہ سابق - وحی کے آثار آنحضرت سے منقطع ہو گئے تو فرمایا کہ خدایا علی تیری اطاعت اور تیرے نبی کی طاعت میں تھا آفتاب کو اسپر پلٹا دے تو آفتاب نکل آیا بعد اسکے کہ غروب ہو چکا تھا - اس روایت کو طحاوی اور قاضی نے اپنی کتاب شفا میں صحیح بتایا ہے - اور شیخ الاسلام ابو ذرعہ نے حسن کہا ہے - (ص ۸۷ صواعق محرقہ چھاپ مصر ص ۱۳۸ ینابیع المودۃ چھاپ بیروت)

۵ ابو سعید خدری سے ہے کہ علی نے خود بیان کیا کہ میں نے فاطمہ سے اک روز کہا تمہارے پاس از قسم طعام کچھ ہے؟ فرمایا کہ دو دن سے نہیں ہے - میں نے کہا کہ فاطمہ! تمنے کیوں نہ مجھے مطلع کیا کہ اپنے تئیں اور بچوں کے تئیں ہی زحمت دی فاطمہ نے

علی باب علمی "

٥٥ حدثنا عبداللہ بن محمد بن یوسف قال حدثنا ابوالحسن محمد بن محمد سلمہ البغدادی بمصر قال حدثنا ابوبکر محمد بن الحسن بن درید قال اخبرنا الاکلی عن الحرمازی رجل من ہمدان قال قال معاویۃ لضرار الصدائی یا ضرار صف لی علیا قال اعفنی یا امیر المومنین قال لتصفنہ قال اما اذ لابد من وصفہ وکان واللہ بعید المدی شدید القوی یقول فصلا ویحکم عدلا یتفجر العلم من جوانبہ وتنطق الحکمۃ من نواحیہ ویستوحش من الدنیا وزہرتہا ویستانس باللیل ووحشتہ وکان غزیر العبرۃ طویل الفکرۃ یعجبہ من اللباس ما قصر ومن الطعام ما خشن کان فینا کاحدنا یجیبنا اذا سالناہ وینبئنا اذا استنبأناہ ونحن واللہ مع تقریبہ ایانا وقربہ منا لانکاد نکلمہ ہیبتہ لہ یعظم اہل الدین ویقرب المساکین لا یطمع القوی فی باطلہ ولا ییئس الضعیف من عدلہ واشہد انہ لقد رأیتہ فی

بقیہ حاشیہ صفحہ سابق کہا مجھ خدا تعالیٰ سے حیا آتی ہو کہ آپکو تکلیف دیتی ایسی بات کی جو آپکے امکان میں نہیں اسوقت میں نے ایک دینار کسی سے قرض لیا اور چاہا کوئی ایسی چیز ان لوگوں کے لیئے خریدوں جو ان کے مناسب ہو یک بیک مقداد سامنے آگئے مگر مضطرب و محزون میں نے کہا کیوں مضطرب ہو کہا کہ میں نے اہل وعیال کو روتا چھوڑ آیا ہوں میں بھی انکے حزن کی وجہ سے رونے لگا اور جو اشرفی قرض لیا تھی انکو دیدی پھر رسول خدا کے پاس آ کر نماز ظہر پڑھی اور نیز عصر و مغرب ۔ بعد مغرب آنحضرت نے فرمایا یا ابا الحسن تمہارے پاس کچھ ہے قسم طعام ہی جو میں نے اپنا حال بیان کر دیا فرمایا کہ مجھ پر وحی ہوئی ہی کہ آج طعام شام تمہارے گھر کھاؤں یہ کہکر گھر میں آئے تو دیکھا کہ ایک بڑا پیالہ جوش کہا رہا ہی فرمایا کہ یا علی یہ خدا کی طرف سے ہے جسے وہ چاہتا ہے بے حساب دیتا ہی اور فرمایا کہ شکر خدا جسنے ہم میں بھی وہی کرامت عطا کی جو مریم کو دی تھی پھر آپنے آیت کی تلاوت کی کلما دخل علیہا زکریا وجد عندہا رزقا الخ یہ وہ روایت ہی جسے حافظ دمشقی نے اربعین میں طول سے نقل کیا ہی ا جامع صغیر سیوطی منقول از ینابیع المودۃ قندوزی حنفی ص ۱۲۹ ۔

٥٦ بزار نے اور نیز طبرانی نے اپنی کتاب وسط میں جابر بن عبداللہ انصاری سے اور نیز طبرانی اور حاکم اور عقیلی اور ابن عدی ابن عمر سے روایت کی ہی اور ترمذی نے اور نیز حاکم نے بسند دیگر علی سے روایت کی ہی کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا انا مدینۃ العلم وعلی بابہا دوسری روایت میں یہ بھی ہی کہ جو کوئی علم کا طالب ہو وہ دروازہ سے آئے ۔ دوسری روایت میں ترمذی سے روایت ہی کہ علی نے کہا رسول اللہ نے فرمایا ہی کہ میں خانۂ حکمت ہوں اور علی اسکا دروازہ ہی ۔

بعض موافقہ وقد ارخی اللیل سدولہٗ وغارت نجومہٗ قابضاً علی لحیتہ یتململ تململ السلیم ویبکی بکاء الحزین ویقول

یا دنیا غری غیری الیّ تعرضت ام الیّ تشوقت ہیہات ہیہات قد باینتک ثلاثا لارجعۃ فیہا فعمرک قصیر و

خطرک قلیل آہ من قلۃ الزاد وبعد السفر ووحشۃ الطریق - فبکی معاویۃ وقال رحم اللہ اباالحسن کان

واللہ کذالک فکیف حزنک علیہ یا ضرار قال حزن من ذبح ولدہا وہو فی حجرہا (کتاب استیعاب بن عبد البر مغربی

اندلسی متوفی ۴۶۳ھ)

ناظرین ان بیانات واحادیث ورواۃ سے اچھی طرح معلوم ہوگیا کہ اہلبیتؑ پر کس طرح پروردگار عالم

نے اپنی نعمتونکو کامل کیا تھا - دنیا وآخرۃ دونوں ہی میں انکو وہ مدارج ومراتب ونعمتیں عطا فرمائی تھیں

کہ کسی اور کو ایسی نعمتیں نہیں دیں - لہذا صراط الذین انعمت علیہم سے ان بزرگواروں کا طریقہ مراد

ہوگا جسکی طرف ہدایت پانیکی دعا کرنے کو خدا تعالی نے حکم دیا ہے اور کہا ہے کہ کہو اہدنا الصراط المستقیم

دوسرا فقرہ اس آیت کا یہ ہے غیر المغضوب علیہم یعنے صراط مستقیم سے مراد اُن لوگوں کی راہ ہے

جنپر کبھی غیظ وغضب نہیں کیا گیا - اس سے صاف ظاہر ہے کہ اگر دنیا میں کوئی ایسا - ہے

جسپر کبھی پروردگار ناراض نہیں ہوا اور عتاب نہیں فرمایا تو صرف آل محمدؐ ہی ہیں - اس کے ثبوت

کے واسطے صرف ایک حدیث یہی کافی ہے - جو اس ورَیں اہلبیتؑ کے متعلق سیوطی اور ابن حجر

مکی نے لکھا ہے - واخرج الطبرانی وابن ابی حاتم عن ابن عباس قال ما انزل اللہ یا ایہا الذین آمنوا الا وعلیّ

امیرہا وشریفہا ولقد عاتب اللہ اصحٰب محمدؐ فی غیر موضع وما ذکر علیاً الا بخیر (ص ۷۸ صواعق محرقہ مطبوعہ مصر)

بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ ایک اور روایت میں ہے ابن عدی سے مروی ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا علی میرے

علم کا باب ہے -

ؒ نیز عبد اللہ بن یوسف نے حدیث بیان کی ہے اور کہا کہ ہم سے محمد ابن مالک بن عابد نے حدیث

بیان کی اُسنے کہا ہم سے ابو الحسن محمد بن محمد بن سلمہ بغدادی نے بیان کیا اُسنے کہا ہم سے ابو بکر محمد بن الحسن ابن

درید نے بیان کیا اُس نے کہا ہم سے عقلی نے حرمازی سے بیان کیا جو ہمدان کا رہنے والا تھا اُسنے کہا کہ ایک مرتبہ معاویہ نے

ضرار صدائی سے کہا کہ علی کے کچھ اوصاف بیان کر اُسنے کہا کہ ای امیر مجھے معاف کر معاویہ نے کہا ضرور بیان کر اُسنے کہا کہ اگر

اس سے بڑھ کے ثبوت کیا ہوسکتا ہی کہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ خدا تعالی محمد کے اصحاب کو قرآن میں جا بجا عتاب سے یاد فرماتا ہی۔ مگر علی کو جہاں کہیں یاد فرمایا ہی بھلائی اور خیر کے ساتھ۔ اور جو حالت ان اہلبیت میں سے ایک کی ہی وہی باقی اہلبیت کی بھی ہی۔ کہ جہاں خدا تعالی نے قرآن میں انکو یاد فرمایا ہی نیک اور فضیلت کے لفظوں میں یاد فرمایا ہی۔

تیسرا فقرہ ولا الضالین یعنی صراط مستقیم اون لوگوں کی راہ ہی جو گمراہ نہیں۔

اب اگر ناظرین تمام اصحاب و انصار رسول میں بلکہ تمام اُمت رسول اللہ میں تلاش کرلیں تب بھی سوائے اہلبیت محمدؐ کے یعنی علیؑ و فاطمہؑ و حسنؑ و حسینؑ اور باقی نو اماموں کے جو صلب امام حسین علیہ السلام سے ہوئے یعنے علیؑ ابن الحسینؑ و محمدؑ ابن علیؑ و جعفرؑ ابن محمدؑ و موسیؑ ابن جعفرؑ و علیؑ ابن موسیٰؑ و علیؑ بن موسیٰؑ و محمدؑ بن علیؑ و علیؑ ابن محمدؑ و حسنؑ ابن علیؑ المہدیؑ ابن الحسنؑ علیہم السلام کسی کو ایسا نہ پائینگے جنپر صحیح طور پر یہ لفظ صادق آئے کیونکہ قبل اسلام کے ضلالت تو ظاہر ہی کہ تمام اصحاب و انصار رسول خداؐ مسلمان ہونے سے پہلے بُت پرست تھے شراب پیتے تھے جُوا کھیلتے تھے قتل نفس کرتے تھے وغیرہ وغیرہ اوصاف میں مبتلا تھے۔ کوئی چالیس برس کی عمر میں مسلمان ہوا کوئی پچاس برس کی عمر میں مسلمان ہوا کوئی اس سے کم و بیش میں سوائے اہلبیت رسولخداؐ کی کہ انمیں سے کسی نے کبھی بُت کو سجدہ نہیں کیا۔

بقیہ حاشیہ صفحہ ماسبق بیان کرنا لازم ہی تو سنو کہ وہ قسم بخدا بلند ہمت اور نہایت قوی تھے فضیلت کی بات بولتے اور انصافًا فیصلہ کرتے چشمہ علم اُن کے پہلو سے پھوٹتا تھا اور اُن کے اطراف بدن حکمت ہی بولتے تھے (یعنے اونکا ہر فعل و ہر حرکت بدنیہ مبنی بر حکمت ہتی) دنیا اور لذت دنیا سے وحشت کرتے تھے شب سے اُنہیں اُنس تھا۔ کثیر العبرت (بڑی رونے والے تھے) طویل الفکر تھے کوتاہ لباس آپکو پسند تھا۔ اور خشن طعام مرغوب تہا ہم میں اسطرح رہتے جیسے ہم میں سے ہی کوئی شخص ہے۔ جب ہم پوچھتے تو آپ جواب دیتے۔ اور جب ہم دریافت کرتے تو خبر دیتے اور ہملوگ باوجود قرب اُن کی ہیبت کی وجہ سے بول نہ سکتے تھے دینداروں کی عظمت کرتے تھے اور مساکین کو قریب بٹھاتے تھے کسی قوی کو بھی طمع نہ ہوتی تھی کہ کسی امر کو گزر لگا اور نہ کسی ضعیف کو آپکے عدل کیوجہ سے ناامیدی نہ ہوتی ہتی۔ میں شہادت دیتا ہوں کہ ایک موقعہ پر میں نے آپکو دیکھا درانحالیکہ شب نے اپنے چھوڑ دیئے تھے۔ اور ستارے جھلملا رہے تھے۔ کہ آپ اپنی ریش مبارک پکڑے ہوئے اسطرح لوٹ رہے تھے جیسے کوئی مار گزیدہ اور فرماتے تھے کہ اے دنیا کسی اور کو فریب دینا کیا تو میرے سامنے آئی ہی کیا تو میری

شراب نہیں پی نہ معاذ اللہ کسی اور حرام و ناجائز امر کے مرتکب ہوئے۔ حتی کہ پروردگار عالم نے خود فرمایا۔ یرید اللہ لیذہب عنکم الرجس اہل البیت ویطہرکم تطہیرا۔ جیسا کہ آئندہ اسکا بیان آئیگا۔ بلکہ انہیں سے جو راس رئیس ہیں یعنی مولائے مولا الکونین علی ابن ابیطالب علیہ السلام وہ تو سب سے پہلے مقر رسالت جناب رسول اللہ ہوئے چنانچہ عبدالبر نے بیسیوں روایتیں استیعاب میں اسی مضمون کی نقل کی ہیں۔ جنمیں کسی موقعہ پر ہم اسی کتاب میں نقل کرینگے۔ یہاں صرف ایک روایت لکھتے ہیں ص ۴۷۱ استیعاب عن قتادہ عن الحسن قال اسلم علیؓ وہو اول من اسلم وہو ابن خمس او ستہ عشر سنتہ۔ قال ابن وضاح ما رأیت احدا قط اعلم بالحدیث من محمد بن مسعود ولا اعلم بالرائے من سخنون وقال ابن اسحاق اول ذکر آمن باللہ ورسولہ علی ابن ابیطالبؑ وہو یومئذ ابن عشر سنین انتہی بقدر الضرورۃ۔ یعنی قتادہ سے مروی ہے اُس نے حسن سے روایت کی ہے کہ علیؓ سب سے پہلے مسلمان ہیں جبکہ وہ پندرہ سولہ برس کے تھے۔ نیز ابن اسحق کا قول ہے کہ مردوں میں سب سے پہلے جو خدا و رسول پر ایمان لایا وہ علی ابن ابیطالبؑ ہیں اُسوقت اونکا سن دس سال کا تھا۔

پس بدلیل قطعی ثابت ہوگیا کہ صراط مستقیم انہیں بزرگواروں کے طریقہ کا نام ہے جسپر چلکر انسان خدا تعالی کے ساحت قرب تک پہونچ سکتا ہے اور اگر اس طریقہ سے ہٹا تو نجات ناممکن ہے کیونکہ اسکے علاوہ تمام طریقے غیر مستقیم ہیں جو اپنی بین مخالفت کی وجہ سے بدیہی اولی کے درجہ میں ہیں اور اسکی تشریح کی چنداں ضرورت نہیں ہر عقلمند آدمی ایک ادنی توجہ سے جبکہ اہلبیت محمد اور غیروں کے طریقہ کو جانچنے لگیگا اور معمولی اردو کتابیں ہی دیکھیگا تو اُسے معلوم ہو جائیگا کہ اہلبیتؑ کی روش کیا ہے اور غیروں کی کیا۔"

متعلق صفحہ سابق۔ عاشق ہے؟ اور دیکھ تا بڑی دور ہی میں نے تجھے تین طلاق بائن دیدی ہیں جس کے بعد رجوع نہیں ہو سکتی کیونکہ تیری عمر کوتاہ ہے اور تیری شان حقیر ہے آہ زاد کم ہے اور سفر دور و دراز اور راہ وحشتناک ہے۔

سُنکر معاویہ رونے لگا اور کہنے لگا کہ خدایا ابوالحسن پر رحم کر واللہ وہ ایسے ہی تھے۔ اے ضرارہ تجھکو اونکا کتنا غم ہے کہا اتنا جتنا کسی ماں کو ہوتا ہے جس کا بچہ اوس کے سامنے ذبح کر دیا جائے۔

ص ۲۷۶ کتاب استیعاب ابن عبدالبر مغربی اندلسی متوفی سنہ ۴۶۳ھ فقط

تیسری آیت

هُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَمِمَّا رَزَقْنٰہُمْ یُنْفِقُوْنَ یہ آیت اول سورہ بقر میں واقع ہی جو صدر قرآن مجید میں ہی۔ مگر دنیا اس کے مفہوم سی بالکل غافل ہی نہ معلوم کہاں کہاں اس کے اوہام باطلہ اسے لیئے پھرتے ہیں حالانکہ یہ جگہ صراط مستقیم سے بالکل قریب ہے پھر بھی اسی چھوڑکر کج و دا کج راہ پیمائی کر رہے ہیں۔

اگر ذرا بھی اس کے مفہوم پر غور کریں تو معلوم ہوسکیگا کہ اس سے کون لوگ مراد ہیں۔ اول متقی کی صفت دوسرے ایمان بالغیب خاص کی صفت تیسرے یقیمون الصلوٰۃ کی صفت چوتھی انفاق کی صفت یہ تمام باتیں اگر مجتمعًا پائی جاتی ہیں تو صرف آل محمدؐ میں جنپر قرآن وحدیث دونو متفق ہیں اور جنمیں صدر اول امیر المؤمنین علی ابن ابیطالب علیہ السلام اون کے بعد باقی ائمہ طاہرینؑ ہیں۔ تقوےٰ وہ کہ آنحضرتؐ نے خود جبکہ کسی نے آپ سے دریافت کیا من خیر الناس کون بہترین مردم ہی۔ تو فرمایا خیرہا واتقاہا وافضلہا واقربہا الی الجنۃ اقربہا منی ولا اتقی ولا اقرب الا علی ابن ابیطالبؑ۔

بہترین مردم وہی ہی جو متقی ترین مردم ہو افضل الناس ہو اقرب من الجنۃ ہو مجھ سے زیادہ اقرب ہو اور کوئی شخص بڑا متقی اور زیادہ قریب مجھ سے سوائے علی ابن ابیطالب علیہ السلام کے نہیں ہی۔ (مودۃ القربی مودۃ ثالثہ ینابیع المودۃ ص۲۰۴)

پھر ایک حدیث میں حضرت یونس کے ورع و تقوےٰ سے مشابہت دیکر علی بہترین متقیین ہی۔ فرمایا

من اراد ان ینظر اسرافیل فی ہیبتہ والی میکائیل فی رتبتہ والی جبرائیل فی جلالتہ والی آدم فی علمہ والی نوح فی خشیتہ والی ابراہیم فی خلتہ والی یعقوب فی حزنہ والی یوسف فی جمالہ والی موسیٰ فی مناجاتہ والی ایوب فی صبرہ والی یحییٰ فی زہدہ والی عیسیٰ فی عبادتہ والی یونس فی ورعہ والی محمد فی حسبہ وخلقہ فلینظر الی علی فان فیہ تسعین من خصال الانبیاء جمعہا اللہ فیہ ولم یجمعہا فی احد غیرہ۔ ص۲۱۴ ینابیع المودۃ

نیز کوئی چاہے کہ آدمؑ کا علم نوحؑ کی خشیہ ابراہیمؑ کی خلۃ یعقوبؑ کا حزن یوسفؑ کا جمال موسیٰؑ کی مناجات ایوبؑ کا صبر یحییٰؑ کا زہد عیسیٰؑ کی عبادت یونسؑ کا تقویٰ ورع محمدؐ کا حب و خلق دیکھے تو علیؑ کو دیکھ لے کہ انہیں خدا تعالیٰ نے انبیاء کی نوی خصلتیں جمع کر دی ہیں جو اوروں میں جمع نہیں کیں۔

ایمان کے لیے فقط یہی کافی ہے کہ آپ امیر المومنین ہیں اور یہ تسمیہ آپ کو عالم الست میں ملا

(دیکھو ینابیع صفحہ ۲۰۶) ابو ہریرہ قال قیل یا رسول اللہ متی وجبت لک النبوۃ قال قبل ان یخلق اللہ آدم و نفخ روح فیہ۔ وقال اذ اخذ ربک من بنی آدم من ظہورہم ذریتہم و اشہدہم علی انفسہم الست بربکم قال الارواح بلیٰ وقال اللہ تعالیٰ انا ربکم و محمد نبیکم و علی امیرکم۔ (ینابیع صفحہ ۲۰۶) نیز فرمایا لو علم الناس علیا فی سمی امیر المومنین ما انکروا فضلہ سمی امیر المومنین و آدم بین الروح والجسد۔ (ینابیع صفحہ ۲۰۶)

یہی نہیں بلکہ آپ کو زیر عرش لوح پر مومنوں کا امیر لکھا ہے۔ ان فی لوح المحفوظ تحت العرش مکتوب علی ابن ابی طالب امیر المومنین۔ (صفحہ ۲۰۵ ینابیع نقل از مودۃ القربیٰ)

نیز مناقب موفق بن احمد صفحہ ۲ میں ہے کہ آنحضرتؐ نے خود آپکے ایمان کی تصدیق کرتے ہوئے فرمایا یا علی انت اول المومنین ایماناً و اول المسلمین اسلاماً۔ یا علی تمہیں ایمان والوں سے پہلے مومن اور اسلام والوں سے پہلے مسلم ہو۔

جس سے صرف یہی نہیں ثابت ہوتا کہ آپ اُمت محمدیہ میں فقط سابق الایمان ہیں بلکہ اول المومنین ایماناً بتا رہا ہے کہ عالم میں جتنے مومن گذرے ہیں اُن سب سے سابق تمہارا ایمان ہے۔ اور کیوں نہ ہو کیونکہ تمام دنیا سے آپکو زیر عرش لوح محفوظ پر امیر المومنین لکھا گیا ہو اور تمام حجب نور و رحمت میں رسولخداؐ کے ساتھ وحدت نوریہ کے عالم میں عبادت خدا کرتے رہے ہوں۔ پھر ان سے سابق الایمان کون ہو سکتا ہے؟

بلکہ میرے نزدیک حضرت کے سابق الایمان ہونیکی بحث دنیائے اسلامیہ میں سخت آپ کی توہین ہے اسلیے کہ جو شخص نفس رسولؐ ہو جو شخص ہزاروں برس قبل خلقت آدمؑ کے رسول اللہؐ کے ساتھ ساتھ رہ کر عبادت خدا کر چکا ہو جسکی تسبیح سے ملائکہ نے تسبیح سیکھی ہو جسکی تکبیر سے ملائکہ نے تکبیر سیکھی ہو۔ جسکی تمجید سے ملائکہ نے تمجید سیکھی ہو جسنے تمام حجب الٰہیہ میں رہ کر رسول خداؐ کے ہمراہ تمام مراتب عرفان

طے کرلیا ہو جو یہ فرماتا ہو ”لو کشف الغطاء لما ازددت یقیناً“ اوس کے ایمان کی سبقت عامتہ
الناس سے بیان کرنا اور اُسکے ثابت کرنے کی کوشش کرنا بیحد بے ادبی ہے ایسے بزرگ کا
ایمان کیونکر مسبوق ہوسکتا ہے زید وعمر بکر کے ایمان سے جبکہ زید وعمرو کا وجود عالم وہم میں رہا
ہو گا اور علیؑ اُسوقت امیر المؤمنین تھے۔“ صلی اللہ علی محمد و آل محمدؐ
اگر میرے بیان میں کچھ شبہہ ہو تو اس حدیث کو پڑھ لیجئے۔ (ینابیع المودۃ ص۴۰۳ چھاپ بمبئی)

قال رسول اللہ خلق اللہ خلقاً افضل منی ولا اکرم علیہ منی قال علی فقلت یا رسول اللہ فانت افضل ام
جبرائیل فقال یا علی ان اللہ تبارک وتعالیٰ فضل انبیاءہ علی الملائکۃ المقربین وفضلنی علی النبیین و
المرسلین والفضل بعدی لک یا علی والائمۃ من ولدک من بعدک فان الملئکۃ من خدامنا و
خدام محبنا یا علی الذین یحملون العرش ومن حولہ یسبحون بحمد ربہم ویستغفرون للذین آمنو بولایتنا
یا علی لولا نحن ما خلق اللہ آدم ولا حوا ولا الجنۃ ولا النار ولا السماء ولا الارض فکیف لا نکون افضل من
الملئکۃ وسبقناہم الی معرفۃ ربنا وتسبیحہ وتہلیلہ وتقدیسہ لان اول ما خلق اللہ عزوجل ارواحنا
فانطقنا بتوحیدہ وتحمیدہ ثم خلق الملئکۃ فلما شاہدوا ارواحنا نوراً واحداً استعظموا امرنا فسبحنا لتعلم
الملئکۃ انا خلق مخلوقون وانہ تعالیٰ منزہ عن صفاتنا فسبحت الملئکۃ بتسبیحنا ونزھتہ عن صفاتنا۔ ولما
شاہدوا عظم شاننا ہللنا لتعلم الملئکۃ ان لا الہ الا اللہ وانا عبید ولسنا بالہۃ یجب ان یعبد معہ او دونہ
فقالو لا الہ الا اللہ فلما شاہد کبر محلنا کبرنا لتعلم الملائکۃ ان اللہ اکبر فلا ینال مخلوق عظم المحل الا بہ فلما
شاہدوا ما جعلہ اللہ لنا من العز والقوۃ قلنا لا حول ولا قوۃ الا باللہ لتعلم الملائکۃ ان لا حول ولا قوۃ الا
باللہ۔ فلما شاہدوا ما انعم اللہ بہ علینا واوجبہ لنا من فرض طاعۃ الخلق ایانا قلنا الحمد للہ لتعلم الملائکۃ
ان الحمد للہ علی نعمتہ فقالت الملائکۃ الحمد للہ فبنا اہتدوا الی معرفۃ توحید اللہ وتسبیحہ وتہلیلہ وتکبیرہ
وتحمیدہ الخ۔

اس حدیث نے صاف لفظوں میں بتادیا کہ ملائکہ نے روز اول ہی معرفت توحید وتسبیح وتہلیل وتکبیر وتحمید
صرف آل محمدؐ سے سیکھی۔ بس جو لوگ ایسے مؤمن فطری ہوں اُن کے مقابلہ میں بت پرستی سے نکلکر اسلام میں

آنیوالی کیا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ اور اُن کے اور ان کے درمیان اولیت ایمان و اسلام کی بحث لانی کہانتک درست ہوسکتی ہے۔

اگر بفرض محال مان بھی لیا جائے کہ ابوبکر صاحب تمام اسلام والومنین اول ہیں تو انکا مقابلہ علی ابن ابیطالب علیہ السلام سے کیونکر ہوسکتا ہے۔ درانحالیکہ آپ فطری مؤمن اور معلم معرفت ملائکہ مقربین کے ہیں

اس مقام پر امام احمد بن حنبل کا فیصلہ قابل قدر ہے جو کتاب ینابیع المودۃ صنہ۲۱پر منقول ہے احمد بن محمد کرازی البغدادی راوی ہے کہ میں نے امام احمد بن حنبل کے بیٹے عبداللہ سے سُنا وہ کہتے تھے کہ میں نے اپنے باپ (امام احمد) سے تفضیل کی بابت سوال کیا تو جواب دیا کہ ابوبکر عمر۔ عثمان اتنا کہکر چُپ رہے تب میں نے کہا کہ علی ابن ابیطالب کہاں گئے (اُنکا نام آپ نے کیوں نہ لیا) تو فرمایا وہ اہلبیت میں سے ہیں۔ اُنپر ان (خلفاء ثلثہ) کا قیاس نہیں کیا جاسکتا۔

حقیقت میں قیاس تو اُسوقت کیا جائے جبکہ ان کے درمیان کوئی نسبت قائم ہوسکے لیکن معلوم ہے کہ امیرالمؤمنین اول مخلوق مع رسول اللہ ہیں باعث خلقت آسمان و زمین وما فیہا جنمیں خلفاء بھی داخل ہیں پھر انکا اور اُنکا قیاس کیا۔؟

ایمان بالغیب اس سے بڑھکر کیا ثبوت ہوسکتا ہے کہ آنحضرت بروز دوشنبہ مبعوث برسالت ہوئے ابھی نہ کوئی معجزہ دکہایا تھا نہ جبرئیل ہی کو کسی نے آتے جاتے دیکھا جس سے معلوم ہوتا کہ آنحضرت کو رسالت ملی۔ مگر باینہمہ سب سے پہلے رسول اللہ کی تصدیق آپنے کی اور بغیر معجزہ وغیرہ کے دیکھے ہوئے حضرت کو رسول برحق تسلیم کرلیا۔ اور منگل کے دن آنحضرتؐ کے ساتھ شریک نماز ہوئے۔

ترمذی شریف صنہ۳۰۰

جیساکہ اُنس بن مالک سے مروی ہے قال بعث رسول اللہ یوم الاثنین وصلی علی یوم الثلثاء

نیز ابن مغازلی سے مروی ہے کہ خود آنحضرتؐ نے فرمایا اول الناس ورودا علی الحوض اولہم اسلاما علی ابن ابیطالب (صنہ۵۸ ینابیع المودۃ) سب سے پہلے حوض کوثر پر میری پاس آنیوالا وہ ہے۔ جو سب سے پہلے اسلام لایا اور وہ علی ابن ابیطالب ہے۔

صلواۃ کے ثبوت کے واسطے یہی کافی ہے۔ حموینی نے روایت کی ہے قال رسول اللہ لقد صلت

الملائکة علیّ و علی علی سبع سنین لانا کنا نصلی لیس احد غیرنا یصلی" آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ نے فرمایا
سات برس تک مجھپر اور علی پر ملائکہ نے درود پڑھا کیونکہ ہم دونو اس وقت تک نماز پڑھتے تھے جبکہ ہمارے
سوا نماز نہ پڑھتا تھا۔ نیز موفق بن احمد اپنے مناقب کے افضل چہارم صفحہ ۱۹ نسخہ قلمی) میں لکھے ہیں

عن ابن عباس قال قال رسول اللہ صلت الملئکة علیّ و علی علی ابن ابیطالب سبع سنین
قیل لم ذالک یا رسول اللہ قال لم یکن معی من الرجال غیرہ" ابن عباس راوی ہیں کہ آنحضرت نے
فرمایا ملائکہ نے سات برس تک مجھپر اور علی پر درود پڑھا کسی نے پوچھا یا رسول اللہ یہ کیوں؟ فرمایا
اس لیئے کہ میری ساتھ مردوں میں کوئی اون کے سوا (نماز گذار) نہ تھا۔

انفاق فی سبیل اللہ کے ثبوت لیکن یہی کافی ہو کہ قرآن مجید میں کثیر آیتیں آپکے مدح سخاوت میں
نازل ہوئیں جیسے آیۂ انما ولیکم اللہ آیہ الذین ینفقون اموالہم باللیل والنہار۔ آیۃ یؤثرون علیٰ
انفسہم ولوکان بہم خصاصة اور پورا سورہ دہر جو اُنتیسویں پارے میں ہے۔

لیکن بایں ہمہ ہم محض قیاس سے کام لینا نہیں چاہتے بلکہ اسپر ہمارے پاس شاہد موجود ہو۔ کہ آیۂ
مذکورہ صدر خاص علی اور اولاد علی کی شان میں آیا ہو اور کتاب خدا انہیں کی مدح میں شروع ہوئی ہو
جس سے بڑا فضل کوئی ہی سمجھ میں نہیں آتا۔ اور اسی سے فیصلہ آپکی خلافت بلافصل کا بھی ہو جاتا ہی
ملاحظہ ہو حدیث جو ینابیع المودة صفحہ ۲۷ پر مروی ہو۔ عن واثلة بن الاصقع بن قرخاب عن جابر
بن عبد اللہ الانصاری قال دخل جندل بن جنادہ بن خیر الیہودی علی رسول اللہ صلعم فقال یا
محمد اخبرنی عما لیس للہ و عما لیس عند اللہ و عما لا یعلمہ اللہ فقال اما لیس للہ فلیس لہ شریک واما لیس
عند اللہ فلیس عند اللہ ظلم واما ما لا یعلمہ اللہ فذالک قولکم یا معشر الیہود ان عزیر ابن اللہ واللہ لا یعلم
ان لہ ولد بل یعلم انہ مخلوقہ و عبدہ فقال اشہد ان لا الہ الا اللہ وانک رسول اللہ حقاً و صدقاً
ثم قال انی رائیت البارحة فی النوم موسی ابن عمران فقال یا جندل اسلم علی ید محمد خاتم الانبیاء
واستمسک اوصیاءہ من بعدہ فقلت اسلم فللہ الحمد اسلمت وہدانی بک ثم قال اخبرنی یا رسول اللہ
عن اوصیائک من بعدک لاتمسک بہم قال اوصیائی اثنا عشر قال الجندل ہکذا وجدناہم فی التوراة

وقال یارسول اللہ سمہم لی فقال اولہم سید الاوصیاء ابو الائمہ علیؑ ثم ابناہ الحسن والحسین فاتمسک بہم ولا یغرنک جہل الجاہلین فاذا ولد علی ابن الحسین زین العابدین یقضی اللہ علیک ویکون آخر زادک من الدنیا شربۃ لبن تشربہ فقال وجدنا فی التوراۃ وفی کتب الانبیاء علیہم السلام - ایلیا - وشبر وشبیر فہذہ اسم علی والحسن والحسین فمن بعد الحسین وما اسامیہم قال اذا انقضت مدۃ الحسین فالامام ابنہ علیؑ ویلقب بزین العابدین فبعدہ ابنہ محمد یلقب بالباقر فبعدہ ابنہ جعفر یدعی بالصادق فبعدہ ابنہ موسیٰ یدعی بالکاظم فبعدہ ابنہ علی یدعیٰ بالرضا فبعدہ ابنہ محمد یدعی بالتقی والزکی فبعدہ ابنہ علی یدعی بالنقی والہادی فبعدہ ابنہ الحسن یدعی بالعسکری فبعدہ ابنہ محمد یدعی بالمہدی والقائم والحجۃ فیغیب ثم یخرج فاذا خرج یملاء الارض قسطاً وعدلاً کما ملئت جوراً وظلماً طوبیٰ للصابرین فی غیبتہ طوبیٰ للمتقین علی محبتہم اولئک الذین وصفہم اللہ فی کتابہ وقال ھدًی للمتقین الذین یومنون بالغیب - ثم قال اللہ تعالیٰ اولئک حزب اللہ الا ان حزب اللہ ہم المفلحون فقال جندل الحمد للہ وفقنی بمعرفتہم ثم عاش الی ان کانت ولادۃ علی ابن الحسین فخرج الطائف ومرض وشرب لبناً وقال اخبرنی رسول اللہ ان یکون آخر زادی من الدنیا شربۃ لبن ومات ودفن بالطائف بالموضع المعروف بالکوزارہ ۔

اس حدیث نے تمام مراحل کا فیصلہ کر دیا۔ ۱؎ یہ بھی بتا دیا کہ آیہ ھدی للمتقین الذین یومنون بالغیب بارہ اماموں کے متعلق نازل ہوا ہے۔ ۲؎ یہ بھی بتا دیا کہ وہ بارہ وصی جو خلفاء رسولخدا کی ہیں وہ یہی ہیں نہ وہ جنکو عام مسلمان کہتے ہیں جنمیں یزید و معاویہ وغیرہ بھی داخل ہیں۔ ۳؎ یہ بھی بتا دیا کہ یہ حضرات نئے سرے سے اسلام میں معروف نہیں ہوئے بلکہ اُنکا ذکر توریت وانجیل وغیرہ میں بھی ہے۔ ۴؎ یہ بھی بتا دیا کہ بارہواں امام انہیں کا غائب ہوگا اور پھر ظہور کریگا اور وہ امام حسن عسکریؑ کا فرزند ہوگا نہ کوئی اور۔ ۵؎ یہ بھی بتا دیا کہ حضرت موسیٰؑ نبی نے بھی انہیں بارہ سے تمسک کرنے کی ہدایت جندل کو کی ہے جس سے انکی عظمت کا اندازہ ہو سکتا ہے کہ کس پیمانہ پر ہے۔ ۶؎ اس حدیث نے رسول اللہ کی نبوت کی بھی تصدیق کر دی کہ جو پیشین گوئی آپنے فرمائی تھی وہ صحیح نکلی۔ اور جندل اُسی وقت اُسی حالتمیں مرا جسکی خبر آنحضرت نے دی تھی۔

فالحمد للہ علی ذالک - اب مسلمانوں سے انصاف طلب ہے کہ ایسے بزرگوار جو زبانی رسول اللہ منصوص ہوں جو روز الست سے امیر المؤمنین بنائے گئے ہوں وہ امیر المؤمنین ہونگے یا وہ لوگ جو بقہر و غلبہ مسلمانوں پر تسلط کر بیٹھے ہوں (اس روایت کا ذکر روائح القرآن میں نہیں ہے)

چوتھی آیت (ج ۱ ع ۲)

واذا لقوا الذین آمنو قالو آمنّا واذا خلوا الی شیاطینهم قالوا انا معکم انما نحن مستہزءون - جب یہ کفار ایمان والوں سے ملاقات کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم بھی ایمان لائے ہیں - اور جب اپنے (ساتھی) شیطانوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں ہم تو اُن سے (مسلمانوں یا مؤمنوں سے) مذاق کرتے تھے - (یا ٹھٹھا کرتے تھے)

اس آیت کے متعلق موفق بن احمد نے روایت کی ہے جو بعینہ حسب ذیل ہے - روی ابو صالح عن ابن عباس رضی اللہ عنہ عن عبد اللہ بن ابی و اصحابہ خرجو فاستقبلہم نفر من اصحاب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فقال عبد اللہ لاصحابہ انظر وکیف ارادوا بن عم رسول اللہ وسید بنی ہاشم خلا رسول اللہ - فقال علی کرم اللہ یا عبد اللہ اتق اللہ ولا تنافق بان المنافق شر خلق اللہ تعہ فقال یا ابا الحسن واللہ ان ایماننا کانکم ثم تفرقو فقال عبد اللہ بن ابی الاصحابہ کیف رایتم مافعلت فاثنو علیہ خیرا فانزل اللہ علیٰ رسولہ واذا لقوا الذین آمنو الخ قال موفق بن احمد بن عقیب ذالک فدلت الآیہ علی ایمان علی کرم اللہ وجہہ ظاہرا و باطنا و علیٰ قاطعہ موالاتا لمنافقی واظہار عداوتہم والمراد بالشیاطین رؤساء الکفار " ۲۹۵

غایۃ المرام

یعنے ابو صالح نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ عبد اللہ بن ابی (منافق) اور اسکے ساتھی ایک روز گھر سے نکلے تو سامنے چند اصحاب دکھائی دیئے اُسنے اپنے ساتھیوں سے کہا دیکھو میں کسطرح رسول خدا کے ابن عم (علی) اور سوائے رسول اللہ تمام بنی ہاشم سے افضل کی رد کرتا ہوں - علیؑ نے فرمایا ای عبد اللہ خدا سے ڈر اور منافقت نہ کر کیونکہ منافق بدترین خلق خدا ہے - اوسنے کہا اے ابوالحسن بخدا ہمارا ایمان آپ ہی جیسا ایمان ہے - پھر کہکر سب متفرق ہوگئے پھر عبد اللہ ابن ابی اپنے ساتھیوں سے (تخلیہ میں) کہا تمنے دیکھا کہ میں نے کیسا کام کیا - سبنے اوسکی تعریف کی - بس پروردگار عالم نے اپنے رسول پر یہ آیت

نازل کی۔ واذا لقوا الذین آمنوا الخ۔ اس کے بعد خود موفق بن احمد لکھتے ہیں کہ یہہ آیت علی کرم اللہ وجہ کے ایمان ظاہری اور باطنی پر دلالت کرتی ہے اور یہہ کہ آپ منافقین سے بالکل جدا رہتے تھے اور اُن سے اظہار عداوت فرماتے تھے۔ (اور شیاطین سے مراد رؤسا کفار ہیں)

یہہ مسلسل روایت ہے اور یہہ موفق بن احمد کا ریمارک۔ اب میں کہتا ہوں کہ اس روایت سے چند باتیں معلوم ہوئیں

۱۔ یہہ کہ امیر المومنین اُن منافقین کی خفیہ باتوں پر واقف ہوگئے جو انتہائی صفائے باطن کی حضرت کی دلیل ہے۔ جسطرح رسول اللہ لوگونکی باتوں پر مطلع ہوجاتے تھے اگرچہ وہ لوگ اپنے گھروں میں گفتگو کرتے ہوں۔ اسلیئے کہ ظاہر ہے عبداللہ بن ابی نے وہ جملہ ''یعنی ابن عم رسول خدا کی رد کرتا ہوں'' کھُلم کھلا نہ کہا ہوگا۔ بلکہ بصیغہ راز ہی ساتھ والوں سے کہا ہوگا۔ جیسا کہ عموماً عادات و فطرت کا مقتضا ہے اور لفظ منافقت خود اسپر دلیل واضح ہے۔

۲۔ یہہ کہ امیر المومنین کا ایمان اس پیمانہ پر تھا کہ حضرت کی حمایت میں خدا نے آیت نازل کی۔

۳۔ اُن دشمنان دین کا بھی نمونہ اس آیت و روایت سے مستند ہوتا ہے جو حضرت کے ایمان میں تامل کرتے اور اُس جرات کے مرتکب ہوتے تھے جو تکذیب خدا تعالی پر بھی ہے۔

۴۔ یہہ بھی معلوم ہوا کہ امیر المومنین کا مخالف منافق ہے۔ جسکی تائید میں اور بھی بہت سی حدیثیں ہیں۔ منجملہ اُن کے ایک روایت یہاں صواعق محرقہ ابن حجر مکی سے حاضر خدمت کی جاتی ہے۔

''واخرج الترمذی عن ابی سعید الخدری قال کنا نعرف المنافقین ببغضہم علیاً ص ۷۳ مطبوعہ مصر۔''

یعنی ترمذی نے روایت کی ہے ابو سعید خدری سے ہم لوگ منافقین کو علیؑ کے بغض سے پہچان لیتے ہیں۔ یعنے جسکو دیکھا کہ علیؑ سے دشمنی رکھتا ہے سمجھہ لیا کہ یہہ منافق ہے۔

واضح ہو کہ یہہ روایت کسی قدر زیادہ تفصیل سے تفسیر امام حسن عسکریؑ میں بھی مروی ہے مگر مطلب متحد ہے اسوجہ سے کچھہ زیادہ ضرورت اوسکی یہاں نہیں ہے۔ (اس آیت کو روائح القرآن میں ذکر نہیں فرمایا گیا)

پانچویں آیت

وبشر الذین آمنوا وعملوا الصالحات ان لہم جنت تجری من تحتہا الانہار (جزء ۱ ع ۳)

اور بشارت دو اے رسول اُن لوگوں کو جو ایمان لائے اور وہ جنہوں نے عمل نیک کیے کہ بالضرور اُن کے لیے جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں"۔

اس آیت کے متعلق حبری نے جو علمائے اہل سنت سے ہیں ابن عباس سے روایت کی ہے قال مما نزل فی القرآن من خاصتہ رسول اللہ و علیؑ و اہلبیتہ دون الناس من سورۃ البقرۃ و بشر الذین آمنو و عملو الصالحات آیۃ نزلت فی علیؑ و جعفر و حمزۃ و عبیدہ بن حرث بن عبد المطلب"۔ قرآن خاصکر رسول اللہ و علی و حمزہ و جعفر و عبیدہ بن حارث بن عبد المطلب کی شان گرامی میں جو آیت نازل ہوئی ہے وہ سورہ بقر کی یہ آیت ہے۔ و بشر الذین آمنوا الخ ص۲۴۲ غایۃ المرام

ظاہر الفاظ آیت جس اہتمام شان کو ان حضرات کے بتاتے ہیں محتاج بیان نہیں کیونکہ پروردگار عالم نے اس آیت کو لفظ بشر سے ابتدا کی ہے جسکے معنے یہ ہیں کہ ان کو خوشخبری سنا دو۔ جو انتہائے رضائے خداوندی کی دلیل ہے۔

دوسرے لفظوں میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ اس آیت سے تین باتیں معلوم ہوئیں۔

۱۔ ایک یہ کہ علیؑ و حمزہ و جعفر و عبیدہ اہل ایمان ہیں جنکی تصدیق خود خدا فرماتا ہے اور اپنی کتاب مقدس کے اوراق پر اسکو قیامت تک باقی رہنے والے الفاظ سے ثبت فرما کر ان کے شرف کو زندہ کرتا ہے۔

۲۔ دوسرے یہ کہ ان کے اعمال عموماً مقبول جناب اقدس الٰہی ہیں جسکی تصدیق آپ پروردگار عالم فرماتا ہے۔

۳۔ تیسرے اشارۃً یہ بھی سمجھ میں آیا ہے کہ وہ بزرگوار ہیں جن کے اعمال و افعال ہمیشہ نیک ہی ہوتے ہیں کیونکہ کوئی استثنا کسی وقت کی عمل انکی صالح کے لیے نہیں فرمائی۔ اور ہے بھی ایسا ہی کیونکہ جو لوگ عالم کیلئے عمل صالح کے بجا آوری کا اعلیٰ نمونہ بننے کے لیے آئے تھے کیونکر ممکن تھا کہ کسی وقت وہ خود اس سے غافل رہتے۔

۴۔ چوتھے عموماً رضائے الٰہی کا ثبوت اس آیت سے ہوگیا اور یہ کہ انکی بھی قیامت میں حساب و کتاب کی ضرورت نہیں ہے۔ ان کے معاملہ صاف ہیں۔ تمامتر اوقات ان کی ایمان اور عمل صالح میں بسر ہوتے ہیں لھذا انکو بشارت دیدو کہ باغ ہائے رضوان تمہارے لیے یقیناً مہیا ہیں جسمیں داخل ہونے کے لیے

بشرط وسبب کی ضرورت نہیں ہی اور نہ وہ حساب وکتاب پر موقوف ہے۔

پانچویں کمال محبت وشفقت ربانیہ کا بھی پتہ اس کے ظاہر الفاظ نے بتادیا جسپر کسی جدید استدلال کی ضرورت نہیں وہ یوں کہ پروردگار عالم نے یہ نہ چاہا کہ جو ثواب وجزا ان کے لیئے ان کے اعمال حسنہ اور ایمان پر مترتب ہوئے ہیں جاننا اونکا قیامت پر موقوف رکھا جائے۔ جس سے ممکن ہی کہ تردد واضطراب پیدا ہو لہذا دنیا ہی میں کہ تم لوگ مطمئن رہو ہم تم سے اسقدر راضی ہیں اور تم سے اتنی محبت رکھتے ہیں کہ آج ہی سے تمہارے لیئے باغ ہائے جنت کو سجا رکھا ہی۔ اور تم کو ابھی سے خوشخبری دیتے ہیں کہ تم لوگ اہل بہشت سے ہو اگر یہ انتہائے محبت کے سبب سے نہیں تو کیا ہی۔

فدا ہوں جانیں اہل اسلام کی اُن بزرگواروں پر جنکی محبت کو خود پروردگار عالم اور خالق آدم و بنی آدم ظاہر فرماتا ہی اور جن کے ایمان وقبولیت اعمال صالح کا تمغہ جلی حرفوں میں قیامت تک کے لیئے لکھکر اپنی محکم کتاب لایاتیہ الباطل من بین یدیہ ولا من خلفہ میں چھوڑتا ہی۔

اس آیت کی تفسیر میں جناب امام حسن عسکری علیہ السلام نے گوہر افشانی ولطیف البیانی فرمائی ہی جو بایں الفاظ ہے۔ وبشر الذین آمنو وصدقوک فی نبوتک فاتخذوک اماما وصدقوک فی اقوالک وصوبوک فی افعالک واتخذوا اخاک علیا بعدک اماما ولک وصیا مرضیا وانقادوا لما یامرہم بہ وصاروا الی ما اصارہم الیہ وراؤلہ ما یرون لک الا النبوۃ التی افردت بہا وان الجنان لا تصیرلہم الا بموالاتہ وموالاۃ من یعض لہم علیہ من ذریتہ وموالاۃ سائر اہلبیتہ ومعادات اہل مخالفتہ وعداوتہ وان النیران لاتہدا عنہم ولا تعدل بہم عن عذابہا الا بتنکبہم عن موالاۃ مخالفیہم وموازاۃ شانیہم وعملوا الصالحات من اداء الفرائض واجتناب المحارم ولم یکونوا کہولاء الکافرین بک بشرہم ان لہم جنات بساتین۔ الخ۔

اس تفسیر میں دکھا دیا ہی کہ آیت مذکورہ کا ورود ایمان والونکی شان میں جو رسول اللہ کی نبوت۔ اور امیر المؤمنین علیہ السلام کی امامت کے اقرار میں اور سوائے نبوت کے درجہ کے جو مخصوص بذات اقدس نبوی کل مراتب کو امیر المؤمنین کے ثابت کرتے ہیں کیونکہ جنت ونار میں دخول کا دارومدار فقط ولایت

علیؑ وآل علیؑ اور دشمنان علیؑ وآل علیؑ پر ہے ایسے لوگ منجانب اللہ مبشر ہیں جنت میں داخل ہونے کے لیے بہر صورت رجوع آیت جناب امیر المؤمنین علیہم السلام کی طرف ہوتی ہے خواہ یوں تسلیم کیا جائے کہ خاص حضرت اور حمزہ وجعفر وعبیدہ کی شان میں نازل ہوئی یا یہ کہ ان کے دوستوں اور مخلصوں کی شان میں ہمارا مقصود دونوں صورتوں میں حاصل ہے کہ علیؑ وہ جامع کمالات ہے جسکی محبت واطاعت پر جنت اور نجات آخرت کا مدار ہے۔ اور بغض ومخالفت کا اون کے ثمر خسران آخرت (اس روایت کا ذکر روائح القرآن میں نہیں ہے۔)

چھٹی آیت

واستعینو بالصبر والصلواۃ وانہا لکبیرۃ الا علی الخاشعین الذین یظنون انہم ملاقو ربہم وانہم الیہ راجعون (پ ۱ ع ۵)

تم لوگ روزہ اور نماز سے مدد لو اور بیشک نماز بہت گراں مگر اون لوگوں پر نہیں جو خشوع کرنیوالے ہیں جو یقین کرتے ہیں کہ ہم خدا سے ملینگے اور اوسکی طرف واپس ہونگے۔ تفسیر ابن عباس سے جو تفسیر موزہ اہل سنت سے ہے استعینو بالصبر والصلواۃ کی تفسیر میں مذکور ہے کہ الخاشع الذلیل فی الصلواۃ المقبل علیہا۔ یعنی رسول اللہ وامیر المومنینؑ۔ وقولہ تعالیٰ الذین یظنون انہم ملاقو ربہم وانہم الیہ راجعون۔ نزلت فی علی وعثمان بن مظعون وعمار بن یاسر واصحاب لہم۔ یعنے خاشع اوسے کہتے ہیں جو اپنی نماز میں متواضع ہو اور اوسکی طرف پورا متوجہ ہو اس سے مراد رسول اللہ اور امیر المؤمنین ہیں۔ یظنون انہم ملاقو ربہم الخ صرف علیؑ وعثمان بن مظعون عمار بن یاسر اور اون کے ساتھیوں کے شان میں نازل ہوا ہے۔ (ص ۳۹۶ غایۃ المرام)

اس آیت وتفسیر میں چند باتیں قابل لحاظ ہیں۔ اول یہ کہ صبر سے مراد صوم ہے۔ جیسا کہ اکثر تفاسیر میں مروی ہے۔ کشاف جلد اول ص ۳۷ میں ہے قیل الصبر الصوم لانہ حبس عن المفطرات ومنہ قیل لشہر الرمضان شہر الصبر علی ہذا القیاس تفسیر نیشاپوری میں مذکور ہے۔ ص ۱۰۰ معنے جسکے یہ ہیں کہ صبر صوم کو بھی کہتے ہیں کیونکہ اسمیں مفطرات کو نفس کو روکنا ہوتا ہے

ماہ رمضان کو ماہ صبر کہتے ہیں۔"

سے۲ صلوٰۃ وہ چیز ہے جسے شریعت میں معراج مومنین کا لقب ملا ہے۔ اور کہا گیا ہے الصلوٰۃ معراج المومن۔ جیسا کہ حدیث نبوی میں وارد ہے۔ اور چونکہ یہ عبادت انواع خشوع اور اقسام اظہار عبدیت پر مشتمل ہے اسوجہ سے خدا تعالیٰ کو بہت محبوب ہے اور اس کے خواص سے دفع بلا و ازالہ حزن و غم ہے چنانچہ نظام نیشاپوری تفسیر غرائب القرآن میں لکھتے ہیں ومن خواص الصلوٰۃ اندفاع البلاء وانکشاف الہموم والرزایا کان رسول اللہ اذا حزنہ امر فزع الی الصلوٰۃ۔ یعنی نماز کی خاصیت یہ ہے کہ بلا کو دفع کرتی ہے اور غم و مصیبت کو دور کرتی ہے چنانچہ جب رسول اللہ کو کسی امر سے حزن و غم ہوتا نماز پڑھنے لگتے تھے۔

سے۳ چونکہ نماز بلا واسطہ کسی اور کے خدائے تعالیٰ سے شرف تکلم و مکالمہ کا موقع دیتی ہے اور انسان کو ساحت قرب ایزدی سے قریب کرتی ہے اور جنت میں جانیکا رستہ صاف کرتی ہے اسلیئے بیشتر شیطان ملعون اسمیں خلل انداز ہونیکی کوشش کرتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ ہزاروں مسلمان ایسے ملینگے کہ جو ماہ صیام کے روزہ تو ضرور رکھ لیتے ہیں مگر نماز کو سال میں بلکہ عمر میں ایک مرتبہ بھی نہیں پڑھتے کیونکہ شیطان انکا سد راہ ہے۔

سے۴ علی ابن ابیطالبؑ بھی اُس گروہ خاشعین میں ہیں جنکی مدح و ثنا خدا تعالیٰ نے فرمائی، ورجنکو لقائے پروردگار کا پورا علم و یقین ہے اور کیونکر نہ ہو درانحالیکہ یہ وہ بزرگ ہے کہ جو لوگ انکو خلافت اولیٰ کے لیے تسلیم نہیں کرتے وہ بھی قائل ہیں کہ سبکے اول اگر کسی نے اسلام میں رسول کے ساتھ نماز پڑھی اور خدا کی عبادت کی تو وہ صرف علی ابن ابیطالبؑ ہیں چنانچہ ترمذی اپنی مسند سے انس بن مالک سے روایت کی ہے۔ بعث النبی یوم الاثنین وصلی علی یوم الثلثا۔ رسول اللہ دوشنبہ کے دن مبعوث برسالت ہوئے اور علیؑ نے منگل کے دن آپکے ساتھ نماز پڑھی۔ (صفحہ ۳۹ ینابیع المودۃ چھاپ بمبئی سلیمان حنفی قندوزی) نیز ابن ماجہ قزوینی۔ احمد بن حنبل۔ ابو نعیم حافظ۔ ثعلبی اور حموینی وغیرہ نے اپنے اپنے اوستادوں سے روایت کی ہے کہ علیؑ نے فرمایا۔ انا عبد اللہ واخو رسول اللہ وانا الصدیق الاکبر لا یقولہا بعدی الا کذاب ولقد صلیت

قبل الناس سبع سنین" میں بندۂ خدا - برادر رسول خدا - اور صدیق اکبر ہوں میری سوا کوئی یہ کلمہ نہ کہیگا مگر وہی جو بڑا جھوٹا ہو - اور بیشک میں نے سب لوگوں سے قبل سات برس نماز پڑھی ہے یعنی ان دونوں کوئی میری سوا نماز گذار نہ تھا (ص ۲۹ ینابیع المودۃ چھاپ بمبی)

نیز ابن مغازلی شافعی نے اپنی کتاب مناقب میں روایت کی ہی کہ رسول اللہ نے فرمایا صلت الملائکۃ علیَّ وعلی علیٍّ سبع سنین وذالک انہ لم یصل معی احد غیرہ" سات برس تک فرشتوں نے مجھپر اور علی پر صلواۃ بھیجی ہے کیونکہ ان دنوں میری ساتھ اونکی سوا کوئی نماز گذار نہ تھا۔

اس کے علاوہ اور بیشمار طریقوں سے یہ مضمون مروی ہی کہ اول الاسلام اور اول المصلین جناب امیر المومنین علی ابن ابیطالب علیہ السلام ہیں اور یہ وہ شرافت ہی جسمیں کوئی دوسرا شخص مرد ونمیں حضرت کا شریک نہیں ہی اس بناپر خیال گذرتا ہی کہ تفسیر ابن عباس میں جو علی ابن ابیطالبؑ کے نام اور ونکا نام ہی لے دیا ہے وہ اور بے جوڑا ہوا ہی ورنہ حقیقۃً ان کے نام کے بعد کوئی دوسرا شخص اس معاملہ میں اسکا مستحق نہیں کہ اوسکا نام لیا جاوے۔ صاحب ینابیع اس مقام پر شرح نہج البلاغۃ سے نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں - واما العبادۃ فکان اعبد الناس واکثرہم صلواۃ وصوماً ومنہ تعلم الناس صلواۃ اللیل وملازمۃ الاوراد ولیلۃ الہریر ترفع السہام بین یدیہ وتمر علی صماخیہ یمیناً وشمالاً فلایرتاع وکانت جبہتہ کثفنۃ البعیر لطول السجود واذا تاملت دعواتہ ومناجاتہ ووقفت علی مافیہا من تعظیم اللہ سبحانہ واجلالہ والخضوع لہیبتہ والخشوع لعزتہ سبحانہ وتعالیٰ عرفت اخلاصہ وعبودیتہ۔ وقیل لعلی بن الحسین علیہما السلام وکان فی غایۃ العبادۃ این عبادتک من عبادۃ جدک قال عبادتی عند عبادۃ جدی کعبادۃ جدی عند عبادۃ رسول اللہ ص ۱۲۳ ینابیع المودۃ

یعنی اگر عبادت کو پوچھتے ہو تو علی ابن ابیطالبؑ عابد ترین انسان تھے اور سب سے زیادہ نماز گذار اور روزہ دار انہیں سے لوگوں نے نماز شب و تعقیبات نماز و اوراد سیکھی ہیں۔ لیلۃ الہریر میں حضرت کے سامنے تیر چل رہے تھے اور دونوں کانوں کی طرف سے ہو کر داہنے بائیں نکل جاتے تھے۔ تب بھی آپ ڈری (اور عبادت کرتے رہے) حضرت کی پیشانی کثرت سجود سے اونٹ کے گھٹنے کی طرح ہو گئی تھی۔ اور اگر تم اونکی دعاؤں اور مناجات کو دیکھو اور جو کچھ اس کے اندر خداتعالی کی تعظیم و اجلال کا بیان اور اسکی ہیبت و عزت کے سامنے خضوع و خشوع

کا ذکر کیا ہی تو تمہیں معلوم ہو کہ وہ کیسے مخلص اور کیسے عابد تھے۔ کسی نے علی ابن الحسینؑ سے پوچھا کہ آپکی عبادت کو آپکے جد سے (علی ابن ابیطالبؑ) کی عبادت سے کیا نسبت ہی۔ (حالانکہ آپ بھی بڑے عابد تھے) تو فرمایا کہ میری عبادت کی نسبت دادا صاحب کی عبادت سے ایسی ہی جیسی دادا صاحب کی عبادت کو رسول اللہ کی عبادت سے نسبت تھی۔

ساتویں آیت

فتلقی آدم من ربہ کلمات فتاب علیہ انہ ہو التواب الرحیم (جزو اول رکوع ۴)

بس سیکھے آدم نے پروردگار سے کلمات تو پروردگار عالم نے اونکی توبہ قبول کی بیشک وہ توبہ قبول کرنیوالا رحم کرنیوالا ہی۔

یہ آیت اُس موقعہ کی ہی جہاں پروردگار عالم نے حضرت آدمؑ کے گیہوں کھا لینے اور اون سے اپنی ناراضی کا بیان کیا ہی۔ اور یہ ناراضی یہانتک پہونچی تھی بدت لہما سواٰتہما وطفقا یخصفان علیہما من ورق الجنۃ۔ یعنی اُن کے جسم برہنہ ہوگئے اور وہ پتوں سے باغ (جنت) کے لگے ڈھانکنے"۔

اور یہ کہ پروردگار عالم نے اُن سے کہا کہ نکل جاؤ ہماری جنت سے اور زمین پر قیام کرو۔ جیسا کہ فرماتا ہے۔

فازلہما الشیطن عنہا فاخرجہما مما کانا فیہ وقلنا اھبطو بعضکم لبعض عدو ولکم فی الارض مستقر ومتاع الی حین

یعنی شیطان نے اونکو پھسلا دیا جنت سے پھر اونکو نکالدیا اُس حالت عیش سے کہ جسمیں وہ تھے۔ (کہ جس آرام و راحت میں وہ تھے اُس آرام میں شیطان نے اونکو رہنے نہ دیا۔) اور ہم نے اُن سے کہا کہ جنت سے چلے جاؤ۔ بعض تم میں سے بعض کے دشمن ہیں اور تمہارے لئے زمین پر جائے قرار اور اسباب معاش ہی ایک وقت ہی"۔

اور جب یہ ناراضی یہانتک پہونچی تو ضرورت ہوئی کہ وہ اپنے پروردگار کے سامنے توبہ و انابت کریں اور معافی مانگیں اگرچہ ایک مدت تک جنت سے نکلکر روتے رہے اور نہایت پریشان حالتمیں بسر کرتے رہے۔ لیکن بعد اسکے پروردگار عالم نے اونکی حالت پر رحم کیا۔ اور کلمات سکھائے کہ اُن کلمات کے ذریعہ سے وہ اپنے معبود سے توبہ کریں چنانچہ اُنہوں نے ایسا ہی کیا۔ اور وہ

کلمات اون کی توبہ قبول ہونے کے ذریعہ ہوئے - جسکو پروردگار عالم نے آیہ مذکور الصدر میں بیان
فرمایا ہو اگرچہ اس آیت میں توضیح کلمات کی نہیں فرمائی کہ وہ کیا کلمات ہیں - مگر مفسرین اہل اسلام نے
اسکی توضیح کردی ہے - کہ وہ کلمات کیا تھے جنکے ذریعہ سے آدم نے توبہ کی تھی -

علامہ سیوطی تفسیر درمنثور ص میں لکھا ہو اخرج ابن النجار عن ابن عباس قال سئل رسول اللہ صلعم عن
رسول اللہ عن الکلمات التی تلقاہا آدم من ربہ فتاب علیہ فقال صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سئال بحق
محمد وعلی وفاطمۃ والحسن والحسین الا تبت علی فتاب علیہ -

یعنی ابن بخار نے ابن عباس سے روایت کی ہو کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت
کیا گیا کہ وہ کلمات کیا ہیں جو آدم نے اپنے پروردگار سے سیکھے تھے اور پروردگار نے اونکی توبہ قبول
کی تھی - تو حضرت نے فرمایا کہ محمدؐ و علیؑ و فاطمہؑ و حسنؑ و حسینؑ کے واسطہ سے سوال کیا تھا کہ میری توبہ قبول
کرلے پروردگار نے اونکی توبہ قبول کرلی -

اور ابن مغازلی شافعی نے اپنی کتاب مناقب میں اپنی سند سے روایت کی ہو - کہ عن سعید ابن
جبیر عن ابن عباس قال سئل النبیؐ عن الکلمات التی تلقاہا آدم من ربہ فتاب علیہ قال سئلہ بحق محمد
وعلی وفاطمۃ والحسن والحسین فتاب علیہ وغفرلہ (ینابیع المودۃ ص۹۷ مطبوعہ بیروت)

یعنی سعید بن جبیر سے مروی ہے کہ ابن عباسؓ نے روایت کی کہ رسول خدا سے دریافت کیا گیا کہ وہ کلمات
کیا تھے جنکو آدم نے اپنے پروردگار سے سیکھکر توبہ کی تھی - جس سے اونکی توبہ قبول ہوئی تو فرمایا - کہ
محمدؐ و علیؑ و فاطمہؑ و حسنؑ و حسینؑ کا واسطہ دیکر سوال کیا تھا تو پروردگار عالم نے اونکی توبہ قبول کی -
اور اونکی مغفرت کی -

بطریق شیعہ تفسیر امام حسن عسکری علیہ السلام میں مروی ہو کہ جس کا ترجمہ یہ ہو کہ علی ابن حسین نے
فرمایا کہ میری پدر بزرگوار نے فرمایا اپنے پدر بزرگوار کی زبانی اُنھوں نے رسول اللہ سے روایت کی ہے
کہ فرمایا ایہا الناس آدم علیہ السلام نے جب ایک نور اپنی صلب سے ساطع دیکھا کیونکہ خدا تعالے
نے ہمارے اشباح (صورت ہائے نوریہ) کو درۂ عرش سے اونکی صلب کیطرف منتقل کیا تھا تو صرف نور ہی کو

کو آدمؑ نے دیکھا اور اُن نوری صورتوں کو نہ دیکھا تو عرض کی کہ خدایا یہ نور کیسے ہیں فرمایا یہ نور اُن صورتوں کے ہیں جنکو میں نے عرش کے شریف ترین مقامات سے تمہاری پشت کی طرف نقل کیا ہے اسلیئے میں نے فرشتونکو تمہیں سجدہ کرنیکا حکم دیا ہی کیونکہ تمہیں اون صورتوں کے ظرف ہو تو آدمؑ نے عرض کی خدایا کاش وہ صورتیں میری سمت ظاہر کرتا۔ حکم ہوا اے آدمؑ عرش کی چوٹی کی طرف دیکھو (حضرت فرماتے ہیں) پس ہماری صورتیں ذرہ ذرہ عرش میں منقش ہو گئیں۔ پس عرض کی آدمؑ نے اے میرے پروردگار یہ صورتیں کیسی ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ صورتیں میری افضل مخلوقات کی ہیں۔ یہ تو محمدؐ ہیں اور میں اپنے افعال میں محمود ہوں۔ میں نے اپنے نام کو اُس کے نام کے لیے مشتق کیا ہی۔ اور یہ فاطمہ ہے اور میں فاطر السموات والارض ہوں اپنے دشمنوں کو اجر رحمت سے اور اپنے دوستوں کو امور مہلکہ اور عیب ناک سے جدا کرنیوالا ہوں میں نے اپنے نام سے اُس کے لیئے نام مشتق کیا ہی۔ اور یہ علی ہے میں علی العظیم ہوں میں نے اپنے نام سے ایک نام اسکے لیئے مشتق کیا ہی۔ اور وہ حسن و حسین ہیں اور میں محسن ہوں اور میری طرف سے احسان ہے میں نے اُن کے لیئے اپنے ہی نام سے نام مشتق کیا ہی یہ لوگ مخلوقات سے بہتر ہیں۔ انہیں کی وجہ سے میں لوگوں سے مواخذہ کرونگا اور انہیں کی وجہ سے ثواب دونگا۔ (یعنے جو انکی مخالفت کریگا اوسکو عذاب اور جو انکی موافقت کریگا اوسکو ثواب دونگا) اے آدمؑ ان ہی کے ذریعے سے میری طرف توسل کرو اور جب تمپر کوئی مصیبت آئے انہی کو میرے پاس سفارشی بناؤ کیونکہ میں نے سچی قسم کھائی ہے کہ میں ان کے اُمیدوار کو محروم نہ کرونگا اون کے ذریعے سے سوال کرنیوالیکو واپس نہ کرونگا۔ یہی وجہ تھی کہ جب آدمؑ سے ترک اولیٰ ہوا تو خدا تعالیٰ سے انہیں کے ذریعے سے دُعا کی تو پروردگار عالم نے اونکی توبہ قبول کی۔ اور انھیں بخشا۔

اس بیان سے معلوم ہوا کہ اہلبیت طاہرین علیہم السلام کا وہ مرتبہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے جناب آدمؑ ابو البشر کو بھی حکم دیا کہ ان ہی کو واسطہ قرار دیں اور ان کے توسل سے دُعا کریں تاکہ اونکی توبہ قبول ہو جس سے ثابت ہوا کہ حضرت آدمؑ کے مرتبہ سے اونکا مرتبہ کہیں زیادہ ہی۔ باوجودیکہ حضرت آدمؑ بھی خلیفۃ ہیں اور نبی اللہ۔ پس کس قدر تعجب ہے مسلمانوں سے کہ اس قسم کی روایتیں رسول اللہ سے

بھی کرتے ہیں اور اون کے مرتبہ کو پہچانتے بھی ہیں پھر بھی اونکو خلیفہ رسول تسلیم نہیں کرتے حالانکہ یہہ بزرگوار خلیفۃ اللہ سے بھی افضل ہیں تو خلیفۃ الرسول ہونیمیں ان کے کیسا تردد ہو سکتا ہے۔

افسوس ہے کہ مسلمانوں نے خلافت کا انحصار ظاہری سلطنت اور شان و شوکت میں سمجھا ہے جس کے ہاتھ میں دولت و سلطنت دیکھی اُسی کو خلیفہ کہدیا۔ خواہ اوس کے افعال کیسے ہی ہوں۔ اور خدا تعالے کے نزدیک اُسکا رتبہ کتنا ہی کم ہو حالانکہ خلافت کے منصب کے لیے سلطنت کی ضرورت نہیں۔ بلکہ علم و حکمت و عصمت وغیرہ و کمال نفس و تقدس و شرافت کی ضرورت ہے جیسا کہ ہمنے سابق میں بیان کیا ہے۔ اور یہہ سب باتیں ان ہی میں موجود تھیں نہ اوروں میں

آٹھویں آیت

واذا قلنا ادخلوا ہذہ القریۃ فکلوا منہا حیث شئتم رغداً وادخلوا الباب سجداً وقولوا حطۃ نغفر لکم خطایاکم و سنزید المحسنین (پہلا پارہ سورہ بقر رکوع ۶) اور جبکہ ہمنے (بنی اسرائیل) سے کہا۔ کہ اس قریہ میں داخل ہو اور جسطرح چاہو عیش کے ساتھ اسمیں سے کھاؤ اور دروازہ میں سجدہ کرتے ہوئے داخل ہو اور کہو حطۃً تو ہم تمہاری خطاؤں کو بخش دینگے اور بہت جلد نیکو کار ونکو زیادہ کردینگے۔

حطّہ کے متعلق قصہ ہے اور وہ یہہ کہ بنی اسرائیل کو جبکہ حکم ہوا تھا کہ قوم عمالقہ نمارد ہ سے لڑنے کے جاؤ تو بنی اسرائیل نے موسیٰ کو جواب یہ دیا تھا فاذھب انت وربک فقاتلا انا ھہنا قاعدون ای موسیٰ تم اور تمہارا پروردگار دونو جاکر ان سے لڑو ہم تو یہیں بیٹھے رہینگے "اسپر پروردگار عالم نے انکو وادی تیہ میں معذب کیا اور چالیس برس تک اُسی میدان میں پریشان پھرتے رہے۔

جیسا کہ اس آیت سے ثابت ہوتا ہے قال فانہا محرمۃ علیہم اربعین سنۃ یتیہون فی الارض فلا تاس علی القوم الفسقین" فرمایا خدا نے کہ زمین اُنپر چالیس برس تک حرام کردی گئی اب وہ اسی زمین میں سرگردان پھرینگے پس فاسق لوگوں کے حال پر کچھہ افسوس نہ کرو۔

اس کے بعد ان لوگوں نے توبہ کی تو توبہ اس شرط پر قبول ہوئی کہ اچھا بیت المقدس میں داخل ہو۔ یا قریہ اریحا میں داخل ہو اور شہر کے دروازہ یا مسجد جناب سے سجدہ کرتے ہوئے اور حطہ کہتے ہوئے۔ یعنی

اے پروردگار ہمارے گناہوں کو حطہ فرما یعنی بخشدی ہم اب توبہ کرتے ہیں) اندر جاؤ اور اس شہر کے اچھے اچھے نعمتوں اور فواکہ کو آرام سے کھاؤ جس طرح تمہارا جی چاہے - جب تم ایسا کروگے تو تمہارے گناہ بخشدیئے جائینگے - لیکن بنی اسرائیل ایسے سرکش تھے کہ خدا تعالیٰ کے اس ارشاد کی سخت مخالفت کی اور حطہ کہنے کے عوض حنطا سقاتا کہا اور اپنی مغفرت کے الفاظ اور توبہ کے کلمے زبان سے نہ کہے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان پر عذاب نازل ہوا اور بسبب اس مخالفت کے بنی اسرائیل عتاب میں مبتلا ہوئے جسکو پروردگار عالم نے اس آیت کے ذیل میں ارشاد فرمایا ہے - فبدّل الّذین ظلموا قولاً غیر الذی قیل لہم فانزلنا علی الذین ظلموا رجزاً من السماء بما کانوا یفسقون - یعنی ظالموں نے اُس قول کو بدل دیا جو ان سے کہا گیا تھا کہ اسے کہتے ہوئے دروازہ میں داخل ہو تو ہم نے ظالموں پر اون کے فسق کی سزا میں آسمان سے عذاب نازل کیا ۔ یعنے وجہ عذاب نازل کرنے کی یہی ہوئی کہ بجائے حطّہ کہنے کے اُنہوں نے حنطا سقاتا کہا تھا -

خلاصہ یہ کہ حطّہ وہ چیز ہے جسکی مخالفت کی وجہ سے بنی اسرائیل عذاب خدا میں مبتلا ہوئے - یہ حطّہ تو بنی اسرائیل کا تھا اب حطّۂ آل محمدؐ کو غور سے ملاحظہ کیجیے - جناب سالتمآب نے ارشاد فرمایا انما مثل اہلبیتی فیکم مثل باب الحطۃ فی بنی اسرائیل من دخلہ غفرلہ - ای مسلمانو میری اہلبیت کی مثل تم لوگوں میں ایسی ہے جیسی باب حطّہ بنی اسرائیل میں تھا وہی بخشا گیا اور جس نے اوسکی مخالفت کی وہ عذاب میں مبتلا ہوا - کتاب اوسط طبرانی - مسند بن حنبل - حموینی - بزار - ابویعلی - کتاب ینابیع المودۃ صـ۲۷ طبع بیروت - کتاب سبعین سید علی ہمدانی شافعی - صواعق محرقہ ابن حجر مکی صـ۹۲ طبع بیروت تحف الاشراف طبع مصر - نورالابصار طبع مصر - نیز صواعق صـ۷۵ طبع مصر میں اسطرح بھی روایت ہے -

اخرج دارقطنی فی الافراد عن ابن عباس ان النبیؐ قال علیؑ باب حطۃ من دخل کان مؤمناً ومن خرج منہ کان کافراً - یعنے دارقطنی نے کتاب افراد میں ابن عباس سے روایت کی کہ رسول خداؐ نے فرمایا علیؑ باب حطّہ ہے جو اس دروازہ میں داخل ہوا وہ مؤمن ہے اور جو اس سے خارج ہوا وہ کافر ہے -

نیز ینابیع میں اوسط سے نقل کیا ہے کہ رسولخدا نے فرمایا انما مثل اہلبیتی مثل باب الحطۃ فی اسرائیل من دخلہ غفرلہٗ ص۲۴ چاپ بمبئی - نیز کہا ہے کہ اس روایت کو ابوالطفیل بزاد - ابن معاذنی - حموینی ابویعلی طبرانی وغیرہ نے بھی اپنی کتاب میں وارد کیا ہے -

دیلمی نے کتاب فردوس الاخبار میں یوں نقل کیا ہے - عن ابی سعید الخدری قال رسول اللہ مثل اہلبیتی فیکم مثل باب الحطہ من دخل غفرلہٗ - اسکا ترجمہ پہلے گذرچکا - ان روایات سے معلوم ہوا کہ اہلبیت محمد یعنے علیؑ و فاطمہؑ و حسنؑ و حسینؑ کی مثال اُمت محمدیہ میں وہی ہے جو باب حطہ کی مثال بنی اسرائیل میں تھی جسنے وہاں مخالفت کی عذاب کا سزاوار ہوا اسیطرح جو اس اُمت کی حطہ کی مخالف ہو وہ بھی کافر اور مستحق عذاب ہوا کیونکہ رسول خداؐ نے حدیث سابق میں یہ بھی فرمادیا کہ علیؑ کی مثال باب حطہ کی ہے جس نے اُس سے مخالفت کی وہ کافر ہے -

میں تو یہ کہنا چاہتا نہیں کہ کس کس نے اہلبیت محمد اور بالخصوص علی ابن ابیطالبؑ کی مخالفت کی اور اس دروازہ حطہ محمدی سے خارج ہو کر کافر ہو گیا لیکن محض اسلامی ہمدردی کے خیال سے اسقدر ضرور کہونگا کہ جب علی ابن ابیطالبؑ کی مخالفت حسب ارشاد آنحضرتؐ کفر ہے اور اُن کی متابعت ایمان ہو تو کیا وجہ ہے کہ اہل اسلام ابتک اس دروازہ سے روگردان ہیں اور کیوں اس دروازہ میں جو اس اُمت کا باب حطہ ہے داخل ہونیکی کوشش نہیں کرتے -

میں سچ کہتا ہوں کہ عموماً اہل اسلام سوائے ایک فرقہ امامیہ کے اس باب حطہ سے خارج ہیں نہ اُس بزرگ کے ہدایات پر عمل کرتے ہیں جو انکا باب حطہ ہے اور نہ اوسکی اطاعت کو لازم سمجھتے ہیں بلکہ بجائے اطاعت کے اوسکی مخالفت کر رہے ہیں اور اُس کے دشمنوں کو اپنا دوست سمجھتے ہیں اوس کے ارشادات اور اُس کے ساتھ باقی اہلبیت کے ارشادات کو یکقلم چھوڑ کر غیروں کی تعلیموں کو اپنا دستور العمل بنا لیا ہے کیا یہ امر موجب کفر نہ ہوگا -

نویں آیت

وما جعلنا القبلۃ التی کنت علیہا الا لنعلم من یتبع الرسول ممن ینقلب علی عقبیہ وان کانت لکبیرۃ الا علی الذین

هدی اللہ وماکان اللہ لیضیع ایمانکم (ج ۲ رکوع ۱)
اور ہمنے اُس قبلہ کو جسپر تم تھے (یعنے جسطرف رخ کرکے نماز پڑہتے تھے) دوبارہ قبلہ مقرر نہیں کیا مگر صرف اسلیئے کہ ہمیں معلوم ہوجائے کہ رسول کی پیروی کرنے والے کون ہیں اور اُن سے منحرف ہونے والے کون۔

اس آیت کی تفسیر میں علامہ زمخشری نے کشاف میں لکہا ہی قال الحجاج للحسن ما رایک فی ابوتراب فقرء قولہ الاالذین ھدی اللہ ثم قال وعلی منہم وہو ابن عم رسول اللہ وختنہ واقرب الناس الیہ واحبہم "یعنے حجاج بن یوسف ثقفی عبد الملک بن مروان کو مقرر کیئے ہوئے حاکم نے حسن بصری سے دریافت کیا کہ ای حسن ابوتراب (علی ابن ابیطالب علیہ السلام) کی نسبت تیری کیا رائے ہے۔ تو حسن نے خداتعالی کا یہہ قول پڑہا الاالذین ہدی اللہ۔ پھر کہا وعلی منہم یعنے علی اُن لوگوں میں ہیں جنکو خدائے تعالی نے ہدایت یافتہ بنایا ہی۔ وہی رسولخدا کے ابن عم (چچازاد بھائی) اور داماد ہیں اور تمام آدمیوں میں سب کی بہ نسبت آنحضرت کے نزدیک محبوب تھے۔

اس آیت سے یہہ بات بہی معلوم ہوئی کہ اصحاب رسولخدا میں بہت ایسے لوگ بھی تھے جنپر کعبہ کا دوبارہ قبلہ مقرر ہونا سخت ناگوار تھا جنکو جملہ وانکانت لکبیرۃ ظاہر کررہا ہی اور ظاہر ہے کہ جو کوئی خداتعالی کے کسی امر کو ناگوار سمجھے وہ مومن نہیں ہے پس سواد اعظم کا یہہ کہنا کہ تمام اصحاب مومن تھے کسقدر تحقیق سے دور ہی اور جب وہ مومن نہ ہوئے تو حدیث اصحابی کالنجوم بایہم اقتدیتم اھتدیتم بھی ہی ضعیف ثابت ہوئی۔ کیونکہ جو مومن ہی نہیں اوسکی اقتدا مسائل دین میں کیونکر جائز ہوسکتی ہے۔

دسویں آیت

وبشر الصابرین الذین اذا اصابتہم مصیبۃ قالوا انا للہ وانا الیہ راجعون اولئک علیہم صلواۃ من ربہم ورحمۃ واولئک ہم المہتدون۔ اے رسول خوشخبری دی اُن صبر کرنیوالونکو کہ جب اُنپر کوئی مصیبت نازل ہوتی ہے تو انا للہ وانا الیہ راجعون کہتے ہیں۔ (ج ۲ ع ۳)

شیعہ سنی دونوں نے بالاتفاق لکہا ہی کہ یہہ آیت اُسوقت نازل ہوئی جبکہ حضرت حمزہ کی وفات کی خبر جناب امیر المومنین علیہ السلام کو پہونچی تو آپنے بجائے جزع فزع کرنے کے صبر کیا۔ اور کہا

انا للہ وانا الیہ راجعون اسیوقت یہ آیت نازل ہوئی جس کا حاصل یہ ہی کہ جو ایمان والے ہیں صبر کرتے ہیں اور مصیبت میں بیقرار نہیں ہوتے بلکہ کلمۂ استقلال زبان پر جاری کرتے ہیں - انکو ہماری طرف سے بشارت دو - چنانچہ ثعلبی اور نقاش نے اپنی اپنی تفسیروں میں لکھا ہی فی علی لما وصل علیہ قتل حمزہ فقال انا للہ وانا الیہ راجعون فنزلت ہذہ الآیۃ یعنی وبشر الصابرین -

مگر فرق یہ ہی کہ شیعوں کی روایتوں میں حضرت جعفر طیار کی وفات کی خبر اس آیت کی ورود مذکور ہی اور اہل سنت کی روایتوں میں جناب حمزہ کی خبر شہادت پر بہر صورت شان نزول اس آیت کے جناب امیر ہی ٹھیرتے ہیں -

اس آیت سے حضرت کی نہایت منزلت وکرامت ثابت ہوتی ہی - اول تو حضرت کا کمال صبر کے درجہ پر فائز ہونا - دوسرے خدا تعالیٰ کے نزدیک بھی اس صبر کا مقبول ہونا - تیسری حضرت کو خدا تعالےٰ کی طرف سے صبر کی جزا میں بشارت ملنی جو انتہائے شرف کو حضرت کے بتاتی ہے - چوتھے اس کلمہ مبارک کا داخل آیت ہونا جو حضرت کی زبان مبارک سے جاری ہوا اور یہ شرف تمام شرفوں سے بڑھا ہوا ہی اور کیونکر نہ ہو کہ حضرت کو لسان اللہ کہتے ہیں جو کچھ آپکی زبان مبارک سے جاری ہوتا ہی وہ عین فرمودۂ خدا تعالیٰ ہے - پانچویں صفت صبر میں کامل ہونیکی وجہ سے خدا تعالیٰ کی محبت کا استحقاق حضرت کو حاصل ہونا کیونکہ خدا تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہی ان اللہ مع الصابرین بیشک خدا تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہی" اور جس کے ساتھ خدا تعالیٰ ہو اوسکی عظمت وشرف کا کیا کہنا - نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ جسکے ساتھ خدا ہی وہی حق پر ہی - اور اس کے مخالف باطل پر"

گیارہویں آیت

ومن الناس من یشری نفسہ ابتغاء مرضات اللہ واللہ رؤوف بالعباد بعض آدمی وہ بھی ہیں جو خدا تعالیٰ کی حاصل کرنے کے لئے اپنی جان کو بیچ ڈالتے ہیں - اور اللہ تعالیٰ بندوں پر بہت مہربان ہی (بالضرور وہ ایسے لوگونکو بہت اچھا بدلہ دیگا) (ج ۲ ع ۹)

جبکہ رسالتمآب مدینہ منورہ کیطرف مکہ معظمہ سے ہجرت کرکے تشریف لیچلے تو ضرورت ہوئی کہ اپنا امانتوں کی

ادا کرنے کے لیے جو آپکے پاس لوگوں کی موجود تھیں کسی شخص کو مکہ میں چھوڑ جائیں۔ اسی غرض کو پورا کرنے کے واسطے آپنے جناب امیر المومنین علی ابن ابیطالب علیہ السلام کو منتخب کیا اور اس خدمت کو آپکے متعلق کرنا چاہا امیر المومنینؑ نے نہایت کشادہ پیشانی سے اس خدمت کو اپنے ذمہ لیا۔ باوجودیکہ آپ جانتے تھے کہ قریش آپکے اوسیطرح دشمن ہیں جس طرح رسول خداؐ کے دشمن ہیں۔ اگر قابو پا جائینگے تو فوراً قتل کر دینگے اور یہہ بھی حتماً معلوم ہو کہ آج صبح کے قریب قریش حملہ کرنیوالے ہیں۔ اور چاہتے ہیں جناب رسول خدا کے مکان کا محاصرہ کر کے حضرتؐ کو قتل کر دیں۔ اور جو اون کے تابعین میں سے ہیں اون کو ذائقہ موت چکھا دیں۔ لیکن علیؑ نے ہرگز اسکی پرواہ نہ کی اور نہایت جرأت و شجاعت و استقلال و پُردلی سے منظور کر لیا کہ خاص آنحضرتؐ کے بستر خواب پر آرام فرمائیں چنانچہ آپنے ایسا ہی کیا اور آنحضرتؐ کے بستر خواب پر سو رہے۔ صبح کے وقت قریش نے حسب معہود حملہ کیا اور آنحضرتؐ کے گھر پر چڑھ آئے مگر چونکہ جناب رسالتمآبؐ کو حکم ہوا تھا کہ تم اسوقت اپنے گھر سے باہر چلے جاؤ اسلیئے رسولخداؐ نے اپنی جگہ پر علی ابن ابیطالبؑ کو سلا کر باہر نکل گئے اور آپنے نہایت اطمینان کے ساتھ بستر رسول خدا پر آرام فرمایا اور بالکل اپنی جان کی پرواہ نہ کی کہ قریش مجھے قتل کر ڈالینگے۔ یہہ امر کچھہ ایسا پروردگار کو پسند آیا کہ فوراً جناب رسالتمآبؐ کے پاس اپنی خوشنودی کے اظہار کا پیغام بھیجا اور آیت مذکورۃ الصدر نازل کی جس کا حاصل یہہ ہو کہ علیؑ وہ بزرگ ہو جسنے اپنی جان اسوقت راہ خدا میں بیچ ڈالی ہو اور ہم اُس کیساتھ اس کار خیر کے عوض میں نیک بدلہ دینگے کیونکہ ہم اپنے بندوں پر بہت مہربان ہیں اور اُدھر اپنے فرشتگان مقربین کے سامنے امیر المومنینؑ کی اس جان فروشی پر مباہات کی اور فرمایا کہ ای جبرائیل و میکائیل میں نے تم دونوں کے درمیان میں اخوت و برادری قایم کی اور ایک کی عمر دوسرے سے زیادہ قرار دی پس تم میں سے کون ہو جو ایک دوسرے پر جان نثار کرے؟ مگر اس بات کو دونوں میں سے کسی نے پسند نہ کیا کیونکہ اپنی جان دوسرے پر قربان کرنی کوئی آسان کام نہیں ہے اسوقت پروردگار عالم نے اُن سے کہا کہ دیکھو ہم نے اپنے حبیب محمدؐ اور اپنے ولی علی ابن ابیطالبؑ کے درمیان اخوت قرار دی تو علیؑ اپنی جان رسول پر نثار کرنے کے لیئے تیار ہو گیا اور ہمارے حبیب کے بستر

خواب پر سو رہا ہے۔ اب تمہارا فرض ہے تم دونوں زمین پر جاؤ اور اُسکی حفاظت کرو۔ چنانچہ دونوں فرشتے زمین پر اترے اور ایک فرشتہ حضرت کے سرہانے اور ایک پائینی حفاظت کرنے کے لیے استادہ ہوا جبرئیلؑ نے کہنا شروع کیا کہ بخٍ بخٍ ای علیؑ کون تمہارا مثل ہو سکتا ہے کہ اسوقت خداتعالیٰ تمہارے اس فعل حسن کی وجہ سے فرشتوں پر مباہات کر رہا ہے۔

اس بیان کے ثبوت کیواسطے امام فخرالدین رازی کی یہ عبارت جو تفسیر کبیر میں ہے ملاحظہ ہو۔ انہ لما نام علی فراشہ نزل جبرائیل عند راسہ و میکائیل عند رجلیہ و جبرائیل ینادی بخٍ بخٍ من مثلک یا بن ابیطالب یباہی اللہ بک الملائکۃ فنزلت الآیۃ ومن یشری نفسہ ابتغاء مرضات اللہ صـ ۲۸۳ جلد دوم مطبوعہ مصر

اور امام حجۃ الاسلام ابو حامد محمد بن محمد غزالی نے اپنی کتاب احیاء العلوم میں لکھا ہے اِنّ لیلۃً بات علی ابن ابیطالب صلوات اللہ علیہ علیٰ فراش رسول اللہ اوحی اللہ الی جبرئیل و میکائیل انی اخیت بینکما عمر احدکما اطول من عمر آخر فایکما یوثر صاحبہ بحیواتہ فاختار کلاہما الحیواۃ واحباہا فاوحی اللہ تعالیٰ الیہما افلا کنتما مثل علی ابن ابیطالب اخیت بینہٗ وبین محمد فبات علیٰ فراشہ یفدیہ بنفسہ ویوثرہ بالحیوۃ اھبطا الی الارض فاحفظاہ من عدوہ فکان جبرئیل عند راسہ و میکائیل عند رجلیہ ینادی ویقول بخٍ بخٍ من مثلک یا ابن ابیطالب یباہی اللہ بک الملائکۃ فانزل اللہ ومن الناس من یشری نفسہ ابتغاء مرضات اللہ۔

اور موفق بن احمد نے اپنی سند سے روایت کی ہے کہ اول من شری نفسہ ابتغاء مرضات اللہ علی ابن ابیطالب کرم اللہ وجہہ وقال عند مبیتہ علیٰ فراش رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم شعرا

وقیت بنفسی خیر من وطی الحصیٰ — ومن طاف بالبیت العتیق وبالحجر

رسول اللہ خاف ان یمکروا بہ — فنجاہ ذوالطول الالہ من المکر

وبات رسول فی الغار آمنا — موقی وفی حفظ الالہ وفی الستر

وبت اراعیہم وما یتہمونی — وقد وطنت نفسی علی القتل والاسر

نقل از ینابیع المودۃ چاپ بمبئی صـ ۹۲) اس کے بعد صاحب ینابیع لکھتے ہیں ایضا الحموینی اخرجہ

بعینہ ایضاً الثعلبی عن ابن عباس وابونعیم الحافظ بسندہ عن ابن عباس قال بات علی فراشہ لیلتہ خروجہ من مکتہ ونزلت ومن الناس من یشری الخ (صـ ۹۲ ینابیع)

اس مضمون کو تفسیر ثعلبی اور احیاء العلوم امام غزالی سے بعینہ اُس عبارت کے موافق نقل کیا ہے جس کو احیاء العلوم سے سابقاً نقل کیا ہو۔

حاصل یہ کہ بلا اختلاف یہ آیہ شریفہ جناب علی ابن ابیطالبؑ کی شان میں نازل ہوئی ہو۔ جس سے چند باتیں معلوم ہوتی ہیں۔

ملـ یہ کہ حضرت کا فرش خواب رسول پر سورہنا ایسا خدا کو پسند آیا کہ فوراً اوسکی مدح میں آیت نازل فرما کر بقائے قرآن تک اس واقعہ کو مسلمانوں کے لیئے یادگار بنا دیا۔

ملـ حضرت کی انتہائے شجاعت کا اقرار پروردگار عالم کی زبان قدرت سے ہوا جو کسی اور دلیل خارجی سے ثابت کرنیکا محتاج نہ رہا۔

ملـ جناب کی سرگرمی حمایت رسول خدا میں اس درجہ ثابت ہوئی جس سے مافوق تصور بشری میں نہیں آسکتی یہانتک کہ پروردگار عالم نے اسکو جان بیچنے سے تعبیر فرمائی جسکی کوئی دوسری نظیر مسلمانوں میں نظر نہیں آتی ہے۔ جناب سالتمآب کے نزدیک سوائے امیرالمومنینؑ کے کوئی ایسا متدین مسلمان موجود نہ تھا جسکو آپ اپنے قرضوں اور امانتوں کی ادا کرنے کے واسطے اپنی جگہ پر چھوڑ جاتے۔

ملـ باطنا یہ بات بھی ثابت ہوئی کہ علی ابن ابیطالبؑ ہی وہ بزرگوار ہیں کہ جو ہمیشہ آنحضرت کی ماتحتی اور خلافت میں کام کرنے کے مستحق ہونگے جس طرح زندگی میں حضرت کے خلیفہ ہوں۔

ملـ حضرت کے اس فعل پر خدا تعالیٰ کا فرشتوں پر مباہات کرنا یہ ایسا شرف حضرت کو حاصل ہے جس کے برابر عالم میں کوئی شرف حاصل نہیں ہو سکتا۔ کیا ایسے بزرگ کے مقابلہ میں جسپر خدا تعالیٰ فخر و مباہات کرے کوئی دوسرا شخص ترجیح پا سکتا ہو؟ حاشا ثم حاشا۔

ملـ مقرب فرشتوں سے بھی آپکا اعلیٰ و اشرف ہونا۔ کیونکہ جو کام فرشتوں سے نہیں ہو سکا اور نہ ہو سکتا تھا وہ کام آپنے کرکے دکھایا۔

۸۔ مقرب فرشتوں کا آپ کی خدمت حفاظت پر مقرر ہونا جو انسان کے لیئے انتہائی شرف ہے۔

۹۔ فرشتوں کی زبانی اس بات کا ثبوت کہ علی مرتضیٰ کے مانند کوئی نہیں کیونکہ جبرائیل کی زبانی روایت مذکورہ سابقہ میں من مثلک ؟ کہا جانا معلوم ہوا۔ پس جبکہ فرشتگان خدا کہتی ہوں کہ علی ابن ابیطالب ضرور بے نظیر و بے مثل ہیں تو یقیناً سمجھا جائیگا کہ وہ بعد رسول خدا کے سب سے افضل و اکمل ہیں اور جو روایتیں اوروں کی فضیلت میں نقل کی گئی ہیں یا چند علماء اسلام نے خلفاء ثلثہ کو علی ابن ابیطالب سے افضل بتایا ہو غلط ہو اور ان علماء کی غلطی ہے کیونکہ فرشتوں کے اقرار سے بہتر کوئی اقرار نہیں ہوسکتا ہو۔ اور نہ اونکی جانچ سے بہتر کوئی جانچ ہوسکتی ہے جسکو وہ بعد امتحان کے بے مثل بتائیں وہی بے مثل اور تمام عالم سے افضل ہے۔ اور جو کوئی اس کے علاوہ رائے قایم کرے وہ اوسکی غلط فہمی ہے۔

یہ جان نہ بچنے کا معاملہ جس کا ذکر اس آیت میں آیا ہو اگرچہ ایک ہی مرتبہ کا واقعہ ہے لیکن اگر واقعی طور پر دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہو کہ کتنی ہی بار حضرت سے اوسکا ظہور ہوا ہو جہاں اور بزرگوار جان بچا بچا کر نکل گئے ہیں۔

جنگ خندق میں عمر بن عبدود سے پہلوان کے مقابلہ میں جانا باوجودیکہ اصحاب رسول خدا اُس کے مقابلہ سے جان بچا گئے اور یہ کہدیا کہ یا حضرت ہم میں اسکے مقابلہ کی طاقت نہیں کیا جان بچ معاملہ نہیں ایک تو عمر ایسے آدمیوں سے مقابلہ کرنے جائے اور اپنی جان کی کچھ پرواہ نہ کرے اور پھر اُس سے لڑکر اوسکو قتل کرنا ایسا ہو کہ سوائے حضرت علیؑ کے کسی سے نہ ہوسکا اور نہ ہوسکتا تھا۔ تب تو رسولخدا نے فرمایا ضربۃ علی یوم الخندق افضل من عبادۃ الثقلین الی یوم القیامۃ۔ ایک ضرب علیؑ کی جو جنگ خندق کے دن واقع ہوئی تھی وہ قیامت تک عبادت جن وانس سے افضل ہے۔

جنگ احد میں تمام اصحاب سے گریز کیا جیسا کہ تمام اسلامی تاریخوں میں مذکور ہے۔ یہ کیسا شرمناک امر ہے کہ رسولؐ کو تنہا چھوڑ کر اپنی اپنی جانیں بچا گئے۔ حضرت عمر تو احد کی پہاڑیوں پر چلے گئے جیسا کہ خود ہی فرماتے ہیں۔ پس اسطرح پریشانی کیساتھ میں اُحد کی پہاڑیوں پر چڑھتا تھا جسطرح پہاڑی بکری

اور چکی ہے۔ (جیساکہ صحیح مسلم شرح ابن عبد الحدید تفسیر دُر منثور مسند احمد بن حنبل ربیع الابرار زمخشری
میں مذکور ہے۔) اور حضرت عثمان ایسے جان بچاکر نکلے کہ تیسرے روز واپس آئے۔ جیساکہ جامع ترمذی
شریف کے صــ میں مذکور ہے اور باقی اصحاب بھی اسیطرح فرار کر گئے لیکن اس موقع پر علی ابن ابیطالب
ہی ایسے بزرگوار تھے کہ اپنی جان راہ خدا میں بیچتے ہوئے اُسی میدان میں ثابت قدم رہے۔
اگرچہ بعید زخمی ہوئے اور چودہ مرتبہ گھوڑے سے گرے۔ مگر پھر بھی لڑائی سے مونہ نہ موڑا۔ یہانتک کہ
تنہا آدمی نے لڑائی کو سر کر لیا۔ تب تو اونکی مدد کے واسطے خداتعالیٰ نے اپنے مقرب فرشتوں کو
بھیجا جیساکہ استیعاب عبد البر صـ۴۷ میں مذکور ہے۔

جنگ خیبر میں مرحب سے بہادر کا مقابلہ کرنا کیا کوئی آسان امر تھا؟ نہیں نہیں بلکہ ایسا امر تھا کہ
اور اور صحابی اُس کے بھائی کے مقابلہ سے مُنہہ چراکر بھاگ آئے تھے باوجودیکہ وہ مثل مرحب کے
بہادر و قوی نہ تھا چہ جائیکہ مرحب سے لڑنا۔ لیکن علیؑ ہی وہ بزرگوار تھے کہ جس نے ان دونوں ہی کو قتل کیا
اور یہ جنگ بھی صرف حضرت ہی کے ہاتھ پر فتح ہوئی۔ اور فاتح خیبر اور قلعہ شکن کا خطاب قیامت تک
کے لیئے حضرت کو حاصل ہوا۔ اور رسولؐ نے محبوب الٰہی کا خطاب اونکو دیا اور فرمایا لاعطین الرایۃ غداً
کراراً غیر فراراً یحبہ اللہ ورسولہ ویحب اللہ ورسولہ ویحب للہ ورسولہ۔ جسپر بعض صحابہ ہمیشہ رشک کھاتے
رہے۔ جیساکہ صواعق محرقہ صـ۷۶ میں مذکور ہے واخرج ابو یعلی عن ابی ھریرہ قال قال عمر ابن الخطاب
لقد اعطی علی ثلاث خصال لان تکون لی خصلۃ منہا احب الی من اعطی حمر النعم فسئل ماھی قال تزوج النبی
ابنتہ وسکناہ المسجد لایحل لاحد فیہ مایحل لعلی والرایۃ یوم الخیبر۔ علیٰ ہذا القیاس تمام محاربات و جہادات
میں حضرت اپنی جان بیچتے ہوئے ثابت قدم رہے۔ اور کفار کو قتل کیا تب تو اس امر کے مستحق ہوئے
کہ پروردگار عالم خود فرمائے ومن یشری نفسہ ابتغاء مرضات اللہ واللہ رؤف بالعباد۔ اللّٰھم
صل علی محمد و آل محمد۔

اس واقعہ کے متعلق واقعہ غار بھی ہے۔ کیونکہ جناب سالتمآبؐ جبکہ مدینہ کی طرف مکہ سے تشریف
لیچلے تو راہ میں کئی روز تک غار میں پوشیدہ رہے اس موقعہ پر حضرت ابوبکر بھی آپکے ہمراہ تھے اور رسول اللہ

کے ساتھ غار میں کئی روز تک پوشیدہ رہے جس کے متعلق پروردگار عالم ارشاد فرماتا ہے۔ الا تنصروہ فقد نصرہ اللہ اذ اخرجہ الذین کفروا ثانی اثنین اذ ہما فی الغار اذ یقول لصاحبہ لا تحزن ان اللہ معنا۔ یعنی اے لوگو اگر تم نے اُس (ہمارے رسول محمدؐ) کی مدد نہ کی تو بیشک اللہ نے اونکی مدد کی جبکہ کافروں نے اوسکو نکال دیا اس حالت میں کہ وہ دو آدمیوں میں کا دوسرا تھا جبکہ وہ دونو غار میں تھے جبکہ وہ اپنے ساتھ والوں سے کہتا تھا کہ حزن نہ کر کیونکہ خدا تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ اس آیت سے حضرت ابوبکر کی فضیلت ثابت ہوتی ہے مگر کسی طرح سمجھ نہیں آتا کہ اس آیت میں وہ کونسا لفظ ہے جو اونکی فضیلت پر دلالت کرتا ہے۔

۱۔ اگر کوئی کہے کہ حضرت ابوبکر نے رسول خدا کی نصرت کی تو یہ غلط ہے اسلیئے کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے فقد نصرہ اللہ۔ اللہ نے اونکی مدد کی نہ کہ ابوبکر نے۔

۲۔ اگر کہا جائے کہ وہ حضرت کے ساتھ تھے تو ساتھ رہنے سے کوئی فضیلت ان کی ثابت نہیں ہوتی اسلیئے کہ اکثر موقعوں پر کفار بھی آپکے ساتھ بیٹھتے تھے مگر بسبب کفر کے اُن کے لئے کوئی فضیلت ثابت نہیں ہوتی ہے اگر کہا جائے کہ ان کے واسطے خدا نے لفظ صاحب کہا ہے تو معلوم کرنا چاہیئے کہ لفظ صاحب کوئی فضیلت ثابت نہیں ہوتی۔ کیونکہ یہ لفظ ہر اُس شخص کے لیئے بولا جاتا ہے جو کسی کے ساتھ ہو۔ خواہ بُرا ہو یا بھلا اور خواہ مؤمن ہو یا کافر انسان ہو یا حیوان۔ دیکھیئے خدا تعالیٰ حضرت یوسفؑ کے قصہ میں اونکا قول نقل کرتے وقت جو کہ حضرت نے اپنے ساتھ کے قیدی کافروں سے فرمایا تھا ارشاد کرتا ہے یا صاحبی السجن اارباب متفرقون خیر ام اللہ الواحد القہار۔ اے قید خانے کے میرے دونو ساتھ والو! کیا کئی متفرق پروردگار بہتر ہیں یا ایک اللہ جو بڑا غالب ہے؟ یہاں حضرت یوسفؑ کے ساتھ والے قیدیوں کو صاحب کہا گیا ہے کیونکہ وہ اُن کے ساتھ تھے۔ مگر اس ساتھ رہنے سے کوئی فضیلت اونکی ثابت نہیں ہوتی۔ کیونکہ وہ کافر تھے۔ دوسری آیت میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے قال لہ صاحبہ وہو یحاورہ اکفرت بالذی خلقک من تراب ثم من نطفۃ ثم سواک رجلا۔ یہاں بھی ایک شخص مؤمن ہے اور دوسرا کافر ہے جسکو لفظ اکفرت ظاہر کر رہی ہے باوجود اسکے ایک دوسرے کا صاحب کہا گیا ہے۔

ایک اور مقام پر شاعر عرب کہتا ہے۔

ان الحمار مع الحمیر مطیۃ
واذا خلوت بہ فبئس الصاحب

یعنی گدھا جب اور گدھوں کے ہمراہ ہو تو خاصی سواری ہے اور جب اکیلا ہو تو برا صاحب ہے۔
اس شعر میں گدھے کو صاحب کہا گیا پھر اگر انسان کو بھی صاحب کہہ لیا جائے تو کیا باعث فخر ہو سکتا ہے۔؟
نیز ایک عرب کہتا ہے

زرت ہندا وذاک بعد اجتناب
ومعی صاحب کلوم اللسان

میں نے ہند (اپنی معشوقہ) سے ملاقات کی بعد اس کے کہ وہ مجھسے پرہیز کرنے لگی تھی۔ ایسی حالتمیں میرے ساتھ ایک صاحب تیز زبان ہے۔ اس شعر میں تلوار کو صاحب کہا گیا ہے معلوم ہوا کہ جمادات کو بھی صاحب کہہ لیتے ہیں۔ پھر اگر کسی انسان کو بھی صاحب کہا گیا تو کیا شرافت کی بات ہوئی۔
اگر یہ کہا جائے کہ رسول اللہ کا صاحب (ساتھی) کہا گیا ہے۔ اسوجہسے باعث فخر ہے تو اسکا یہ جواب ہے کہ محض ساتھی ہونیکی کیا شرافت ہو سکتی ہے۔ درانحالیکہ کشتی نوح میں شیطان بھی اون کے ہمراہ تھا گدھے وغیرہ اُس کشتی میں موجود تھے۔ بلی چوہے بھی اُسمیں موجود تھے تو کیا اس ساتھ ہونے سے کوئی شرافت اُنمیں آگئی۔؟
نیز مسجد رسول اللہ تو غار سے یقیناً افضل مگر وہاں مشرک و مومن و منافق جناب سرور کائنات اور اشرار عرب سب جمع ہوا کرتے تھے۔ یہودی وغیرہ بھی اکثر مسائل پوچھنے کے لئے آتے اور آپکے ساتھ مسجد میں بیٹھتے اور گھنٹوں بیٹھتے تو کسی عاقل کے دماغ میں یہ تجویز پاس ہو سکتی ہے کہ وہ یہودی ہو یا کافر یا منافق بسبب تھوڑی دیر کے صحبت رسول کے معزز یا مفتخر ہو گئے؟ ہرگز نہیں۔ لہذا ماننا پڑیگا کہ یہ استدلال بہت بودا ہے جسکی کچھ بھی وقعت لگا ہونمیں نہیں ہو سکتی۔ ہاں اسوقت اسسے کچھ فضیلت پیدا ہو سکتی ہے جبکہ اس مصاحبہ کی کوئی بات بھی بیان کر دی جو وجہ فضیلت ہو سکے لیکن وہ بات یہاں بالکل مفقود ہے۔
اور اگر کہا جائے کہ معنا سے اونکی فضیلت ثابت ہوتی ہے تو پہلے اس بات کو ثابت کرنا چاہیئے کہ ضمیر نا

میں حضرت ابوبکر بھی شریک ہیں کیونکہ اس ضمیر کا اطلاق واحد پر بھی ہوتا ہے چنانچہ پروردگار عالم بیسیوں مقام پر ایسا اطلاق فرماتا ہے ان آیات ذیل کو ملاحظہ کیجئے انا نحن نزلنا علیک القرآن تنزیلا (سورہ ہل اتیٰ) اس آیت میں ضمیر جمع اِنَّآ اور نَحْنُ دونوں کا خدا تعالیٰ نے اپنی نسبت ارشاد فرمایا ہے اور وہ واحد احد فرد ہے جس کا کوئی شریک نہیں۔ نَحْنُ فَرَشْنٰھَا فنعم الماہدون (ج ۲۷ ع ۲) اس آیت میں بھی نَحْنُ اور نَا جو جمع کی ضمیریں ہیں۔ خاص اپنے لئے ارشاد ہوئے ہیں۔ پھر فرماتا ہے نَحْنُ نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون ہمنے قرآن کو نازل کیا اور ہم اس کے حافظ ہیں۔ ظاہر ہے لفظ جمع سے صرف حضرت خدا مراد ہے جو واحد حقیقی ہے۔ پھر ایک مقام پر فرماتا ہے انا اعطینک الکوثر اے رسول ہمنے تم کو کوثر دیا۔ یہاں بھی واحد پر جمع کی ضمیر کا اطلاق ہوا ہے۔

پس جبکہ واحد کے لئے بھی اس لفظ کا اطلاق آیا ہے تو بہت اچھی طرح ممکن ہے کہ حضرت کی مراد یہ ہو کہ تو نہ رو کیونکہ اللہ میرے ساتھ ہے مجھے کوئی شخص نقصان نہیں پہونچا سکتا اور جبتک یہ ثابت نہ کیا جائے کہ حضرت نے خدا تعالیٰ کی معیت ان کے ساتھ بھی فرمائی ہے تب تک انکی کوئی فضیلت ثابت نہیں ہو سکتی اگر یہ کہا جائے کہ یہ بزرگوار آنحضرت کے ساتھ اسلئے گئے تھے کہ آپ کو تکلیف و شدائد کے موقعہ پر مدد پہونچا سکیں تو اسکا ثبوت بھی دشوار ہے بلکہ جہانتک تحقیق سے ثابت ہوتا ہے یہ ہے کہ حضرت ابوبکر بھی بسبب خوف کے آنحضرت کے ساتھ ہو لئے تھے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ کفار قریش مجھے پکڑ لیں اور مار ڈالیں کہ ساری آرزوئیں خلافت و سلطنت کی خاک میں ملجائینگی۔

اور اگر بالفرض اس غرض سے حضرت کے ساتھ ہوتے ہوں تب بھی کوئی فضیلت ثابت نہیں ہوتی کیونکہ خدا تعالیٰ نے انکی کسی خدمت کا ذکر کر کے انکی تعریف نہیں فرمائی اور نہ کوئی ایسا لفظ اس آیت میں ہے جس سے ان کی مدح نکلتی ہو۔

بخلاف علی ابن ابیطالب علیہ السلام کے کہ حضرت کی مدح نہایت اہتمام کے ساتھ فرمائی اور اس خدمت جلیلہ کا ذکر کیا کہ جو حضرت نے اس موقعہ پر ادا کی۔ یعنی اپنی جان کو راہ خدا میں بیچ دینا اور فرش خواب رسول پر بیخوف سو رہنا پھر اس کے بعد یہ بھی فرما دیا کہ ہم اس خدمت کے عوض میں اون کے ساتھ

اپنی خاص رافت و رحمت کا برتا ذکر ینگے کیونکہ اُنہوں نے ہماری رسول کی ایک بڑی خدمت اپنے سرلی اور اپنی جان کا کچھہ ڈر نہ کیا۔

پس ایک شخص کا ڈر سے بھاگنا اور دوسرے کا بخوف بستر رسول پر سو رہنا زمین و آسمان کا فرق رکھتا ہی۔ بلکہ اگر غور کیا جائے تو اس آیت سے حضرت ابو بکر کی سخت منقصت ثابت ہوتی ہے۔ فضیلت کا تو کیا ذکر ہی اسلیئے کہ اس آیت میں اون کے اُس ناگفتہ بہ فعل کا ذکر ہی جو اُن سے اسوقت سرزد ہوا ہی۔ اور وہ یہہ کہ جب کفار قریش نے حضرت کو اپنے مکان میں نہ پایا تو ڈھونڈھنے کے لیئے نکلے اور پاؤں کے نشان سے پتہ لگانے لگے یہانتک کہ اُس غار تک پہونچگئے کہ جسمیں آنحضرت صلعم پوشیدہ تھے جب حضرت ابو بکر نے محسوس کیا کہ کفار ہم کو تلاش کرتے ہوئے غار پر پہونچگئے ہیں تو رونا شروع کیا اب معلوم یہہ رونا کس غرض سے تھا۔ [1] یا اس سبب سے روئے کہ اونکو اپنی جان کا اسوقت بیحد خوف ہوا کہ مبادا یہہ کفار مجھہ کو بھی آنحضرت کے ساتھ ہی قتل کر ڈالیں [2] یا اس سبب سے روئے کہ اون کو اسوقت سانپنے کاٹ کھایا تہا جیسا کہ اس آیت کی تفسیر میں لوگوں نے لکھا ہی [3] یا اس سبب سے روئے کہ کفار کو معلوم ہوجائے کہ آنحضرت اسی غار میں پوشیدہ ہیں اور آپ کو وہ شہید کر ڈالیں۔

بہر صورت انکا بلند آواز سے رونا کسی طرح مناسب نہ تھا۔

اگر سبب اول سے تھا تو انکا یہہ رونا اونکی سخت بزدلی پر دلالت کرتا ہی پس کجا وہ شجاعت علی کی کہ بستر خواب رسول پر نڈر سو رہے اور کجا یہہ خوف کہ دشمنوں کے صورتیں دیکھتے ہی رونے لگے۔ اور اگر دوسرے سبب سے تھا تب بھی سخت نا مناسب تھا کیونکہ اُسمیں خوف تھا کہ کفار کو آنحضرت کے پوشیدہ رہنے کی اطلاع ہوجائے اور حضرت کو قتل کر ڈالیں تو انکا یہہ رونا آپکے شہید ہونیکا باعث ہوتا یہاں تو مناسب یہہ تھا کہ اگر ان کی جان بھی جاتی رہتی تب بھی چوں نہ کرتے کہ مبادا آنحضرت کو کوئی آسیب پہونچے چہ جائیکہ رونے لگنا۔ اور اگر تیسرا سبب تہا تب تو نہایت مذموم امر تہا جس سے بڑھکر کوئی برائی نہیں ہوسکتی۔

علاوہ ازیں آنحضرت کا فرمانا کہ لا تحزن ای ابو بکر رو۔ دلیل ہی اس بات کی کہ یہہ فعل اونکا سخت خراب تہا کیونکہ اگر اچھا ہوتا تو حضرت منع نہ فرماتے اور صیغہ نہی سے جو حرمت پر دلالت کرتی ہی تعبیر نہ کرتے

معلوم ہوا کہ انکا رونا بہت ہی مذموم تھا جسکے سبب سے آنحضرت کو لا تحزن کہنا پڑا۔

بہرحال اس آیت سے بجائے فضیلت کے حضرت ابوبکر کی منقصت ثابت ہوتی ہی۔

۱۔ انکا حد درجہ بزدل ہونا کہ ذراسے خوف سے رو پڑے۔

۲۔ آنحضرتؐ کو رو کے پریشان کیا انکو تو چاہیئے تھا کہ حضرت کا دل بڑہاتے حضرت کو تسکین دیتے نہ یہ کہ رورو کے حضرت کو متردد و پریشان کرتے۔

۳۔ یہ کہ انکو قدرت خدا اور رسول اللہ کے معجزوں پر بالکل یقین نہ تھا کہ کبوتری کے غار میں انڈے دینے اور مکڑی کے جالا بننے اور درخت خاردار کے ایکدم میں غار پر اُگ آنیکو دیکھتے تھے اور انتظام سامان حفاظت کے ملاحظہ فرماتے تھے اور پھر انکو یقین نہ تھا کہ ہم بچینگے اور نہ رسول خدا کی فرمانیکا یقین تھا کہ وہ حضرت فرمایا کرتے تھے کہ ہم ہجرت کر کے مدینہ میں پہونچینگے اور ہمارا دین تمام ادیان پر غالب ہوگا اگر ان باتوں پر کچھ بھی ان کو اطمینان ہوتا تو ہرگز بے قرار نہ ہوتے۔

۴۔ بجائے ممدوح ہونے کے انکا مذموم ہونا کیونکہ نہی اور منع کا ورود اسی مقام پر ہوتا ہی جبکہ کوئی شخص کوئی برا کام کرتا ہی اور اگر اچھا کام کرتا ہو تو ہرگز اسکو منع نہیں کیا جاتا۔ یہاں لا تحزن کہنا اس بات کو ثابت کرتا ہی کہ انکا حزن ایک مذموم فعل تھا نہ ممدوح۔

بارہویں آیت

یا ایہا الذین آمنوا ادخلوا فی السلم کافۃ ولا تتبعوا خطوات الشیطٰن انہ لکم عدو مبین (رج ۲ ع ۹)
اے وہ لوگ کہ جو مومن ہوئے ہو تم سب کے سب طاعت وولایت میں داخل ہو جاؤ اور شیطان کے قدم کی پیروی نہ کرو وہ بالضرور تمہارا کھلا ہوا دشمن ہی۔

یہ آیت بلا فاصلہ آیۂ من الناس من یشری کے بعد واقع ہے جس کا نزول خاص امیرالمومنینؑ کی مدح میں ہی جیسا کہ سابقاً معلوم ہو چکا ہی۔

اب اُس کے بعد پروردگار عالم کیطرف سے ہدایت کی جاتی ہے کہ وہ شخص جس نے ہمارے ہاتھ جان بیچی اور جس پر ہم بے انتہا مہربان ہیں اور جو فرش خواب رسول پر سویا اور اسکا قائم بنا تم لوگ سب کے سب

اسکی اطاعتمیں داخل ہوجاؤ (کیونکہ وہی خلیفہ رسول ہی) اور دیکھو اگر شیطان تم کو اس معاملہ مین بہکائے تو اُس کا کہنا نہ ماننا کیونکہ وہ تمہارا دشمن ہی۔

اس امر کا ثبوت یہہ آیہ بھی مثل آیت سابقہ امیر المؤمنین علیہ السلام اور اونکی اولاد معصومین سے متعلق ہی اور آپکی خلافت وولایت کو ثابت کرتی ہی۔

یہہ حدیث ہی جسکو امام حاکم نے اپنی صحیح میں تخریج کیا ہی اور اسے روایت صحیحہ بتایا ہی عن علی ابن الحسین ومحمد الباقر وجعفر الصادق علیہ السلام انہم قالوا السلم ولایتنا (ینابیع المودة صـ۹۱ مطبوعہ بمبئی)

یعنی علی ابن الحسین اور امام محمد باقر وجعفر الصادق علیہم السلام نے بیان کیا ہی کہ اس آیت سلم سے مراد ہماری ولایت ہی۔ (یعنی خدا تعالیٰ فرماتا ہی کہ علیؑ واولاد علیؑ کی ولایت واطاعت میں داخل ہوجاؤ)۔

دوسری روایت سعدہ بن صدقہ سے ہی عن جعفر الصادق عن ابیہ عن جدہ عن الحسین عن امیر المؤمنین علی علیہ السلام قال الا العلم الذی ھبط بہ آدم وجمیع ما فضلت بہ النبیون الی خاتم النبیین فاین تتاہ بکم واین تذہبون؟ وانہم فیکم کاصحٰب الکہف ومثلہم باب حطہ وہم باب السلم فی قولہ تعالیٰ یا ایہا الذین آمنوا ادخلوا فی السلم ولا تتبعوا خطوات الشیطٰن انہ لکم عدو مبین۔

جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہی وہ اپنے باپ سے وہ اپنے جد سے روایت کرتے ہیں کہ امیر المؤمنینؑ نے فرمایا وہ علم جو آدم لائے اور تمام وہ فضائل جن سے انبیاء کو حضرت خاتم النبیین تک فضیلت دی گئی وہ سب عترت خاتم النبیین میں ہی۔ پس تم لوگ کہاں حیران پھر رہے ہو اور کدھر جاتے ہو۔ عترت رسول تم لوگوں میں مثل اصحٰب کہف کے ہی اور اونکی مثال باب حطہ کی ہے اور وہی باب السلم ہیں اس آیت میں یا ایہا الذین آمنوا ادخلوا فی السلم۔ (ینابیع صـ۹۱ چھاپ بمبئی)

تیسری روایت مودة القربیٰ سید علی شہاب ہمدانی شافعی کی کتاب مودة القربیٰ کی پانچویں مودة میں ہی (دیکھو ینابیع صـ۲۰۸) وعن ابی جعفر الباقر علیہ السلام فی قولہ تعالیٰ یا ایہا الذین آمنوا فی السلم کافة یعنی ولایة علی والاوصیاء بعدہ۔ یعنی حضرت ابوجعفر باقر علیہ السلام سے مروی ہی

اس آیتہ کی تفسیر میں کہ مسلم سے مراد ولایت علی علیہ السلام اور ولایت ان کے بعد والے اوصیا کی ہے۔ ان روایا سے حق الیقین کی حد تک یہ بات ہوگئی کہ مقصود اس سے خدا تعالیٰ کا وہی اثبات خلافت ائمۂ طاہرین علیہ السلام ہے۔ اور حکم دیتا ہے کہ تم سب لوگ اُس دائرہ ولایت و خلافت میں داخل ہو جاؤ۔ چونکہ یہ بات علم الٰہی میں گذر چکی تھی کہ عنقریب وہ وقت آنیوالا ہے کہ شیطان ان مسلمانوں کو بہکا کر امیر المؤمنین علیہ السلام و نیز دیگر ائمہ معصومین کی خلافت الٰہیہ سے ہٹا لیگا تو ضرور ہوا کہ پہلے اُن لوگوں کو تھدید کی اور نہی فرما دی کہ دیکھو شیطان کی پیروی نہ کرنا بالضرور وہ تم کو اس معاملہ میں بہکائیگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ لوگ اُن خلافتہائے حقہ الٰہیہ کو چھوڑ کر خود ساختہ خلافتوں کی طرف دوڑ گئے اور نہی پروردگار عالم کی کچھ پرواہ نہ کی۔ اور یہ کچھ تعجب کا موقعہ نہیں ہے کہ عام مسلمانوں نے اس آیت کی مخالفت کی۔ جبکہ صدر اول نے بھی باوجود نہی پروردگار عالم کے شراب خواری سے باوجود نزول آیتہ انما الخمر والمیسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشیطن کے اُس شیطان کا ساتھ دیا جس کا عمل شرابخوری کو بتا کر مسلمانوں کو اُس سے روکا گیا تھا۔ ملاحظہ ہو یہ واقعہ جسے علامہ زمخشری نے کتاب ربیع الابرار کے باب ہفتاد و ششم میں لکھا ہے انزل اللہ تعالیٰ فی الخمر ثلاث آیات یسئلونک عن الخمر والمیسر فکان المسلمون بین تارک و شارب الی ان شربہا رجل و دخل الصلواۃ فہجر فنزلت یا ایہا الذین آمنوا لاتقربوا الصلواۃ وانتم سکاریٰ فشربہا من شربہا فی المسلمین حتی شربہا عمر فاخذ لحی بعیر فشج براس عبد الرحمن بن عوف ثم قعد ینوح علی قتلی بدر بشعر الاسود بن یعفر

کاین بالقلیب قلیب بدر — من الصبیان والعرب الکرام

ایوعدنا ابن کبشۃ ان سنحیٰ — وکیف حیاۃ اصداء وہام

ایعجز ان یرد الموت عنی — بانی تارک فرض الصیام

الآن یبلغ الرحمن عنی — وینشرنی اذا بلیت عظامی

فقال اللہ یمنعنی شرابی — وقال اللہ یمنعنی الطعامی

فبلغ ذالک رسول اللہ فخرج مغضبا یجر ردائہ فرفع شیئاً کان فریدہ لیفربہ فقال اعوذ باللہ من غضب رسولہ فنزل انما یرید الشیطن الآیہ - اور یہی روایت مستطرف مطبوعہ مصر کے چوہترویں باب میں مروی ہی - جس کا حاصل یہہ ہی -

اور جبکہ ایسا ہی کہ وہ لوگ جو مسلمانوں کے حاکم ہیں حکم خدا کی مخالفت کرتے رہی تو اوروں کا کیا حال ہوگا - بہرحال اس معاملہ میں بالضرور شیطان نے لوگونکو اور وہ شیطان الجن وہمارے شیطان الانس ہی نے اس بارہ میں سب سے آگے قدم رکھا اور لوگوں کو دعوت زید وعمر پر راغب کرکے بیعت کرائی حالانکہ اُنکو معلوم تھا کہ خدا تعالیٰ حکم دیچکا ہی آپ مسلمانوں کو کہ اطاعت علی ابن ابیطالب اور اطاعت اوصیائے کرام میں داخل ہوں -

اور ظاہر ہی کہ عموم طاعت کا حکم اُسوقت تک نہیں ہوسکتا جبتک کہ مطاع معصوم نہ ہو جس سے ان حضرات کی عصمت بھی ثابت ہوتی ہی نیز عموماً اطاعت کا تحق وہ ہوسکتا ہی جسے خدا نے اپنی طرف سے ہدایت خلق کے واسطے منتخب کرکے امام یا نبی بنایا ہو - جس سے قطعی طور پر یہہ بھی ثابت ہوتا ہی کہ یہہ لوگ امام یا خلفائے رسول تھے البتہ نبی نہ تھے کیونکہ آنحضرت فرما گئے ہیں لا نبی بعدی - مگر امام یا خلیفہ کی تو ممانعت نہیں کر گئے ہیں - بلکہ تصریحات سابقہ نے بتا دیا ہی کہ آنحضرت نے نام بنام اپنے خلفاء کو تمام اصحاب کے تئیں بتا دیا تھا - کبھی بلفظ وصی یا اوصیاء کبھی بہ لفظ خلیفہ و خلفاء کبھی بہ لفظ وزیر - کبھی بہ لفظ ولی - کبھی اولیاء ان حضرات کو یاد فرما دیا ہی - مگر افسوس کہ ہوس دنیا نے آنکھوں پر ایسا پردہ ڈالا ہی بمشکل لوگ حق کیطرف نظر کرسکتے ہیں - الا ماشاء اللہ اب بھی اگرچہ وقت نہیں گیا ہی اور جبتک انسان زندہ ہی اُسے موقع ہی کہ حق کی تحقیق وتفتیش کری - حق ایک روشن چیز ہے - چھپائے سے نہیں چھپتا انشاء اللہ بعد تامل تھوڑی دیر میں واضح ہوجائیگا - ہاں ارادہ درکار ہی اور نیت بخیر ہونی ضروری ہے -

تیرھویں آیت

ومن یکفر بالطاغوت ویومن باللہ فقد استمسک بالعروۃ الوثقیٰ لا انفصام لہا واللہ سمیع علیم - جس نے

طاغوت (شیطان) سے انکار (یعنے اوسکی بات نہ مانی) اور خدا پر ایمان لایا وہ بالضرور عروہ محکم سے متمسک ہوا جو ٹوٹ نہیں سکتا اور اللہ سمیع وعلیم ہے۔ (خوب جانتا ہے کہ کون تابع شیطان ہے اور کون متمسک بالعروۃ الوثقی)

اس آیت میں اس بات کو دکھایا گیا ہے کہ عروۃ الوثقیٰ (مضبوط کنڈہ) اس کے ہاتھ میں آسکتا ہے جو پہلے طاغوت سے کنارہ کشی کرے اور اللہ پر ایمان لائے۔ لیکن جبتک وہ طاغوت (شیطان) سے کنارہ کشی نہ کریگا تب تک اُس کے ہاتھ میں عروہ وثقیٰ ہی نہیں آسکتا۔ اور نہ وہ نجات یافتہ ہو سکتا ہے۔

اسی قسم کی ایک اور روایت اکیسویں پارہ رکوع بارہ میں ہے ومن یسلم وجہہ الی اللہ وہو محسن فقد استمسک بالعروۃ الوثقی والی اللہ عاقبۃ الامور۔ جس نے اطاعت خدا کی اور اُسپر توکل کرکے نیکو کار ہوا وہ عروہ محکم سے متمسک ہوا اور خدا ہی کیطرف تمام امور کی رجوع ہے۔

بحث یہ ہے کہ ایمان باللہ کیا ہے اور اسلام اللہ کیا ہے۔ آیا صرف لاالٰہ الا اللہ کہہ لینا موحد ہونے کے واسطے کافی ہے یا اُس کے ساتھ کچھہ اور امور بھی ضروری ہیں۔ اکثر عوام تو یہی سمجھتے ہیں کہ صرف لا الٰہ الا اللہ کہہ لینا کافی ہے۔ مگر صاحب ینابیع نے لکھا ہے کہ ان لا الٰہ الا اللہ شروطہا وانی ذریتی من شروطہا۔ (ینابیع المودۃ صـ ۱۰۳)

آنحضرتؐ نے فرمایا کہ لا الٰہ الا اللہ کے کچھہ شروط بھی ہیں۔ اور میں اور میری ذریت علی ابن ابیطالبؑ اُس کے شروط میں سے ہیں یعنے جبتک اقرار توحید کے ساتھ اقرار نبوت رسول اللہ اور اقرار امامت و خلافت ذریۃ طاہرہ نہ شریک ہو تب تک توحید کامل نہیں ہوتی۔ اور انسان مسلمان یا مومن نہیں ہوسکتا۔ نیز کتاب فصل الخطاب فاضل محدث محمد خواجہ ماسا بخاری میں ہے (ملاحظہ ہو صـ ۳۲۳ ینابیع المودۃ) کہ امام رضا علیہ السلام نے فرمایا لقد حدثنی ابی موسیٰ عن ابیہ جعفر عن ابیہ محمد عن ابیہ علی من ابیہ الحسین عن ابیہ علی علیہ السلام عن رسول اللہ صلعم انہ قال سمعت جبرائیل یقول سمعت اللہ جل جلالہ یقول انی انا اللہ لا الٰہ الا انا فاعبدونی من جاء بشہادۃ ان لا الٰہ الا اللہ بالاخلاص دخل حصنی فمن دخل امن من عذابی وفی روایۃ فلما مرت الراحلۃ نادانا الا بشروطہا وانا من شروطہا۔

اس تمام روایت کو علامہ ابن حجر مکی نے بھی صواعق محرقہ میں نقل کیا ہے جس کا حاصل یہہ ہے کہ محض توحید و رسالت کا اقرار کافی نہیں ہے۔ بلکہ اقرار ائمہ طاہرینؑ بھی لازم ہے۔

اور جب یہہ بات طے ہوگئی تو آیت کا مطلب ظاہر ہوگیا اور یہہ کہ ایمان باللہ جب تبہ کمال پر پہونچگیا۔ یعنے امامت ائمہ کا اقرار بھی انسان نے کرلیا اُسوقت گویا ایسی مضبوط رسی پکڑ لی جو کبھی ٹوٹ نہیں سکتی اور غار ہلاکت سے نکلنے کا بہتر ذریعہ اوس کے ہاتھ آگیا۔

پس چونکہ آخر مسئلہ توحید و ایمان باللہ مسئلہ امامت ہے اسلیئے اسی کو عروہ وثقیٰ کہنا بالکل درست ہے کیونکہ اسکے بغیر انسان کا ایمان صحیح نہیں۔ پھر اُس کے لیئے نجات بھی نہیں۔

اسی مطلب کی طرف آنحضرتؐ نے اس حدیث میں اشارہ کیا ہے جسے اخطب خطبائے خوارزم موفق بن احمد نے اپنی سند سے عبدالرحمن بن ابی لیلی سے روایت کی ہے اُس نے اپنے باپ سے کہ اُس نے کہا

اعطی النبی الرایۃ یوم خیبر الی علی ففتح اللہ علیہ و فی خم غدیر اعلم الناس انہ مولیٰ کل مومن و مومنۃ وقال لانت منی وانا منک۔ وقال لہ انت منی بمنزلۃ ہارون من موسیٰ الا انہ لا نبی من بعدی۔ وقال لہ انا سلم لمن سالمک و حرب لمن حاربک و انت عروۃ الوثقیٰ و انت تبین ما اشتبہ علیہم من بعدی (ینابیع صہ ۱۱)

بیٹو ابو علی اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے بروز خیبر حضرت علیؑ کو اپنا علم دیا اور خدا نے اُنہیں کے ہاتھ پر فتح دی اور بروز غدیر خم سب کو بتا دیا کہ علی ہر مومن اور مومنہ کا ولی و حاکم ہے۔ اور اُن کی شان میں بیان کیا کہ مجھہ سے ہے اور میں تجھسے ہوں اور یہہ بھی کہا کہ تم تاویل قرآن پر جہاد کروگے جسطرح میں نے تنزیل قرآن پر جہاد کیا اور یہہ بھی فرمایا کہ تم مجھسے وہ مرتبہ رکھتے ہو جو ہارون سے موسیٰ کو تھا مگر یہہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔ اور یہہ بھی فرمایا کہ میں صلح اُس سے رکھونگا جو تم سے صلح رکھے۔ اور اُس سے جنگ رکھونگا جو تم سے لڑے اور تم اے علی عروہ وثقیٰ (رسن مستحکم) ہو اور تم ظاہر کروگے لوگوں پر اُن باتوں کو جو میرے بعد مشتبہ ہونگی۔

اس حدیث میں تصریح موجود ہے کہ بالخصوص امیرالمومنین علیہ السلام کو آنحضرتؐ نے عروہ وثقیٰ سے تعبیر فرمایا ہے۔

نیز حافظ عبدالعزیز بن الاخضر سے نقل کیا ہی جو ابو طفیل عامر بن واثلہ سے راوی ہی اور یہہ ابو طفیل وہ ہیں جن کو صاحب ینابیع نے لکھا ہی هو آخر الصحابه موتا بالاتفاق یعنی ابو طفیل عامر بن واثلہ وہ صحابی ہی جو تمام اصحاب رسولؐ کے بعد فوت ہوئے ہیں۔ یہہ صحابی رسول روایت کرتے ہیں قال کان علی ابن الحسین بن علی رضی اللہ عنہم اذا تلا هذه الآیة یا ایها الذین آمنوا اتقوا الله وکونوا مع الصادقین۔ یقول اللهم ارفعنی فی درجات هذه الندبة واعنی بعزم الارادة حتی یتجرد خواطر الدنیا عن قلبی وذکر ما یشتمل علی المحن وما انتحلته طوائف هذه الآیة بعد مفارقتها لائمة الدین والشجرة النبوة (الی ان قال) وذهب الآخرون الی التقصیر فی امرنا واحتجوا المتشابه القرآن فتاولوا بآرائهم واتهموا ماثور الخیر وقد درست اعلام الملة ودانت الامة بالفرقة والاختلاف یکفر بعضهم بعضا والله تعالی یقول ولا تکونوا کالذین تفرقوا واختلفوا من بعد ما جاءتهم البینات فمن الموثوق به علی ابلاغ الحجة وتاویل الحکمة الا اهل الکتاب وابناء ائمة الهدی ومصابیح الدجی الذین احتج الله بهم علی عباده ولم یدع الخلق سدی من غیر حجة هل تعرفونهم او تجدونهم الا من فروع الشجرة المبارکة بقایا الصفات الذین اذهب الله عنهم الرجس وطهرهم تطهیرا وبرأهم من الآفات وافترض مودتهم فی الکتاب هم العروة الوثقی ومعدن التقی۔ وخیر حبال العالمین ووثیقها" ص ۲۲۸

یہہ حدیث شریف جن دردانگیز بیانات پر مشتمل ہی وہ ایسے ہیں جو ایک ایماندار آدمی کے دلکو ہلا دینے کے لیئے کافی ہیں۔ اور اسی سے تمام منازل متنازعہ فیہا کا طی کر دینا بہی آسان ہو جاتا ہی اور اسی سے ہمارا مقصود اصلی یعنی یہہ دعوے کہ عروہ وثقیٰ سے مراد علی اور اولاد علی علیہم السلام ہیں ثابت ہوتا ہی۔

راوی وہ ایک صحابی رسول جو طولانی عمر کرکے تمام اصحابؐ کے بعد فوت ہوا ہے وہ روایت کرتے ہیں علیؑ ابن الحسینؑ بن علیؑ سے جنکو عام مسلمان بہت اچہی نگاہوں سے دیکہتے ہیں اور اقلاً انکو سچا اور معتمد علیہ ضرور سمجہتے ہیں۔ ناقل شیخ سلیمان قندوزی حنفی ہیں۔ کتاب ینابیع المودۃ میں جو مصر و بمبئی دونوں میں چہپکر شائع ہو گئی ہی۔ اب تو اس روایت کے صحیح ہونیمیں ناظرین کو تردد نہ ہوگا

حاصل روایت یہہ ہی کہ ابو طفیل کہتے ہیں جب علیؑ ابن الحسینؑ بن علی رضی اللہ عنہم اس آیت کو پڑہتے یا ایہا الذین آمنوا اتقوا اللہ وکونوا مع الصادقین تو کہتے تھے خدایا تو ہمکو اس دعوت کے

درجے میں بلند کر اور محکم ارادے سے میری اعانت فرما۔ تاکہ خیالات دنیا سے میرا دل خالی ہو جائے اور رنج و محن کی یاد دل سے جاتی رہے اور جو کچھ اس اُمت کے گروہ نے اپنے ائمہ دین سے اور شجرہ نبویہ سے جُدا ہو کر نئی نئی باتوں کی نسبتیں دے رکھی ہیں۔ (یعنی بدعتیں قایم کر رکھی ہیں) (یہانتک کہ فرمایا) اور بہت سے لوگوں نے ہمارے معاملہ میں کوتاہی کی (کہ ہمیں امام نہ سمجھے اور صادقین کا مصداق ہونا نہ مانا) اور متشابہات قرآن سے حجت پیش کرنے لگے۔ پھر اپنی رایوں سے آیات قرآن کی تاویلیں کرلیں۔ اور صحیح حدیثوں کو متہم کیا (یعنی قرآن مجید اور احادیث صحیحہ نے جو کچھ ہمارے فضائل و کمالات اور ہماری امامت کے متعلق بیان کیا تھا اُسے یا تاویل کرکے یا متہم کر کے چھوڑ دیا)

اور دین و ملت کے نشان مٹ گئے اُمت میں پھوٹ پڑ گئی اور سب نے آپسمیں اختلاف کر لیا کہ انمیں سے بعض کو بعض کافر بتاتا ہے (یہ اشارہ ہے اُن سینکڑوں فرقوں کی طرف جو شاخ در شاخ اسلام میں پیدا ہو گئے ہیں) حالانکہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے مسلمانو تم لوگ ون کے مثل نہ ہونا جو متفرق و مختلف ہو گئے (یعنی یہود) بعد اسکے کہ اُن کے پاس دلیلیں آ چکی تھیں (مگر پھر بھی مسلمانوں نے دلیل و بینہ کی ہوئی اختلاف کی بیشمار راہیں نکال دیں اور تر بتر ہو گئے) پس سوائے قرآن والوں اور اولاد ائمۃ الہدیٰ اور چراغ ہائے تاریکی (دوازدہ امام) کے کون معتمد علیہ ہو سکتا ہے (جس سے صحیح معنی قرآن و حدیث کے معلوم ہو سکیں) جن سے اللہ نے اپنے بندوں پر حجتہ تمام کی ہے۔ اور خلق مہمل (بے امام) کے نہیں چھوڑا ہی کیا تم لوگ ایسے (معتمد علیہ) سوائے شجرہ مبارکہ (نبوت) کے شاخوں اور برگزیدگان باری کے جنہیں خدا نے بدلوں سے ظاہر کیا ہے اور آفات سے بچایا ہے اور جنکی محبت اپنی کتاب میں درج کی ہے۔ کسی اور کو بھی پاتے ہو۔ (لا واللہ اے فرزند بیشک آپ ہی لوگ شجرہ نبوت کی شاخیں اور برگزیدگان باری ہیں مگر دُنیا کی ہٹ دھرمی کا کیا علاج ہے جس نے اپنے ہاتھوں اپنے پاؤنمیں کلہاڑی ماری اور آپ کا دامن چھوڑا) وہی (اولاد رسول اور فروع شجرہ مبارکہ) عروۃ وثقیٰ ہیں اور وہی کان تقویٰ ہیں اور بہترین رسی جہان کے رہے ہیں۔ جو مضبوط ہے۔

اس حدیث میں فرزند رسول ؐ نے شکایت کی اہل زمانہ کی کہ آیت کونو مع الصادقین تو ہمارے شان میں تھا مگر اُمت نے آپسمیں پھوٹ ڈالکر اور اختلاف پیدا کر کے آیات کی تاویلیں کرلیں اور احادیث کی تکذیب کردی ایک دوسرے کی تکذیب و تکفیر کرنے لگا اور جو لوگ کہ واقعی مبلّغین محبت اور معادلین حکمت تھے اُن سے الگ ہو گئے۔ حالانکہ وہ ہم ہی ہیں جو شجرہ نبوت کی شاخیں ہیں اور برگزیدگان خدا کے بقایا ہیں۔ ہم ہی وہ ہیں جو رجس و بدی سے پاک ہیں اور ہم ہی عروۂ وثقیٰ ہیں جسے پکڑ لینے کے بعد آدمی بالکل بےخوف ہو سکتا ہے اور عذاب آخرت سے بالکل مامون۔

خدا ہدایت کرے اہل دنیا کی اور مادۂ فہم عطا کرے کہ وہ اپنے ہادیان برحق کو پہچانیں۔ اور اُن کے دامن سے متمسک ہوں کیونکہ یہی وہ عروۂ وثقیٰ ہیں جنکی بابت خدا نے فرمایا ہے کہ لا انفصام لہا اوسے شکست ڈر نہیں۔ حمّاد شاعر عرب قدیم العہد کہتا ہے (مناقب ابن شہر آشوب ص۷۵ حصہ سوم۔

هو العروة الوثقى هو الجنب انما ... يفرط فيه الخاسر العمه العقل •

علیؑ ہی عروۂ وثقیٰ ہیں اور وہی جنب اللہ ہیں۔ مگر جو خاسر نابینا اور غافل ہے وہ اُن کے معاملہ میں کوتاہی کرتا ہے۔ وہی شاعر یہ بھی کہتا ہے۔

علیٌّ علی القدر عند مليكه ... وان كثرة فيه الغواة ملامها

هو العروة الوثقى التي من تمسكت ... هداه بها لم يخش قط انفصامها

علیؑ خدا کے نزدیک تو بلند مرتبہ ہے اگرچہ بہت سے لوگ اون کے باب میں گمراہ ہو گئے ہیں وہی عروۂ وثقیٰ ہیں کہ جسکے ہاتھوں نے اُسے تھام لیا پھر اس کے اسکے ٹوٹنے کا ڈر نہیں۔

چودھویں آیت

(پارہ سوئم رکوع قبل نصف)

اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَہُمْ بِاللَّیْلِ وَالنَّہَارِ سِرًّا وَّعَلَانِیَۃً فَلَہُمْ اَجْرُہُمْ عِنْدَ رَبِّہِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْہِمْ وَلَا ہُمْ یَحْزَنُوْنَ۔

جو لوگ اپنے مال کو راہ خدا میں دن کو اور رات کو چھپا کر اور علانیہ طور پر صرف کرتے ہیں پس اُن کیلئے اونکا اجر ہے اُن کے پروردگار کے پاس اور نہ خوف ہے اونکو نہ وہ غمگین ہونگے۔

اس آیت میں جس قدر مدح و ثنا اور رحمت پروردگار عالم کا شمول اُس شخص کے لیئے ہے جسکی نسبت یہ

آیت آئی ہی معلوم ہوتا ہی اوس کا اندازہ نہیں ہو سکتا۔

۱۔ اول یہہ کہ خدا تعالیٰ کے نزدیک یہہ فعل حد درجہ کا ممدوح ہوا جسنے ایسا کیا۔

۲۔ اُس بزرگ کے لیئے خدا تعالیٰ نے نہایت اہتمام سے ثواب عظیم دینے کا وعدہ کیا۔ واللہ لایخلف المیعاد۔

۳۔ پروردگار عالم نے یہہ بھی وعدہ کیا کہ اُس بزرگ کو جو اس آیت کا شان نزول ہی کسی قسم کا خوف بروز قیامت نہ ہوگا۔

۴۔ اُس بزرگ کو کبھی حزن بروز قیامت نہ ہوگا۔

یہہ چاروں مدارج ایسی ہیں اور یہہ ایسی فضلیتیں ہیں کہ جسے حاصل ہوجائیں اُس سے افضل و بہتر دنیا میں کوئی نہیں ہوسکتا اور ہر انسان کو اپنی نجات کے لیئے لازم ہے کہ اسی بزرگ کے دامن دولتمیں پناہ لے کیونکہ جو شخص ایسے بزرگ مقبول بارگاہ سے متمسک ہوگا یقین ہے کہ وہ بھی نجات یافتہ ہوگا۔

اب ملاحظہ ہو کہ یہہ آیت کس بزرگ کے شان میں نازل ہوئی۔ حسب ینابیع صـ ۹۲ مطبوعہ بیروت میں

موفق بن احمد الحموینی والثعلبی المالکی وابونعیم الحافظ بسندہم عن مجاہد عن ابن عباس انہ قال کان عند علیؑ کرم اللہ وجہہ اربعۃ دراہم فتصدق بواحد لیلاً و بواحد نہاراً و بواحد سراً و بواحد علانیۃً فنزل الذین ینفقون اموالہم باللیل والنہار الخ یعنی موفق بن احمد حموینی۔ ثعلبی مالکی۔ اور ابونعیم حافظ نے اپنی اپنی سندوں سے روایت کی ہی کہ مجاہد نے ابن عباس سے نقل کیا ہی کہ علی کرم اللہ وجہہ کے پاس چار درہم تھے تو آپنے ایک درہم شب کو تصدق کیا اور ایک دن کو۔ ایک پوشیدہ طور پر اور ایک ظاہر طور پر پس یہہ آیت نازل ہوئی الذین ینفقون اموالہم الخ

جمع الفوائد فی تفسیر سورۃ البقر عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال قولہ تعالیٰ الذین ینفقون اموالہم باللیل والنہار سراً وعلانیۃً نزلت فی علی رضی اللہ عنہ کان عندہ اربعۃ دراہم فانفق باللیل واحدۃً و بالنہار واحداً و فی السر واحداً و فی العلانیۃ واحداً للمعجم الکبیر۔ ینابیع المودۃ صـ ۹۲ ارجح المطالب مولوی عبید اللہ عبیدی امرتسری صـ ۲۷ صواعق محرقہ۔ تفسیر کشاف زمخشری۔

اس آیت کے نزول نے یہہ بات ثابت کی کہ علی ابن ابیطالبؑ کا پایہ سخاوت میں انتہا درجے پر پہونچا

ہو اور اس صدیر مقبول خدا تھا کہ پروردگار عالم خود اون کی مدح و ثنا فرماتا ہے۔

پندرہویں آیت

ان اللہ اصطفےٰ آدم و نوحًا و آل ابراہیم و آل عمران علی العالمین (سورہ آل عمران رکوع) بیشک اللہ نے آدم و نوح و آل ابراہیم و آل عمران کو تمام عالم سے منتخب و برگزیدہ بنایا۔

کتاب مواہب لدنیہ صہ میں مذکور ہے عن ابن عباس انہ قال محمد من آل ابراہیم و آل محمد من اہلبیت ابراہیمؑ یعنے ابن عباس سے مروی ہے کہ اُنہوں نے کہا محمدؐ حضرت ابراہیمؑ کی آل میں داخل ہیں اور آل محمدؐ حضرت ابراہیمؑ کی اہلبیت ہیں۔

اور تفسیر ثعلبی میں تو یہہ بھی مذکور ہے کہ اس آیت میں آل عمران کے بعد آل محمدؐ کا لفظ موجود تھا جناب ابن مسعود کے قرآن میں ثعلبی نے اسے پڑھا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا نے آل ابراہیم و آل عمران اور آل محمدؐ تینوں کا ذکر اس آیت میں فرمایا تھا مگر حضرت عثمان کے زمانے میں جب دوبارہ قرآن مجید کو ترتیب دی گئی اسوقت بہ مصلحت یہہ لفظ یہاں سے نکالڈالا گیا اور مصلحت یہہ تھی کہ فضیلت آل محمدؐ بتصریح قرآن سے ثابت نہ ہو لیکن آفتاب پر خاک ڈالنے سے کبھی وہ چھپ نہیں سکتا۔ ملاحظہ ہو تفسیر ثعلبی فرماتے ہیں قرأت فی مصحف عبد اللہ ابن مسعود ان اللہ اصطفےٰ آدم و نوحًا و آل ابراہیم و آل عمران و آل محمد علی العالمین یعنے میں نے عبد اللہ ابن مسعود کے قرآن میں پڑھا کہ یہہ آیت مع آل محمدؐ کے مندرج ہے۔" ایضاً تفسیر درمنثور صہ۱۷ جلد دوم مع اضافہ آل یٰسین و آل محمد اخرج بن جریر و ابن المنذر و ابن حاتم من طریق علی عن ابن عباس فی قولہ و آل ابراہیم و آل عمران قال ہم المؤمنون من آل ابراہیم و آل عمران و آل یٰسین و آل محمد الخ بہر صورت دونو روایتوں کی بنا پر معلوم ہوتا ہے کہ جسطرح آل ابراہیم اور آل عمران تمام عالم سے منتخب و بہتر و افضل ہیں اور انکو پروردگار عالم نے برگزیدہ بنایا ہے اسیطرح آل محمد بھی تمام عالم سے افضل و اعلیٰ و برگزیدہ ہیں اور جبکہ یہہ بزرگوار تمام عالم سے افضل ہوئے تو اُس کے ہر فرد سے بھی یقیناً افضل ہونگے پس ان سے خلفائے ثلثہ کو ترجیح دینا سخت غلطی ہے۔ بلکہ خدا تعالیٰ

کلام کی تکذیب ہے اور یھ بالشان اسلام کے بالکل خلاف ہے۔ اہل اسلام سمجھو اور عقل سے کام لو۔

سولہویں آیت

ذریۃ بعضہا من بعض واللہ سمیع علیم۔ یھ وہ ذریت ہیں کہ بعض انہیں بعض سے ہیں اور اللہ سمیع و علیم ہے۔

کتاب صواعق محرقہ میں مذکور ہی وکذا لک وقع لبریدہ انہ کان مع علی فی الیمن فقدم المدینۃ بعضاً علیہ واراد شکایتہ بجاریۃ اخذہا من الخمس فقالوا الہ اجرہ لیسقط علی من عینہ ورسول اللہ یسمع من وراء الباب فخرج مغضباً فقال یا بال اقوام یبغضون علیاً من البغض علیاً فقد ابغضنی ومن فارق علیاً فقد فارقنی ان علیاً منی وانا منہ خلق من طینی وخلقت من طینۃ ابراہیم وانا افضل من ابراہیم ذریۃ بعضہا من بعض واللہ سمیع علیم۔ یا بریدہ ان لعلی اکثر من الجاریۃ التی اخذہا۔

اس سے ثابت ہوا کہ ذریۃ بعضہا من بعض میں علی ابن ابیطالب بھی داخل ہیں۔ بلکہ اس سے زیادہ تصریح اوس حدیث میں ہی جو کتاب الجنان میں مذکور ہے اور وہاں سے تفسیر لوامع التنزیل جلد ثالث صفحہ ۳۱۰ میں نقل کیا ہی کہ ابن عباس موسم حج میں حدیثیں بیان کر رہے تھے ناگاہ ایک اعرابی سیاہ عمامہ باندھے ہوئے آیا اور کہنے لگا معشر الناس من عرفنی فقد عرفنی ومن لم یعرفنی فانا جندب بن جناوہ البدری الغفاری صحبا رسول اللہ صلعم سمعت یقول فی ہذا المکان والا صمت اذنای ان اللہ اصطفی آدم و نوحاً وآل ابراہیم وآل عمران علی العالمین ذریۃ بعضہا من بعض واللہ سمیع علیم۔ فاما الذریۃ من نوح والآل من ابراہیم والسلالۃ من اسمعیل والعترۃ الہادیۃ والذریۃ الطاہرۃ من محمد والصدیق الاکبر علی ابن ابیطالب ایتہا الامۃ المتحیرۃ بعد نبیہا لو قدمتم من قدمہ اللہ ورسولہ واقررتم بما اقرہما لما عال ولی اللہ ولا طاش لہم فی سبیل اللہ ولا اختلف الامۃ بعد نبیہا۔

اس بیان میں ذریۃ کا لفظ خاصکر علی ابن ابیطالب پر بھی اطلاق ہوا ہی اور اس سے کمال فضیلت جناب امیر المومنین علیہ السلام کی ثابت ہوتی ہے علاوہ اسکے جو حدیث سابق الذکر سے ظاہر ہوتی ہی کیونکہ یھ آیۃ بالکل آیۃ سابقہ یعنی ان اللہ اصطفی آدم الخ سے بالکل ملی ہوئی ہے اور آل

ابراہیم وآل عمران کی تشریح کرتی ہوئی نازل ہوئی ہے۔

فائدہ - حدیث از صواعق محرقہ جو کہ چند امور کا افادہ پہونچاتی ہے - جو مسلمانوں کے لیئے نہایت توجہ کے قابل ہے۔

۱ یہ کہ آنحضرتؐ نے فرمایا مابال اقوام یبغضون علیاً من ابغض علیاً فقد ابغضنی الخ کیا حال ہے اُن لوگوں کا جو علیؑ سے بُغض رکھتے ہیں جس نے علیؑ سے بُغض رکھا اُس نے مجھکو دشمن رکھا اور جس نے علیؑ سے مفارقت کی اُس نے مجھ سے مفارقت کی - یعنی مجھ سے الگ ہو گیا۔

جبکہ حضرتؐ کے ارشاد سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ علیؑ سے بُغض رکھنا اور علی سے جُدا ہونا عین آنحضرتؐ سے جُدا ہونا ہے تو افسوس ہے مسلمانوں پر کہ باوجود اپنے رسول کے اس ارشاد کے پھر بھی علیؑ سے اسطرح جُدا ہیں کہ نہ اُن سے احکام لیتے ہیں نہ اون کے ارشادات کو واجب التعمیل سمجھتے ہیں - بلکہ اُن لوگوں کا ساتھ دیتے ہیں جو بالکل دشمن و مبغض علی ابن ابیطالبؑ ہیں مثل معاویہ وغیرہ کے کہ یہ لوگ صاف صاف دشمن علیؑ تھے جیسا کہ اُن کے افعال سے کتب تواریخ میں ثابت ہوتا ہے اور اگر سوائے سب اہلبیتؑ کے جو ممبر و نبیر عہد بنی اُمیہ میں واقع ہوا اور کوئی امر واقع نہ ہوتا تب بھی کافی تھا اس امر کے ثبوت میں کہ معاویہ وغیرہ بادشاہان بنی اُمیہ دشمنان علیؑ تھے - چہ جائیکہ ہزاروں الفاظ ان سے ایسے سرزد ہوئے جو اہلبیت طاہرینؑ وبالخصوص علی ابن ابیطالبؑ کی دشمنی دلالت صریحہ رکھتے ہیں۔ اور اسقدر مشہور ہیں کہ جن کے بیان کی ضرورت نہیں بلکہ اگر سچ پوچھو تو رسول اللہ کے انتقال کے بعد ہی لوگوں نے علیؑ سے جُدائی کر لی جب حضرت کو چھوڑ کر غیروں کے ہاتھ پر بیعت کر لی - جو صریح مفارقت علیؑ سے ہے۔

۲ حضرت کا یہ ارشاد انّ علیاً منی وانا منہ بیشک علیؑ مجھ سے ہیں اور میں علیؑ سے ہوں - یعنی میں اور وہ دونوں ایک ہی ہیں - جیسا کہ حضرت کا یہ ارشاد ظاہر کرتا ہے - کہ خلق من طینتی علی میری ہی طینت سے پیدا ہوئے ہیں پس جو شخص کہ رسول خدا کی طینت سے پیدا ہوا ہوا اور رسول اللہ سے بالکل متحد ہو اُس سے افضل کون ہو سکتا ہے - لہذا معلوم ہوا کہ وہ وہ حدیثیں جو فضلیت صحابہ میں نقل کی گئی ہیں وہ اس حدیث کے مقابلہ میں بالکل وضعی اور غیر صحیح ہیں۔

۳۔ اس حدیث نے یہ بھی ثابت کیا کہ علی ابن ابیطالب علیہ السلام حضرت ابراہیمؑ سے مرتبہ میں زیادہ ہیں کیونکہ رسول خداؐ نے فرمایا کہ میں اور علیؑ ایک طینت سے پیدا ہوئے ہیں اور میں ابراہیمؑ سے افضل ہوں اور جبکہ ایک طینت سے بنی ہوئی اور انمیں سے ایک فرد کسی سے افضل ہو تو دوسرا بھی یقیناً افضل ہوگا۔

۴۔ اسی حدیث سے اور نیز اسی آیت سے جناب علی علیہ السلام کی عصمت بھی ثابت ہوتی ہے جو خلیفہ ہونیکیلیے شرط ہے جیسا کہ ہمنے سابق میں بیان کیا پس سوائے آپکے بعد رسول اللہ کے کوئی شخص خلیفہ برحق نہیں ہو سکتا۔ بادشاہ ہوجانیکا میں منکر نہیں۔ البتہ اگر ہدایت و احکام خدا کی حفاظت اور قائم مقامی رسول کا کوئی مستحق تھا اور واقعی بھی تھا تو وہ صرف علی ابن ابیطالب ہی ہیں۔ جیسا کہ متواتر احادیث رسول سے ثابت ہے۔ چنانچہ استیعاب عبدالبر و صواعق محرقہ و خصائص نسائی و نور الابصار و تاریخ الخلفاء سیوطی و ینابیع المودۃ وغیرہ کتب سیر و احادیث و تواریخ سے ثابت ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا اِنَّ عَلِیًّا مِنِّی وَ اَنَا مِنْہُ وَ ہُوَ وَلِیُّ کُلِّ مُؤْمِنٍ وَ مُؤْمِنَۃٍ بَعْدِی۔ (ترمذی شریف ص مطبوعہ لکھنو) بیشک علی مجھ سے ہے اور میں علی سے ہوں اور وہ میرے بعد ہر مومن و ہر مومنہ کا مولیٰ یا حاکم ہے۔

ظاہر ہے کہ ولی سے مراد اس حدیث میں دوست یا ناصر و مددگار وغیرہ نہیں ہو سکتی کیونکہ جس طرح مومن کیساتھ آپکا برتاؤ حیات رسول میں تھا وہی بعد رسول بھی تھا۔ حیات رسول میں بھی آپ تمام مسلمانوں کے خیرخواہ خیر طلب و محب دوست تھے اوسیطرح آنحضرتؐ کے انتقال کے بعد۔ پھر اس قید کے کیا معنی کہ میرے بعد علی تمام مومن و مومنات کے ولی ہونگے۔ کیا آپ موجودگی رسول خدا میں مسلمانوں کے دشمن تھے بعد اون کے دوست ہونگے؟

علیٰ ہذا القیاس آپ تمام مسلمانوں کے مددگار حیات رسولؐ خدا میں اور بعد وفات رسولؐ خدا بھی تھے جس کا کوئی انکار نہیں ہو سکتا پس اسصورت میں بھی بعدی کا لفظ بے معنی ہوتا ہے لہذا تسلیم کرنا پڑیگا کہ ولی کے معنی اس حدیث میں سوائے خلیفہ حاکم اور مولیٰ اور اولے بالتصرف کے کوئی نہیں ہو سکتا اور جبکہ کسی اور کے لیے آنحضرتؐ نے اس عہدے کا اقرار یا وعدہ صحیح اور صریح یا غیر صریح لفظوں میں نہیں کیا تو ثابت ہوا کہ علی ابن ابیطالب ہی خلیفہ برحق اور بلا فصل امام ہیں

سترہویں آیت

کلما دخل علیہا ذکریا المحراب وجد عندہا رزقا قال یا مریم انی لک ہذا قالت من عند اللہ ان اللہ یرزق من یشاء بغیر حساب " (جبکہ زکریاؑ نبی) اوس (مریم) کے پاس محراب میں آتے تو اون کے پاس روزی (جنتی غذائیں) دیکھتے تو کہتے کہ اے مریم یہ تمہارے لیے کہاں سے آیا تو وہ کہتیں کہ خدا کی پاس سے بیشک خدا جسے چاہتا ہے بے حساب روزگار دیتا ہے۔

اگرچہ اس آیت میں حضرت مریم مادر جناب عیسیٰؑ کی فضیلت کا ذکر ہے کہ اُن کے پاس خدا تعالیٰ کی طرف سے جنتی نعمتیں آتی تھیں۔ لیکن حدیثیں کہ جو مرتبہ مریمؑ کا خدا تعالیٰ کے نزدیک تھا وہی مرتبہ جناب فاطمہ زہراؑ صلوات اللہ علیہا کا بھی تھا بلکہ بالخصوص بھی اس آیت کو جناب فاطمہ زہراؑ سے تعلق ہے۔ پہلے دعوی کا ثبوت تو اس حدیث سے ہوتا ہے۔ قال النبی فاطمۃ سیدۃ نساء اہل الجنۃ (صحیح بخاری)

انس رفعہ حسابک من نساء العالمین مریم بنت عمران وخدیجۃ بنت خویلد وفاطمۃ بنت محمدؐ وآسیہ امراۃ فرعون (جامع ترمذی) (ینابیع المودۃ ص ۱۷۲)

عن عکرمہ عن ابن عباس قال خط النبیؐ فی الارض خطوطاً اربعۃ ثم قال اتدرون ما ہذہ قالوا اللہ و رسولہ اعلم قال افضل نساء الجنۃ خدیجۃ بنت خویلد وفاطمۃ بنت محمدؐ ومریم ابنۃ عمران وآسیہ امراۃ فرعون (مودۃ القربیٰ)

یہی روایت اصابہ فی معرفۃ الصحابہ اور استیعاب بن عبد البر میں بھی مذکور ہے۔

اور دوسرے دعوے کا ثبوت اس حدیث سے ہوتا ہے جو ذیل میں نقل کی جاتی ہے۔

عن ابن سعید قال قال لی علیؑ قلت یوما لفاطمۃ ہل عندک شیٔ اکلہ لامنذ یومین قلت یا فاطمۃ ثم لا اعلمتنی حتی اوخلتک و ولدی فی حرج قالت استحی من اللہ تعالیٰ ان اکلفک ما لا تقدر علیہ فاستقرضت دینارا فارادت ان اشتری ما یصلح لہم اذ عرض لی المقداد وہو مضطرب محزون فقلت لہ ما اضطرابک لقد ترکت اہلی یبکون من جوع فبکیت من حزنہ ودفعت الیہ الدینار التی استقرضتہ فصلیت مع النبی الظہر والعصر والمغرب فقال لی یا ابا الحسن ہل عندک شیٔ اکلہ فعرفت حال التی خرجت علیہ قالت قد اوحی ان اعشی فی بیتکم فدخل فاذا جفنۃ تفور وقال یا علی من عند اللہ تعالیٰ یرزق من یشاء بغیر حساب وقال الحمد للہ الذی

یجری فینا ما اجری علی مریم ثم قرء کلما دخل علیہا زکریا المحراب وجد عندہا رزقاً انی لک ہذا (اخرجہ الحافظ الدمشقی فی الاربعین مطولاً - ینابیع المودۃ ص ۱۹۹ منقول از جامع صغیر علامہ سیوطی) اس آیت کو جناب علامہ مفتی صاحب قبلہ نے روائح القرآن میں ذکر نہیں فرمایا -

اٹھارہویں آیت (ج ۳ ع ۱۲)

انی اعیذہا وذریتہا من الشیطن الرجیم - اور بیشک میں اُس (مریم) اور اُسکی ذریۃ کو شیطان رجیم سے پناہ خدا میں دیتی ہوں) یہ قول مادر جناب مریم کا ہی جسے خدا تعالیٰ نے قرآن میں نقل کیا ہی بظاہر اس کا ورود حضرت مریم کی نسبت ہی لیکن باطناً اسکو جناب فاطمہ زہرا صلوات اللہ علیہا سے بھی تعلق ہی جیسا کہ ابو داؤد اور سجستانی نے اپنے سنن میں روایت کیا ہی - عن قتادہ عن حسن البصری عن انس قال ان ابابکر خطب فاطمۃ فاعرض النبی عنہ ثم خطبہا عمر ابن الخطاب فاعرض عنہ وقال انتظر امر اللہ فیہا ثم خطبہا علی فقال اعندک شئی قال علی قلت فرسی ودرعی قال اما فرسک فلا بدلک منہ واما درعک فبعہا وآتنی بہا قال ابن بلال فجاء فقال لہ اشتر بہا طیبا ثم امرہم ان یعلوا لہا سریر شریط ووسادۃ من حشوہا لیف واملؤا البیت کثیبا یعنی رملا وامر ام ایمن ان تنطلق الی ابنتہ وقال لعلی لا تعجل حتی اتیک فانطلق النبی ثم اتاہما فقال لام ایمن ہہنا اخی قالت نعم اخوک وتزوجہ ابنتک قال نعم فدخل علیہا وقال لفاطمۃ ایتینی بماء فاتتہ فاطمۃ بقعب فیہ ماء فمج فیہ ثم نفخ علی راسہا وبین ثدییہا وقال اللہم انی اعیذہا وذریتہا من الشیطان الرجیم الخ قال ابو داؤد وسئلت احمد بن حنبل عن ہذا الحدیث فقال ہو عن سعید بن یزید المدنی - (ینابیع مطبوعہ بیروت ص ۱۷۵-۱۷۶ صواعق محرقہ مطبوعہ مصر)

اس حدیث سے چند امر مستفاد ہوئے -

۱ اول یہ کہ جناب سیدہ کا خطبہ حضرات ابوبکر و عمر صاحبان نے بھی فرمایا مگر رسول اللہ نے اون کی درخواستوں سے مُنہہ پھیر لیا - اور اُن کے سوال کو رد فرما دیا -

۲ علی ابن ابیطالب کی درخواست کو بلا عذر قبول فرمایا جس سے معلوم ہوتا ہی کہ جناب سیدہ کا کفو جناب امیر کے سوا کوئی دوسرا نہ تھا جیسا کہ دیگر حدیثوں سے ثابت ہوتا ہی یعنے جسطرح سیدہ تمام عالم کی

عورتوں سے افضل ہیں ویسا ہی اون کے لیۓ شوہر بھی تمام عالم کے مردوں سے افضل ہونا چاہیۓ اور یہہ امر صرف جناب علی ابن ابیطالبؑ میں اسوقت موجود تھا۔

۳۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ نے جس وقت پانی منگا کر فاطمہؑ کے سر و سینہ پر چھڑکا ہی اسوقت اس آیت کو تلاوت فرمایا ہی۔ جس سے یہہ بھی ثابت ہوتا ہی کہ جناب سیدہ اور اُنکی ذریّتہ طیبہ معصوم ہیں کیونکہ جو کوئی خدا کی پناہ میں آگیا اور شیطٰن رجیم کے شر سے اوسکی حفاظت خدا تعالی نے خود فرمائی اُس سے کسی قسم کا گناہ ہرگز سرزد نہیں ہوسکتا اور یہی معنی معصوم کے ہیں۔ اور جبکہ ذریّت فاطمہؑ معصوم ہوئی تو خلافت کا استحقاق بھی ان ہی کے لیۓ ہوگا نہ غیروں کے۔

اُنیسویں آیت (ج ۳ ع ۱۴)

فمن حاجک فیہ من بعد ما جاءک من العلم فقل تعالوا ندع ابناءنا و ابناءکم و نساءنا و نساءکم و انفسنا و انفسکم ثم نبتہل فنجعل لعنت اللہ علی الکاذبین۔ پس اے رسول ہمارے اگر تم سے کوئی شخص اس بارہ میں دلیل مانگے اور حجت طلب کرے بعد اس کے کہ تمہارے اسکا علم آچکا ہی تو کہو کہ آؤ ہم اپنے فرزندوں کو بلائیں اور تم اپنے فرزندوں کو ہم اپنی عورتوں کو بلائیں تم اپنی عورتوں کو ہم اپنے نفسوں کو بلائیں (یعنے جو ہماری جان کے برابر ہیں) اور تم اپنے نفسوں کو پھر آپسمیں مباہلہ کریں اور جھوٹوں پر خدا کی لعنت کریں۔ (تاکہ جو جھوٹا ہو وہ عذاب خدا میں مبتلا ہو اور ہمارے اور تمہارے مذہب کا حق ہونا ثابت ہو جائے۔

یہہ آیت۔ آیہ مباھلہ کے نام سے مسلمانوں میں مشہور ہی اور سورہ آل عمران پارہ ۳ رکوع ۱۴ میں موجود ہی۔ یہہ آیت اسوقت نازل ہوئی جبکہ مقام نجران کے نصاریٰ آپ سے بحث کرنے اور آپ کی نبوت پر دلیل مانگنے کے لیۓ آۓ تھے اور آپ کو حکم خدا ہُوا کہ اگر یہہ لوگ تمہاری نبوت کے دعوی کو صحیح نہیں مانتے تو کہو کہ ہم اپنے بچوں کو تم اپنے بچوں کو ہم اپنی عورتوں کو تم اپنی عورتوں کو ہم اپنی جان کے برابر آدمیونکو تم اپنی جان کے برابر آدمیوں کو بلاؤ اور ہم تمپر اور تم ہم پر دعاء بد کرو تاکہ جس کا دعوے سچ ہو وہ غالب ہی اور جھوٹے دعوے والا مغلوب ہو۔

جب حضرت نے یہہ بات نجرانی نصاری کے سامنے پیش کی تو اُنہوں نے منظور کرلیا اور مباہلہ کے لیۓ دن اور

وقت مقرر ہوگیا اور جب وہ وقت مقررہ آیا تو آنحضرت صلعم نے اپنے ہمراہ دونو نواسوں حسن و حسین علیہما السلام
اور اپنی بیٹی فاطمہ زہراؑ اور اپنے خویش ابن عم علی ابن ابیطالب علیہ السلام کو لے لیا اور مقام مباہلہ کیطرف
روانہ ہوگئے جب جائے موعود پر پہونچے اور نصارائے نجران نے بانحالت حضرت کو دیکھا تو ڈر گئے اور خیال
کیا کہ اگر یہ بزرگوار بددعا کرینگے تو یقیناً نجرانیوں پر بلکہ تمام قوم نصاریٰ پر خدا کا عذاب نازل ہوجائیگا
اسلیئے مباہلہ سے انکار کردیا اور جزیہ دینا قبول کرلیا۔ جیساکہ اس روایت ذیل سے ظاہر ہی۔

عن ابن عباس قال ان رھطا من نجران قدموا علیٰ رسول اللہ فقالوا ما شانک تذکر صاحبنا قال من ھو
قالوا عیسیٰ تزعم انہ عبد اللہ قال اجل قالوا فھل رأیت مثل عیسیٰ وانبئت بہ ثم خرجوا من عندہ فجاؤہ
جبرائیل فقالوا لہم اذا اتوک ان مثل عیسیٰ عند اللہ کمثل آدم وفی روایۃ ان احداہم قال لہ المسیح
ابن اللہ لا اب لہ وقال الآخر ہو اللہ لانہ احیاء الموتیٰ واخبر عن الغیوب وابرء الاکمہ والابرص و
خلق من الطین طیرا وتزعم انہ عبد اللہ۔ فقال ص ہو عبد اللہ وکلمتہ القاھا الیٰ مریم فغضبوا فقالوا لا رضی
ان تقول ہو اللہ وقالوا ان کنت صادقاً فارنا عبد اللہ یحیی الموتیٰ ویشفی الاکمہ والابرص ویخلق من
الطین طیرا فینفخ فیہ فیطیر فسکت عنہم فنزل الوحی یقول تعالیٰ لقد کفر الذین قالوا ان اللہ ہو المسیح
بن مریم وقولہ فمن حاجک فیہ من بعد ما جاءک من العلم فقل تعالوا ندع ابناءنا وابناءکم ونساءنا و
نساءکم وانفسنا وانفسکم ثم نبتہل فنجعل لعنۃ اللہ علی الکاذبین ثم قال لہم ان اللہ امرنی ان لم
تنقادوا اباھلکم ثم انہم وعدوا الی الغدو ولما اصبح رسول اللہ اقبل معہ علی والحسن والحسین وفاطمہ
وعند ذالک قال والسقف انی لاری وجوہا لو سال اللہ ان یزیل لہم جبل لازالہ فلا تباہلوا فتہلکوا
ولا یبقی علیٰ وجہ الارض نصرانی فقال محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لاباہل احلک" اخرجہ الحاکم۔

(ارجح المطالب مولوی عبید اللہ عبیدی امرتسری ص ۶۰) یہ مضمون تقریباً کتب تاریخ وتفاسیر میں
موجود ہی۔ جسے طول دینے کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔

حاصل یہ ہی کہ آیت مذکورہ صدر وہ آیت ہی کہ جو اہلبیت رسولؐ کے انتہائے درجہ کے عظیم شان کو ثابت کرتی ہے
اور جس سے مذکورۃ الذیل امور مستنبط ہوتے ہیں۔

۱ یہ باوجودیکہ اسوقت آنحضرتؐ کے بہت سے اصحاب و انصار تھے اور بہت سی بیویاں بھی تھیں مثلاً ام سلمہ ۔ عائشہ ۔ حفصہ وغیرہ اور اعزہ قریبہ بھی معتد بہ مقدار پر تھے لیکن ان سب سے مباہلہ کے لئے اگر منتخب فرمایا ہے تو صرف ۔ علیؑ ۔ فاطمہؑ حسنؑ و حسینؑ کو نہ کسی اور کو جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر خدا تعالیٰ کے حضور میں کھڑے ہوکر مقبول دعا کرنے کے قابل ہیں تو صرف یہ بزرگوار ہیں جنکی دعا یا بددعا کا کافی اثر پڑسکتا ہے ۔ بخلاف اوروں کے اور یہ بات ان حضرات کے نہایت قرب منزلت پر دلالت کرتی ہے جیساکہ علامہ زمخشری نے تفسیر کشاف میں لکھا ہے ۔ وفیہ دلیل شئی اقویٰ منہ علی فضل اصحاب الکساء علیہم السلام ان ہی چار بزرگواروں کو اپنے ہمراہ مباہلہ کے لئے لیجانیمیں اصحاب کساء (علیؑ و فاطمہؑ و حسنؑ و حسینؑ) کی فضیلت پر ایسی دلیل ہے جس سے کوئی قوی دلیل نہیں ہوسکتی ۔

۲ حسنین علیہم السلام اگرچہ صلب علی ابن ابیطالبؑ سے ہیں لیکن ازبسکہ نسل جناب رسالتمآب ان ہی بزرگواروں سے چلی اور منصب امامت و خلافت کا ان ہی کی نسل میں رہا اسوجہ سے خدا تعالیٰ نے ان کو رسول اللہؐ کا فرزند فرمایا ۔

۳ جناب علی ابن ابیطالب علیہ السلام کو خدا تعالیٰ نے نفس رسولؐ سے تعبیر کیا ہے جو کمال اتحاد ذاتی پر آنحضرتؐ کے جناب ختمی مرتبت سے دلالت کرتا ہے اور اس حدیث کی صحت کو انتہائے عدد ثوق کو پہونچا ہے جو آنحضرتؐ نے فرمایا ہے خلقت انا و علیؑ من نور واحد میں اور علیؑ ایک ہی نور سے پیدا ہوئے ہیں اور جبکہ علی ابن ابیطالبؑ کا یہ مرتبہ پیش خدا ہو کہ وہ مثل رسول خدا اور نفس رسول خدا میں ہوں تو پھر کوئی دوسرا شخص کیونکر آپ کے مقابلہ میں فضیلت یا ترجیح پاسکتا ہے چنانچہ اسی امر کو ملحوظ رکھکر شوریٰ کے دن جب آپ نے ازحجیت پر دلیل پیش کی ہے تو منجملہ اور دلائل کے یہ بھی دلیل پیش کی کہ انشدکم باللہ ہل فیکم احد اقرب الی رسول اللہ منی و من جعل نفسہ و ابناء و ابناءہ و نساء و نساءہ غیری قالو اللھم لا (ینابیع المودۃ صـ ۲۲۲ بمبئی) پس اگر کسی کو داماد رسول ہونے یا خسر ہونے سے کچھ شرافت ملسکتی ہے تو نفس رسول ہونے سے وہ شرافت و فضیلت ہوسکتی ہے جسکے برابر کوئی فضیلت عقل بشری میں نہیں آسکتی ۔ کجا نفس رسول و کجا داماد یا خسر ۔

ع۴ یہ بھی معلوم ہوا کہ جناب امیرالمؤمنین علیہ السلام بسبب اس کے کہ نفس رسول ہیں معصوم بھی ہیں۔ کیونکہ جناب رسالتمآب بالاتفاق معصوم ہیں اور یہ ناممکن کہ نفس واحد کا ایک جزو تو معصوم ہوا ور دوسرا غیر معصوم اور ظاہر ہے کہ جو معصوم ہو وہ غیر معصوم سے ہزار درجہ اشرف و افضل ہے۔

ع۵ جبکہ آپ نفس رسول ہوئے تو اگر حق خلافت آنحضرتؐ کے بعد کسی کو ہو سکتا ہے تو صرف آپ ہی کو نہ غیر کو کیونکہ مثل رسول کے موجود ہوتے گھٹیا درجہ کے آدمی کبھی قائم مقامی رسول کا حق نہیں رکھ سکتے۔

ع۶ یہ بھی معلوم ہوا کہ جس قدر اوصاف جناب ختمی مرتبت میں موجود تھے وہ سب علی ابن ابیطالبؑ میں بھی موجود تھے کیونکہ بموجب فرمودہ خدا تعالیٰ آپ نفس رسول ہیں البتہ منصب نبوت کی نفی چونکہ خدا تعالیٰ نے بعد آنحضرتؐ کے فرما دی ہے اس لیئے کوئی شخص بعد آنحضرتؐ کے نبی نہیں ہو سکتا اور خود آنحضرتؐ نے بھی تصریح فرما دی ہے کہ یا علی انت منی بمنزلۃ ہارون من موسیٰ الا انہ لا نبی بعدی۔ پس سوائے اس وصف کے جو بدلیل خارج مستثنیٰ ہو گیا ہے تمام اوصاف کا ثبوت آپکے لیئے اس آیت کے رو سے ہوتا ہے۔

یہی وہ مطلب ہے جسکو امام فخر رازی نے تفسیر کبیر میں لکھا ہے اور جسے بیشتر لوگوں نے اپنی اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے چنانچہ صواعق محرقہ میں ابن حجر مکی نے کہ ذکران اہلبیتہ یساوونہ فی خمستہ اشیاء ع۱ السلام قال السلام علیک ایہا النبی وقال سلم علی آل یٰسین وفی الصلواۃ علیہ وعلیہم فی التشہد ع۳ وفی الطہارۃ قال تعالیٰ طٰہٰ یا طاہر وقال یطہرکم تطہیرا ع۴ وفی التحریم الصدقہ ع۵ وفی محبتہ قال تعالیٰ قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ وقال قل لا اسئلکم علیہ اجراً الا المودۃ فی القربیٰ"

یعنے فخر الدین رازی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ رسول کی اہلبیت پانچ چیزوں میں آنحضرت صلعم کے مساوی ہیں۔ ع۱ سلام میں کہ آنحضرتؐ کو تو فرمایا السلام علیک ایہا النبیؐ اور اہلبیت کی نسبت فرمایا سلام علی آل یٰسین ع۲ درود میں کہ آنحضرتؐ اور اہلبیتؑ دونوں ہی پر ہر نماز کے تشہد میں کہنا واجب ہے یہی وہ مطلب ہے جسے امام شافعی نے یوں نظم کیا ہے۔

یا اہلبیت رسول اللہ حبکم | فرض من اللہ فی القرآن انزلہ
کفاکم من عظیم الفضل انکم | من لم یصل علیکم لا صلواۃ لہ



۳۔ طہارۃ میں چنانچہ آنحضرتؐ کی نسبت فرمایا۔ طٰہٰ یعنی اے طاہر (اے پاک و مقدس) اور اہلبیت کی نسبت فرمایا ویطہرکم تطہیرا ۴۔ اور صدقے کے حرام ہونیمیں یعنی جسطرح آنحضرت پر صدقہ غیروں سے لینا حرام ہے اوسیطرح صدقہ اہلبیت رسولؐ پر بھی حرام ہے۔ ۵۔ محبت میں چنانچہ آنحضرت کی نسبت فرمایا ہے قل ان تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ یعنی اے رسولؐ کہدو مسلمانوں سے کہ اگر تم یہ چاہتے ہو کہ پروردگار عالم تم سے محبت رکھے تو میری پیروی کرو کہ خدا تعالیٰ تم سے محبت رکھیگا اور اہلبیت کی نسبت فرمایا ہے قل لا اسئلکم علیہ اجرًا الا المودۃ فی القربیٰ۔ اے رسول کہدو مسلمانوں سے کہ میں اس تبلیغ رسالت کا کوئی معاوضہ نہیں مانگتا ہوں مگر صرف یہ کہ میرے قرابت داروں سے محبت۔ امام رازی نے تو صرف پانچ چیزوں میں اہلبیت طاہرین کی مساوات آنحضرتؐ سے بیان کی ہے۔ لیکن شیخ زین السنۃ ابو محمد احمد بن محمد بن علی عاصمی نے کتاب زین الفتیٰ میں لکھا ہے کہ آنحضرتؐ اور علی مرتضیٰ کے درمیان تیئیس وجہوں سے مشابہت ہے۔ میں اونکو اختصار کے ساتھ نقل کرتا ہوں اوّل خلقت و طینت میں چنانچہ آنحضرتؐ نے اپنی نسبت فرمایا ہے خلقت من طیب الطین میں نہایت پاک طینت سے پیدا کیا گیا ہوں اور حضرت علی مرتضیٰؑ کی نسبت فرمایا کنت انا و علیًا نورا بین یدی اللہ عزوجل قبل ان یخلق باربعۃ عشر الف عام۔ میں اور علی دونو خدا تعالیٰ کے حضور میں ایک نور کی صورت میں تھے آدمؑ کے پیدا ہونے سے چودہ ہزار برس پہلے۔ دوسرے اخوت و قرابت یعنی جسطرح خدا تعالیٰ نے علی ابن ابیطالبؑ کو رسول اللہ کا اخ و قریب بنایا اوسیطرح اونکو اخ اور قریبی رشتہ دار چنانچہ عاصمی لکھتے ہیں اخبرنی شیخی محمد بن احمد باسنادہٖ الی ابی احمد قال حدثنی علی ابن موسی الرضا عن ابیہ عن آبائہٖ عن علی کرم اللہ وجوہہم قال قال رسول اللہ اذا کان یوم القیامۃ نودی من بطنان العرش نعم الاب ابوک ابراہیم و نعم الاخ اخوک علی۔ یہ تو وہ اخوۃ ہے جو خدا تعالیٰ نے ان دونو بزرگواروں کے درمیان قائم کی ہے اور اوسی کے مشابہ اور ایک اخوۃ ہے جو دنیا میں جناب سالتمآبؐ نے اپنے اور علی مرتضیٰ کے درمیان قائم کی اور وہ اوسوقت ہوئی جبکہ آنحضرت نے مدینہ میں پہونچکر اپنے اصحاب کے درمیان دو دو آدمیوں میں صیغۂ اخوت جاری کرکے ایک کو دوسرے کا اخ یعنے شریک و معاون و مددگار و نگران حال

وچارہ جو بنایا تھا مگر علی ابن ابیطالب کا اخ کسی اور صحابی کو نہیں بنایا بلکہ ان کے اور اپنے درمیان صیغہ اخوت کو جاری فرما کر یہ ثابت کیا کہ اخوۃ انہیں دونو آدمیوں کے درمیان ہو سکتی ہے جنکی مزاج طبایع - انداز - اخلاق اور خصوصیات ایک سے ہوں - لیکن چونکہ علی ابن ابیطالبؑ کا مزاج اور ان کی طبیعت اور ان کے اخلاق و عادات و خصوصیات سے کسی اور کو مشابہت نہ تھی سوائے آنحضرتؐ کے اس لیے آپنے الکا اخ خود اپنی تئیں قرار دیا کیونکہ جسطرح وہ نور خدا سے پیدا ہوئے تھے یہ بھی نور خدا سے پیدا ہوئے جسطرح وہ معصوم و طاہر تھے اوسیطرح یہ بھی جسطرح وہ عالم علم لدنی تھے یہ بھی تھے - جیسے وہ صاحب خلق عظیم تھے یہ بھی تھے - اور علیٰ ہذا القیاس تمام اوصاف میں متحد تھے جیسا کہ آئندہ معلوم ہوگا - لہذا ضروری تھا کہ انکا صیغہ اخوت سوائے آنحضرتؐ کے اور کسی کے ساتھ جاری نہ ہوتا اور ایسا ہی ہوا بھی

عاصمی لکھتے ہیں اخبرنی محمد ابن ذکریا باسنادہ الی جمیع بن عمیر قال اخی رسول بین اصحابہ فجاء علی تدمع عیناہ فقال یارسول اللہ اخیت بین اصحابک و لم تواخ بینی و بین احد فقال انت اخی فی الدنیا والآخرۃ

یعنی محمد ابن زکریا نے اپنی سند سے جمیع بن عمیر تک سند پہونچا کر روایت کی ہے کہ جناب رسالتمآبؐ اپنے اصحاب کے درمیان اخوت قایم کی اور مجھکو کسی کا اخ نہ بنایا تو آپنے فرمایا تم میرے اخ ہو دنیا و آخرت میں - نیز یہ روایت لکھی ہے اخبرنی شیخی محمد بن احمد باسنادہ الی عبد اللہ بن عمرو ابن عاص قال قال رسول اللہ فی مرضہ الذی توفی فیہ ادعوا الیّ اخی فارسلوا الی ابی بکر فدخل علیہ فسلم علیہ فاجابہ فقال ارسل الیّ رسول اللہ فلم یردہ الیہ الکلام فرجع ابو بکر فقال رسول اللہ ارسلوا الیّ اخی فارسلوا الی عمر ابن خطاب فجاء فسلم علیہ فاجابہ فقال ارسل الیّ رسول اللہ فلم یرد الیہ الکلام ارسلوا الیّ اخی فارسلوا الیٰ عثمان فدخل علیہ فسلم فاجابہ فقال الیّ نبی اللہ فلم یرد الیہ الکلام فقال ارسلوا الیّ اخی فقال ام سلمۃ ہل تعلمون لہ اخاً الا ابا السبطین فارسلوا الیہ فدخل علیہ علی ابن ابیطالب فسلم علیہ فقال الی نبی اللہ قال نعم فولیھا وجھہا الی الحائط و ردّ علیہما ثوبا فاسرّ الیہ والناس محبوسون وراء الباب فخرج علی فقال لہ رجل من الناس اسرّ الیک نبیّ اللہ قال نعم اسرّ الیّ الف باب فی کل باب الف باب فقال لہ رجل من الناس وعقلتہ یا علی قال وعقلتہ وعقلتہ قال فما السواد الذی فی القمر قال ان اللہ یقول وجعلنا اللیل والنہار

آیتین فمحونا انہ اللیل وجعلنا آیتہ النہار مبصرۃ فقال الرجل الذی سالہ عقلتہ یا علیؓ
اس مضمون کے اور بہت سی حدیثیں احادیث وسیر کی کتابوں میں موجود ہیں جس کا جی چاہے وہ دیکھ سکتا ہے
اس اخوت کا شرف وہ شرف ہے جس پر جناب امیر علیہ السلام خود فخر فرماتے تھے آپکے اشعار اس بات کی
دلیل ہیں۔

محمد النبی اخی وصہری	وحمزۃ سید الشہداء عمی
وجعفر الذی یضحی ویمسی	یطیر مع الملائکہ ابن امی
وبنت محمد سکنی وعرسی	مخلوط لحمہا بدمی ولحمی
وسبط احمد ابنای منہا	فمن منکم لہ سہم کسہمی
سبقتکم الی الاسلام طراً	غلاما بلغت اوان حلمی
وما ان زلت اضربہم بسیفی	الی ان ذل للاسلام قومی

لیکن اس مقام پر یہ سمجھ لینا ضروری ہو کہ اخوۃ سے کیا مراد ہو اور آنحضرت نے جو علی کو اخ
فرمایا اس کا کیا مطلب ہو۔ واضح ہو کہ "اخ" کے لغوی معنے تو بھائی کے ہیں جب دو شخص ایک
ماں باپکے یا دو ماں ایک باپ یا دو باپ ایک ماں سے پیدا ہوئے ہوں اونکو اخ کہتے ہیں
پہلے کو اخ حقیقی دوسرے کو اخ علاتی۔ تیسرے کو اخ اخیافی کہتے ہیں۔ پس اس معنے سے تو
یہاں اخوۃ مراد نہیں ہوسکتی کیونکہ جن اصحاب کے درمیان اخوت قائم کی گئی تھی وہ آپس میں اس قسم کا
رشتہ نہیں رکھتے تھے اور نہ آنحضرت صلعم اور علی ابن ابیطالبؑ کے درمیان اس قسم کی قرابت
تھی بلکہ اکثر اصحاب بالکل غیر غیر تھے کوئی کسی قوم وقبیلہ کا کوئی کسی قوم وقبیلہ کا علیٰ ہذا القیاس آنحضرتؐ
اور علی علیہ السلام چچازاد بھائی تھے جسکو عربی زبان میں ابن عم کہتے ہیں۔ نہ اخ۔ لہذا معلوم ہوا
کہ جس معنے سے اصحابکے درمیان اخوۃ قائم کی گئی یا امیر المؤمنین اور رسول خدا کے درمیان اخوت
ہوئی وہ اس معنے سے علٰحدہ کوئی معنے نہیں رکھتی ہے۔
اور وہ یہ ہو کہ جسطرح اخ اس قسم کے بھائی کو کہتے ہیں جسے اوپر بیان کیا گیا ہو اوسیطرح مددگار معین

و کارکن و شریک کار جناب رسالتمآب تھے۔ جیسا کہ جنگ احد و بدر و خیبر و خندق وغیرہ غزوات کی مدد
اور شب ہجرت میں آنحضرت کی حمایت اور آنحضرت کی طرف سے سورہ برات کی تبلیغ اور جنگ تبوک کے
موقعہ پر آنحضرت کے قائمقام رہ کر مدینہ میں انتظام واضح ہوتا ہے اسلیئے آنحضرت نے آپ کو اپنا اخ قرار دیا تھا
بلکہ خدا تعالیٰ ہی نے انکو اَخ قرار دیکر عرش وغیرہ مقامات پر آپکا نام نامی درج فرمایا جیسا کہ سابق میں مذکور ہوا
اور چونکہ ایک اَخ کا دوسرے اَخ کی غیر حاضری میں اوس کا کارکن اور قائمقام ہوتا ہے جسکو دوسرے لفظوں میں
جانشین یا خلیفہ سے تعبیر کیا جاتا ہے اسلیئے جناب امیر المؤمنین نے بارہا اس لفظ اُخ سے اپنی
خلافت کی دلیل پیش کی ہے یعنے کہ جب میں آنحضرت کا اَخ ہوں حسب فرمودہ آنحضرت اور
حسب ارشاد باریتعالیٰ تو میں ہی آنحضرت کا خلیفہ بھی ہوں۔ چنانچہ روز شوریٰ آپنے فرمایا ہے

ہل تعلمون ان رسول اللہ قال لما اسریٰ بی الی السماء السابعہ رفعت الیٰ رفاف من نور ثم رفعت
الی حجب من نور تکلمنی الجبار وقال لی اشیاء فلما رجعت من عنده نادی منادٍ من وراء الحجب نعم الاب
ابوک ابراہیم ونعم الاخ اخوک علی واستوصی بہ قالوا نعم۔ (ینابیع المودة چاپ بیروت ص ۱۴۳) اور اسیوجہ سے
جناب رسالتمآب نے بھی جہاں اس لفظ کو استعمال فرمایا ہے وہاں وصی اور خلیفہ کا لفظ بھی تاکہ معلوم
ہو جائے کہ جو کوئی کسی کا اَخ ہوتا ہے وہی اُس کے بعد اُس کا وصی و خلیفہ بھی ہوتا ہے۔ جیسا کہ ترمذی
شریف کی اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے۔

اور سید علی ہمدانی شافعی نے مودة القربیٰ کی مودة سادسہ حدیث نمبر ۴ میں اسطرح نقل کیا ہے۔

عن عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ قال رسول اللہ لما عقد المواخات بین اصحابہ قال ؐ ہذا علیؑ اخی
فی الدنیا والآخرہ وخلیفتی و فی اہلی ووصیّ فی اُمتی ووارث فی علمی وقاضی دینی مالہ منی مالی منہ نفعہ
نفعی وضره ضرّی من احبہ فقد احبّنی ومن ابغضہ فقد ابغضنی۔

نیز حموینی نے ایک حدیث طولانی میں اسی مطلب کو نقل کیا ہے۔ قام سلمان وقال یا رسول اللہ ولاء علیّ
ماذا قال ولایتہ لولائی من کنت اولی بہ من نفسہ فعلی اولیٰ بہ من نفسہ فنزلت الیوم اکملت لکم دینکم
واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا۔ فقال صلعم اللہ اکبر باکمل الدین واتمام النعمة ورضاء ربی

برسالتی وولایتہ بعدی قالو یارسول اللہ ہذہ الآیات فی علی خاصۃ قال بلی فیہ وفی اوصیائی الی یوم القیامت قالوا بینہم لنا قال علی اخی ووارثی ووصیی وولی کل مومن بعدی ثم ابنی الحسن ثم الحسین ثم التسعۃ من ولد الحسین القرآن معہم وہم مع القرآن لایفارقونہ ولا یفارقہم علی یردوا علی الحوض۔ (ینابیع المودۃ چھاپ بیروت صہ ۱۱۵)

خلاصہ یہہ کہ اخوۃ بڑا منصب ہے اور بالکل ہم معنی وصی اور خلیفہ اور امام کے ہے اگر آدمی ذرا غور کرے تو صرف یہی حدیثیں اوسکی ہدایت کیواسطے کافی ہوسکتی ہیں۔ اور بتا سکتی ہیں کہ صرف جناب علی امیر المؤمنین علیہ السلام ہی خلیفہ بلافصل اور جانشین جناب رسول مقبول کے تھے۔ لیکن افسوس تو یہہ ہے کہ لوگ فرمودۂ جناب رسول خدا کی کچھہ پرواہ نہیں کرتے اور اپنی رائے یا اگلے عقیدے اور باپ دادا کے خیالات پر جمے ہوئے ہیں خواہ وہ غلط کیوں نہ ہو۔

تیسرے عمر و مدت زندگی میں آنحضرت اور علی ابن ابیطالب میں مساوات تھے۔ صاحب زین الفتی لکھتے ہیں فان النبی خرج من الدنیا وہو ابن ثلث وستین سنۃ کما ذکرہ اصحاب الموازی والتواریخ معروف ذالک فی کتبہ وکذالک المرتضی رضوان اللہ فی احد الروایا۔

چوتھے استسقا یعنی جب پانی کا قحط ہوتا تو لوگ آنحضرت سے خواہشمند ہوتے کہ آپ اون کے لئے طلب باران کریں پس آپ خدا تعالی سے طلب باران کرتے اور حضرت کی برکت سے لوگ قحط سے امان پاتے۔ جیساکہ مروی ہے کہ ایک اعرابی آنحضرت کی خدمتمیں حاضر ہوا جبکہ آپ مدینہ میں اپنے اصحاب کے ہمراہ تشریف فرما تھے۔ اور عرض کی کہ اتیناک یارسول اللہ ومالنا بعیر ایرعوا ولا صعبا یعظم۔ اور بعضوں نے یہہ بھی روایت کی ہے کہ اعرابی مذکور نے یہہ اشعار انشاد کئے۔

اتیناک والعذرا ویدمی لبانہا	وقد شغلت ام الصبی عن الطفل
والقی بکفیہ الفتی باستکانتہ	من الجوع ہونا مایمر ومایحلی
ولاشیئ مما یاکل الناس عندنا	سوی الحنظل العامی والعلہز الفسلی
فلیس لنا الا الیک فرارنا	واین فرار الناس الا الی الرسل

جب آنحضرتؐ نے یہ اشعار سُنے اس قدر روئے کہ ریش مبارک آنسوؤں سے تر ہو گئی پھر اس شان سے اُٹھے کہ ردائے مبارک زمین پر کھسچتی جارہی تھی اور ممبر پر جا کر حمد و ثنائے الٰہی بجالائے۔ پھر کہا

اللّٰھم اسقا غیثا مغیثا غدقا طبقا عاجلا غیر اجل نافعا غیر ضار ملیا رابه الضرع وینبت به الزرع وتحیی به الارض بعد موتھا وکذالک تخرجون۔ ابھی یہ دعا آپ کی ختم نہ ہوئی تھی کہ آسمان پر ابر محیط ہو گیا اور اسقدر مینہ برسا کہ صحرا نشین فریاد کرتے آئے کہ الغراق الغراق یہ سُنکر آنحضرتؐ نے جناب باری میں عرض کی حوالینا لا علینا پس ابر پراگندہ ہو گیا کیونکہ ضرورت پوری ہو چکی تھی یہ دیکھکر حضرت نے فرمایا للّٰہ ابیطالب لو کان حیا لقرت عیناہ من ینشدنی قوله۔ ابوطالب کو خدا جزائے خیر دے اگر وہ اسوقت زندہ ہوتے تو اس کیفیت کو دیکھکر اون کی آنکھیں خنک ہوتیں کون ہو کون ہے جو اُن کے اشعار کو میرے سامنے پڑھے؟ اُسوقت علی ابن ابیطالبؑ نے اُٹھکر یہ شعر جناب ابوطالبؑ کے پڑھے۔

وابیض یستقی الغمام بوجھه — ربیع الیتامیٰ عصمة للارامل
یلوذ به الھلاک من آل ھاشم — فھم عنده فی نعمة وفواضل

علیٰ ھذا القیاس علی مرتضیٰ رضوان اللّٰہ علیہ نے بھی طلب باران کیا ہو کہ آپ کی دعا کی برکت سے مینہ برسا ہو چنانچہ عاصمی لکھتے ہیں روی لنا جعفر بن محمد عن ابیه عن جدہ قال اجتمع الیٰ علی ابن ابیطالب کرم اللّٰہ وجھه قوم فشکوا الیه قلة المطر فقالوا یا امیر المومنین ادع لنا بدعوات فی الاستسقاء فدعا علی ابن ابیطالب الحسنؑ والحسینؑ فقال للحسنؑ ادع بدعاء فی الاستسقاء فقال الحسنؑ اللّٰھم وذکر دعاء بلفظه ثم قال للحسینؑ ادع بدعاء فی الاستسقاء فقال الحسینؑ اللّٰھم معطی الخیرات الخ فما فرغنا من دعائھما حتیٰ صلب اللّٰہ علیھم الماء صبا۔

پانچویں اسم عبودیتہ ہر قبہ چنانچہ خدا تعالیٰ آنحضرت کی نسبت فرماتا ہو وانه لما قام عبد اللّٰہ یدعوہ (اور جبکہ خدا کا بندہ محمدؐ اُس سے دعا کرنے کھڑا ہوا) اور نیز فرمایا ہے وان کنتم فی ریب مما نزلنا علیٰ عبدنا (اور اگر تم شک کرتے ہو اُس کتاب سے جسے ہمنے اپنے محمدؐ پر نازل کی) نیز فرمایا سبحان الذی اسریٰ

بعبدہ لیلاً الی المسجد الحرام الی المسجد الاقصیٰ (پاک ہی وہ معبود جو رات کیوقت لے گیا اپنے بندیکو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک) یہہ عبدیت کا وہ لقب تہا جس سے آنحضرت بیحد مسرور ہوئے تھے اور فی الواقع بہی ایسا ہی ہونا چاہئے تھا۔ کیونکہ اگرچہ مخلوقات الٰہیہ اور ذات الانفس بہی اُس کے بندی ہیں لیکن جو اس تخصیص میں کیفیت اور ذائقہ ہی وہی شخص جان سکتا ہی جسے خدا تعالیٰ کے بندے ہونیکا شرف حاصل ہے گویا اس خطاب سے یہہ بات ظاہر ہوگئی کہ آنحضرت نفس کے بندے نہ تھے زر کے بندے نہ تھے دنیا کے بندے نہ تھے۔ حب الناس کے بندے نہ تھے۔ جسطرح لوگ ان چیزوں کے بندی بنجایا کرتے تھے بلکہ خاص خدا کے اور اُسی سے تعلق رکہنے والے بندے تھے۔ نیز مسرور ہونیکی یہہ وجہ تھی کہ اس خطاب سے آپ کو اطمینان ہوگیا کہ جسطرح عیسیٰؑ کے بعد اون کی اُمت نے اُنہیں خدا یا خدا کا بیٹا کہا مجہہ کو ایسا میری اُمت کے لوگ نہ کہینگے۔ علیٰ ہذا القیاس امیر المؤمنینؑ بھی اس خطاب سے بہت مسرور شادکام ہوتے تھے چنانچہ عاصمی لکھتے ہیں فکذالک المرتضیٰ رضوان اللہ علیہ فی تسمیتہ عبد اللہ ردًا علی الفرقۃ الغالیۃ۔ پھر لکھتے ہیں روی عن محمد بن اسحٰق باسنادہ الیٰ علیؑ قال انا عبد اللہ و اخو رسول اللہ وانا الصدیق الاکبر لایقولہا بعدی الا کاذب۔ یعنے محمد بن اسحاق راوی ہی کہ علی ابن ابیطالبؑ نے فرمایا میں عبد اللہ ہوں اخو رسول اللہ ہوں اور میں صدیق اکبر ہوں نہ کہیگا اُس کو میری بعد مگر کاذب۔ یعنے میرے سوا جو کوئی اپنے تئیں صدیق کا لقب دیگا وہ جہوٹا لقب ہوگا۔ حضرتؑ کے خوش ہونیکی یہی وجہ تھی کہ لفظ عبد اللہ سے فرقہ غالیہ کی رد ہی جو آپکو خدا کہتا ہی تھے عفو مغفرت چنانچہ خدا تعالیٰ نے آنحضرت کی نسبت فرمایا لیغفر لک اللہ ما تقدم من ذنبک وما تاخر (تاکہ بخشدی اللہ تمہاری گناہ (یعنے تمہاری اُمت مرحوم کے گناہ) خواہ وہ مقدم ہوں یا مؤخر) اور جناب امیر المؤمنین علی ابن ابیطالبؑ کی نسبت فرمایا ان اللہ باہی بکم فی ہذا الیوم فغفر لکم عامۃ وغفر علی خاصۃ" یعنے روز عرفہ آنحضرت نے فرمایا ایہا الناس آج خدا تعالیٰ نے تمپر مباہات کی پس تمہیں عموماً اور علیؑ کو خصوصاً بخشدیا۔

ساتویں اذن واعیہ خدا تعالیٰ نے رسول اللہ کو اذن خیر کا خطاب دیا ہی۔ چنانچہ فرماتا ہی

یقولون ہو اذن یعنے منافقین کہتے ہیں ہمارے رسولؐ کو کہ وہ اذن اکان ہی کان ہی ہیلے برے سب لیتا ہی قل اذن خیر لکم (اے رسول کہدو کہ میں محض اذن نہیں ہوں بلکہ اذن خیر ہوں تمہارے واسطے) اور علی ابن ابیطالبؑ کو اذن واعیہ کا خطاب دیا اور فرمایا وتعیہا اذن واعیہ

چنانچہ عامی لکھتے ہیں اخبرنا محمد ابن ذکریا باسنادہ الی ابی الدنیا المعمر قال سمعت علیاً یقول لما نزلت ہذہ الآیۃ وتعیہا اذن واعیہ قال لی رسول اللہ سالت اللہ عز وجل ان یجعلہا اذنک یا علی - یعنے مجھ کو خبر دی محمد بن ذکریا نے اپنے اسناد سے ابوالدنیا معمر سے اُس نے کہا کہ میں نے علیؑ سے سنا فرماتے تھے کہ جب آیۃ وتعیہا اذن واعیہ نازل ہوا تو مجھ سے فرمایا رسول خدا نے کہ میں نے خدا سے درخواست کی ہے کہ یہ صفت یعنے اذن واعیہ خاص تمہارے ہی لیئے اے علی قرار دی۔

آٹھویں حفظ وعصمت - چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہی انما یرید اللہ لیذہب عنکم الرجس اہل البیت ویطہرکم تطہیرا جسمیں آنحضرتؐ اور علی ابن ابیطالبؑ معہ جناب فاطمہؑ اور حسنین علیہم السلام کے شریک عصمت وطہارت ہیں (چنانچہ بہت تفصیل سے آئندہ معلوم ہوگا)

نویں امر واطاعت - یعنے جس طرح کہ خدا تعالیٰ نے اطاعت رسولؐ کو اُمت پر فرض کیا ہی اوسیطرح علی ابن ابیطالب کی اطاعت کو بھی اُمت پر لازم فرمایا ہے چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد ہوا ہے من یطع الرسول فقد اطاع اللہ جو کوئی رسول کی اطاعت کرے اُس نے خدا کی اطاعت کی - ابوذر نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا من اطاعنی فقد اطاع اللہ ومن عصانی فقد عصی اللہ ومن اطاع علیاً فقد اطاعنی ومن عصی علیاً فقد عصانی - جسنے میری اطاعت کی اُس نے خدا کی اطاعت کی اور جس نے میری مخالفت کی اُسنے خدا کی مخالفت کی - اقول - اگر اس اطاعت کے معاملہ میں علمائے عامی آیۃ اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم سے دلیل پیش کرتے تو زیادہ مناسب ہوتا -

دسویں ایذا ومحنت - یعنے جسطرح رسول اللہ کو ایذا پہونچانی حرام ہی اوسیطرح علی ابن ابیطالبؑ کو بھی ایذا پہونچانی حرام ہی - خدا تعالیٰ فرماتا ہے - ان الذین یؤذون اللہ ورسولہ لعنہم اللہ

فی الدنیا والآخرہ واعدلہم عذاباً مہینا - یعنی جو لوگ خدا اور اُس کے رسول کو ایذا دیتے ہیں اُنپر دُنیا و آخرت میں خدا کی لعنت ہے اور اُن کے ذلیل کرنے کے واسطے عذاب مہیا کر رکھا ہی -

اور رسول خدا صلعم نے فرمایا ہے من اذیٰ علیاً فقد اذانی - جس نے علی کو ایذا دی اُسنے مجھ کو ایذا دی نیز فرمایا ہے من اذانی فی عترتی فعلیہ لعنۃ اللہ جس نے مجھ کو میری عترت کے معاملہ میں ایذا دی اُسپر خدا کی لعنت ہی - (یہ حدیث تاریخ الطالبین میں مذکور ہے)

گیارہویں حب و مودت -

بارہویں بغض و عداوت - یعنی جسطرح رسول خدا سے محبت رکھنے کا حکم ہر مسلم کو دیا گیا ہی اوسیطرح علی ابن ابیطالبؑ سے بھی محبت رکھنے کا حکم دیا گیا ہی اور جس طرح اُن سے بغض رکھنا حرام و ممنوع ہے اوسیطرح ان سے بھی ملاحظہ ہو خدا تعالیٰ اپنی محبت کو رسول کی متابعت اور اُن کے ساتھ محبت رکھنے پر معلق فرماتا ہی قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ اے رسول مسلمانوں سے کہدو کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو - تم کو اللہ دوست رکھیگا - علیٰ ہذا القیاس رسول خدا صلعم نے علیؑ کے ساتھ محبت رکھنے کو اپنے ساتھ محبت رکھنے اور علی کے ساتھ عداوت رکھنے کو اپنے نفس سے عداوت رکھنے سے تعبیر فرمایا ہے چنانچہ ابن عباس سے مروی ہی کہ ان النبیؐ نظر الیٰ علی فقال من احبک فقد احبنی ومن ابغضک فقد ابغضنی وبغیضک غیض اللہ والویل لمن ابغضک بعدی - یعنی رسول اللہ نے علی کی طرف نظر کرکے فرمایا کہ جو کوئی تم سے محبت رکھی اُس نے مجھ سے محبت رکھی اور جو تمہارا دشمن ہی وہ میرا دشمن ہی اور تمہارا دشمن خدا کا دشمن ہی اور جو کوئی تم سے بغض رکھی اوس کے لیئے ویل ہے - اسیطرح نعمان بن بشیر کی روایت ہی کہ رسول اللہؐ نے فرمایا - کہ جو شخص قل ہو اللہ احد ایک مرتبہ پڑھے گویا اُسنے ایک تہائی قرآن مجید پڑہا اور جس نے اس سورہ کو دو مرتبہ پڑہا اُسنے گویا دو حصے قرآن مجید پڑہا اور جس نے اسے تین مرتبہ پڑہا اُسنے گویا سارا قرآن مجید پڑھ لیا - آگاہ ہو کہ جس نے علیؑ سے بدل محبت رکھی اُسے پروردگار عالم اس اُمت کی تہائی کا ثواب عطا فرمائیگا - اور جو کوئی ان سے دل اور بدن سے محبت رکھے اُسے خدا تعالیٰ دو تہائی کا اس

اُمت کے ثواب عطا فرمائیگا۔ اور جو کوئی ان سے دل و بدن و زبان سے محبت رکھے اُسے خدا یتعالیٰ اس تمام اُمت کا ثواب عطا فرمائیگا۔

اسلاح کی اور بہت سی روایتیں ہیں جنہیں عاصمی نے نقل کیا ہے۔ اور علامہ شوستری نے انہیں روایح القرآن میں درج فرمایا ہے۔

تیرہویں خلاف و مفارقت ہے۔ چنانچہ رسول اللہ نے فرمایا ہے یا علی من فارقنی فقد فارق اللہ و من فارقک فقد فارقنی۔ یا علیؑ جس نے مجھ سے جدائی اختیار کی اُسنے خدا سے جدائی اختیار کی۔ اور جس نے تم سے جدائی اختیار کی اُس نے مجھ سے مفارقت کی۔

چودہویں سبّ و شتم ہے یعنی جس نے علیؑ کو سب کیا اُسنے گویا رسول اللہ کو سبّ کیا اور بالعکس چنانچہ ابو اسحاق سے مروی ہے۔ یقول حججت وانا غلام فاذا الناس عنق واحد فاتبعتہم فدخلوا علیٰ ام سلمہ فسمعت ہا تقول یا شبیث بن ربعی فاجابہا رجل من خلف لبیک یا اماہ وقالت ایسبّ رسول اللہ فی نادیکم قال وانی ذالک قال فعلی ابن ابیطالبؑ قال انا لنقول شیئا قالت فانی سمعت رسول اللہ من سبّ علیاؑ فقد سبنی ومن سبنی فقد سب للہ وہ کہتا ہے کہ میں نے ایکسال حج کیا تو آدمیوں کو دیکھا کہ مجمع کیئے ہوئے جارہے ہیں۔ میں بھی اُن کے پیچھے ہولیا پس سب وہ لوگ ام سلمہ کی خدمتمیں حاضر ہوئے تو میں نے ام سلمہ کو کہتے ہوئے سُنا کہ اے شبیث بن ربعی تو ایک شخص کو پس پشت سے سُنا کہ کہتا تھا لبیک یا اماہ تو جناب ام سلمہ نے فرمایا کہ تمہاری مجلس میں رسول خدا کو سب کیا جاتا ہے (گالیاں دیجاتی ہیں) اوسنے جواب دیا کہ یہہ کہاں ہوتا ہے تو اُنہوں نے کہا کہ علی ابن ابیطالبؑ (یعنے اونکو سب کیا جاتا ہے) اُسنے کہا کہ ہاں میں تو کچھہ کہتا ہوں" تو ام سلمہ نے فرمایا کہ میں نے رسولخدا کو فرماتے ہوئے سُنا ہے کہ جو شخص علی کو سب کرے اوسنے گویا مجھہ کو سب کیا اور جس نے مجھکو سب کیا اُس نے خدا کو سب کیا۔

پندرھویں سود و رفعت (مہتری و سربلندی مرتبہ) جس طرح جناب رسالتمآبؐ کو سیادت کا خطاب ملا اوسیطرح جناب امیر المومنین علیہ السلام کو یہہ خطاب ملا۔ پروردگار عالم نے اپنے رسولؐ کو سید فرمایا ہے۔

یٰسین والقرآن الحکیم یعنی اے سید قسم قرآن حکیم کی" اور نیز جناب رسالتمآب نے فرمایا ہے اذا بعثوا و سابقہم اذا اوردو ومبشرہم اذا ابلسوا واماہم اذا سجدوا واقربہم مجلساً من الرب تعالیٰ اذا جتمعوا اتکلم فیصدقنی فاشفع فیشفعنی واسئل فیعطینی" اور جناب امیر المؤمنین علیہ السلام کی نسبت ابن عباس سے مروی ہے ان النبی صلعم نظر الی علیؑ فقال انت السید فی الدنیا والآخرہ من احبک فقد احبنی ومن ابغضک فقد ابغضنی

سولہویں اولویتہ اور احقیت ہے۔ جسمیں نبی صلعم وعلیؑ مساوی ہیں۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے ان اولی الناس بابراہیم للذین اتبعوہ وہذا النبی۔ حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ اولویتہ رکھنے والے بیشک وہ لوگ ہیں جنہوں نے اونکی تبعیت کی اور نیز یہ نبی (بھی اون کے ساتھ اولویت رکھنے والا ہے) نیز فرماتا ہے۔ النبی اولی بالمؤمنین من انفسہم" یہ نبی تمام مؤمنین کے جانوں سے اولیت رکھنے والا ہے۔ اور رسول خدا نے خود اس آیت کے نزول کے بعد ان اولی بکل مؤمن ومؤمنۃ فرمایا۔ علیٰ ہذا القیاس امیر المؤمنین علیہ السلام کی نسبت رسول خدا نے فرمایا ہو اولی الناس بکم بعدی۔ چنانچہ اس حدیث سے واضح ہوتا ہے جسے عاصمی نے نقل کیا ہے عن وہب بن حمزہ قال صحبت علیاً الی مکۃ فرائیت منہ بعض ما اکرہ فقلت لئن رجعت الی رسول اللہ لاشکونک قال فلما رجعت لقیت النبی فقلت انی رائیت من علی کذا فقال لاتقل ہذا لعلی وہو اولی الناس بکم بعدی۔ (مذکور فی کتاب الوجدان لابن طحان)

سترہویں مولا اور ولایت میں دونو بزرگوار مساوی ہیں چنانچہ عاصمی لکھتے ہیں قال النبی من کنت مولاہ فعلی مولاہ۔ وعن عبد الرحمن بن ابی لیلا قال نشد علی الناس ان سمع رسول اللہ یقول من کنت مولاہ فان علیاً مولاہ اللہم وال من والاہ وعاد من عاداہ فقام اثنا عشر بدریا فقالوا نشہد انا سمعنا رسول اللہ یقول الست اولی بالمؤمنین من انفسہم قال فقلنا بلی قال اللہم من کنت مولاہ فہذا علی مولاہ اللہم وال من والاہ وعاد من عاداہ۔

اٹھارہویں لواء اور رایت۔ چنانچہ حذیفہ یمان سے مروی ہے۔ قال اصحاب النبی صلعم یا رسول اللہ ابراہیم خلیل الرحمن وعیسیٰ کلمۃ اللہ وروحہ وموسیٰ کلمہ اللہ تکلیما فما اعطیت انت قال ولد آدم کلہم تحت رائیتی وانا اول من افتح لہ باب الجنۃ۔ آنحضرت کے اصحاب نے عرض کی اے رسول خدا ابراہیم

خلیل اللہ تو خلیل الرحمن ہیں اور حضرت عیسیٰ کلمۃ اللہ اور روح اللہ ہیں۔ حضرت موسیٰ سے پروردگار عالم نے کلام کیا اب آپ بتائیے کہ آپ کو وہاں سے کیا ملا۔ فرمایا کہ اولاد آدم سب کے سب میرے ہی لواء (جھنڈے) کے نیچے (قیامت کے روز) رہینگے اور میں پہلا وہ شخص ہوں کہ جسکے لئے جنت کا دروازہ کھولا جائیگا۔

نیز ضحاک بن مزاحم سے مروی ہے کہ رسول خدا نے فرمایا کہ میں قیامت کے دن اسطرح آؤنگا۔ کہ ابوبکر تو میرے داہنے طرف ہونگے اور عمر بائیں طرف اور عثمان پیچھے ہونگے اور علی میرے ساتھ ہونگے اُنہیں کے پاس لواء الحمد ہوگا اُسروز لواء الحمد کے دو پھریرے ہونگے ایک پھریرا سندس کا ہوگا اور ایک پھریرا استبرق کا ہوگا۔ یہ سنکر ایک اعرابی اُٹھ کھڑا ہوا اور عرض کی کہ علی کو لواء الحمد کے اُٹھانیکی طاقت ہوگی۔ آپنے فرمایا کس طرح طاقت نہ ہوگی۔ حالانکہ انکو چند خصلتیں دی گئی ہیں۔ صبر تو میرے صبر کے مانند ہو اور حسن مثل حسن یوسف کے اور قوت مثل جبرئیل کی قوت کے بیشک لواء الحمد علی کے ہاتھ میں ہوگا۔ اور تمام خلائق اُسروز میرے لواء کے نیچے ہوگی۔

اقول اس روایت میں یاروں نے تین یاروں کو بھی ٹھوس دیا ہو ورنہ دراصل یہاں صرف حضرت علی ابن ابیطالبؑ کی فضیلت کا بیان مقصود تھا۔

اُنیسویں اولیت اور سبقت۔ یعنے جس طرح دین ومذہب میں جناب رسالتمآبؐ کو اولیت اور سبقت کا درجہ حاصل ہے اوسیطرح جناب امیر علیہ السلام کو بھی پروردگار عالم فرماتا ہے۔ قل اِنَّ صلواتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العالمین لاشریک لہٗ وبذالک اُمرت وانا اول المسلمین کہدو اے رسولؐ کہ میری نماز اور میری عبادت اور میری زندگی اور میری موت خدا ہی کے واسطے ہی جو تمام جہان کا پالنے والا ہی۔ جس کا کوئی شریک نہیں اور اسی کا مجھ حکم دیا گیا ہی اور میں پہلا مسلمان ہوں۔ نیز ان سے مروی ہی۔ میں نے رسول خدا کو فرماتے ہوئے سُنا۔ آن لاول المسلمین تنشق (یعنی الارض) عن جمجمتی یوم القیامۃ ولافخر واعطی لواء الحمد ولافخر وانا سید الناس یوم القیامۃ ولافخر وانا اول من یدخل الجنۃ یوم القیامۃ ولافخر"۔ بیشک میں پہلا

آدمی ہوں گا جو زمین سے نکلیگا قیامت کے دن مگر مجھے کوئی فخر نہیں اور مجھے لواء الحمد عطا کیا جائیگا اور کوئی فخر نہیں۔ اور میں قیامت کے روز سید الناس ہوں اور کوئی فخر نہیں اور میں پہلا وہ شخص ہوں جو جنت میں جائیگا اور مجھے کوئی فخر نہیں۔

علیٰ ہذا القیاس امیر المؤمنینؑ کی نسبت روایت میں وارد ہے چنانچہ عاصمی نے ایک طولانی روایت میں نقل کیا ہے کہ جناب رسالتمآب نے فرمایا ویحک بن ندفعینہ عنی واللہ انہ لاول بنی آدم ینفض راسہ من التراب یوم القیمۃ یکلمنی۔ اور سلمان فارسی سے یہ روایت ہے اولکم واردۃ علی الحوض اولکم اسلاما علی ابن ابیطالب۔

بیسویں صاحب وصحبہ کا خطاب ہے کہ اسمیں دونو بزرگوار مساوی ہیں خدا تعالی فرماتا ہے ماصاحبکم بمجنون یا یہ کہ ماضل صاحبکم وماغوی۔ ان آیتوں میں خدا نے رسولؐ کو صاحب فرمایا ہے۔ اور امیر المؤمنین کی نسبت رسول خدا صلعم نے فرمایا۔ یاعلی انت مولی اللہ ومولی رسولہ یاعلی انت منی وانا منک انت اخی وصاحبی۔

اکیسویں۔ تشبیہ بالشجرہ ہے۔ چنانچہ احد القولین کی بناپر خدا تعالی نے قرآن مجید میں اپنے رسولؐ کو شجرہ سے تشبیہ دی ہے۔ اور فرمایا ہے یوقد من شجرۃ مبارکۃ زیتونیہ اور رسول خدا نے اپنے اور اہلبیت کی نسبت فرمایا ہے انا شجرۃ اصلہا وعلی اغصانہا وفاطمۃؑ فرعہا والحسنؑ والحسینؑ ثمرتہا من تعلق بغصن من اغصانہا نجی ومن تخلف عنہا هوی فلا استظل لوائی یوم القیمۃ۔

بائیسویں تشبیہ تسمیہ (یعنے نام رکھے جانے میں مشابہت ومساوات ہے) جناب آمنہ مادر گرامی جناب ختمی مآب صلوات اللہ علیہ وعلی آلہ الاطیاب سے مروی ہے کہ جب حمل قرار پایا آنحضرتؐ کا تو ایک شخص آیا اور اُس نے یہ بشارت دی کہ انک قد حملت بسید ہذہ الامۃ فاذا وقع الی الارض فقولی اعیذہ بالواحد من شر کل حاسد ثم سمیہ محمد الخ اے آمنہ تو اس اُمت کے سردار وسید کے ساتھ حاملہ ہوئی ہے۔ پس یہ بچہ پیدا ہو تو کہنا اُعیذہ بالواحد من شر کل حاسد اور اُس کا نام محمدؐ رکھنا۔

عاصمی نے بائیسویں وجہ مساوات یہ لکھی ہے کہ جسطرح آنحضرتؐ کے والدین کافر تھے اور آخر عمر تک اسلام

نہ لائے اور عام کفر میں مرے - اسیطرح جناب امیر المؤمنین علیہ السلام کے والدین بھی کافر ہی مرے - مگر چونکہ یہ ایسی بات ہی جسے علمائے اہلسنت نے ہی جھوٹ اور لغو بنایا ہے - چنانچہ پہلی کی نسبت علامہ سیوطی صاحب تفسیر درمنثور وصاحب تاریخ الخلفاء نے چند رسالے اس بارہیں لکھے ہیں کہ ابوین جناب رسالتمآبؐ کے مسلم و باایمان دنیا سے گئے - اور دوسرے امر کی نسبت رسالہ اسنی المطالب فی نجات ابیطالب مطبوعہ مصر اور دیگر تحریرا سقیلیہ میں موجود ہیں لہذا میں آگے اس مقام پر نظر انداز کرتا ہوں -

یہ وہ تیئس وجہیں مساوات ومشابہت کی ہیں جنہیں ایک زبردست عالم اہل سنت وجماعت نے لکھا ہی اور میں نے انہیں اس مقام پر نقل کیا ہی ورنہ ان وجوہ کے علاوہ اور بھی وجوہ مساوات ومشابہت ہیں جن کو علمائے کرام نے اپنی کتب میں وارد کیا ہی چنانچہ جناب علامۃ النھامہ باقرتر من قدوۃ الاکیاس المفتی سید محمد عباس رحمہ اللہ نے کتاب روائح القرآن میں ان وجوہ کے علاوہ اُنتالیس وجہیں مساوات ومشابہت کی تحریر فرمائی ہیں جو چاہے وہ اس کتاب محترم پر نظر کرے -

بیسویں آیت - (سورہ آل عمران)

واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا - (سورہ آل عمران) خدا کی رسی کو سب ملکر مضبوط تھام لو اور آپسمیں تفرقہ نہ ڈالو " یعنی تمام مسلمانوں کا فرض ہی کہ مذہب میں اختلاف آراء پیدا کرلے - آپسمیں پھوٹ نہ ڈالیں بلکہ سب ایک ہی راہ چلیں - اور راہ کیا ہی ؟ وہ وہی راہ ہی جسکو خدا تعالیٰ نے اس آیت حبل اللہ (خدا کی رسی) سے تعبیر کیا ہے -

مولوی عبید اللہ بسمل امرتسری اپنی کتاب ارجح المطالب میں تحریر فرماتے ہیں عن جعفر بن الصادق فی تفسیر ہذہ الآیۃ انہ قال نحن حبل اللہ (اخرجہ الثعلبی فی تفسیرہ وعلامہ ابن حجر فی الصواعق) یعنی امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپنے فرمایا حبل اللہ سے مراد ہم لوگ (ہم اہلبیتؑ وائمہ حق) ہیں صـ۸۵ ارجح المطالب چاپ لاہور - اس مطلب کو صاحب کتاب نے اپنے یہاں کے بہت بڑے کامل مفسر ثعلبی اور علامہ ابن حجر مکی کی صواعق محرقہ سے نقل کیا ہے -

واضح ہو کہ کتاب صواعق محرقہ ابن حجر مکی مطبوعہ مصر صـ۹ میں اُن آیات کے ذیل میں جن کا نازل ہونا

شان ائمہ ہدیٰ اور اہلبیت طاہرین میں تسلیم کیا ہی۔ مصنف نے اس آیات کا پانچواں نمبر واقع ہوا ہی
چونکہ مصنف نے اس آیت کا نزول خاص ائمہ ہدیٰ کی نسبت مان لیا ہی اور کوئی رد و قدح نہیں کی بلکہ
مع شئی زاید لطیف اپنی کتاب میں مندرج فرمایا ہی لہذا مناسب معلوم ہوا کہ اونکی عبارت بعینہ نقل کی جائے
جس سے واقعیۃ اور حقیقۃ کا پتہ خوب واضح ہو۔

ابن حجر لکھتے ہیں۔ اخرج الثعلبی فی تفسیرہا (ای تفسیر ہذہ الآیۃ) عن جعفر الصادق رضی اللہ عنہ
انہ قال نحن حبل اللہ قال اللہ واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا" وکان جدہ زین العابدین اذا تلا
قولہ تعالیٰ یا ایہا الذین آمنوا اتقوا اللہ وکونوا مع الصادقین یقول دعاء طویلا یشتمل علی طلب اللحوق بدرجۃ
الصادقین والدرجات العلیۃ وعلی وصف المحن وما انتحلتہ المبتدعۃ المفارقون لائمۃ الدین والشجرۃ النبوۃ
ثم یقول وذھب الآخرون فی تقصیر امرنا واحتجوا بمتشابہ القرآن فتاولوا بارائہم واتہموا ماثور الخبر۔
(الی قال) فالی من نفرغ خلف ہذہ الامۃ ودرست اعلام ہذہ الملۃ ودانت الامۃ بالفرقۃ والاختلاف
یکفر بعضہم بعضا واللہ تعالیٰ یقول ولا تکونوا کالذین تفرقوا واختلفوا من بعد ما جاءہم البینات من الموثوق
بہ الی ابلاغ الحجۃ وتاویل الحکم الی اہل الکتاب وابناء ائمۃ الہدیٰ ومصابیح الدجی الذین احتج
اللہ بہم علی عبادہ ولا یدع الخلق سدیٰ من غیر حجۃ ہل تعرفونہم او تجدونہم الا من فروع الشجرۃ
المبارکۃ وبقایا صفوۃ الذین اذہب اللہ عنہم الرجس وطہرہم تطہیرا وبرءہم من الآفات وافترض مودتہم
فی الکتاب۔ (صواعق صنہ ۹۰-۹۱)

کسقدر افسوس ہی کہ علمائے اہل سنت ایسے ایسے مضامین کو قابل اعتبار و صحیح سمجھکر اپنی کتابوں میں
درج کرتے ہیں اور پھر اُن مطالب پر غور نہیں فرماتے۔ اور نہ اپنی خیالات کو واپس لیتے ہیں۔
اس کلام کے بلا رد و قدح درج کرنے سے معلوم ہوتا ہی کہ ابن حجر کو اسکی صحت کا یقین ہی پھر لطف یہ کہ
مقصد کلام نہ سمجھے اور نہ اوسکے موافق کاربند ہوئے۔ امام علیہ السلام کا یہ کلام من اولہ الی آخرہ
ثابت کرتا ہی کہ امامت حقہ اور خلافت مستحقہ اگر کسی خاندان میں ہو سکتی ہی تو وہ ہمارا خاندان ہی اور اگر خلفائے
الہیہ واقعیہ کوئی ہو سکتے ہیں تو وہ ہم ہیں اور علامہ ابن حجر یقیناً اس مطلب کو سمجھ رہے ہیں مگر پھر اپنی رائے سابق پر

رہ کر خلفائے جابرین کو خلیفہ بناتے ہیں۔

بالجملہ حاصل عبارت منقولہ کا یہہ ہی کہ ثعلبی نے اسکی تفسیر مین جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سے نقل کیا ہی کہ آپنے فرمایا ہم حبل اللہ (خدا کی رسی) ہیں۔ باری تعالی فرماتا ہی۔ واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً ولا تفرقوا۔ (اللہ کی رسی کو مضبوط تھام لو اور متفرق نہ ہو) اس کے بعد علامہ ابن حجر لکھتے ہیں کہ حضرت امام جعفر صادق کے دادا امام زین العابدین علیہ السلام جب خدا تعالی کا یہہ قول یا ایہا الذین آمنوا اتقوا اللہ وکونوا مع الصادقین تلاوت فرماتے تھے تو ایک طولانی دعا کیا کرتے جسمین صادقین کے درجہ تک پہونچنے اور عالی درجات کے حاصل ہونے کی خدا سے درخواست کرتے اور اپنے رنج کو اور جو امور کہ تفرقہ اندازوں بدعتوں نے ائمہ دین اور شجرہ نبوت کی طرف منسوب کی ہیں اُسے بیان فرماتے تھے۔ اور پھر یہہ کہتے تھے کہ وذہب الآخرون الخ یعنی اور دیگر اشخاص نے ہمارے امر میں کوتاہی کی (یعنی ہمیں مرتبہ خلافت سے علیحدہ کر دیا اور جہال کو خلیفہ بنا دیا) اور آیات متشابہہ قرآنیہ کو دلیل پیش کرنے لگے۔ اپنی اپنی رائے سے اسکی تاویلیں کیں۔ اور حدیث مروی (جو رسول اللہ سے روایت کیگئی ہی) پر تہمت لگائی۔ یہانتک کہ آپنے فرمایا) پس کسطرف اس اُمت کے پچھلے لوگ رجوع کرینگے حالانکہ جو اس مذہب کے علم ونشانات (یعنی ہدایت کرنے والے) تھے وہ مندراس ہوگئے اور آپسمیں اُمت نے تفرقہ ڈال لیا۔ (یعنی کتنے ہی فرقوں پر تقسیم ہوگئی) اور اختلاف پیدا کر لیا۔ ایک دوسرے کو کافر بتاتا ہی۔ حالانکہ پروردگار عالم فرماتا ہی لاتکونوا کالذین تفرقوا واختلفوا من بعد ماجاءہم البینات۔ (تم اُن لوگوں کے مانند نہ ہو جاؤ جنہوں نے آپسمیں تفرقہ اندازی کی اور دلیلوں کے آجانے کے بعد بھی آپسمیں اختلاف کر بیٹھے۔ (جیسے یہود ونصاریٰ) پس اب کون ہی جسپر حجۃ خدا کی پہونچانے اور اہل کتاب تک تاویل حکم کے ابلاغ میں اعتماد کیا جائے۔

حالانکہ ائمہ دین کے فرزند اور تاریکیوں کے چراغ (یعنی امام برحق اور خلیفۃ اللہ مطلق) وہی لوگ ہیں جنکے ذریعہ سے خدا تعالی نے اپنے بندوں پر حجۃ تمام کی ہی اور خلق کو بغیر حجۃ (اور امام ناطق) کے مہمل نہیں رکھا (بلکہ اپنی حجتوں کو تم میں پیدا کر دیا ہی اور وہ ائمہ دین ہیں) کیا تم ان حجتوں اور ائمہ ہدیٰ کو شجرہ مبارکہ

(رسالت) اور بقیہ برگزیدگان خدا کے علاوہ کسی اور کو پا سکتے یا جانتے ہو۔ جن سے کہ خدا نے ہر طرح کی برائی کو دفع کیا ہے اور خوب پاک و طاہر فرمایا ہے اور آفتوں (جہالت و امراض متفرقہ) سے اونکو صحیح رکھا ہے اور اُنکی محبت کو قرآن میں لازم و واجب بنایا ہے۔

حاصل یہہ ہوا کہ اُمت نے بلاوجہ آپسمیں تفرقہ کر لیا حالانکہ ہم ائمہ دین اور ہادیان راہ یقین جن کی شان میں آیہ تطہیر نازل ہوئی موجود ہیں۔ بس چاہئیے کہ اُمت ہماری طرف رجوع کرے اور معاملہ دینی میں ہم سے مدد لیں۔ اور اُمور حقیقیہ کو ہم سے دریافت کریں۔ نہ یہہ کہ زید و عمر و بکر کو اپنا پیشوا بنائیں اور اپنے دین کو خراب کریں اور اپنے مذہب میں خلل ڈالیں"

یہہ تھا حاصل کلام امام علیہ السلام کا جو بنیاد خلافت تیمیہ و عدویہ و امویہ و عباسیہ کو منہدم کرتا اور اساس امامت خاندان علویہ کو مستحکم بناتا ہے۔ فتبصروا فخبہ عبرۃ للمتوسمین۔

اکیسویں آیت

(پ ۴ ع ۵ سورہ آل عمران)

ولیمحص الذین آمنوا ویمحق الکافرین۔ اس آیت سے ماقبل یہہ آیت ہے۔ وتلک الایام نداولہا بین الناس ولیعلم الذین آمنوا ویتخذ منکم شہداء واللہ لایحب الظالمین" ولیمحص الذین آمنوا ویمحق الکافرین۔

ان ایام (یعنے اوقات فتح و ظفر و اقبال) کو ہم گردش دیتے رہتے ہیں لوگوں کے ہاتھ میں (آج کسی کا غلبہ ہے تو کل کسی کا آج کوئی فتح مند ہے تو کل کوئی۔ ؎ اعتبارے نیست ہرگز طائر اقبال را + ایں کبوتر ہر زماں مشتاق بام است +) اور تاکہ ایمان والوں کا حال معلوم ہو جائے۔ (کہ کون ثابت قدم ہے اور کون بے صبر ہو کر دین کھو بیٹھتا ہے) اور تاکہ تم میں سے شہداء منتخب کرے۔ (جو احوال اُمت کے ناظر ہو سکیں) اور خدا ظالم کو پسند نہیں کرتا اور تاکہ ایمان والوں کو پاک کرے۔ اور کافروں کو مٹا دے۔

ان آیات میں اس امر کو دکھایا ہے کہ دنیا دول ہے آج ایک کے پاس کل دوسرے کے پاس اس سے غرض نیک و بد کا ممتاز ہو جاتا ہے۔ اور کھوٹے کھرے کا الگ الگ دکھائی دیجانا۔ اگر ایک حالت پر دنیا رہتی تو کبھی یہہ حالت تمیز نہ ہو سکتی۔ ؎

گر بدولت برسی مست نہ گردی مردی

ایمان وکفر کا معیار صحت ومرض تونگری وفقر حیات وموت ہو ان تینوں موقعوں پر انسان کا حال پورا واضح ہوجاتا ہو بہت ایسے لوگ ہیں جو فقر میں باایمان رہتے ہیں۔ اور دولت پر پہونچکر بے دین ہوجاتے ہیں۔ اسی طرح صحت ومرض موت وحیات کا حال ہے۔

پس زمانہ کے حالات کو گردش میں رہنے سے واقعی اچھے اور واقعی بُرے الگ الگ ممتاز ہوجاتے ہیں اور غرض صحیح فقیر کو امیر اور امیر کو فقیر بنانے کی ہو۔

اس موقعہ پر ایماندار حقیقی ایماندار رہتا ہو چاہو اُسپر کوئی حالت گذر جائے اور بگڑنے والے بگڑ جاتے ہیں اُسوقت نبی ووصی کا انتخاب ہر عاقل کے نزدیک آسانی سے ہوسکتا ہو اور معلوم ہوجاتا ہو کہ کون ظالم ہے اور مستحق انتخاب نہیں اور کون باعصمت ہو جو قابل انتخاب شہادت ونظارت اُمت ہے۔

اسمیں وہ تمام زمانے آجاتے ہیں جنمیں سلاطین جور کی حکومتیں اور جنمیں ائمہ برحق پر ظلم کے مینھہ برسائے گئے اور اسمیں وہ زمانہ بھی رہا جسمیں خدا کی حجت ظاہر رہی اور اسمیں وہ زمانہ بھی ہو جسمیں خدا کی حجت نظروں سے غائب ہو جنکی وجہ سے سینکڑوں دنیا کی بندی جھک کر بیدین ہوگئے اور کتنے ہی ایمان پر باوجود شدائد عظیمہ کے قائم رہے سینکڑوں ظہور حجت میں مستقیم ہیں اور غیبت حجت میں گمراہ ہوگئے اور سینکڑوں ظہور حجتہ کے موقع پر نادرست راہ پر رہے اور غیبت میں راہ مستقیم پر آگئے اور پروردگار عالم کا یہ قول پورا ہوا ولیمحص الذین آمنوا الخ جو پاک ہونیوالا تھا وہ پاک ہی نکلا۔ اور ناپاک ہونیوالا تباہ وبرباد ہوا۔

یہی وہ مطلب ہو جسے جناب سرور کائنات اشرف موجودات سید المرسلین خاتم النبیین رحمۃ للعالمین المبعوث الی الخلق اجمعین سید الوریٰ محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی اس حدیث میں جو ذیل میں مذکور ہوتی ہے اسی آیت میں استدلال کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کتاب فرائد السمطین میں شیخ محمد بن ابراہیم جوینی خراسانی حموینی محدث فقیہ شافعی نے اس حدیث کو لکھا ہو اور شیخ سلیمان قندوزی حنفی نے ینابیع المودۃ صفحہ ۴۹۴ میں نقل کیا ہو۔

عن سعید بن جبیر عن ابن عباس رضی قال قال رسول اللہ ان علیاً وصیی ومن ولدہ القائم المنتظر الذی یملاء الارض قسطاً وعدلاً کما ملئت جوراً وظلما۔ والذی بعثنی بالحق بشیراً ونذیراً ان الثابتین علی القول

بامامنی فی زمان غیبتہ لاغیر من الکبریت الاحمر فقام الیہ الجابر بن عبد اللہ فقال یارسول اللہ للقائم من ولدک

غیبتہ، قال ای وربی لیمحص اللہ الذین آمنو ویحق الکافرین ثم قال یاجابر ان ہذا من امر اللہ وسر من

سر اللہ فایاک والشک فان الشک فی امر اللہ عزوجل کفر" جس کا مطلب یہ ہے کہ سعید بن جبیر ابن

عباس سے مروی ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا بالضرور علی میرا وصی ہے اور اُس کے فرزندوں میں سے قائم

منتظر مہدی ہوگا جو زمین کو عدل وداد سے بھر دیگا جسطرح جور وظلم سے بھری ہوگی قسم اوسکی جسنے مجھ کو

بشیر ونذیر بناکر بھیجا ہے جو لوگ اوسکی امامت پر اوسکی غیبت میں قائم رہے وہ کبریت احمر سے بھی زیادہ

کمیاب ہونگے یہ سنکر جابر اُٹھے اور عرض کی۔ کیا ای رسولخدا! آپکے فرزند کی غیبت ہوگی؟ فرمایا ہاں

قسم پروردگار کی تاکہ پاک کری اللہ ایمان والونکو اور مٹادے کافروں کو"

اس حدیث سے اور آنحضرت کی اس آیت کو اس موقعہ پر پڑھنے سے معلوم ہوا کہ آیت مذکورہ کو غیبت امام دوازدہ امام علیہ السلام سے تعلق ہے اور پروردگار عالم نے اسی زمانہ غیبت کے حال کو بیان کیا ہے اور یہ بھی واضح ہوگیا کہ وصی اول اور خلیفہ بلافصل علی ابن ابیطالب ہیں اور آخری خلیفہ امام مہدی منتظر علیہ السلام نیز معلوم ہوا کہ غیبتہ امام زمان پر ایمان لانا ہی ایمان ہے اور اسمیں شک کرنا کفر ہے جس سے مشکل ہے وہ مسلمان رہ سکینگے جنکو ہنوز حجتہ کی غیبت میں شک باقی ہے۔

نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ اس غیبت کبریٰ کا زمانہ ایمان کے حق میں بہت سخت ہے اور بہت کم لوگ ہونگے جو حق ویقین ایمان پر قائم رہینگے۔ چنانچہ آج وہی زمانہ ہے جسمیں ڈھونڈھنے سے خالص مؤمن اور پاک ملتے ہیں اور امید ہے کہ آئندہ اس سے بدتر زمانہ آئیگا اور پیشین گوئی جناب ختمی مرتبت کی کامل طور پر پوری ہوگی۔

حق یہ ہے کہ امامت کے مسئلہ کو جسطرح قرآن مجید نے طے کیا ہے اور جس طرح اول وآخر کے تمام مراحل کو طے کیا ہے اور نیز آنحضرت نے مختلف جلسوں مختلف صحبتوں میں اُن آیات کی تفصیل وتفسیر کی ہے اسطرح دنیا نے اس معاملہ میں سہل انگاری سے کام لیا ہے اور صرف سہل انگاری ہی نہیں بلکہ مخالفت قرآن وحدیث کی ذمہ داری کرتی ہے میں نہیں سمجھتا کہ آخر وہ لوگ جو اپنے تئیں مسلمان کہنے پر تیار رہتے ہیں

اور باینہمہ قرآن وحدیث کی مخالفت کرتے ہیں کیونکر وہ مسلمان رہ سکتے ہیں اور آخر وہ کس معنے سے مسلمان ہیں ہاں
سلم کے معنے مطیع وفرمانبردار کے ہیں۔ جب یہ لوگ نہ اپنے خدا کے فرمان کو مانتے ہیں نہ اپنے رسولؐ کے
ارشاد کو تو یہ اسلام کے معنے سے اسلام کہے جانیکا مستحق ہے۔ ذرا اہل دل غور کرکے جواب دیں۔ والسلام

بائیسویں آیت

(ج ۵ ع ۲ سورہ نساء)

ولا تقتلوا انفسکم ان اللہ کان بکم رحیما۔ تم لوگ اپنے نفسوں (جانوں) کو قتل نہ کرو بالضرور خدا تم پر رحم کرنیوالا ہے
اس آیت میں پروردگار عالم قتل سے اپنے نفسوں کے منع فرماتا ہے۔ یعنی حلال نہیں ہے کہ آدمی
اپنے آپ کو ہلاک کرے خواہ یہ ہلاک کرنا کسی صورت سے ہو مثلاً سنکھیا کھا لینا کوئیں میں کود پڑنا گولی مار
لینا چھری یا تلوار سے گلا کاٹ لینا یا اپنے اوپر آپ کو آب ودانہ بند کر لینا یا اپنے تائیں کسی غیر محفوظ
مکان میں لیجانا جہاں یقین ہلاکت ہو یا اُن اسباب کو قطع کر دینا جو باعث حیات انسان ہیں
مثلاً نفس کے رستوں کو بند کرکے ہوا کا پھیپھڑے تک نہ پہونچنے دینا وغیرہ وغیرہ جنہیں سے وجود نبی و
امام بھی ہے۔ پس اگر کوئی شخص نبی یا امام کو قتل کریگا تو وہ بھی قاتل نفس سمجھا جائیگا اسلیئے کہ جسطرح
پانی۔ ہوا۔ مٹی۔ آگ۔ ابر۔ آفتاب۔ مہتاب۔ گردش سیارگان۔ تبدیل فصول وغیرہ موجب حیات
انسان ہیں اوسیطرح وجود نبی یا امام بھی سبب وجود انسان ہے۔ جیسا کہ مشہور حدیث قدسی ہے
لولاک لما خلقت الافلاک ہے اے رسول اگر تم نہ ہوتے تو ہم افلاک پیدا نہ کرتے۔ جس کا صاف مطلب
یہ ہے کہ وجود افلاک کا سبب وجود جناب سرور کائنات ہے۔ جو رسول و نبی خدا تعالیٰ کے ہیں۔
نیز قرآن میں فرمایا گیا ہے ما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین اے رسول بھیجے تم کو صرف رحمت بناکر تمام
عالموں کے لیئے بھیجا ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ وجود رسول مقبول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ صرف اسی عالم
کے لیئے بلکہ تمام عوالم محسوسہ وغیر محسوسہ وغیر مشہور کے لیئے رحمت ہیں۔ نیز اہلبیت نبی کی نسبت فرمایا
گیا اہلبیتی امان لاہل الارض فاذا ذہب اہلبیتی ذہب اہل الارض (صواعق محرقہ چھاپہ مصر صفحہ ۱۴۰)
بہرحال وجود رسول واہلبیت رسول جنمیں ائمہ طاہرینؑ داخل ہیں امان ہے وجود دنیا واہل ارض کے
واسطے اور اگر انکا قدم نکال لیا جاوے تو دنیا واہل دنیا فنا ہو جائیں۔ پس لامحالہ ان کو فنا کرنا بھی شامل

اپنی ہلاک کرنے کے ہے کیونکہ جسطرح اپنی قتل سے انسان ہلاک و ضایع ہو جاتا ہے اوسیطرح قتل رسول و امام سے بھی انسان کا فنا لازم آتا ہے پس اس آیت میں بلحاظ عموم تمام وہ چیزیں داخل ہیں جن سے قتل نفس لازم آئے۔ منجملہ اُن کے قتل رسول اور اہلبیت رسول بھی ہے۔

یہہ تو بحث نفس الفاظ آیت سے تھی لیکن یہہ معاملہ یہیں تک محدود نہیں کہ صرف الفاظ آیت اس مطلب کو بتا رہے ہیں بلکہ اس کی تصریح بھی حدیثوں میں موجود ہے۔

چنانچہ محدث کبیر و عالم جلیل ابن مغازلی شافعی اپنی کتاب مناقب میں اُن آیات کے ضمن میں جنہیں فضائل اہلبیت رسالت میں لکھا ہے نزول آیت یہہ بھی لکھی ہے (جسکا نسخہ قلمی کتبخانہ ناصریہ لکھنو میں موجود ہے۔ اور سر دست پیش فقیر حاضر بھی ہے۔)

وہ لکھتے ہیں قولہ تعالیٰ لاتقتلوا انفسکم ان اللہ کان بکم رحیما اخبرنا احمد بن محمد بن عبد الوہاب اجازۃ انا ابی احمد عمر ابن عبد اللہ بن شوذب اخبرہم۔ ثنا جعفر بن محمد الحلودی۔ ثنا قاسم بن محمد بن حماد۔ ثنا حبندل بن واثق عن محمد بن عثمان والمازنی عن الکلبی عن کامل بن العلاء عن ابی صالح عن ابن عباس فی قول اللہ عزوجل ولاتقتلوا انفسکم ان اللہ بکم رحیما قال لاتقتلوا اہلبیت نبیکم۔ یعنی اس آیت کی تفسیر میں احمد بن محمد بن عبد الوہاب سے ہمنے اجازتًا روایت کی ہے اُنہوں نے کہا کہ ہم سے احمد بن عمر بن عبد اللہ بن شوذب نے بیان کیا (غرض طولانی سلسلہ روایت کے بعد) ابو صالح نے ابن عباس سے روایت کی ہے اس آیت کی تفسیر میں لاتقتلوا انفسکم سے مراد یہہ ہے کہ ایہا الناس تم اہلبیت رسولؐ کو قتل نہ کرو۔ یعنے خاص لفظ انفسکم سے مراد اہلبیت نبی صلے اللہ علیہ و آلہ ہیں۔

اس آیت اور اس تفسیر سے معلوم ہوا کہ خدا تعالیٰ نے اہلبیت رسول کو مثل ہمارے جانوں کے فرمایا ہے اور حکم دیا ہے کہ جسطرح تمہیں اپنی جان عزیز ہوتی ہے اور اُسے قتل کرنا جائز نہیں اوسیطرح اہل بیت نبوی کو بھی اپنی جان سمجھو اور انہیں قتل نہ کرو۔

اسمیں اس مطلب کی طرف بھی اشارہ ہے کہ چونکہ وجود اہلبیت تمہاری وجود و بقا کا باعث ہے لہذا وہ تمہاری جان کے قائممقام ہیں۔

آگے چلکے ان اللہ کان بکم رحیما (بالعزور خدا تم پر مہربان ہی) اس امر کی تاکید فرما رہا ہی کہ ہمنے جو
اہلبیت نبی کو تمہارے درمیان ٹھیرایا ہے وہ صرف ہمارے رحم ولطف کے سبب سے ہے چونکہ ہم تم پر مہربان
ہیں اور تمہاری بھلائی چاہتے ہیں۔ لہذا تمہاری وجود وبقاء وانتفاع کے واسطے اہلبیت رسولؐ کو تمہاری
درمیان میں رکھا ہی جسے دوسرے لفظوں میں رسول خدا نے فرمایا ہی انی تارک فیکم الثقلین الخ جو مشہور
معروف حدیث ہے اور کئی مقام پر اس کتاب میں بھی اوس کا حوالہ آچکا ہی کہ میں تم میں دو بڑی چیزیں
ایک قرآن دوسرا اہلبیت چھوڑے جاتا ہوں اگر تم ان سے متمسک ہی تو نہ بھٹکوگے اور گمراہ نہ ہوگے۔
مگر افسوس کہ دنیا نے حکم خدا کی بھی کچھ پروا نہ کی۔ پہلے تو ان سے تمسک چھوڑا اور رایرے غیروں کا دامن
پکڑا جس سے نتیجہ گمراہی نکلا۔ کیونکہ تہتر فرقوں کی بنیاد یہی ہے۔ پھر اسپر اکتفا نہ کرکے قتل و
ہلاکت پر تل گئے اور جہانتک ہو سکا زہر سے تلوار سے بھوکا پیاسا کرکے آوارہ وطن بناکر قید ومیں
بند کرکے ہلاک کیا جسکے لیے آجتک زمین وآسمان روتے ہیں۔

لیکن چونکہ خدا تعالیٰ نے اپنی رحیمی نہیں چھوڑی ہے اگرچہ اہل دنیا نے اپنی عبودیت چھوڑدی ہے
اس لیے اُس نے اب بھی ایک محترم بزرگ اہلبیت رسول میں سے لوگوں کی آنکھوں سے چھپا کر باقی رکھ
چھوڑا ہی تاکہ اُس کے دم تک دنیا فنا نہ ہو حالانکہ آج بھی اس فکر میں ہیں اگر اونکو بھی پائیں تو جان سے
مار ڈالیں۔ اور ہم سے کہتے ہیں کہ تم اپنے امام کو بلاتے نہیں۔ آخر وہ کیوں چھپے ہوئے بیٹھے ہیں؟ ہم
بھی جواب دیتے ہیں کہ آخر انکو بلانیکا کیا نتیجہ ہوگا یہی تاکہ تم اُن کو بھی مار ڈالوگے اور ہمیں اور اپنے
دونوں کو ہلاک وتباہ کروگے اس سے بہتر ہے کہ وہ زندہ موجود ہیں۔ مگر تم سے الگ رہیں۔ علاوہ
بریں اونکا کام ہدایت ہے وہ اب بھی پورا ہوتا رہتا ہی اون کے نواب اونکی نیابت میں کام
کررہے ہیں۔ جسوقت کسی کو ضرورت ہوتی ہے وہ خود تعلیم فرما جاتے ہیں۔

نیز اگر وہ اسوقت بھی تشریف لاویں تو اس سے زیادہ کیا تعلیم کرینگے جو اون کے آبائے کرام
تعلیم کرگئے ہیں۔ تم نے جب اُن گیارہ کے ارشادات وہدایات کو نہ مانا تو ان ایک کی ہدایت و
تعلیم کو کیا مانوگے۔ پہلے اُن کے ہدایات پر تو عمل کرلو اگر اسکے بعد بھی ضرورت رہ جائیگی تو وہ خود

اگر ہمیں تعلیم کرینگے لیکن مقصود تو ہدایت پانا ہی نہیں ہے بلکہ اس فریب سے اونکو بھی قتل کرنا مقصود ہے لہذا ہم کو طعن و تشنیع پر آمادہ کیا جاتا ہے کہ کسیطرح حضرت سے الحاح کریں کہ آپ ظہور فرمائیں لیکن ہم ہرگز ایسا نہ کرینگے اسلیئے کہ ہمارا کوئی کام اسوقت بند نہیں جس کے بس قہرا حضرت کی ضرورت ظہور ہو اون کے آبائے طاہرین کے تعلیمات ہمارے پاس موجود ہیں جو ہمارے لیئے کافی ہیں۔ پس آپ اُن کے لیئے جب مصلحت ہو ظہور فرمائیں ہمیں مجبور کرنے کی ضرورت نہیں۔ جس سے اُن کے دشمنونکو انپر قابو ملے۔

تیئسویں آیت (آل عمران جزو ۴ ع ۹ بعد نصف)

حسبنا اللہ و نعم الوکیل اور پوری آیت یہ ہے الذین قال لہم الناس ان الناس قد جمعوا لکم فاخشوہم فزادہم ایمانا و قالوا حسبنا اللہ و نعم الوکیل ۞ فانقلبوا بنعمۃ من اللہ و فضل لم یمسسہم سوء و اتبعوا رضوان اللہ و اللہ ذو فضل عظیم۔ جنسے لوگوں نے کہا کہ بہت سے آدمی تمہارے لیئے مجتمع اور آمادہ ہیں تم اُن سے ڈرو۔ اُن لوگوں کا ایمان اور زیادہ ہو گیا اور کہنے لگے کہ خدا تعالی ہمارے لیئے کافی ہے اور وہی اچھا وکیل ہے پھر تو وہ خدا کی نعمت و فضل لیکر واپس آئے۔ اونکو بالکل برائی نے چھوا بھی نہیں اور اللہ کی رضامندی کی اُنہوں نے بیعت کی اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

اس آیت کے شان نزول میں ابن مردویہ نے لکھا ہے کہ رسولخدا صلعم نے علی ابن ابیطالب ؑ کو ابوسفیان کی تلاش میں بھیجا تھا (کہ آپ اُسے گرفتار کریں) راہ میں ایک اعرابی قبیلہ خزاعہ کا ملا اوس نے بیان کیا کہ قوم سفیان نے تمہارے لیئے جماؤ کر لیا ہے تم اون سے ڈرو۔ یہ سنکر جناب علی ابن ابیطالب ؑ اور نیز اون کے ساتھ والوں کا ایمان اور زیادہ ہوا اور سب نے کہا حسبنا اللہ و نعم الوکیل اُسوقت یہ آیت مدح جناب امیر ؑ میں نازل ہوئی کیونکہ ابتدا اس قول کی آپ ہی سے تھی۔ منقول از روائح القرآن ص ۸۵)

چوبیسویں آیت (ج ۵ ع ۵ سورہ نساء)

ام یحسدون الناس علی ما آتاہم اللہ من فضلہ فقد آتینا آل ابراہیم الکتاب و الحکمۃ و آتیناہم ملکاً عظیماً) کیا لوگ حسد کرتے ہیں آدمیوں سے (یعنی وہ فی الواقع وہ آدمی اور کہے جانے کے مستحق ہیں) اس بنا پر کہ انہیں اللہ نے (یعنی ہم نے) اپنے فضل میں سے دیا (تو یہ حسد بیجا ہے) کیونکہ ہم نے آل ابراہیم کو کتاب و حکمت دی

اور اُنکو ملک عظیم عنایت کیا۔

اس آیت میں چند امور قابل لحاظ ہیں۔ ۱؎ یہ کہ وہ کون لوگ ہو سکتے ہیں جنکو خدا تعالیٰ نے اپنے فضل و کمال سے کچھ حصہ رحمت فرمایا۔ ۲؎ آل ابراہیمؑ کو کتاب و حکمت کے دینے کے اظہار سے یہاں کیا مقصود۔ ۳؎ ملک عظیم جو واقعی ملک عظیم ہو وہ کسے ملا۔

پہلے امر کے متعلق یہ گذارش ہے کہ اس آیت میں اُمتہائے سالقہ سے بحث نہیں صرف اُمت رسول کے متعلق یہ مضمون حاسد و محسود دونو ہی اُمت کے مراد ہیں پس لامحالہ انہیں سے ایک وہ فریق ہوگا جسے فضل خدا ملا تھا جسکے سبب سے فریق اول نے فریق ثانی سے حسد کیا۔

اب یہ دیکھنا ہو کہ خدا تعالیٰ کا فضل کیا ہو؟ ظاہر ہے کہ فضل خدا سے مراد کمالات ظاہرہ و باطنہ اور صوریہ و معنویہ ہیں۔ مثلاً علم۔ حکمت۔ ترک دنیا۔ حسن اخلاق۔ طہارت باطن۔ شجاعت نفس۔ یا وہ نعمتیں جو وقتاً فوقتاً خدا تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوتی رہیں۔ مثلاً جنتی تحفہ۔ جنتی پھل۔ جنتی لباس۔ جنتی کھانے جنتی تحفے وغیرہ۔

ان امور بالا پر نظر کرتے ہوئے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ تمام اُمت میں جسکو یہ فضل ملے وہ سوا اہلبیت رسولؐ کے کوئی نہیں۔

علم کے واسطے صرف متفق علیہ فریقین حدیث کافی ہو۔ انا مدینۃ العلم و علی بابہا (دیکھو صواعق محرقہ) یعنے رسول خدا نے فرمایا میں شہر علم ہوں اور علیؑ اوسکا دروازہ ہیں۔

حکمت کے واسطے بھی صواعق محرقہ۔ نور الابصار۔ ینابیع المودۃ۔ مودۃ القربیٰ۔ ارجح المطالب۔ استیعاب ابن عبدالبر وغیرہ کتب اہل سنت والجماعت کی مروی حدیث کافی ہے۔ جسمیں رسول خداصلعم نے فرمایا انا دار الحکمۃ و علیؑ بابہا۔

ترک دنیا یعنے زہد۔ علی ابن ربیعہ سے مروی ہو کہ ابن نباح ایک روز حضرتؑ کے پاس آیا اور عرض کی کہ بیت المال مال سے بھرا ہوا ہو یہ سنکر آپنے فرمایا اللہ اکبر۔ پھر آپنے ابن نباح پر تکیہ کرکے اُٹھے اور بیت المال میں داخل ہوئے پھر لوگوں کو منادی کرکے طلب فرمایا اور جو کچھ بیت المال میں تھا وہ سب تقسیم کردیا اُسوقت یہ فرماتے جاتے

تھے۔ یاصفراء یا بیضاء غیری غیری اے زروسیم تم میرے سوا کسی اور کو فریب دینا پھر حکم دیا کہ بیت المال کو صاف کر دیا جائے۔ بعد صاف ہونے کے دو رکعت نماز ادا فرمائی۔ اس روایت کو احمد نے اپنی کتاب مناقب میں بیان فرمایا ہے اور نیز صاحب کتاب الصفوۃ نے (ترجمہ از کتاب ذخائر العقبیٰ امام الحرم احمد بن عبداللہ المکی الطبری شافعی) ینابیع المودۃ چھاپ بمبئی صفحہ ۱۸۱۔ عمرو بن قیس نے حضرت سے عرض کی یا امیرالمومنین آپ اپنی قمیص میں پیوند لگاتے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ اس سے خشوع قلب پیدا ہوتا ہے اور مومن اسکی پیروی کریگا۔

ضرار صدائی سے مروی ہے کہ علی بڑے عظیم المرتبہ شدید القوت تھے قول آپکا فیصل ہوتا تھا اور حکم آپکا عین انصاف علم آپکے دونوں پہلوؤں سے پھوٹ کر بہتا تھا۔ اور حکمت کے در آپکے ہر جانب سے گویا تھے دنیا اور زینت دنیا سے وحشت فرماتے تھے۔ رات اور اسکی تنہائی کو پسند۔ عبرت آپکی کثیر تھی اور فکر آپ کی طویل۔ لباس آپ کو وہ پسند تھا جو کوتاہ ہو۔ کھانا وہ پسند تھا جو زم نہ ہو (ذخیرہ عقبیٰ) موفق بن احمد راوی ہیں امام محمد باقر علیہ السلام سے اور وہ جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہم سے کہ فرمایا رسول اللہ نے میرے پاس جبرائیل ایک سبز پتی درخت آس کی جنت سے لائے جس پر سفید خط میں لکھا تھا انی انا اللہ افترضت مودۃ علی علی خلقی فبلغہم یا حبیبی ذالک عنی۔ میں بیشک اللہ ہوں علیؑ کی محبت کو اپنی مخلوقات پر میں نے واجب کر دیا ہے۔ پس یہ میرا پیغام انکو پہونچا دو۔

نیز موفق بن احمد کی روایت کا متن ہے کہ جبرائیل امین جنت کا ایک ترنج لائے اور کہا کہ یا رسول اللہ خداتعالیٰ آپ کو سلام کہتا ہے اور فرماتا ہے کہ اسے علیؑ کو دیدو۔ آنحضرتؐ نے وہ ترنج علیؑ کو دیدیا۔ آپ نے اوس کو لیا تو وہ دو ٹکڑے ہوگیا اور اسمیں سے ایک حریر سبز نکلا جس پر دو سطروں میں لکھا ہوا تھا تحفۃ من اللہ الطالب الغالب الی علی ابن ابیطالب۔ یہ خدائے طالب غالب کا تحفہ ہے۔ علی ابن ابیطالب کے لیئے (ینابیع المودۃ صفحہ ۱۱۲)

یہی حال باقی گیارہ اماموں کا ہے۔ چنانچہ امام زین العابدین علیہ السلام کی نسبت ابن خلکان تاریخ

تاریخ وفیات الاعیان میں لکھتے ہیں (۳۲) ہو احد الائمۃ الاثنی عشر ومن سادات التابعین قال الزہری ما رایت قرشیا افضل منہ یعنی علی ابن الحسین بارہ اماموں میں سے ایک امام ہیں۔ اور اور سرداران تابعین میں سے ہیں۔ زہری کا بیان ہے کہ میں نے کسی قرشی آدمی کو حضرت سے افضل نہیں پایا۔

اور ابن حجر مکی صواعق محرقہ میں لکھتے ہیں (۲۹۹ ینابیع المودۃ) زین العابدین ابن الحسین ہو الذی خلف اباہ علما وزہدا وعبادۃ وکان اذا توضا صفر لونہ وقیل لہ ما ذالک فقال الا تدرون بین یدی من اقف۔

یعنی زین العابدین اپنے باپ کے جانشین تھے علم زہد اور عبادت میں جب آپ وضو کرتے تو چہرہ مبارک زرد ہو جاتا۔ آپ سے اسکا سبب دریافت کیا گیا فرمایا تم نہیں جانتے۔ کہ میں کس (جبار قہار) اور ملک الملوک کے سامنے کھڑا ہوں۔

امام محمد باقر علیہ السلام کی نسبت ابن خلکان کی یہ رائے ہے (ص ۴۵ مصر) وکان الباقر عالما سیدا کبیرا وانما قیل لہ الباقر لانہ تبقر فی العلم توسع والتبقر التوسع وفیہ یقول الشاعر ؎

یا باقر العلم لاہل التقی وخیر من لبی علی الاجبل

امام محمد باقر علیہ السلام عالم سردار اور بزرگ تھے اونکو باقر صرف اس وجہ سے کہا گیا کہ آپ نے علم کو پھیلایا کیونکہ تبقر کے معنے توسع کے ہیں آپ ہی کی بابت شاعر کہتا ہے۔ اے علم کے پھیلانے والے پرہیزگاروں کے واسطے اور اے بہترین ان لوگوں کے جنہوں نے بلندیوں سے خدا تعالیٰ کو لبیک کہا

اور ابن حجر مکی صواعق محرقہ میں لکھتے ہیں فلذالک ہو اظہر من مکنونات کنوز المعارف وحقایق الاحکام والحکم واللطائف لا یخفی الا علی منطق البصیرۃ او فاسد الطویۃ والسریرۃ ومن ثم قال ہو باقر العلوم وجامعہ وشاہر علمہ ورافعہ بصفاء قلبہ وزکا نفسہ وطہر نسبہ وصرف عمرہ واوقاتہ بطاعۃ اللہ ولہ من الاسرار فی مقامات العارفین ما تکل عنہ السنۃ الواصفین۔

اپنی معرفت کے خزانوں کے مخفی اسرار اور حقائق احکام حکمتیں اور لطیف مضامین اسقدر ظاہر کیئے کہ سوائے

اندھے عقل والے کے کسی پر پوشیدہ نہیں رہ سکتے یا جو بدنفس و بدباطن ہو اسوجہ سے کہا گیا ہے کہ آپ علم کے وسیع کرنے والے تھے۔ اُس کے پھیلانے والے تھے اور طہارت نسب و شرافت خلقت محض اپنی صفائے قلب اور پاکی طبیعت کی وجہ سے بلند کرنے والے تھے۔

اپنی عمر اور اپنے اوقات اطاعت خدا تعالیٰ میں صرف کیئے آپکے اسرار مقامات عارفین (اہل تصوف) کے متعلق اسقدر ہیں کہ جن کے بیان کرنے سے زبانیں بیان کرنے والوں کی عاجز ہیں۔

جناب صادق آل محمد علیہم السلام کی نسبت ابن حجر لکھتے ہیں ومن ثم کان خلیفہ ووصیہ ونقل الناس عنہ من العلوم ماسارت بہ الرکبان وانتشر صیتہ فی جمیع البلدان وروی عنہ الآئمۃ کیحیی ابن سعید وابن جریح ومالک وسفیان بن عیینہ وسفیان الثوری وابو حنیفہ وابو ایوب السجستانی۔

اسوجہ سے امام محمد باقر کے خلیفہ ووصی ہیں (دیکھیئے خلافت وامامت کا اقرار یوں ہوتا ہے لیکن صرف زبانی اقرار ہو دل اس کے ساتھ شریک نہیں۔ یقولون بافواھھم مالیس فی قلوبھم) لوگوں کو آپسے اسقدر علوم پہونچے کہ جنہیں تیز سوار منازل بعیدہ کی طرف لے گئے آوازہ (آپکے کمال کا) شہروں میں پھیل گیا۔ بڑے بڑے لوگ آپکے حدیثوں کے راوی ہیں۔ جیسے یحیی بن سعید۔ ابن جریح۔ مالک۔ سفیان بن عیینہ۔ سفیان ثوری۔ ابو حنیفہ۔ ابو ایوب سجستانی۔

اسکے بعد آپکے کرامات میں لکھتے ہیں وسعی بہ الرجل عند المنصور الخلیفۃ لما حج فلما احضر الساعی قال لہ قل برئت من حول اللہ وقوتہ والتجات الی حولی وقوتی لقد فعل جعفر کذا وکذا فامتنع الرجل ثم حلفہ فماتم حتی مات مکانہ ایک شخص نے خلیفہ منصور کے سامنے آپ کی چغلی کھائی تھی جبکہ اُسنے حج کیا تھا پس جب چغلخور حاضر کیا گیا تو آپنے فرمایا اسطرح قسم کھا "میں بری ہوتا ہوں خدا کی طاقت وقوۃ سے اور اپنی طاقت وقوۃ کے اعتماد پر کہ جعفر نے ایسا ایسا کیا" اُسنے اول تو اسطرح کی قسم سے انکار کیا پھر انہیں لفظوں میں قسم کھائی (اگر جھوٹا تھا اسوجہ سے) ابھی قسم پوری نہ ہونے پائی تھی کہ اوسی جگہ (گرکے) مرگیا۔

ابن خلکان لکھتا ہے صفحہ ۱۰۵ وکان من سادات اہلبیت ولقب بالصادق لصدق فی مقالتہ وفضلہ اشہر من ان یذکر ولہ الکلام فی صنعۃ الکیمیا والزجر والفال وکان تلمیذہ ابو موسیٰ جابر بن حیان الصوفی

الطرطوسی قد الف کتاباً یشتمل علی الف ورقۃ یتضمن رسائل جعفر الصادق وہی خمس مائۃ رسالۃ۔

آپ اہلبیت کے سرداروں میں سے ہیں آپکے صادق القول ہونے سے صادق لقب دیا گیا ہتا آپکا فضل اس سے زیادہ مشہور ہی کہ بیان کیا جائے۔ آپکا کلام (یعنے تصنیف) علم کیمیا علم زجر وفال میں بھی ہے آپکے شاگردوں میں سے ابو موسیٰ جابر بن حیان صوفی طرطوسی ہتے جنہوں نے ایکہزار ورق کی کتاب لکھی ہی۔ جو حضرت کے رسالوں پر مشتمل ہی اور وہ پانچسو رسالے ہیں

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے متعلق ابن حجر مکی صـ میں لکھتے ہیں ہو وارثہ علماً ومعرفۃً وکمالاً وفضلاً سمی الکاظم لکثرۃ تجاوزہ وحلمہ وکان عند اہل العراق معروفاً بباب قضاء الحوائج وکان اعبد اہل زمانہ واعلمہم واسخاہم۔

یہ امام جعفر صادق علیہ السلام کے وارث ہتے۔ علم معرفت۔ کمال وفضل میں۔ کاظم اسوجہ سے نام ہوا کہ بہت حلیم وبردبار ہتے۔ اہل عراق کے نزدیک آپکا اسم شریف باب قضاء الحوائج مشہور ہتا (کیونکہ آپ کی دعا سے لوگوں کی حاجتیں برآتی ہتیں) آپ اپنے زمانہ کے لوگوں سے زیادہ عابد۔ اور عالم اور سخی ہتے۔

ابن خلکان کا بیان ہی قال الخطیب فی تاریخ البغداد وکان موسیٰ یدعی عبد الصالح من عبادتہ واجتہادہ یعنے خطیب نے تاریخ بغداد میں لکھا ہی کہ اسم شریف عبد صالح ہوگیا تہا بسبب آپ کی عبادت اور سعی فی الطاعت کے۔

پھر تھوڑی دور چلکر لکھا ہی (صـ ۱۳۱ مصر) وکان یسکن المدینۃ فاقدمہ المہدی بغداد وحبسہ فرای فی النوم علی ابن ابیطالب رضی اللہ عنہ وہو یقول یا محمد فہل عسیتم ان تولیتم ان تفسدوا فی الارض وتقطعوا ارحامکم قال الربیع فارسل الی لیلاً فراعنی ذالک فجئتہ فاذا ہو یقرء ہذہ الآیہ وکان احسن الناس صوتاً وقال یا ابا الحسن انی رأیت امیر المؤمنین علی ابن ابیطالب رضی اللہ عنہ فی النوم یقرء علی کذا فتؤمننی ان تخرج علی احد من اولادی فقال واللہ لا فعلت ذالک ولا ہو من شانی قال صدقت اعطہ ثلاث آلاف دینار وردہ الی اہل المدینۃ۔

آپ مدینہ میں رہا کرتے تھے مہدی خلیفہ عباسی نے بغداد میں آپ کو بلاکر قید کیا۔ شب کو خواب میں علی ابن ابیطالب رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ آپ فرماتے ہیں جس کا حاصل یہ ہے۔ یا محمد حاکم و بادشاہ ہو تم ہی تم لوگ زمین پر فساد کرتے اور اپنے عزیزوں سے قطع رحم کرتے ہو (یہ آیت کا حاصل ترجمہ مناسب مقام ہے)

ربیع کہتا ہے کہ مہدی نے میرے پاس شب ہی کو آدمی بھیجا میں اوقت کی طلبی سے ڈر گیا مگر جب آیا تو دیکھا کہ مہدی یہی آیت تلاوت کر رہا ہے "فھل عسیتم ان تولیتم" اور وہ بہت ہی خوش آواز تھا۔ مجھ سے کہ میرے پاس موسیٰؑ بن جعفر کو لاؤ۔ میں اُنہیں لایا۔ پس مہدی نے حضرت سے معانقہ کیا اور کہا کہ ای ابوالحسن میں نے امیر المؤمنین علی ابن ابیطالبؑ کو خواب میں دیکھا ہے مجھ سے ایسا ایسا فرماتے تھے کیا آپ مجھے اطمینان دلاتے ہیں کہ مجھپر یا میری اولاد میں سے کسی پر خروج نہ کرینگے۔ آپنے فرمایا واللہ نہ میں ایسا کرونگا نہ میری یہ شان ہے اُسنے کہا آپنے سچ فرمایا۔ پھر مجھ سے کہا کہ ان کو تین ہزار اشرفیاں دیکر مدینہ میں ان کے عزیزوں تک پہونچا دو۔

پھر ایک مقام پر چند سطروں کے بعد لکھتا ہے۔ ولہ اخبارٌ و نوادر کثیرہ۔ آپکے واقعات کرامت و نوادر معجزات بہت ہیں۔ صـــ ۱۳۲ صواعق محرقہ

فاضل محدث محمد خواجہ پارسا بخاری کتاب فصل الخطاب میں لکھتے ہیں۔ صـــ ۳۲۳ ینابیع المودۃ طبع بمبئی

وروی المامون عن ابیہ الرشید انہ قال لبنیہ فی حق موسیٰ بن جعفر ہذا امام الناس وحجۃ اللہ علی خلقہ وخلیفتہ علی عبادہ انا امام الجماعۃ فی الظاھر والغلبہ والقھر وانہ واللہ لاحق بمقام رسول اللہ منی ومن الخلق جمیعا" مامون نے اپنے باپ رشید سے روایت کی ہے کہ اوسنے اپنے فرزندوں سے موسیٰ کاظمؑ کے بارہ میں کہا۔ یہی تمام آدمیوں کے امام ہیں اور اللہ کے حجۃ ہیں اوکی خلق پر اور اُس کے خلیفہ ہیں اُس کے بندوں پر اور میں تو صرف ظاہر میں اور قہر و غلبہ سے امام جماعت بنگیا ہوں خدا کی قسم یہ بہ نسبت میرے اور بہ نسبت تمام خلق کے مقام رسول اللہؐ کے زیادہ مستحق ہیں (اس سے بڑھکر کیا اقرار ہونا چاہیئے)

جناب امام رضا علیہ السلام کی نسبت۔ محمد خواجہ پارسا لکھتے ہیں ومن ائمۃ اہل البیت علی بن الرضا

بن الموسی الکاظم رضی اللہ عنہما - یعنی ائمہ اہلبیتؑ میں سے علی رضا بن موسی کاظم رضی اللہ عنہما بھی ہیں ح
پھر ایک روایت آپ کی والدہ سے نقل کرتے ہیں وقالت ما حملت یا بنی الرضا لم اشعر بثقل الحمل
وکنت اسمع فی منامی تسبیحا وتحمیدا وتہلیلا من بطنی فلما وضعتہ وقع الی الارض واضعا یدہ علی الارض
رافعا راسہ الی السماء محرکا شفتیہ کانہ ناجی ربہ

انہوں نے فرمایا کہ جب مجھے اپنے فرزند رضا کا حمل ہوا تو مجھے حمل کا بوجھ محسوس ہوا میں اپنے خواب میں تسبیح و تحمید وتہلیل اپنے پیٹ سے سنتی تھی جب انکی ولادت ہوئی تو دونوں ہاتھ زمین پر ٹیک دیئے اور سر آسمان کی طرف بلند کیا گویا اپنے پروردگار سے مناجات کی۔ فدخل ابوہ فقال لی ھنیا لک کرامۃ ربک۔ اتنے میں اون کے والد ماجد (امام موسی کاظمؑ) آگئے اور فرمایا تمہیں اپنے رب کا عطیہ مبارک ہو

اور ابن حجر مکی صواعق محرقہ میں لکھتے ہیں ۔ منہم علی الرضا وہو اشہرہم ذکرا واجلہم قدرا ومن ثم احلہ المامون محل مہجتہ وانکحہ ابنتہ واشرکہ فی مملکتہ وفوض الیہ امر خلافتہ۔ (ینابیع المودۃ ص ۲۰۴ بمبئی)

منجملہ اولاد امام موسی کاظم علیہ السلام کے علی رضا ہیں وہ بقیہ اولاد امام موسیٰ کاظمؑ سے زیادہ مشہور و معروف اور جلیل القدر ہیں اسیوجہ سے مامون انکو جان کے برابر جانتا تھا اپنی بیٹی کا ان سے عقد کردیا تھا سلطنت میں اونکو شریک کرلیا تھا اور اپنی سلطنت کا معاملہ حضرت کے حوالہ کردیا تھا۔

آپ کے کرامات اور غیب دانی کی بابت لکھتے ہیں واخبر قبل موتہ انہ یاکل عنبا مسموما فیموت وان المامون یرید دفنہ خلف الرشید ولم یستطع فکان ما اخبرہ الرضا رضی عنہ۔

آپنے اپنے انتقال سے پہلے خبر دی تھی کہ آپ کو انگور میں زہر دیا جائیگا اور اسی سے آپ کی رحلت ہوگی مامون ہر چند چاہیگا کہ مجھے رشید کے پیچھے دفن کرے مگر قادر نہ ہوگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ جیسا کہ رضا رضی اللہ عنہ نے خبر دی تھی۔

امام محمد تقی علیہ السلام کی نسبت محمد خواجہ پارسا لکھتے ہیں ومن ائمۃ اہل البیت ابو جعفر محمد الجواد بن علی الرضا ولقبہ تقی رضی اللہ عنہ۔

ائمہ اہلبیتؑ میں ابو جعفر محمد جواد بن علی رضا بھی ہیں لقب آپکا تقی ہے خدا ان سے راضی ہو۔

ابن حجر لکھتے ہیں ص۔ اجلہم واکملہم محمد ابن التقی الجواد اولاد امام علی رضا علیہ السلام میں سب سے زیادہ جلیل القدر واکمل محمد تقی جواد تھے۔

اس کے بعد آپکے نو برس کے سن کا واقعہ لکھا ہے کہ مامون کو غیب کی خبر آپنے دی اُسی چھوٹے سے سن میں یحییٰ ابن اکثم نے بہت سے سوالات آپسے کیے سب کے جواب برجستہ آپنے دیئے۔ لیکن جب ایک سوال آپنے اُس سے کیا تو وہ ہکا بکا ہو کر رہ گیا آخر آپ ہی سے اوسکا جواب پوچھا اور مفید ہوا۔ یہ قصہ بھی عجائب روزگار سے ہے۔

امام علی نقی علیہ السلام کی نسبت محمد خواجہ پارسا لکھتے ہیں وکان ابوالحسن علی الہادی عابداً فقیہاً اماماً۔ یعنی ابوالحسن علی ابن الہادی عابد فقیہ اور امام تھے۔ (اسے اقرار کہتے ہیں)

اور ابن حجر لکھتے ہیں ہو وارث ابیہ علماً وکمالاً وسخاءً ومن ثم جاء اعرابی من حوال الکوفۃ وقال انی من المتمسکین بولائک وولاء اجداوک وعلیّ دین لم اقصد لقضائہ سواک فقال قف لہنا ثم ارسل المتوکل الیہ ثلاثین الفاً فاعطی کلہا للاعرابی یا ابن رسول اللہ ان عشرۃ الآف تکفی لقضاء دینی فابی یسترد من ثلاثین الفاً شیئاً فانصرف الاعرابی وہو یقول اللہ یعلم حیث یجعل رسالتہ۔

آپ اپنے باپکے وارث تھے علم کمال اور سخاوت میں۔ چنانچہ ایک اعرابی اطراف کوفے سے آیا اور عرض کی کہ میں آپکی اور آپکے آباؤ اجداد کی محبت رکھتا ہوں۔ مجھپر قرض ہے سوائے آپکے کوئی نظر نہ آیا جس سے اپنی حاجت روائی کے متعلق عرض کرتا آپنے فرمایا ٹھیر جا پھر متوکل نے آپکے پاس تیس ہزار نقد بھیجے اُسوقت آپنے وہ زرنقد اعرابی کو مرحمت فرما دیا اُس نے کہا یا حضرت مجھے تو دس ہزار چاہئیں باینہمہ آپنے واپس لینے سے انکار کیا اعرابی وہ تمام مال لیکر چلا گیا اور یہ کہتا گیا کہ خدا ہی خوب جانتا ہے کہ اوسکی رسالت کا مقام کہاں ہو سکتا ہے۔ یعنے وہ جسکو امام یا رسول بناتا ہے خوب سمجھکر بناتا ہے۔

جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کی نسبت صاحب صواعق لکھتے ہیں۔ واجلہم ابو محمد ن الحسن العسکری۔ اولاد امام علی نقیؑ میں سب سے زیادہ جلیل الشان ابو محمد حسن عسکریؑ تھے۔ پھر آپ کی ایک معجزہ نمائی لکھی ہے یعنی غیب کی خبر دینا جس کا محصل یہ ہے کہ زمانہ معتمد بن متوکل میں ایک سال قحط واقع ہوا یہانتک

جسمیں معتمد نے امام علیہ السلام کو مقید کر دیا تھا (کیا عجیب ظلم ہی) تین روز تک برابر لوگ طلب باران کیلیے نماز پڑھنے صحرامیں گئے ۔ مینھہ نہ برسا ۔ پھر چند نصرانی طلب باران کے لیئو گئے اُن کے ہمراہ ایک پادری بھی تھا جوں ہی اُسنے ہاتھ اُٹھا کر دُعا کی ابر اُٹھا اور مینہہ برسا ۔ دوسرے روز بھی ایسا ہی ہُوا یھہ دیکھکر کچھہ مرتد ہو گئے (اب تو معتمد کے پیٹ میں چوہے دوڑے) یھہ امر اُسے شاق گذرا آخر (مجبور ہو کر) امام حسن عسکری علیہ السلام کو قید خانہ سے بلانیکا حکم دیا ۔ جب آپ تشریف لائے تو عرض کی ادراک امۃ جد کے اپنے جد رسول اللہ کی اُمت کا بیڑا تھامیئے (اب کچھہ بن پڑی سوائے خوشامد کے) وائے ہو اس بے ایمانی پر قبل اسکے کہ یھہ لوگ کافر ہو کر تباہ ہو جائیں ۔ آپنے فرمایا کل یھہ لوگ میدانمیں چلیں تو سارا وسوسہ اور شبہہ دفعہ ہو جاویگا اگر خدا نے چاہا ۔ جب وہ راہب معہ نصرانیوں کے گیا اور ہاتھ آسمان کی طرف بلند کیا فورًا ابر اُٹھا اور مینہہ برسنے لگا ۔ آپنے لوگوں سے فرمایا اس راہب کا ہاتھ پکڑ کر جو کچھہ اسمیں ہو لیلو جب دیکھا گیا تو معلوم ہوا کہ کسی آدمی کی ہڈی ہے ۔ اُسے چھین لیا ۔ پھر جب اُس نے ہاتھ اُٹھا کر دعاء باران کی تو بجائے مینہہ برسنے کے ابر ہٹ گیا ۔ پانی تھم گیا ۔ اور آفتاب نکل آیا ۔ لوگونکو یھہ دیکھہ کر تعجب ہوا ۔ معتمد نے پوچھا یا ابا محمد یھہ کیا راز ہے ۔ آپنے فرمایا کہ یھہ نبی کی ہڈی ہو اس راہب کے ہاتھ لگ گئی ہے اور یھہ قاعدہ کی بات ہی کہ جب نبی کی ہڈی زیر آسمان نکالی جائیگی ضرور مینہہ برسیگا پھر لوگوں نے امتحان کیا تو واقعی ویسا ہی پایا ۔ جیسا حضرت نے بیان کیا تھا ۔ اُسوقت لوگوں کا شبہہ دفع ہُوا ۔

جناب امام حجۃ عجل اللہ فرجہ ۔ کی بنسبت ابن حجر نے لکھا ہی وعمرہ عند وفات ابیہ خمس سنین لکن اتاہ اللہ تبارک وتعالٰی لہ العلم والحکمۃ ویسمی قائم المنتظر لانہ ستر فلم یعرف این ذہب ۔

آپ کی عمر اپنے والد ماجد کی وفات کے وقت پانچ سال کی تھی لیکن خدا تعالٰی نے اونکو اس سن میں حکمت وعلم عنایت فرما دیا تھا ۔ اُنہیں قائم منتظر بھی کہتے ہیں کیونکہ وہ پوشیدہ ہو گئے ۔ پھر معلوم نہیں کہ کہاں چلے گئے ،،

جب یھہ معلوم ہو چکا تو یقین کرنا لازم ہو گیا کہ مدح اصل محمود خلایق یہی بزرگوار تھے جنکو خدا تعالٰی نے

اپنے فضل کا معتد بہ حصہ مرحمت فرما دیا تھا۔ رہا ثبوت حسد وان واقعات مذکورہ ذیل سے معلوم ہوگا کہ آپکے حاسد جناب عمر خطاب بھی تھے سعد بن وقاص بھی تھے انس بن مالک بھی تھے اور یہہ سرگروہ اصحاب حاسد تھے تو ان کے تابعین ضرور ہی حضرت کے حاسد ہونگے یہی تو وجہ تھی کہ عہد رسول میں تو کچھ نہ کر سکے بعد عہد رسول جو کچھ ہو سکا کر گذرے۔ لقب چھینا تخت چھینا۔ منصب خلافت کی پگڑی اپنے سر باندھ لی جاگیر غصب کر لی وغیر ذالک۔

دیکھیے حضرت عمر کے حسد کے متعلق مسلم نے اپنی صحیح میں حدیث خیبر کے متعلق لکھا ہے حضرت عمر کا قول ہے فما احببت الامارۃ الا یومئذ فتساورت لہا ان ادعی لہا۔ یعنے رسول خدا نے چونکہ ارشاد فرمایا تھا کہ کل میں ایسے شخص کو علم دونگا جو کرار غیر فرار ہوگا۔ خدا و رسول اُسے دوست رکھتے ہونگے اور وہ خدا و رسول کو دوست رکھتا ہوگا تو میں نے امیر ہونیکی اُس دن خواہش کی تھی اور اُسکا حرص ظاہر کیا تھا اُس اُمید میں کہ میں ہی اس علم کے لیئے بلایا جاؤں۔

مطلب یہہ تھا کہ یہہ مرتبہ کسی اور کو نہ ملے مجھ ہی کو ملے۔ اسی کا نام حسد ہے از بسکہ ان سب کو معلوم تھا کہ وہ امور جو رسول اللہ نے فرمائے ہیں سوائے علی کے کسی اور میں پائی نہیں جاتی۔ بس لامحالہ یہہ خیال حسد حضرت ہی کی طرف ہوتا کہ آپ اس نعمت و لقب و منصب سے محروم رہیں۔ اور میں اُسے پا جاؤں۔

نیز ابو یعلی نے ابو ہریرہ سے روایت کی ہے کہ حضرت عمر نے فرمایا علی کو تین چیزیں دیگئیں اگر اُنمیں سے ایک بھی مجھے ملتی تو سرخ بال والے اونٹ سے بھی زیادہ محبوب ہوتی۔ کسی نے پوچھا وہ کیا باتیں ہیں کہا کہ ایک تو رسول خدا کا اپنی بیٹی کو عقد میں علی کے دینا۔ دوسرے اونکو مسجد میں سکونت کی اجازت دینی ایسی حالتیں کہ مجھے اُس حالت میں سکونت جائز نہیں (کیا تماشا ہے ارے میاں پہلے معصوم تو اپنے واسطے پیدا کرو پھر مسجد میں بحالت جنابت سکونت کی خواہش کرنا۔ اور پہلے اپنے نسب کو تو ٹھیک کرو۔ پھر رسول اللہ کی بیٹی سے بیاہ کرنے کی ہوس کرنا) تیسرے بروز خیبر علی کو علم کا ملنا۔

سعد بن وقاص کے حسد کا حال جامع ترمذی سے دریافت کیجیے کہ جب ان سے امیر شام نے کہا کہ تم علیؑ کو سب کیوں نہیں کرتے جواب دیا کہ جبتک مجھے تین باتیں یاد رہینگی ہرگز اونکو سب نہ کرونگا کیونکہ اُمیں سے اگر ایک بھی مجھے ملجاتی تو سرخ بال والے اونٹ سے زیادہ محبوب ہوتی۔ الحدیث

اُنس بن مالک کے حسد کا معاملہ حدیث طیر سے ظاہر ہے جسے ترمذی نے بھی ذکر کیا ہے حاصل اُس کا یہ ہے کہ جناب رسالتمآبؐ کو بھنا ہوا پرندہ کسی نے تحفہ بھیجا تھا جسے حجل کہتے ہیں اور بعض روایات میں ہے کہ غالبًا وہ سرخاب تھا۔ پس رسولخداؐ نے دُعا فرمائی کہ خدایا میری پاس اسوقت اُسی کو بھیج جو تیرے نزدیک محبوب خلق ہو جو میری ساتھ بیٹھکر یہ پرندہ کھائے۔

یہ دُعا کری علی ابن ابیطالبؑ آئے اُنس کہتے ہیں کہ میں نے حضرت علیؑ کو رسول خدا کے پاس جانے سے روکا اور کہا کہ رسولخدا اسوقت کسی کام میں مشغول ہیں (صرف) اس اُمید پر (روکا) کہ شاید یہ دعا کسی میری ہی قوم کے حق میں قبول ہوئی ہو (اور علی اُس سے محروم رہیں)

پھر دوبارہ علیؑ آئے پھر بھی میں نے روکا۔ پھر سہ بارہ آئے اور خود دروازہ کھٹ کھٹایا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا انہیں اندر آنے دو میں نے انہیں کو اپنی دعا میں مراد لیا تھا۔ جب آپ اندر گئے تو رسول خدا نے پوچھا کہ خدا تم پر رحم کرے اتنی دیر تمہیں کیوں ہوئی علیؑ نے عرض کیا کہ یہ تیسرا مرتبہ ہے۔ ہر مرتبہ انس کہدیتا تھا رسول خدا مشغول ہیں۔ آنحضرت نے اُنس سے کہا کہ تو نے کیوں ایسا کیا اُس نے جواب دیا کہ جب میں نے آپکی دُعا سُنی تو خواہش کی کہ یہ دعا میری ہی قوم کے کسی شخص کے حق میں قبول ہو۔ الحدیث

دیکھئے اس سے کسقدر صاف اور کھلا ہوا حسد ٹپک رہا ہے۔ کہ اُس نے کوشش کی کہ علیؑ محبوب ترین خلق خدا کے نزدیک نہ ٹھیریں۔ بلکہ میری قوم کا کوئی آدمی ہو۔

اس سے صاف صاف یہ بات ظاہر ہو گئی کہ آیہ مذکورہ صدر میں لفظ الناس سے مراد یہی اہلبیت رسولؐ ہیں۔ جنپر لوگ اون کے فضل کی وجہ سے حسد کرتے تھے۔ اور انہیں کو خدا تعالی نے اپنا فضل (رحمت) فرمایا تھا اور ظاہر ہے کہ جسے خدا تعالی اپنا فضل دیدے وہی افضل ہے پس اہلبیت رسولخداؐ

سے افضل ٹھیرے اور جب افضل ہوئے تو انہیں کو امام خلیفہ و پیشوائے خلق بھی ہونا چاہیئے ورنہ ترجیح مرجوح اور تفضیل مفضول لازم آئیگی جو عقلاً مذموم و قبیح ہے۔

رہا امر ثانی۔ یعنے اس مقام آل ابراہیمؑ کو حکمت و کتاب دینے کا ذکر تو اس کا فائدہ یہہ ہے کہ اہلبیت رسولؐ پر لوگوں کا حسد کرنا محض بیجا ہے۔ کیونکہ اس قسم کی فضیلت آل ابراہیمؑ کو بھی دی گئی تھی۔ یہہ تو خدا کا فضل ہے جس کو مناسب سمجھتا ہے دیتا ہے۔ پھر حسد کرنے کی کیا بات ہے۔ نیز اسمیں ایک باریک اشارہ اس امر کی طرف بھی ہے کہ جسطرح آل ابراہیم کو کتاب و حکمت دی گئی تھی اہلبیت نبیؐ کو بھی دی گئی تھی۔ بلکہ از بسکہ آل محمدؐ آل ابراہیم میں سے ہیں تو ممکن ہے کہ یہاں بالخصوص یہی مراد ہوں۔

رہا امر ثالث یعنے ملک عظیم کا آل ابراہیم کو ملنا۔ اُس کے مقابلہ میں یہاں ملک کبیر موجود ہے اگر حضرت سلیمانؑ کی نسبت خدا تعالی نے فرمایا آتیناہ ملکاً عظیما تو اہلبیت رسول کی نسبت فرمایا۔ واذا رأیت ثم رایت نعیماً وملکاً کبیرا عالیهم ثیاب سندس خضر و استبرق وحلوا اساور من فضة وسقاهم ربهم شراباً طهورا۔ بھلا اس اہتمام کے ملک کے سامنے حضرت سلیمان کا ملک کہاں وہ دنیاوی ملک تھا یہہ اُخروی ملک ہے وہاں جن و انس خدمت گذار تھے یہاں جنتی حور و غلمان۔ وہاں کے میوے فانی و خراب ہونے والے تھے یہاں باقی اور غیر متغیر۔ دیکھو سورہ ہل اتیٰ اور اہلبیتؑ کے فضائل کو غور سے پڑھو اور سمجھو کہ خدا نے انکو کیا مرتبہ نہیں دیا ہے۔

یہہ سب تو عقلی وجوہ تھے جن سے تبلایا گیا کہ آیت میں الناس سے مراد اہلبیت رسولؐ ہیں اب نقلی بھی سُنیے یعنے حجر مکی صواعق محرقہ صـ۹۱ چھاپ مصر میں لکھتے ہیں۔ اخرج ابو الحسن المغازلی عن الباقر رضی اللہ عنہ قال فی تفسیر ہذہ الآیۃ نحن الناس المحسدون واللہ۔

یعنی ابو الحسن مغازلی (شافعی) نے روایت کی ہے امام محمد باقر رضی اللہ عنہ سے کہ اس آیت کی تفسیر میں فرمایا خدا کی قسم ہمیں وہ لوگ ہیں جو محسود ہیں۔

امام محمد باقرؑ وہی بزرگوار ہیں جنکی ثنا و صفت آپنے ابھی پڑھی ہے۔ اور وارث علوم نبیین ہیں پس انکا ارشاد بھی حق ہے۔ وہو المطلوب۔

آیت پچیسویں و چھبیسویں (جزو ۶ - رکوع ۶ - سورہ مائدہ)

وعد اللہ الذین آمنو وعملو الصالحات لہم مغفرۃ واجر عظیم - والذین کفرو وکذبو بآیاتنا اولئک اصحٰب الجحیم
اس آیت کو سورہ فتح کی آیت (جو آیہ محمد رسول اللہ والذین معہ اشداء علی الکفار کے ذیل میں ہے)
تصور کرکے جناب حجۃ الاسلام مولانا مفتی سید محمد عباس اعلی اللہ مقامہ نے بذیل آیہ محمد رسول اللہ الخ
تحریر فرمایا ہے - حالانکہ یہ آیت سورہ مائدہ کی ہے اور وجہ اس دہوکے کی یہ ہوئی کہ نسخے کتابوں کے
غلط لکھے گئے ہیں اجرٌ عظیمٌ کو اجراً عظیماً لکھدیا ہے اور یہی فرق ہے دونوں آیتوں کا
لیکن یہ مرحلہ دوسری آیت کے انضمام سے طے ہو جاتا ہے کیونکہ یہ دوسری آیت سورۂ فتح کی کسی آیت سے
تشابہ نہیں ہے - اور جہاں کہیں حدیثوں میں آیت اولیٰ کا ذکر ہے - آیت ثانیہ بھی ساتھ ساتھ ہے -
بہرحال ترجمۂ ظاہری آیت کا یہ ہے کہ "خدا نے وعدہ کیا ہے ایمان والوں اور نیکوکاروں سے کہ اون کیلئے
مغفرت اور اجر عظیم ہے اور جو لوگ منکر ہیں - اور ہمارے خدا کی آیتوں سے انکار کرتے ہیں وہ لوگ اصحاب جہنم ہیں"
اس آیت کے متعلق فقیہ ابن مغازلی شافعی نے اپنی کتاب مناقب کے حصۂ آیات میں (جس کا قلمی نسخہ حاضر الوقت
ہے) تحریر فرمایا ہے جو مع الاسناد اس مقام پر درج کی جاتی ہے - اخبرنا الحسن بن احمد بن موسےٰ انا
ہلال بن محمد ثنا اسمٰعیل بن علی بن رزین بن عثمان انا ابی ثنا اخو دعبل بن علی ثنا مجاشع عن عمر
ابن عیسیٰ بن عبدالکریم الجزری عن سعید بن جبیر عن ابن عباس انہ سال عن قول اللہ عج وعد اللہ
الذین آمنو وعمل الصالحات لہم مغفرۃ واجر عظیم قال سال قوم النبیؐ قالو فیمن نزلت ہذہ الآیۃ یا
نبی اللہ - قال اذا کان یوم القیامۃ عقد لواءٌ من نور ابیض فاذا مناد لیقم سید المؤمنین ومعہ الذین
آمنو بعد بعث محمد فیقوم علی ابن ابیطالب فتعطا اللواء من النور بیدہ تحتہ جمیع السابقین الاولین
من المہاجرین والانصار لا یخلطھم غیرہم حتی یجلس علی منبر من نور رب العزہ ویعرض الجمیع علیہ رجلاً
رجلاً فیعطی اجرہ - فاذا اتی الی آخرہم قیل لہم قد عرفتم منازلکم من الجنۃ ان ربکم یقول عندی مغفرۃ
واجر عظیم - یعنے الجنۃ فیقوم علیؑ - والقوم تحت لوائہ - حتی یدخل بہم الجنۃ - ثم یرجع الی منبرہ فلا یزال

یعرض علیہ جمیع المؤمنین فیاخذ نصیبہ منہم الی الجنۃ و ینزل اقواماً الی النار فذالک قولہ تعالیٰ والذین آمنو وعمل الصالحات لہم اجرہم ونورہم یعنی السابقین المؤمنین اہل الولایۃ لہ والذین کفرو وکذبوا اولئک اصحاب الجحیم۔ یعنے بالولایۃ وحق علی الواجب علی العالمین۔

ترجمہ۔ خبر دی ہمکو حسن بن احمد بن موسیٰ کہا ہم کو خبر دی ہلال سے محمد نے کہا حدیث بیان کی ہم سے مجاہد نے عمران میسرہ بن عبدالکریم جزری سے اُنہوں نے سعید بن جبیر سے اُنہوں نے ابن عباس سے کہ اُن سے سوال کیا گیا آیتہ وعد اللہ الذین آمنوا الخ کی بابت تو کہا کہ کچھ لوگوں نے سوال کیا ہے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ سے کہ کس کی بابت یہ آیت اُتری یا نبی اللہ فرمایا جب قیامت کا دن ہوگا تو ایک علم سفید نور کا باندھا جائیگا پھر ایک منادی پکاریگا کہ سید المؤمنین اور وہ لوگ جو اُن کے ساتھ محمدؐ کی بعثت کے بعد ایمان لائے ہیں اُٹھیں۔ پس علی ابن ابیطالبؑ اُٹھینگے۔ تب اُنہیں وہ علم نور دیا جائیگا جسکے نیچے تمام سابقین اولین مہاجرین و انصار ہونگے اُن سے اور کوئی مخلوط نہ ہوگا۔ یہانتک کہ ایک ممبر پر جو نور رب العزت سے بنا ہوا ہوگا بیٹھینگے اور ایک ایک شخص کر کے لوگ اون کے سامنے پیش ہونگے۔ جب سب لوگ پیش ہو چکینگے تو اُن سے کہا جائیگا کہ تم نے اپنے منازل جنت کو پہچان لیا۔ تمہارا پروردگار فرماتا ہے کہ میرے نزدیک مغفرت و اجر عظیم ہے یعنے جنت ہے پھر علیؑ کھڑے ہونگے اور وہ تمام لوگ اون کے علم کے نیچے ہونگے یہانتک کہ اُنہیں جنت میں داخل کرینگے۔ پھر واپس ہو کر اپنے منبر پر بیٹھینگے پھر بار بار تمام مومنین اُنپر پیش ہوتے رہینگے۔ تب وہ اپنا حصہ اُنمیں سے لیکر جنت تک پہونچائینگے اور چند اقوام کو جہنم میں اُتارینگے۔ یہی مطلب ہے قول خدا تعالیٰ کا والذین آمنو وعمل الصالحات لہم اجرہم ونورہم۔ یعنے وہ سابقین جو ولایت علیؑ کے قائل ہیں والذین کفرو یعنے جو لوگ جو منکر ہوئے اور تکذیب کی یعنے ولایت وحق علی کی وہ اصحاب جہنم سے ہیں اور علیؑ کا حق واجب ہے تمام جہان والوں پر۔

یہ آیت مع ضمیمہ حدیث مذکور چند فائدے دیتی ہے۔

(۱) یہ کہ امیر المؤمنین علی ابن ابیطالبؑ کا ایک لقب سید المؤمنین بھی ہے اور وہ اس نام سے

قیامت کو پکاری جائینگے۔

(۲) ایک علم نور درست کرکے ان کے ہاتھ میں دیا جائیگا جسکے نیچے سابقین مہاجرین و انصار ہونگے جو وامن و ایمان ہونگے۔

(۳) آپکے لیۓ ایک منبر نور نصب کیا جائیگا جسپر آپ تشریف فرما ہونگے۔ اور پھر ایک ایک اُن مہاجرین و انصار مومنین میں سے حضرت کے پیش ہونگے۔

(۴) آپ ہی انھیں اپنے علم کے نیچے لیکر جنت میں داخل کرینگے۔

(۵) سابقین مومنین کے علاوہ دیگر مومنین بھی یکے بعد دیگرے آپ پر پیش ہونگے اور آپ پہچان پہچان کر اہل جنت کو جنت میں اور اہل جہنم کو جہنم میں داخل کرینگے۔

(۶) یہاں الذین آمنو سے مراد وہ ایمان والے ہیں جنہوں نے علیؑ کو ولی و والی ہونا قبول کیا۔ اور اسپر ایمان لائے۔ اور کفر و منکرین سے مراد وہ گھر ہیں جو اُنکا ولی ہونا قبول نہیں کرتے۔

(۷) معلوم ہوا کہ کوئی مومن جبتک کہ آپ پر پیش نہ ہولیگا اور آپ سے داخل جنت نہ کرینگے جنت میں نہیں جا سکتا۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ محض ایمان اللہ و رسول پر جنت میں جانے کے لیۓ کافی نہیں ہو بلکہ ایمان بولایت علی بھی ضروری ہے۔ یعنے شہادت توحید و شہادت رسالت کے ساتھ شہادت دو ولایت علیؑ بھی لازم ہے۔ پس معلوم ہوا کہ واقعی مومن وہی لوگ ہیں جو ان اصول و ملت کے معتقد ہیں اور وہی اہل جنت سے بھی ہیں۔ باقی وہ لوگ جو اس تیسرے امر کے قائل و معتقد نہیں وہ اصحاب جہنم سے ہیں۔

(۸) حق علیؑ واجب ہے تمام عوالم کے لوگوں پر۔ نہ خاص اہل دنیا پر بلکہ اس کے علاوہ جس قدر خدا کی مخلوقات ہو سب پر یہ حق لازم ہے۔

(۹) حق علیؑ سے مراد جہانتک ظاہر الفاظ بتلاتے ہیں یہی ہو کہ اونکو ولی و امام برحق تسلیم کیا جائے اور ان کے علاوہ کسی اور کو انکی جگہ ولی و امام نہ مانا جائے۔ ورنہ ایسا شخص علیؑ کے حق کا غاصب ہوگا۔

(۱۰) یہ عجیب فضیلت علی ابن ابیطالبؑ کے لیۓ ثابت ہوئی کہ تمام انبیاء و رسل کے درمیان سے

صرف امیرالمومنین علیہ السلام اس خدمت کے لئے منتخب کئے جائینگے کہ وہ اہل جنت کو جنت میں اور جہنم کو جہنم داخل کرینگے اور آپکے لئے منبر نور اور علم نور مخصوص کیا جائیگا۔

کیا جو لوگ ان کے علاوہ اوروں کو اپنا پیشوا بناتے ہیں اُن پیشواؤں کے لئے بھی کوئی ایسی فضیلت بتا سکتے ہیں؟ اور کیا ایسا شخص جسکے لئے یہ خصوصیت و فضیلت حاصل ہو اُن لوگوں کے برابر کیا جا سکتا ہے جو اس سے بالکل بے نصیب ہیں رکھتے اور کیا اُسے چھوڑ کر اوروں کو نیابت رسول کیلئے منتخب کرنا انتخاب خدائی کے مخالف نہیں ہے؟ اور کیا اس مخالفت کا نتیجہ بُرا نہ ہو گا۔؟ اہل انصاف و نظر غور کرکے عمل پیرا ہوں۔ واللہ الہادی الی سواء السبیل۔

آیت ستائیسویں (سورہ مائدہ جزو ۶)

یا ایہا الذین آمنوا من یرتد منکم عن دینہ فسوف یاتی اللہ بقوم یحبہم و یحبونہ اذلۃ علی المومنین اعزۃ علی الکافرین یجاہدون فی سبیل اللہ ولا یخافون لومۃ لائم۔ ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء واللہ واسع علیم ۔ ترجمہ اے وہ لوگ جو ایمان لائے ہو تم میں سے جو کوئی اپنے دین سے پھر جائیگا (تو خدا کو اسکی کچھ پرواہ نہیں) عنقریب وہ ایک ایسی قوم کو پیدا کریگا جنہیں وہ دوست رکھیگا۔ اور وہ اُسے دوست رکھینگے مومنوں کے سامنے تو جھکے ہوئے ہونگے مگر کافروں پر سخت ہونگے راہ خدا میں جہاد کرینگے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے خوف نہ کھائینگے۔ یہ خدا کا فضل ہے جسے چاہتا ہے دیتا ہے اور اللہ وسعت والا علم والا ہے۔

اس آیت میں بھی دو پہلوؤں سے نظر کرانی ضرور ہے ایک اسکا مصداق اور دوسرا شان نزول۔ مصداق اسکا اس معنی سے کہ جسمیں یہ چھ صفتیں یکجا پائی جائیں۔ ایک یہ کہ خدا اونکو دوست رکھتا ہو ۲ دوسرے یہ کہ وہ خدا کو دوست رکھتے ہوں۔ تیسرے ۳ مومنوں کے فروتنی اور عاجزی کرنے والے ہوں۔ ۴ چوتھے یہ کہ کافروں پر سخت ہوں۔ پانچویں ۵ یہ کہ خدا کی راہ میں جہاد کرتے ہوں۔ چھٹے یہ کہ لوم لائم کی پرواہ نہ کرتے ہوں۔ سوائے اہلبیت رسول کے دوسرا نظر نہیں آتا۔

پہلے امر کا ثبوت امیرالمومنین محبوب خدا تھے	کتاب فخار اعظم میں امام حرم احمد بن عبداللہ شافعی نے روایت کی ہے

وعن انس قال کان عند النبی طیر فقال اللهم آتنی باحب خلقک الیک یاکل معی ہذا الطیر فجاء علیؑ فاکل معہ ــ اخرجہ الترمذی ـ واخرجہ الجزلی ـ وذکرہ البغوی فی المصابیح) انس سے روایت ہی کہ رسول خدا کے پاس ایک پرندہ تھا (بُھنا ہوا) پس کہا کہ ای معبود لا میری پاس اُس شخص کو جو تیرے نزدیک محبوب ترین خلق ہو کہ اس پرندہ کو میرے ساتھ کھائے ـ پس علیؑ آئے اور آنحضرتؐ کے ساتھ بیٹھکر وہ پرندہ کھایا ـ اس روایت کو ترمذی نے نقل کیا ہی ـ نیز جزلی نے نیز بغوی نے مصابیح میں اسکی روایت کی ہے ـ

اسی روایت کو کسی قدر مفصل اسی کتاب میں امام ابوبکر بن عمر بن بکیر نجار کی کتاب سے احمد بن عبداللہ شافعی مذکور نے روایت کی ہے وعن انس قدمت امرأۃ من الانصار النبیؐ طیرا فاکل لقمۃ وقال اللهم ائتنی باحب الخلق الیک والیّ فاتی علیؑ فضرب الباب فقلت لہ انہ صلے اللہ علیہ وآلہ علی حاجۃ ثم ضرب علیؑ ورفع صوتہ فقال صلے اللہ علیہ وآلہ یا انس افتح الباب فدخل علیؑ وقال لعلی الحمد للہ الذی جعلک فانی ادعوا کل لقمۃ ان یاتینی باحب الخلق الیہ والیّ فکنت انت قال علیؑ انی ضربت الباب ثلث مرات ویردنی انس ـ الحدیث

یعنی انصاریوں میں سے ایک عورت آنحضرتؐ کے پاس پرندہ لائی ـ پس آپنے اوسمیں سے ایک لقمہ کھایا اور فرمایا ای معبود لا میرے پاس اُس شخص کو جو تیری اور میری نزدیک محبوب ترین خلق ہو ـ تو علیؑ آئے اور دروازہ کھٹکھٹایا ـ میں نے اُن سے کہدیا کہ رسولؐ کسی ضرورت میں ہیں ـ پھر آنحضرتؐ نے ایک لقمہ کھایا اور ویسا ہی ارشاد کیا ـ پھر علیؑ آئے اور دروازہ پر دستک دی ـ میں نے کہدیا آنحضرت کام میں ہیں ـ تب تو علیؑ نے دروازہ پر دستک دی اور آپنے آواز بلند کی ـ رسول اللہؐ نے فرمایا ای انس دروازہ کہولدے پس علیؑ اندر گئے آنحضرتؐ نے علیؑ سے فرمایا شکر خدا کا کہ تم کو بنایا (اپنا اور میرا محبوب) کیونکہ میں ہر لقمہ پر دعا کرتا تھا کہ وہ میرے پاس ایسے شخص کو بھیجے جو اُس کے اور میری نزدیک محبوب ترین خلق ہو پس وہ تم ہوئے ـ علیؑ نے کہا میں نے تو تین دفعہ دستک دی مگر انس مجھ کو واپس کر دیتا تھا ـ"

ایک اور روایت ابن عباس سے نقل کی ہے اور اُس کے یہ لفظ ہیں ان علیا دخل علی النبیؐ فقام

الیہ و عانقہ و قبل بین عینیہ فقال لہ العباس اتحب ہذا یا رسول اللہ قال یا عم واللہ اللہ اشد حبا لہ منی (اخرجہ ابو الخیر القزوینی)

یعنی علیؑ ایک مرتبہ رسولؐ کے پاس آئے۔ حضرت اُٹھے اور اُن سے معانقہ کیا آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا۔ عباسؓ نے عرض کی یا رسول اللہ کیا آپ انکو دوست رکھتے ہیں؟ آپنے فرمایا ای چچا بخدا کہ خدا تعالیٰ مجھہ سے زیادہ انکو محبوب رکھتا ہی۔

اب دو تین حدیثیں محض ترجمہ کرکے ذخائر العقبیٰ سے لکھتا ہوں جسے کوئی خیال ہو وہ اصل کتاب دیکھ لے۔ "عایشہؓ سے مروی ہے کسی نے اُن سے پوچھا کہ رسولؐ کے نزدیک کون زیادہ محبوب تھا کہا فاطمہؑ۔ پھر پوچھا اور مردوں میں سے؟ کہا اُن کے شوہر۔ یہہ روایت بعینہ جامع ترمذی میں بھی موجود ہے جو صاحب چاہیں ملاحظہ فرمالیں۔

معاذہ غفاریہ سے مروی ہے کہ میں رسولؐ کے پاس حاضر ہوئی۔ اور آنحضرت عایشہؓ کے گھر میں تھے اُسوقت علیؑ اُس مکان سے باہر آرہے تھے آنحضرتؐ نے فرمایا۔ ای عایشہؓ یہہ شخص (علیؑ) میرے نزدیک تمام مردوں سے زیادہ محبوب اور مکرم ہے فاعرفی حقہ واکرمی مثواہ اے عایشہ اس کے حق کو پہچان اور اس کی عزت کر۔ (اس روایت کو حافظ خجندی نے روایت کیا ہی۔

نیز معاویہ بن ثعلبہ سے روایت کی ہی کہ ایک شخص ابوذر کے پاس آیا اور وہ اُسوقت مسجد مدینہ میں تھے۔ کہا کہ ای ابوذر بتاؤ کہ تمہیں کس سے زیادہ محبت ہے کیونکہ میں جانتا ہوں کہ جس سے رسولؐ کو زیادہ محبت رہی ہوگی اُس سے تمکو بھی بہت محبت ہوگی۔ ابوذر نے کہا ای ورب الکعبہ ہو ذاک الشیخ فاشار الی علی رضی اللہ عنہ ہاں قسم رب کعبہ کی کہ وہ یہہ شیخ ہے اور علیؑ کی طرف اشارہ کیا (اس کو عمر نے اپنی کتاب سیرت میں روانہ کیا ہی)

اس مفصل بیان سے معلوم ہوا کہ علی محبوب ترین خلق عند اللہ و عند الرسول تھے۔

نیز یہہ بھی معلوم ہوا کہ فاطمہؑ بھی محبوب ترین خلق نزدیک رسول خدا کے تھیں۔

نیز اسی کتاب میں مروی ہی عن یعلی ابن مرہ قال جاء الحسن والحسین فاخذہما وضمہما الی صدرہ

وقبلہما وقال انی احبہما فاحبوہما یعنے یعلے بن مرہ سے مروی ہی کہ حسن اور حسین رسول اللہ کے
پاس آئے حضرت نے اونکو اپنے سینے سے لگایا اور بوسہ دیا - پھر فرمایا ایہا الناس میں ان دونوں کو
دوست رکھتا ہوں تم بھی ان کو دوست رکھو اس روایت کو امام احمد بن حنبل نے اور دولابی نے
نقل کیا ہی -) نیز ابو زہیر بن ارقم سے مرفوعاً روایت ہی کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے
فرمایا جو مجھے دوست رکھے وہ حسن کو دوست رکھی چاہیئے اس حدیث کو حاضرین اُن لوگوں تک بھی
پہونچا دیں جو موجود نہیں ہیں -

ان تمام روایتوں سے ثابت ہو گیا کہ خدا کے نزدیک محبوب ترین عالم صرف اہلبیت رسول تھے نہ کوئی
اور پس امر اول کا دعوے بلا دغدغہ ثابت ہو گیا -

امیر المؤمنین کی محبت خدا سے دوسرے امر کا ثبوت اول تو یہہ ظاہر ہے کہ جب پروردگار عالم کو ان سے
محبت تھی تو لا محالا ان کو بھی خدا تعالے سے ویسی ہی محبت رہی ہو گی ورنہ یہہ تو ممکن ہی نہیں
کہ یہہ لوگ خدا سے دشمنی رکھیں اور وہ ان سے محبت رکھتا ہو - یہہ تو کوئی دیوانہ بھی نہ کہیگا - پس لامحالہ
ازراہ عقل یحبونہ کے قطعی مصداق تھے - دوسرے یہہ کہ حدیثیں بھی اسکی مؤید موجود ہیں - اول تو حدیث
خیبر ہی یاد کیجیئے جسے عام طور پر عام وخاص نے روایت کی ہے - کہ رسول خدا نے فرمایا لاعطین
الرایۃ غداً رجلاً غیر فرار یحبہ اللہ ورسولہ ویحب اللہ ورسولہ یعنے میں کل اُسے علم دونگا جسے خدا
ورسول دوست رکھتے ہونگے اور وہ خدا ورسول کو دوست رکھتا ہو گا - دوسرے دن وہ علم علیؑ کو دیا معلوم
ہوا کہ علی بھی خدا سے محبت رکھتے تھے - لہذا اس آیت مذکورۃ الصدر میں جو لفظ ویحبونہ آیا ہی
اُسکا مصداق بھی وہی ٹھیری -

اس روایت کو صواعق محرقہ میں ابن حجر نے ان لفظوں میں لکھا ہی اخرج الشیخان عن سہل بن سعد
بن ابی وقاص والطبرانی عن ابن عمر وابن ابی لیلیٰ وعمران بن حصین والبزار عن ابن عباس
قالوا جمیعاً ان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم قال یوم الخیبر لاعطین الرایۃ غداً رجلاً یفتح اللہ علی یدیہ
یحب اللہ ورسولہ ویحبہ اللہ ورسولہ فبات الناس یذکرون ویتحدثون لیلتہم ایہم یعطاہا فلما اصبح

الناس غدوا علی رسول اللہ کلہم یرجون ان یعطاہا فقال این علیؑ فقیل یشتکی عینیہ فقال ارسلوا الیہ فاتی بہ فبصق رسول اللہؐ فی عینیہ ودعا لہ فبرء حتی کان لم یکن بہ وجع فاعطاہ الرایۃ وفتح اللہ علی یدیہ - یعنے بخاری اور مسلم نے صحیحین میں سہل بن سعد بن ابی وقاص سے اور طبرانی نے ابن عمرو ابن ابی لیلی سے اور عمران بن حصین سے اور بزار نے ابن عباس سے روایت کی ہی - سبنے متفق اللفظ بیان کیا ہی کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے دن فرمایا کل میں اُسے علم دونگا جسکے ہاتھ پر خدا فتح کریگا وہ خدا و رسول کو دوست رکھیگا اور خدا و رسول اُسے دوست رکھینگے - پس شب بھر لوگ یہی چرچے کرتے رہے اور ذکر کرتے رہے - کہ دیکھیں کسے یہ علم ملتا ہی - جب صبح ہوئی اور لوگ آنحضرتؐ کی خدمتمیں حاضر ہوئے تو سبکے سب اس کے اُمیدوار تھے کہ ہمیں یہ علم ملیگا - آنحضرتؐ نے فرمایا - علیؑ کہاں ہیں - لوگوں نے کہا اُنہیں آنکھہ کی شکایت ہی فرمایا آدمی بھیجکر اُنہیں بلاؤ جب وہ آئے تو رسول اللہؐ نے اونکی آنکھہ میں آب دہن ڈالا اور دعا کی - پھر تو ایسے تندرست ہوگئے کہ گویا اُنہیں (آنکھہ میں) درد تھا ہی نہیں - پھر حضرت کو علم دیا اور خدا نے اُنہیں کے ہاتھوں پر فتح کی -

علاوہ اس کے ان حضرات کی اطاعت خدا - عبادت خدا - خوف خدا - محبت دوستان خدا - محبت عموم بندگان خدا - عام طور پر جو کتب سیر و تواریخ میں مذکور ہے وہ کافی ثبوت اسکا ہی کہ انکو بھی کس درجہ خدا تعالیٰ اور رسول خدا سے محبت تھی - ورنہ اسقدر مشقت بے محبت کوئی برداشت نہیں کرتا - میں ان سب امور کو بسبب انتہائے شہرت کے چھوڑتا ہوں کیونکہ اگر ان سب کو لکھوں تو صرف اسی آیت کی تفسیر میں ایک عظیم الشان کتاب ہوجائیگی - اور دوسری آیتیں جو آئندہ لکھنی ہیں رہ جائینگی - اور اہل عقل و غیر متعصب انصاف پسند طبیعت والوں کے واسطے اسیقدر کافی ہے پس زیادہ طول دینے کی ضرورت ہی کیا ہی -

تیسرے امر کا ثبوت احمد بن عبد اللہ مکی شافعی نے کتاب ذخائر العقبیٰ میں لکھتے ہیں (منجملہ کلام طویل ازضرار صدائی) وہو یعظم اہل الدین ویقرب المسکین لا یطمع القوی فی باطلہ ولا ییاس الضعیف من عدلہ یعجبہ من اللباس ما قصر ومن الطعام ما خشن وکان کاحدنا یجیبنا اذا سئلناہ ویاتینا اذا اتیناہ - یعنے

آپ اہل دین کی تو تعظیم فرماتے تھے اور فقراء کو اپنے سے قریب کرتے قوی کو یہ موقع نہ دیتے کہ وہ اپنے باطل امور کو جاری کر سکے اور کمزور کو اپنے انصاف سے مایوس نہ کرتے تھے۔ آپکے لباس وہ پسند تھا جو کوتاہ ہو کھانا وہ پسند تھا جو روکھا سوکھا ہو اور آپ اسطرح ہم لوگوں کے ساتھ رہتے تھے جیسے ہم میں سے کوئی ہو جب آپ سے کچھ سوال کرتے تو جواب دیتے تھے اور جب کسی امر کو دریافت کرتے تو بتا دیتے تھے۔

امیر المومنین اہل ایمان کے ساتھ عاجزی و فروتنی سے پیش آتے تھے

نیز عمار بن یاسر سے کتاب ذخائر العقبیٰ میں مرفوعاً روایت کی ہو کہ رسول خدا نے فرمایا یا علی ان اللہ قد زینک بزینۃ لم یزین بہا عبادہ ھی احب الیہ الزھد فی الدنیا فجعلک لا تزداد من الدنیا ولا تزداد الدنیا شیئا ووھب لک المسکین فجعلک ترضاھم اتباعاً ویرضون بک اماماً (اخرجہ ابو الخیر الحاکمی) اے علی خدا نے تم کو ایک ایسی زینت سے مزین کیا ہو کہ اپنے بندوں میں سے کسی کو مزین نہیں کیا۔ وہ صفت اُسے بہت پسند ہو۔ وہ زہد ہے۔ پس تمہیں ایسا بنایا ہو کہ نہ تم دنیا کو حاصل کروگے اور نہ دنیا تم سے کچھ لے سکیگی۔ (یعنی دنیا تم کو اپنے میں مبتلا نہ کر سکیگی) اور تمہارے لیے مساکین کو ہمیشہ (دوست) بنایا۔ پس تم اُن کے تابع ہونے سے خوش رہوگے۔ اور وہ تمہارے امام ہونے سے۔ اس کو ابو الخیر حاکمی نے روایت کیا ہے)

علاوہ بریں اُس بزرگوار کی تواضع و انکسار کا کیا ذکر ہو سکتا ہے جو خود لوگوں کو تواضع کی ہدایت کرتا ہو چنانچہ ذخائر العقبیٰ میں کتاب فردوس الاخبار سے روایت کی ہے کہ آپ فرماتے تھے الکرامۃ فی التقویٰ والرفعۃ فی التواضع والمروۃ فی الصدق والنصر فی الصبر والغنا فی القناعۃ والراحۃ فی الزھد والعافیۃ فی الصمت کرامت تو پرہیزگاری میں ہو اور بلندی تواضع و انکسار میں ہو۔ مروت سچ بولنے میں ہو۔ اور مدد خدا کی صبر میں۔ تونگری قناعت میں ہے آرام زہد میں اور بچاؤ سکوت میں ہے"

چوتھے امر کا ثبوت۔ امیر المومنین کا کفار پر سخت ہونا۔

کتاب ذخائر عقبےٰ میں روایت کی ہے عن ابی سعید خطبنا النبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم وقال ایہا الناس لا تشکو علیاً فواللہ انہ لاخشن فی ذات اللہ۔ ابو سعید سے مروی ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

خطبہ پڑھا اور فرمایا کہ ایہا الناس علی کی شکایت نہ کرو کیونکہ خدا کی قسم وہ خدا کے معاملہ میں بہت سخت ہی۔ علاوہ ازیں یہہ بات آپکے مجاہدات و غزوات سے ظاہر ہی کہ آپ کی شدت کفار کے مقابلے میں کیا تہی۔ کبھی کسی کافر پر من حیث کفرہ رحم نہیں کیا۔ کسی مشرک کو اُس کے شرک کی وجہ سے اپنی تلوار سے نہ چھوڑا ہزاروں مشرکین تہ تیغ کیئے۔ ہزاروں کو دائرہ اسلام میں داخل کیا۔ ہزاروں کو زخمی کرکے بہاگنے دیا۔ غرض کہ آپکے غزوات و جہاد کے معاملات تو ایسے واضح ہیں جنسے اس چوتھے امر کا ثبوت آفتاب سے زیادہ روشن طور پر ثابت ہی۔ دوسری دلیل کی ضرورت کیا ہے۔

پانچویں امر کا ثبوت امیر المؤمنین کا جہاد راہ خدا میں

جنگ بدر و خندق و خیبر و اُحد وغیرہ سے معلوم کر لینا چاہیئے کہ آپکے سوا کوئی اور بھی تھا جس نے کبھی جہاد سے مُنہہ نہ موڑا ہو اور علاوہ جہاد ظاہری کے جہاد فی العبادۃ۔ جہاد بالمال۔ جہاد فی الاخلاق الحسنہ بھی آپکے اس حد پر مشہور ہیں کہ کوئی انکار نہیں کرسکتا۔ اور نہ ان امور میں کوئی آپکا نظیر نظر آتا ہے۔

چھٹے امر کا ثبوت۔ امیر المؤمنینؑ کو لوم لائم کی پروا نہ تھی

ذخائر العقبیٰ میں مذکور ہی۔ عن زید بن وہب قال ان الجعد بن نعجہ عاب علیًا فی لباسہ فقال لہ ہو ابعد من الکبر و اجدر ان یقتدی بہ المسلم۔ زید بن وہب سے روایت ہی کہ جعد بن نعجہ نے آپکے لباس (کہنہ کو دیکھکر) آپ پر طعن کیا آپنے فرمایا یہہ لباس تکبر سے دور رکہتا ہی اور اس قابل ہے کہ اہل اسلام اسکی اقتدا کریں۔ (لہذا میں ایسا ہی لباس پہنونگا اور کسی ملامت کرنیوالیکی ملامت کا خیال نہ کرونگا۔)

نیز لکھا ہی۔ عن عمر ابن قیس قال یا امیر المؤمنین لم ترقع قمیصک قال یخشع القلب و یقتدی بہ المومن۔ عمر ابن قیس نے حضرت سے عرض کی آپ اپنی قمیص میں پیوند کیوں لگاتے ہیں آپنے فرمایا۔ یہہ دلکو منکسر رکہتا ہی اور مؤمن اسکی پیروی کرتے ہیں۔

نیز روایت کی ہے وعن ہارون بن عنترہ عن ابیہ قال دخلت علی علیؑ بالخورنق وہو تحت سمل قطیفۃ فقلت یا امیر المؤمنین ان اللہ تعالیٰ قد جعل لک و لاہل بیتک من ہذا المال و انت تلبس ہذا الثوب الردی قال ما ارزئکم من مالکم و انہا لقطیفتی التی خرجت بہا من المدینۃ۔ ہارون بن عنترہ سے

مروی ہو اُس نے اپنے باپ سے روایت کی ہے کہ میں علی ابن ابیطالب کے پاس حوزق (غالباً یہ لفظ کرشک کا معرب ہے) میں گیا آپ ایک پرانی چادر اوڑھے ہوئے تھے میں نے عرض کی یا امیرالمومنین خدانے آپکے اور آپ کی اہلبیت کے واسطے اس مال میں سے حصہ قرار دیا ہی باوجود اسکے آپ یہ خراب لباس پہنے ہوئے ہیں۔ آپنے فرمایا میں تمہارے مال میں سے لینا نہیں چاہتا یہ میری وہ چادر ہی جسے پہنکر میں مدینہ سے نکلا تھا"

دیکھا آپنے کیا زہد تھا اور کس طرح آپ ملامت کرنیوالوں کی پرواہ نہ کرتے تھے اسکی کوئی نظیر اور بھی ملسکتی ہے۔ یہی حال آپکے اور قایم مقاموں کا بھی رہا ہی۔ اگر اُن سب کو لکھا جائے تو نہایت طول ہو جائیگا۔ اس معاملہ میں میری کتاب اخلاق الائمہ دیکھنی چاہیئے۔

رہا شان نزول سو ثعلبی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہی۔ انہا نزلت فی علیؑ یعنے یہ آیت شان علی ابن ابیطالبؑ میں نازل ہوئی ہی۔

آیت تیسویں

من جاء بالحسنۃ فلہ خیر منہا وہم من فزع یومئذ آمنون ومن جاء بالسیئۃ فکبت وجوہہم فی النار ہل تجزون الا ما کنتم تعملون۔

حافظ ابو نعیم نے اپنی کتاب حلیۃ الاولیاء میں حموینی نے کتاب مناقب میں۔ ثعلبی نے اپنی تفسیر میں روایت کی ہے اپنے اپنے سندوں سے ابوعبداللہ جبدل سے اُس نے علی ابن ابیطالب علیہ السلام سے کہ آپنے فرمایا ای ابوعبداللہ الا اُنبئک بالحسنۃ التی من جاء بہا ادخلہ اللہ الجنۃ والسیئۃ التی من جاء بہا اکبہ اللہ فی النار ولم یقبل معہا عملاً قلت بلیٰ قال الحسنۃ حبنا والسیئۃ بغضنا۔ کیا تمہیں خبر نہ دوں اُس حسنہ (نیک کام) سے کہ جو اُسے بجالائیگا۔ تو پروردگار اُسکو جنت میں داخل کریگا اور اُس سیئہ (بدکام) سے جو اُسے کریگا تو خدا تعالی مُنہ کے بل جہنم میں گرادیگا۔ اور جسکی وجہ سے کوئی عمل اُسکا قبول نہ کریگا۔ میں نے کہا بیان کیجیے!! آپنے فرمایا حسنہ سے مراد ہماری محبت ہے اور سیئہ سے مراد ہماری دشمنی ہے۔ (یعنے جو ہم سے محبت کریگا جنت میں جائیگا اور جو ہم سے دشمنی کریگا جہنم میں جائیگا)

اس آیت کی سند میں حدیثیں بھی بکثرت موجود ہیں جنمیں سے ایک یہ ہی جسے صواعق محرقہ میں بیہقی
ابوالشیخ ابن حبان اور دیلمی سے روایت کیا ہی کہ آنحضرتؐ نے فرمایا لایؤمن عبد حتی اکون احب الیہ
من نفسہ ویکون عترتی احب الیہ من عترتہ ویکون اہلی احب الیہ من اہلہ وتکون ذاتی احب الیہ
من ذاتہ " کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا جبتک میں اُس کے نزدیک اوس کی جان سے زیادہ
محبوب نہ ہوں۔ اور میری عترت اُسکے نزدیک اوسکی عترت سے زیادہ محبوب نہ ہو۔ اور میری عزت
اُس کے نزدیک اوسکی عزت سے زیادہ محبوب ہو۔ اور جبتک میری اہلبیت اوس کے نزدیک
اوسکی اہلبیت سے زیادہ محبوب ہو۔ اور میری نصرت اوسکی نصرت سے زیادہ محبوب ہو۔
جس سے معلوم ہوا کہ اہلبیت سے محبت کرنے والا مؤمن ہے۔ بس وہ لامحالہ جنت میں جائیگا۔ اور
ان سے بغض رکھنے والا کافر ہے جو قطعی طور پر مونہ کے بل جہنم میں گرایا جائیگا۔

آیت (ج ۷ ع ۳)

جعل اللہ الکعبۃ البیت الحرام قیاماً للناس والشہر والہدیٰ والقلائد۔ کعبہ بیت الحرام کو قیام گاہ
معاش کا ذریعہ لوگوں کے لیئے بنایا ہے اور اُس نے شہر حرام اور ہدیٰ (قربانی) اور قلائد قایم
کیئے ہیں۔ (قلائد سے مراد وہ چیزیں ہیں جو قربانی کے گلے میں لٹکائی جاتی ہیں)
"اس آیت میں خدا تعالیٰ نے اپنا احسان جتایا ہے کہ ہم نے تم لوگوں کے فائدہ کے لیئے خانہ کعبہ کو
بیت محترم اور خانہ معظم بنایا جسکی وجہ سے لوگ دور دور سے یہاں آتے ہیں اور وہ ذریعہ ہے عرب کے
معاش واکتساب کا اور تبادلہ خیالات کا اور اُس سے بے شمار فوائد دنیا کو پہونچتے ہیں۔ جنمیں
تعلیم عبادت اور یاد دہانی اُس اطاعت الٰہیہ کی ہے جسے حضرت ابراہیم خلیلؑ نے اسی موقع پر
ظاہر کی تھی۔ اور اپنے فرزند عزیز اسمٰعیلؑ کو ذبح کرنے کے لیئے طاعت رب العزت میں آمادہ ہوئے
تھے جس کے دیکھنے اور سُننے سے انسان کو عبرت ہوتی ہے اور اُسے بھی اُمنگ ہوتی ہے
کہ ہم بھی طاعت الٰہیہ میں اسیطرح گرم جوش ہوں۔
جسطرح کعبہ یادگار جناب ابراہیم علیہ السلام کی قایم کی گئی ہی جس کے پاس لوگ دور دور سے آتے

اور اُسکا طواف کرتے اور اپنے لیئے ذریعہ ثواب کرتے ہیں اوسیطرح انسانوں میں سے بھی ایک کعبہ
بنایا گیا ہی جس کا دیکھنا عبادت قرار دیا گیا اور جسکی طرف اپنے فوائد دینیہ دنیویہ کے لیئے رجوع کرنے کا
حکم دیا گیا اور فرمایا گیا النظر علیٰ وجہ علیٍ عبادۃ نظر کرنا چہرۂ علیؑ پر عبادت ہی - (صواعق محرقہ
حدیث ۱۵ فی فضائل امیر المومنین اور ینابیع ص ۲۳۵ - اور پھر دوسری حدیث میں اور توضیح کے ساتھ
ارشاد ہوا یا علی انت بمنزلۃ الکعبہ (دیلمی نے اسے روایت کیا ہے) دیکھو کنوز الدقائق شیخ
عبدالروف مصری اور ینابیع المودۃ ص ۱۵ چاپ بمبئی)

جس کا مطلب یہہ ہے کہ اے علی تم بمنزلۂ کعبہ کے ہو یعنے جو رتبہ خانہ کعبہ کا ہے زمین پر وہی رتبہ تمہارا ہے
اور جو احترام اُسکا لازم ہی وہی احترام تمہارا لازم ہی - جسطرح گھر اوسکے پاس دور دور سے آتے ہیں
اوسیطرح تمہارے پاس آنا فرض ہے اور جسطرح منافعہ دینیہ دنیویہ انسانوں کو خانہ کعبہ سے
حاصل ہوتے ہیں اوسیطرح تم سے بھی حاصل ہونگے اور جس طرح کہ خانہ کعبہ کا فرض نہیں کہ وہ لوگوں کے
پاس جائے بلکہ لوگونکا فرض ہے کہ وہ اسکے گرد جمع ہوں اور اسکا طواف کریں - اوسیطرح تمہارا فرض
نہ ہوگا کہ لوگوں کے پاس جاؤ - بلکہ لوگوں کا فرض ہوگا کہ وہ تمہارے پاس آویں اور عقدہ ہائے لاینحل مسایل
کو اور فوائد بیشمار دنیا و آخرت کے تم سے حاصل کریں

گویا دوسرے لفظوں میں جناب سرور کائنات علیہ و علیٰ آلہ التحیۃ والصلواۃ نے مرجعیت عامہ
امیر المومنین علیہ السلام کو بیان کیا ہی اور بتایا ہی کہ یہی وہ ہیں جنکی طرف رجوع لازم ہے نہ کسی اور
کی طرف - اور جسطرح خانہ کعبہ کے ہوتے ہوئے کوئی دوسرا گھر عبادت کے لیئے نہیں بنایا جاسکتا
اور نہ کسی اور طرف رُخ کر کے عبادت کیجا سکتی ہے اسیطرح علی ابن ابیطالب کے ہوتے ہوئے نہ کوئی دوسرا
پیشوا کھڑا کیا جاسکتا ہی اور انکی طرف شرعاً رجوع کی جاسکتی ہے -

تمثیل تو بے نظیر تھی مگر جب دنیا سمجھے بھی - خدا ہدایت کرے اپنے بندونکو کہ وہ احادیث صحیحہ کو
پڑھکر نور ہدایت حاصل کریں -

آیت

(ج ۷، ع ۶ سورہ انعام) قبل آیہ من جاء بالحسنۃ -

وانّ ہذا صراطی مستقیماً فاتبعوہ ولا تتبع السبل فتفرق بکم عن سبیلہ ذالکم وصّاکم بہ لعلکم تتقون ۔"

یہ آیت ذیل میں ہو آیہ قل تعالوا اتل ما حرم ربکم کے جس کا حاصل یہ ہو کہ کہہ اے رسول اللہ کہ آو میں تمہیں بتاؤں کہ یہ ہی میری راہ مستقیم پس تم لوگ اوسکی پیروی کرو اور دیگر راہوں کی تبعیت نہ کرو۔ کیونکہ وہ تمہیں راہ خدا سے جدا کر دیگی۔ (دیکھو یہ تمہیں وصیت کرتا ہو (خدا تعالی) تاکہ تم پرہیزگار بنو۔"

اس آیت میں اوس حدیث کی طرف صاف اشارہ ہو جسمیں فرمایا گیا ہو کہ میری اُمت کے تہتر فرقے ہو جائینگے سب ناری ہونگے ایک ناجی ہوگا اور بتایا ہو کہ دیکھو میری صراط مستقیم جسپر چلکر نجات یافتہ ہو سکے وہ یہ ہی ہو لہذا تم دیگر راہوں پر جو جہنم تک تم کو پہونچائیں نہ چلنا۔ کیونکہ میری اُمت کے تہتر رستے ہونگے ہر رستہ جہنم تک جائیگا۔ سوائے ایک صراط مستقیم کے (جو میری راہ ہے) کہ وہ البتہ جنت تک جاتی ہے۔

اس آیت میں خدا تعالی نے جو اشارۃً پیشین گوئی فرمائی ہو کہ اسلام میں "سُبُل" یعنی بہت سے رستے ہو جائینگے وہ پورا ہو کر رہا۔ جو آج بھی مشاہد و محسوس ہے۔ اور وہ پیشین گوئی رسول اللہ کی جو اسی آیت کی تفسیر تھی۔ آنکھوں سے دکھائی دیگی۔ جس سے بہتر اور زیادہ آنحضرتؐ کی صداقت اور آپکے سچے رسول ہونے کی کیا دلیل ہو سکتی ہے۔

اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ صراط مستقیم اُن تمام مذاہب اسلام کے علاوہ کوئی راہ ہو جسپر عام لوگ چل رہے ہیں بجز اسکے جو آپنے اپنی راہ فرمائی ہے اور حقیقت میں وہی راہ مستقیم ہو سکتی ہے جو رسول اللہ کی ہو باقی تمام کج و اکج ہے۔

اب اس کا ثبوت کہ وہ راہ مستقیم کیا ہو۔ ہم اس سے پہلے آیت ۲ کی تفسیر میں مفصلاً لکھہ آئے ہیں لہذا یہاں زیادہ تفصیل کی ضرورت نہیں صرف اسقدر یہاں لکھہ دینا کافی ہو جسے صاحب ینابیع المودۃ نے صفحہ ۹۰ چاپ بمبئی) اپنی اس کتاب میں نقل کیا ہو۔ اور نیز ارجح المطالب)

عن محمد بن الباقر و جعفر الصادق۔ قالا الصراط المستقیم الامام ولا تتبعوا السبل یعنی غیر الامام فتفرق

عن سبیلہ۔ ونحن سبیلہ۔ یعنی امام محمد باقرؑ اور امام جعفر صادقؑ (دونو بزرگوار سے) مروی ہے کہ صراط مستقیم سے مراد امام ہے اور لاتتبعوا السبل سے مراد غیر امام ہے کہ وہ تم کو غیر راہ خدا پر پہنچائیگا لہذا اوسکی تبعیت نہ کرو اور ہم راہ خدا ہیں (جس پر چلکر انسان راہ خدا تک پہونچ سکتا ہے۔)

واضح رہے کہ کلام میں خواہ وہ عربی ہو یا فارسی یا اردو یا اور کوئی زبان سب میں استعارات و مجازات و تشبیہات بکثرت موجود ہیں۔ اور ان کا استعمال ہی کلام کے حسن کو بڑھا دیتا ہے بلغا کے کلام میں مجازات و استعارات بکثرت ہوتے ہیں۔ اور یہی بات قرآن مجید میں بھی ہے۔ کیونکہ ممکن تہا کہ ایسی کلام بلیغ اور محاسن کلام سے خالی ہو۔ منجملہ اُن استعارات کے جو کلام مجید میں آئے ہیں ایک استعارہ یہ بھی ہے جو اس موقعہ پر مستعمل ہوا ہے۔

دراصل راہ یا صراط یا سبیل اُسکو کہتے ہیں جس پر انسان یا اور کوئی جاندار اپنے پاؤں سے چلے اور چلکر منزل مقصود تک پہونچے۔ لیکن چونکہ دین حق اور ملت صادقہ بھی وہ چیز ہے جسکی تبعیت کرنے سے انسان منزل مقصود یعنی خدا تک پہونچتا ہے جسطرح زمین کی راہوں میں چلکر زمین کی منازل مقصود تک پہونچتا ہے اسلیئے ملت صادقہ اور دین حق کا استعارہ صراط مستقیم سے کیا ہے۔ اور چونکہ علاوہ ملت صادقہ کے اور بھی ملل باطلہ اور ادیان فاسدہ ہیں جو دین حق کے مخالف ہیں۔ جنپر بے دین اور بد مذہب چلا کرتے ہیں۔ لہذا اُنکو بھی سبل (راہوں سے) تشبیہہ دی ہے۔ اور معلوم ہے کہ ملت صحیحہ اور دین حق وہی ہے جسے خدا تعالیٰ نے محدود و معین کرکے اپنی طرف سے بھیجا ہے اور جسکی تلقین و تعلیم رسولؐ نے دی ہے۔ نہ کوئی اور رستہ۔ مگر دنیادار آدمیوں نے اُس دین میں بے شمار شاخیں نکالکر مختلف رستے بنا لیئے جس کا نتیجہ آج ہماری آنکھوں کے سامنے۔ وہابی۔ حنفی۔ شافعی۔ حنبلی۔ مالکی۔ اشعری۔ معتزلہ۔ قادیانی۔ چکڑالوی۔ بابی۔ شیخی۔ زیدی۔ اسمٰعیلی۔ صوفی۔ نظامی۔ کرامی۔ اور اثنا عشری وغیرہ فرقے ہیں۔

لیکن چونکہ پروردگار عالم اپنے دین حق کی حفاظت کا ذمہ لے چکا ہے اور وعدہ کر چکا ہے۔ کہ لیظہرہ علی الدین کلہ اپنے دین حق کو تمام ادیان باطلہ پر غالب کر چھوڑیگا لہذا اُس صراط مستقیم کا دنیا

میں باقی رہنا جو دین حق ہے - لازم ہے ورنہ وعدہ خدائی جھوٹا ہو جائیگا -
رہی یہ بات کہ تشخیص کیونکر کیجائے کہ ان تمام مذاہب میں کونسا صراط مستقیم ہے ؟ تو اسکا جواب آسان
یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے خود اُسے پہچنوا دیا ہے - اور اشارہ کرکے بھی بتا دیا ہے - ایسا نہیں ہے کہ اپنے
دین کو بھول بھلیاں - یا معمہ بنا کر دنیا میں رکھا ہو - صاف بتایا ہے کہ ہٰذا صراطی مستقیما یہ میری
راہ ہے درانحالیکہ وہ مستقیم بھی ہے - کیا جسوقت آنحضرتؐ نے اس آیت کو تلاوت کیا ہوگا اور ہٰذا سے
اشارہ فرمایا ہوگا - سامعین و ناظرین اصحاب نے سُنا اور دیکھا نہ ہوگا ؟ نہیں ایسا نہیں ہے بلکہ
ضرور سُنا اور دیکھا اور آجتک اُنکے بیانات ہمارے پاس قلمبند ہیں چاہے ہم اُسے سمجھیں یا نہ سمجھیں
اور چاہے مانیں یا نہ مانیں - یہ ہمیں اختیار ہے - ورنہ رسول اللہؐ نے تو ہٰذا کہکے بتا دیا اور سُننے
والے اصحاب نے بھی ہم تک اُسے پہونچا دیا ہے - چنانچہ علامہ سیوطی نے دُر منثور کے جلد اول صفحہ ۱۵ سطر ۱۷
میں ابن مسعود سے صراط مستقیم کی تفسیر کرتے ہوئے حدیث لکھی ہے - اخرج الطبرانی فی الکبیر عن
ابن مسعود قال الصراط المستقیم الذی ترکنا علیہ رسول اللہؐ طبرانی نے کبیر میں ابن مسعود سے روایت کی ہے
کہ کہا صراط مستقیم وہ ہے جسپر ہمیں رسول خداؐ نے چھوڑا ہے -
اب دیکھنا چاہیئے کہ وہ کیا چیز ہے جسپر رسول اللہؐ نے مسلمانوں کو چھوڑا ہے - تلاش سے معلوم ہوتا ہے
کہ آنحضرتؐ نے دو چیزوں پر مسلمانوں کو چھوڑا ہے - جنمیں سے دونوں کا مقصود ایک ہے اور آغاز و انجام بھی
ایک ہی ہے ایک اُنمیں سے قرآن ہے اور دوسرے اہلبیتؑ (مگر نہ قرآن اہلبیتؑ سے جُدا ہے اور نہ اہلبیتؑ
قرآن سے) علیؑ مع القرآن والقرآن مع علی - علیؑ مع الحق والحق مع علی مشہور حدیثیں ہیں - اور
اس کتاب میں جابجا بحوالہ مذکور ہیں - اور اُسپر دلیل یہ حدیث ہے جو حدیث ثقلین کے نام سے مشہور ہے
انی تارک فیکم ما ان اخذتم بہ لن تضلوا کتاب اللہ و عترتی اہلبیتی ترمذی شریف صفحہ ۳۰۸ چھاپ
اور یہ بھی فرمایا ہے لن یفترقا حتی یردا علی الحوض - میری اہلبیتؑ اور قرآن کبھی جُدا نہ ہونگے جبتک حوض
کوثر پر میرے پاس نہ پہونچیں - نتیجہ یہ نکلا کہ صراط مستقیم وہ ہے جسپر رسول اللہؐ نے مسلمانوں کو چھوڑا
وہ قرآن و اہلبیتؑ ہیں - پس صراط مستقیم قرآن و اہلبیت رسولؐ ہیں - نہ اصحاب وغیرہ اور چونکہ

انہیں بھی قرآن ناطق اہلبیتؑ ہیں۔ اسلیے اصل صراط مستقیم وہی ہیں۔ والحمد للہ علیٰ ذالک۔

آیت اکتیسویں (جزو ۸ رکوع ۱۲) سورہ اعراف بعد نصف جزو۔

فاذن موذن بینھم ان لعنۃ اللہ علی الظالمین۔ پس اُسوقت (جبکہ جنت والے جنت میں اور جہنمی جہنم میں جا چکینگے اور باہم اونکی گفتگو ہویگی) ایک منادی ندا کریگا اُن کے درمیان کہ ظالموں پر خدا کی لعنت ہو۔

ابن مردویہ نے روایت کی کہ وہ موذن یعنی منادی قیامت کے دن علی ابن ابیطالب ہونگے۔

(ینابیع المودۃ ص۸۳ مطبوعہ بمبئی) میں مذکور ہو الحاکم ابوالقاسم الحکانی اخرج بسندہ عن محمد بن الحنفیہ عن ابیہ کرم اللہ وجہہ قال انا ذالک المؤذن۔ یعنے حاکم ابوالقاسم الحکانی نے اپنی سند سے روایت کی ہو محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہ سے اُنہوں نے اپنے باپ علی کرم اللہ وجہہ سے کہ فرمایا۔ وہ موذن (منادی) میں ہونگا۔

نیز لکھا ہو الحاکم لبسندہ عن ابی صالح عن ابن عباس رضی اللہ عنہما انہ قال قال علی رضی اللہ عنہ فی کتاب اللہ اسمار الی لایعرفہا الناس منہان فاذن موذن بینھم یقول ان لعنۃ اللہ علی الظالمین الی الذین کذبوا بولایتی واستخفوا بحقی۔ یعنے حاکم نے اپنی مسند سے ابوصالح سے اُنسے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہو کہ علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا خدا کی کتاب (قرآن) میں میرے بہت سے نام ہیں۔ جنہیں ابھی لوگ نہیں جانتے۔ منجملہ اُن کے فاذن مؤذن بینھم ہے یعنے لفظ موذن جو اس آیت میں آیا ہو وہ میرا نام ہو۔ اُسکا کام یہ ہوگا کہ کہیگا خدا کی لعنت ہو ظالموں پر یعنے جن لوگوں نے میرے ولی ہونیکو نہ مانا۔ اور میری حق کو سبک سمجھو (وہ ظالم ہیں اور اُنہیں پر لعنت ہی)

اس سے معلوم ہو کہ آخری فیصلے کے روز آخری فیصلے کے بعد جو منصب منادی ہونے کا ملیگا وہ سوائے علی ابن ابیطالبؑ کے نہ کسی فرشتے کو دیا جائیگا اور نہ کسی نبی کو۔ وجہ اسکی یہی معلوم ہوتی ہو کہ چونکہ مدار نجات۔ وعذاب و ثواب انہیں کی محبت پر ہو جب کہ رسول خدا اور خدا تعالیٰ کے

ارشادات سے ثابت ہوتا ہی - اس وجہ سے یہہ منصب بھی انہیں کے ہاتھ میں دیا جائیگا تاکہ لوگ معلوم کرلیں کہ آج انکی محبت سے کیا فائدہ پایا اور انکی دشمنی سے کیا نقصان اُٹھایا۔

آیت بتیسویں

وعلی الاعراف رجالٌ یعرفون کلاً بسیماہم (سورہ اعراف جزو ۸ رکوع ۱۲) یعنی مقام اعراف پر کچھ لوگ ہونگے جو تمام آدمیوں کو اون کی نشانیوں اور علامتوں سے پہچانتے ہونگے - (یعنی یہہ جانتے ہونگے - کہ وہ جہنمی ہے فلان جنتی ہے - یہہ فلان شخص ہے وہ فلان شخص)

اعراف سے ایک مقام بلند مراد ہی جو صراط پر بروز قیامت ہوگا - وہاں کچھہ لوگ کھڑے ہونگے اور صراط گذرنے والوں کو دیکھتے ہونگے ہر ایک کو پہچانتے ہونگے اہل جنت سے تو کہینگے سلام علیکم تم پر ہمارا سلام ہو - اور اہل جہنم سے کہینگے ما اغنی عنکم جمعکم وما کنتم تستکبرون تمہاری مال وعدد اور تمہاری تکبر نے آج کچھہ فائدہ نہ دیا اھؤلاء اقسمتم لاینالہم اللہ برحمۃ تمہیں تو کہتے تھے تاکہ انہیں اہل جنت کی خدا کی رحمت نہ حاصل ہوگی" پھر جنت والوں سے کہینگے - ادخلوا الجنۃ لاخوف علیکم ولا انتم تحزنون اب تم جنت میں داخل ہو نہ تمہیں کوئی خوف ہے اور نہ تم اب کبھی غمگین ہوگے (بلکہ ہمیشہ عیش وراحت وسرور میں رہوگے)

اب یہہ دیکھنا ہی کہ اعراف یعنی اُس مقام عالی پر وبلند پر کون لوگ ہونگے جو اسطرح بے تکلف اہل جنت ودوزخ سے گفتگو کرینگے اور جنہیں اپنے حساب وکتاب کی کچھہ پرواہ نہ ہوگی گویا خدا تعالیٰ کی طرف سے یہہ لوگ اُسروز بالکل معاف وآزاد ہونگے - حساب کتاب جھگڑے کا تعلق ان سے کچھہ نہ ہوگا تب تو یہہ آزادی ہوگی -

خدا تعالیٰ نے تو صرف رجال فرمادیا ہی یعنی کچھہ لوگ ہونگے - مگر مفسرین نے اُن لوگوں کی تشریح کردی ہے - صواعق میں ابن حجر نے روایت کی ہی کہ ابن عباس نے کہا الاعراف موضع عال من الصراط علیہ العباس وحمزۃ وعلی وجعفر یعرفون محبیہم بہ بیاض الوجوہ ومبغضیہم بسواد الوجوہ اعراف ایک بلند مقام ہوگا صراط سے جسپر عباس حمزہ - علی اور جعفر طیار کھڑے ہونگے

اپنے دوستوں کو تو اون کے چہروں کی روشنی سے پہچانتے ہونگے اور اپنے دشمنوں کو اُن کے چہروں کی سیاہی سے

صـ۸۳ ینابیع چاپ بمبئی میں مذکور ہے۔ الحاکم بسندہ عن الاصبغ بن نباتہ قال کنت عند علی ع

فاتاہ ابن الکواء فسئلہ عن ہذہ الآیۃ فقال ویحک ابن الکوا نحن نقف یوم القیامۃ بین الجنۃ

والنار فمن احبنا عرفناہ بسیماہ فادخلناہ الجنۃ ومن ابغضنا عرفناہ بسیماہ فدخل النار۔ حاکم نے

اپنی سند سے اصبغ بن نباتہ سے روایت کی ہے کہ میں علی رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر تھا

کہ اتنے میں ابن الکوا آیا اور اس آیت کی تفسیر حضرت سے پوچھی آپنے فرمایا وائے تیرا ای

ابن الکوا (یاد رکھہ کہ) ہم لوگ قیامت کے دن جنت و دوزخ کے درمیان کھڑے ہونگے۔ جو کوئی

ہم سے محبت رکھتا ہوگا اُسے پہچان کر جنت میں داخل کرینگے اور جو ہم سے دشمنی رکھتا ہوگا اوسکو

بھی پہچانینگے وہ جہنم میں داخل ہوگا۔

اُس گذشتہ روایت کو ثعلبی نے اپنی تفسیر میں بھی نقل کیا ہے جیسے صواعق و ینابیع میں وارد

کیا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ جعفر و حمزہ و عباس و علی کا اُسروز صرف یہہ کام ہوگا کہ اپنے دوستوں کو

جنت میں داخل کریں اور دشمنوں کو جہنم میں باقی اور کسی کو اصحاب رسول میں سے یہہ منصب

نہ ملیگا۔" ایہا الناس افسوس ہے کہ ایسا شخص تمہارے پاس موجود ہے اور پھر اُسے تم چھوڑکر

زید و عمر و فلان فلان کی بھٹکتے پھرتے ہو۔ سمجھو اور غور کرو یہہ معاملہ مذہب کا ہے۔ اور جنت و دوزخ

کا اسی پر فیصلہ ہے۔

آیت تینتیسویں

واذا اخذ ربک من بنی آدم من ظہورہم ذریتہم واشہدہم علی انفسہم الست بربکم قالوا بلیٰ شہدنا ان تقولو

یوم القیامۃ انا کنا عن ہذا غافلین۔ (ج ۹ سورہ اعراف آیہ ۲۷)

ترجمہ آیہ یہہ ہے کہ "اور جسوقت تمہارے پروردگار نے بنی آدم کی صلبوں سے اونکی اولاد و ذریت کو لیا

(نکالا) اور اُنکو خود اُن کے نفوس پر گواہ کیا (اور یہہ سوال کیا) کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں

سب نے کہا تو ضرور ہمارا پروردگار ہے (یہہ صرف اس وجہ سے کیا) کہ قیامت کے دن تم لوگ یہہ کہو

کہ ہم تو اس سے غافل تھے (یعنے اقرار توحید پروردگار عالم سے) اس آیت میں پروردگار عالم نے ذریت کا حال بیان کیا ہی کہ آدمیوں کو چیونٹیوں کی صورتیں خلق فرما کر ان سے اپنی وحدانیت کا اقرار لیا تھا اسلیئے کہ آئندہ اونکو یہہ کہنے کا موقعہ نہ ملے کہ ہم کو اس بات کی تو اطلاع ہی نہیں تھی کہ ہمارا کوئی خدا ہی یا نہیں اسوجہ سے ہم لوگ بُت پرست یا آتش پرست رہے۔

اس آیت کے نقل کرنے سے اسموقعہ پر یہہ غرض ہے کہ اس کے تفسیر میں ایک حدیث ایسی وارد ہے جو فضیلت کاملہ جناب امام امیر المؤمنینؑ کی ثابت کرتی ہے چنانچہ دیلمی نے جو علمائے اہل سنت سے مشہور عالم ہیں کتاب فردوس الاخبار میں (کما فی روایح القرآن) اور علامہ حلی نے اپنی کتاب منہاج الکرامہ میں لکھا ہی کہ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا لو یعلم الناس متی سُمّی علیؑ امیر المؤمنین ما انکروا فضلہ سُمّی امیر المؤمنین وآدم بین الروح والجسد قال عزوجل واذا اخذ ربک من بنی آدم من ظہورہم ذریتہم واشہدہم علیٰ انفسہم الست بربکم قالت الملئکۃ بلیٰ فقال اللہ تعالیٰ انا ربکم ومحمد نبیکم وعلیٔ امیرکم۔ (ینابیع المودۃ صفحہ ۲۰۶ چھاپ بمبئی) (مودۃ القربیٰ مودۃ رابعہ ایضاً کتاب اربعین حدیث ثالث وخمسون ینابیع صفحہ ۱۹۷) اگر لوگ جانتے کہ کب علی ابن ابیطالب کو امیر المؤمنین کا خطاب ملا ہی تو اُن کے فضل کا انکار نہ کرتے۔ علی ابن ابیطالب کا نام امیر المؤمنین اُس وقت قرار پایا جبکہ آدم درمیان روح وجسد کے تھے خدا تعالیٰ فرماتا ہے "واذا اخذ ربک من ظہورہم ذریتہم واشہدہم علیٰ انفسہم الست بربکم" تو فرشتوں نے کہا کہ بیشک تو ہمارا پروردگار ہی پھر خود پروردگار عالم نے ارشاد فرمایا انا ربکم ومحمد نبیکم وعلیؑ امیرکم۔ یعنے میں تمہارا پالنے والا ہوں۔ محمدؐ تمہارے نبی ہیں۔ اور علیؑ تمہارے امیر ہیں۔

اس روایت سے اسقدر معلوم ہوا کہ جناب علی ابن ابیطالب علیہ السلام کو امیر المؤمنین کا خطاب اُس وقت ملا ہی جبکہ حضرت آدم علیہ السلام پیدا بھی نہ ہوئے تھے اور یہہ حدیث اُس روایت مشہورہ کے موافق ہی جسمیں کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کنت نبیاً وآدم بین الماء والطین جس سے معلوم ہوا جسطرح سے اول روز سے جناب رسالتمآبؐ نبی مقرر کیئے گئے تھے۔ اوسیطرح

علی ابن ابیطالبؑ امیرالمؤمنین مقرر ہوئے تھے اور یہہ کہ آپکا امیرالمؤمنین ہونا متصل ہے جنابِ رسالتمآبؐ کی نبوت کے اور نبوت آپ کی متصل ہے ربوبیت پروردگار عالم کے جس کے معنے یہہ ہوئے کہ بعد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ کے بلا فاصلہ آپ کو خلافت اور امامت مؤمنین کا منصب من جانب اللہ تفویض کیا جاچکا تھا پس اُمت کا اس سلسلہ کو توڑنا اور درمیان محمدؐ و علیؑ کے غیروں کو فاصل قرار دینا معلوم نہیں کہ کس برہان عقلی یا دلیل نقلی کی برانگیختگی سے ہوا ہے کاش وہ دلیل معلوم ہوتی کہ ہم بھی اُسپر نظر کرتے۔

اگرچہ اسقدر اس مطلب کے اثبات کے واسطے کافی ہے لیکن میں چاہتا ہوں کہ چند حدیثیں اس موقعہ پر وہ پیش کروں جن سے صاف طور پر معلوم ہو کہ یہہ خطاب جناب رسالتمآبؐ کی حیات میں حضرت ہی کا تہا اور تمام مسلمان اُسوقت کے جانتے تھے اور علاوہ حضرت کے کسی اور کے لیئے آنحضرتؐ نے امیرالمؤمنین کا خطاب نہیں دیا اور نہ یہہ بیان کیا کہ خدا نے کسی اور کو بھی امارت مؤمنین کا منصب دیا ہے اور جب یہ بات معلوم ہوجائیگی تو آسانی سے ہر عاقل اپنے نزدیک فیصلہ کرسکیگا کہ ان کے علاوہ جس نے یہہ خطاب اپنے لیئے تجویز کیا وہ خدائی خطاب تھا بلکہ غصبی خطاب در اپناد لخواستہ خطاب تھا جسے قبول کرنیکی دوسروں کو کوئی وجہ نہیں ہوتی۔

(کتاب مودۃ القربیٰ مودۃ رابعہ سید علی ہمدانی شافعی) حذیفہ رفعہ لوعلم الناس انی علیًا متی سمّی امیرالمؤمنین ماانکروا فضلہ وسمی امیرالمؤمنین وآدم بین الروح والجسد"۔ حذیفہ نے روایت کی ہے (بروایت مرفوعہ) اگر لوگ جانتے کہ علیؑ کا نام کب سے امیرالمؤمنین مقرر ہوا ہے تو اُن کے فضل کا انکار نہ کرتے اُسوقت علیؑ کا نام امیرالمؤمنین رکھا گیا جبکہ آدم درمیان روح وجسد کے تھے"۔

(ایضاً کتاب مودۃ القربیٰ) ابوہریرۃ قال قیل یا رسول اللہ متی وجبت لک النبوۃ قال قبل ان یخلق اللہ آدم ونفخ الروح فیہ وقال اذ اخذ ربک من بنی آدم من ظہورہم ذریتہم واشہدہم علی انفسہم الست بربکم قالت الارواح بلیٰ قال اللہ تعالیٰ انا ربکم ومحمد نبیکم وعلیٌّ امیرکم"۔ ابوہریرہ نے روایت کی ہے کہ رسول اللہؐ سے سوال کیا گیا کہ آپکے لیئے نبوت کب لازم کی گئی فرمایا اُس سے پہلے

کہ خدا تعالیٰ آدم کو خلق فرمائے اور اُنمیں نفخ روح کرے۔ اور فرمایا کہ جب پروردگار عالم نے بنی آدم کی اصلاب سے اونکی ذریت کو نکالا اور انکو اون کے نفوس پر گواہ قرار دیا (اور پوچھا) کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ تو سب روحوں نے جواب دیا بیشک تو ہمارا رب ہی۔ (اُسوقت) خدا تعالیٰ نے خود فرمایا۔ میں تمہارا رب ہوں۔ محمدؐ تمہارے نبی ہیں۔ اور علی تمہارے امیر ہیں" (کتاب ینابیع المودۃ چھاپ بمبئی ص۲۰۶) (تاریخ الخلفا سیوطی چھاپ فخر المطابع لکھنو ص۱۲) اخرج الطبرانی وابن ابی حاتم عن ابن عباس قال ما انزل اللہ یا ایہا الذین آمنوا الا وعلی امیرھا وشریفہا ولقد عاتب اللہ اصحاب محمد فی غیر مکان وما ذکر علیًا الا بخیر" طبرانی اور ابن ابی حاتم نے ابن عباس سے روایت کی ہو کہ قرآن میں جہاں کہیں یا ایہا الذین آمنوا ہے اُسمیں علیؑ امیر و شریف ہیں۔ یعنے جس آیت میں مؤمنین کو خدا تعالیٰ نے مخاطب کیا ہو اُسمیں سردار مؤمنین اور امیر المؤمنین علی ابن ابیطالبؑ ہی ہیں" فی تفسیر مجاہد قال ما کان فی القرآن یا ایہا الذین آمنوا فان لعلی سابقۃ ذالک الآیۃ لانہ سبقہم الی الاسلام فسماہ اللہ فی تسع وثمانین موضعًا امیر المؤمنین وسید المخاطبین الی یوم الدین (مناقب ابن شہر آشوب ج ۳ ص۴۶) یعنے مجاہد نے اپنی تفسیر میں لکھا ہو کہ قرآن مجید میں جہاں کہیں یا ایہا الذین آمنوا ہو وہاں علیؑ کو اُس آیت میں سب سے سبقت ہی۔ کیونکہ وہی سابق الاسلام ہیں تو خدا تعالیٰ نے اونکو نواسی ۸۹ مقام پر امیر المؤمنین اور سید المخاطبین الی یوم القیامۃ کا خطاب دیا ہی۔ قال ابن عباس انما سمی امیر المؤمنین لانہ اول الناس ایمانًا (مناقب ج ۳ ص۴۸) ابن عباس نے کہا ہو کہ علی ابن ابیطالبؑ کا نام امیر المؤمنین اس وجہ سے رکھا گیا کہ وہ سب سے پہلے ایمان لانے والے تھے۔

منقری نے عمران ابن بریدہ اسلمی سے یوسف بن کلیب مسعودی نے داؤد سے عباد بن یعقوب اسدی نے داؤد سبعی سے اور اُس نے ابو بریدہ سے روایت کی ہے کہ ایک روز ابو بکر خدمت رسولؐ میں حاضر ہوئے آپنے فرمایا اذھب وسلم علی امیر المؤمنین ای ابو بکر جاؤ اور امیر المؤمنین کو سلام کرو۔ ابو بکر نے کہا یا رسول اللہ آپ کی زندگی ہی میں علی امیر المؤمنین ہوگئے فرمایا ہاں

میری زندگی ہی میں۔ پھر عمر آئے اُن سے بھی یہی کہا۔ سبعی نے اتنا اور بڑہا یا ہی کہ عمر نے پوچھا کون امیر المؤمنین؟ تو حضرت نے جواب دیا علی ابن ابیطالب عمر نے کہا کیا یہ بات حکم خدا سے ہے آپنے فرمایا ہاں۔ (مناقب صفحہ ۴۶ ج ۳)

ان کے علاوہ اور بیشمار روایتیں اس مضمون میں ہیں جن کا نقل باعث طول وسبب ملال طبع ناظرین ہی اس سبب سے قطع نظر کر کے عرض کرتا ہوں کہ جب علی ابن ابیطالب علیہ السلام کو امیر المؤمنین کا خطاب عہد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ میں مل چکا تھا اور تمام صحابی اس بات کو جانتے تھے۔ جیسا کہ ان روایات کا بیان ہی تو معلوم ہوا کہ خلافت آپ کی اسوقت سے مسلم تہی کیونکہ امارت و خلافت میں کوئی فرق نہیں ہی۔ جسے خلیفۃ المؤمنین کہتے ہیں اوسی کو امیر المؤمنین بھی کہتے ہیں۔ پس اس منصب کا حضرت سے علیحدہ کرنا اور علی الزعم دوسروں سے اسکو متعلق کرنا۔ کیا معنی رکھتا ہی کیا کوئی منصف آدمی اس کا کوئی معقول جواب دینے کے لیے تیار ہے۔ نیز یہ بھی تواریخ کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہی کہ اُسوقت سے لیکر عہد خلیفہ ثانی تک درمیان میں کسی نے اپنے لیے اس نام کو اختیار نہ کیا کیونکہ وہ جانتے تھے کہ یہ نام فی الحقیقت علی ابن ابیطالب کا ہی۔ البتہ خلیفہ ثانی صاحب نے اسے اپنے لیے پسند کیا اور ایک عامی آدمی کے کہدینے سے اس خطاب کو آیندہ اپنے لیے قرار دیا۔ اور معلوم ہی کہ خطاب ہمیشہ اپنے سے بڑے کی طرف سے ملا کرتا ہی اور اُس خطاب کی عزت ہوتی ہے اگر کوئی شخص اپنا خطاب حکیم یا عالم۔ یا بادشاہ یا سلطان یا امیر وغیرہ مقرر کرے تو وہ اُس کا ذاتی خیال ہے۔ دوسروں کے نزدیک اُسکی کوئی وقعت نہیں ہوسکتی۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت عمر نے اس خطاب کو خود پسند فرمایا خدا تعالیٰ یا رسول اللہ نے اونکو یہ خطاب نہیں دیا تھا جبکہ علامہ سیوطی نے تاریخ الخلفا میں لکھا ہی۔ ھو اول من سمی امیر المؤمنین واول من کتب التاریخ من الہجرۃ الخ یعنی بعد رسول اللہ پہلے پہل عمر کا نام امیر المؤمنین مقرر ہوا اور یہی پہلے وہ شخص ہیں جنہوں نے ہجرت سے تاریخ مقرر کی۔

اس مقام پر یہ سوال پیدا ہوتا ہی کہ سیوطی نے اس فقرہ سے کیا مراد لی ہی کہ پہلے پہل عمر کا نام امیر المؤمنین

امیر المؤمنین رکھا گیا۔ اگر یہ مطلب ہے کہ ان سے پہلے کسی کو امیر المؤمنین کا خطاب نہیں ملا تھا اور کسی کو اہلبیت یا اصحٰب میں سے رسول اللہ نے امیر المؤمنین کے خطاب سے معزز نہیں فرمایا تھا تو غلط ہے۔ کیونکہ احادیث سابقہ اوسکی مخالفت کرتی ہیں۔ اگر یہ مطلب ہے کہ اپنی طرف سے پہلے پہل عمر ہی نے اس خطاب کو اپنے لئیے منتخب کیا تو اس سے انکا کوئی شرف نہیں نکلتا۔ بلکہ شرف اوسی کا ظاہر ہوتا ہے جسے خدا اور رسول نے امیر المؤمنین کہا ہے۔ علاوہ اس کے اس تسمیہ میں یہ بھی خرابی ہے کہ ایک وقت میں ایک امیر کے ہوتے ہوئے دوسرا امیر المؤمنین نہیں ہو سکتا۔ حالانکہ ایسا کیا گیا پس لامحالہ کہنا پڑیگا کہ حضرت عمر نے اس خطاب کو علی ابن ابیطالب علیہ السلام سے غصب کیا۔ اور ظاہر ہے کہ غصب ایک فعل حرام ہے اور مرتکب فعل حرام کا معصوم نہیں اور جو معصوم نہیں وہ خلیفہ بھی نہیں ہو سکتا نتیجہ خود ہی ظاہر ہے آپ سمجھ لیں۔

آیت ۔ ۳۴

یا ایہا الذین آمنوا استجیبوا للہ وللرسول اذا دعاکم لما یحییکم واعلموا ان اللہ یحول بین المرء وقلبہ وانہ الیہ تحشرون ؕ (سورہ انفعال ج ۹ رکوع ۱۴)

اے وہ لوگ جو ایمان لائے ہو اللہ اور اُس کے رسول کا حکم مانو جبکہ وہ تمکو ایسے امر کی طرف دعوت کریں جسمیں تمہاری زندگی ہے۔ اور جانو کہ اللہ روک لیتا ہے انسان کے دلکو یعنے اُسے موت کے ذریعہ سے باکل معطل کر سکتا ہے اور تم لوگ اُسی کی طرف محشور ہو گے۔

(روایح القرآن صہ ۱۹۴) علامہ ابن مردویہ نے روایت کی ہے کہ یہ آیت شان جناب امیر المؤمنین ع میں نازل ہوئی و ما یحییکم سے مراد ولایت علی ابن ابیطالب علیہ السلام ہے۔ مقصود آیت کا یہ ہے کہ اے ایمان والو جب کہ خدا اور رسول تم کو اس امر کی طرف دعوت کریں کہ علی ابن ابیطالب کی ولایت کا اقرار کرو اور اُن سے محبت پیدا کرو تو تمہیں لازم ہے کہ اس دعوت کو قبول کرو اور اس بارہ میں حکم خدا و رسول کو مانو کیونکہ اسمیں تمہاری ابدی زندگی ہے۔ اور اگر ایسا نہ کروگے تو جان لو مروگے ضرور اور ایکدن تمہارا حشر خدا ہی کے پاس ہوگا اُسدن تم سے سمجھ لیگا۔

اس آیت سے چند امر مستنبط ہوئے۔ ایک یہہ کہ ولایت علی ابن ابیطالب کو قبول کرنا واجب ہے کیونکہ استجیبو فعل امر ہے جو وجوب پر دلالت کرتا ہے۔ دوسرے یہہ کہ خود پروردگار عالم اس دعوت امر میں شریک ہے۔ اور معلوم ہو کہ جس امر کا اہتمام خود پروردگار عالم فرمائے اُسکی کس قدر اہم باشان ہونا چاہیئے۔ تیسرے یہہ کہ ولایت علی ابن ابیطالب علیہ السلام حیات ابدی کا ذریعہ ہے اور جسے خود پروردگار عالم حیات ابدی یا حیات ابدی کا ذریعہ بنائے اُسے قبول کرنا ہر عاقل پر فرض ہے اور اُسے سمجھ لینا چاہیئے کہ نجات بغیر اسکے ناممکن ہے۔ چوتھے اسکے قبول نہ کرنے میں خدا تعالیٰ کی ناراضی ہے جسے جملہ یحول بین المرء وقلبہ وانہ الیہ تحشرون بتارہا ہے یعنے اگر تمنے اسے قبول نہ کیا تو سمجھ رکھو کہ مرنا ضروری اور حشر ضرور۔ پھر اُسدن اس مخالفت کا ذائقہ معلوم ہو جائیگا۔

آیت ۳۵

واتقو فتنۃ لا تصیبن الذین ظلمو منکم خاصۃ۔ اور ایہا الناس بچو فتنہ سے کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ فتنہ خاصکر اُن لوگوں پر پڑے جو تم میں سے ظالم ہیں"

اس آیت میں پروردگار عالم مسلمانوں کو ڈراتا ہے کہ رسول کے بعد اونکی مخالفت کرکے فتنہ برپا نہ کرنا جسکا وبال ونکال بسبب ظلم ومخالفت کے تم پر پڑے۔ اس فتنے سے مراد مخالفت ولایت علی ابن ابیطالب علیہ السلام ہے کیونکہ یہہ آیت سابق الذکر آیت کے بعد میں وارد ہوئی ہے اور شان نزول بھی اس مطلب کو بتاتا ہے۔ تفسیر کشاف جلد اول چھاپ کلکتہ صہ ۵۰۹ میں لکھتے ہیں۔

وعن الحسن نزلت فی علی وعمار وطلحۃ وزبیر وہو یوم الجمل خاصۃ قال الزبیر نزلت فینا وقرانا ہا زماناً وما ارانا من اہلہا فاذا نحن المعنیون بہا" حسن نے بیان کیا ہے کہ یہہ آیت علی عمار۔ طلحہ اور زبیر کی بابت نازل ہوئی ہے اور اس فتنہ سے مراد خاصکر جنگ جمل ہے۔ جس کے بانی یہی طلحہ وزبیر ہوئے تھے اور بی بی عائشہ کو مکہ سے اُبھار کر امیر المومنین ع سے جنگ کرنے کے واسطے بصرہ پر چڑھا لے گئے) زبیر کہتے تھے کہ یہہ آیت ہم لوگوں کی شان میں نازل ہوئی۔ ہم اسے پڑھا کرتے تھے مگر یہہ نہ جانتے تھے کہ مراد اس سے ہم ہی ہیں۔ لیکن

آخر میں معلوم ہوا کہ واقعی اس آیت کے مصداق ہم ہی ہیں ؎

جس سے صاف طور پر نکلتا ہی کہ خدا تعالیٰ نے جناب امیر علیہ السلام سے جنگ کرنیکو فتنہ کی تعبیر فرمائی ہے اور اُس سے بچنے کو لازم کیا ہی۔ اور ڈرایا ہے لوگوں کو کہ اس فتنہ میں نہ پڑنا۔ ورنہ انجام اچھا نہ ہو گا۔ اس سے ایک عاقل آدمی سمجھ سکتا ہی کہ کسقدر عظمت جناب امیر المومنین علیہ السلام کی عند اللہ ثابت ہوتی ہی اور کس قدر منقصت اون کے مخالفین اور اُن سے لڑنے والوں معلوم ہوتی ہے۔

اس مطلب کے مؤید حاکم (محدث اہل سنت) نے کتاب شواہد التنزیل میں روایت کی ہی کہ ابن عباس نے کہا لما نزلت ہذہ الآیۃ واتقوا فتنۃ قال النبیؐ من ظلم علیاً مقعدی ہذا بعد وفاتی دکانما جحد نبوتی و نبوۃ انبیاء قبلی ؎ جس کا حاصل یہ ہی۔ کہ جب یہ آیہ نازل ہوا تو آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا جو کوئی میری بعد علیؑ پر ظلم کریگا وہ گویا میری نبوت اور نیز انبیائے سابقین کی نبوت کا منکر ہی (اور جو منکر نبوت نبیؐ ہے وہ کافر ہے) اس سے اندازہ ہو سکتا ہی کہ جن لوگوں نے علی ابن ابیطالبؑ پر ظلم کیا وہ کس حد میں رہے۔ عقلا خود سمجھ سکتے ہیں مجھے کہنے کی ضرورت نہیں۔

اسی مضمون کی روایت کو جناب سید باقر داماد رحمۃ اللہ نے کتاب تقویم الایمان کی تعلیقات میں ابو عبد اللہ محمد بن السراج سے نقل کیا ہی جس کا حاصل یہ ہی کہ رسول اللہؐ نے ابن مسعود کو مخاطب کرکے فرمایا کہ ای ابن مسعود مجھپر ایک آیت نازل ہوئی ہی تمہیں اُسکا امین قرار دیتا ہوں اور تمہیں اُن ظالمین نام بتاتا ہوں۔ اسے سنو اور لوگوں تک پہونچاؤ اور وہ آیت یہ ہی۔ واتقوا فتنۃ لاتصیبن الذین ظلموا منکم خاصۃ ؎ دیکھو علیؑ پر جو کوئی ابجگہ ظلم کریگا وہ میری نبوت اور مجھ سے قبل کے انبیاء کی نبوت کا منکر ہے۔

آیت ۳۶ (ج ۹ ع ۱۸)

ما کان اللہ لیعذبہم وانت فیہم۔ اے ہمارے رسول جب تک تم ان لوگوں میں موجود ہو خدا اُنپر عذاب نہ کریگا۔ اس آیت شریفہ میں پروردگار عالم نے اس امر کو ظاہر فرمایا ہی کہ وجود جناب

رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم دافع عذاب ہے۔

اس آیت سے اہل فہم اس بات کو سمجھتے ہیں کہ وہ وجود جو رافع عذاب ہے وہ عام ہے اس سے کہ خود حضرت کا وجود ہو یا ایسے شخص کا وجود ہو جس کا وجود آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وجود مبارک ہی۔ اور وجہ اس سمجھنے کی یہ ہے کہ بعد وفات جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہ کے بھی باوجود گناہان کثیرہ اور وفور ظلم وعدوان وکثرت جور وطغیان وشورش کفر والحاد و یورش شرک وارتداد عذاب نازل نہیں ہوا اور نہ حسب وعدہ رسولؐ ہوسکتا ہی تو یقیناً کوئی شخص ایسا بالفعل بھی موجود ہی اور اس سے پہلے بھی متصل آپ کی وفات سے موجود رہا ہے جسکا موجود رہنا عین جناب رسالتمآبؐ کا موجود رہنا کہا جا سکتا ہی۔ پس اگرچہ خطاب اس آیت میں خاص آنحضرت صلعم سے ہی مگر شامل ہو آپکے اہلبیت طاہرین اور وجود خلفائے حقہ بھی جن کا موجود رہنا دنیا میں باعث اسکا ہے کہ اہل دنیا پر عذاب نازل نہیں ہوتا اور یہ ویسا ہی امر ہی جیسا آیہ ان اللہ وملئکتہ یصلون علی النبی یا ایہا الذین آمنو صلو علیہ وسلمو تسلیما۔ میں ہی کہ گرچہ حکم صلواۃ وسلام خاصکر جناب رسالتمآب کے واسطے پروردگار عالم نے صادر فرمایا ہی اور انھیں کا ذکر اپنی صلواۃ اور فرشتوں کی صلواۃ میں کیا ہی اور آل کا بالکل ذکر نہیں ہے باوجود اس کے عام اہل اسلام اس آیت سے صلواۃ علی محمد وآل محمد پر استدلال کرتے ہیں۔ کیونکہ جب حضرت سے دریافت کیا گیا کہ یا حضرت ہم آپ پر کیونکر درود وسلام کریں تو آپنے اپنے ذکر کیساتھ اہلبیت کو بھی شامل فرمایا اور بتایا کہ طریق صلواۃ یہ ہی کہ یوں کہو اللہم صل علی محمد وعلی آل محمد جبکہ صواعق محرقہ صفحہ ۸۹ چھاپ مصر اور جواہر العقدین اور ینابیع المودۃ صفحہ ۶ چھاپ بمبئی میں ہی۔ روی عن النبی صلے اللہ علیہ وسلم قال لا تصلو علی الصلواۃ البتراء قالو وما الصلواۃ البتراء یارسول اللہ قال تقولون اللہم صل علی محمد وتمسکون بل قولو اللہم صل علی محمد وعلی آل محمد۔ جناب رسالتمآب سے مروی ہی آپنے فرمایا کہ مجھپر صلواۃ مقطوعہ نہ کہا کرو۔ لوگوں نے کہا صلوات مقطوعہ کیا ہی آپنے کہا تم صرف اسقدر کہتے ہو۔ اللہم صل علی محمد اور چپ ہو جاتے ہو ایسا نہ کرو کہ یہ درود صحیح نہیں ہی بلکہ کہو اللہم صل علی محمد وآل محمد

یعنے درود میں میری آل کو بھی شریک کرو۔ نیز صواعق محرقہ ص۸۹ میں یہہ روایت مذکور ہی

صح عن کعب بن عجزہ قال لما نزلت ہذہ الآیۃ قلنا یا رسول اللہ قد علمنا کیف نسلم علیک فکیف نصلی علیک فقال قولو اللھم صل علی محمد و علی آل محمد الخ یعنے صحیح روایت میں کعب بن عجزہ سے مروی ہے کہ جب یہہ آیت نازل ہوئی تو ہم سبنے عرض کی یا رسول اللہ آپ پر سلام کرنیکا طریقہ تو ہمیں معلوم ہی لیکن درود کا طریقہ کیا ہی آپ سے بتائیں حضرت نے فرمایا کہ یوں کہو اللھم صل علی محمد و علی آل محمد۔

اور ظاہر ہے کہ یہہ حکم یعنے اہلبیتؑ کو بھی اپنے ساتھ صلوٰۃ میں شریک کرنا آپ نے اپنی طرف سے نہیں دیا ہوگا بلکہ جب اس آیت سے آپنے اس حکم مستنبط فرمایا ہوگا یا جبرائیل امین نے بتایا ہوگا کہ اگرچہ بیان خاص ہی مگر مراد عام ہی تب آپنے یہہ تعلیم دی ہوگی اوسیطرح آیت مبحوث عنہا میں اگرچہ صرف لفظ وانت فیہم مذکور ہے جس سے خاص آپ کی ذات کی طرف اشارہ ہوتا ہی لیکن مراد اس سے عام ہے یعنے وہ لوگ بھی اس حکم میں شریک ہیں جو مثل آپکے نفس کے تھے اور وہ اہلبیت طاہرین علیہم السلام ہیں۔ اور اس مطلب پر دلیل یہہ ہی کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جسطرح اپنی ذات کو ذریعہ رفع عذاب سمجھا ہے اوسیطرح آپنے اہلبیت کی نسبت بھی یہی ارشاد فرمایا ہی جیساکہ علامہ ابن حجر مکی نے اپنی کتاب صواعق کے ص۹۳ میں لکھا ہی اشار صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم الی وجود ھذا المعنی فی اہلبیتہ وانہم امان لاہل الارض" یعنے حضرتؐ نے عذاب سے محفوظ رہنے کا سبب سبب ہونا اپنی اہلبیت کو بھی فرمایا ہی (جسطرح خود حضرت کا وجود سبب رفع عذاب ہی) اور یہہ کہ اہلبیت امان ہیں اہل زمین کے واسطے اس روایت کو مختلف طریقوں سے احمد نے مناقب میں ابن احمد نے زیادات مسند میں حموینی نے فوائد السمطین۔ حاکم نے اپنی کتاب میں اور دیگر محدثین نے اپنی اپنی مؤلفات میں ذکر کیا ہی۔ چنانچہ عبارت روایت احمد بن حنبل کی یہہ ہی

قال رسول اللہ النجوم امان لاہل السماء فاذا ذھبت النجوم ذھب اہل السماء و اہل بیتی امان لاہل الارض فاذا ذھب اہلبیتی ذھب اہل الارض۔ یعنے ستارے اہل آسمان کے واسطے امان

ہیں اگر ستارے جاتے رہیں تو اہل آسمان فنا ہو جائیں - اور میری اہلبیت امان ہیں اہل ارض کے واسطے اگر یہ فنا ہو جائیں تو اہل زمین فنا ہو جائینگے "۔ معلوم ہوا کہ جسطرح وجود رسول اللہ مانع عذاب ہے اوسیطرح وجود اہلبیت بھی مانع عذاب ہے - اور یہیں سے دلیل پیدا ہوتی ہے وجود امام صاحب الزمان علیہ السلام پر کہ آپ دنیا میں موجود ہیں ورنہ اہل زمین پر ابتک عذاب آچکا ہوتا - لیکن چونکہ آپ قائمقام جناب سید کائنات اور اُن کے وصی برحق ہیں نیز اہلبیت میں سے بھی ہیں اسوجہ سے عذاب نازل نہیں ہوا اور نہیں ہوتا اور نہ اہل زمین فنا ہوتے ہیں -

نکتہ اسمیں یہ ہے کہ اس سے قبل چونکہ پروردگار عالم نے جناب علی ابن ابیطالب علیہ السلام کو نفس رسول سے تعبیر فرمائی ہے اور کہا ہے قل تعالوا ندع ابنائنا وابنائکم ونسائنا ونسائکم وانفسنا وانفسکم اسوجہ سے دوبارہ تصریح کی ضرورت نہ سمجھی کیونکہ معلوم ہے کہ علی ابن ابیطالب علیہ السلام اور جناب رسالتمآب نور واحد اور نفس واحدہ ہیں - اور جو حکم ایک کا ہے وہی دوسرے کا لہذا دونوں کا ذکر الگ الگ کرنا کچھ ضروری نہیں ہے - نیز شاید اس اکتفا میں یہ بھی غرض رکھی ہو کہ تاکہ پوری طور پر اتحاد وعینیت ثابت ہو جائے - یعنی یہ دونوں بزرگوار اسطرح پر متحد ہیں کہ ایک کا ذکر کرنا دوسرے کے ذکر کرنے سے مغنی ہے اور اگر الگ الگ کرکے بیان کیا جاتا تو وہ بات باقی نہ رہتی اور پھر بھی تمائز رہ جاتا - حالانکہ مقصود پروردگار عالم کو بیان اتحاد ہے -

اس آیت سابقۃ الذکر نے انتہا درجے کی فضیلت اہل بیتؑ کی ثابت کی جس سے بالاتر متصور نہیں ہو سکتا - یعنی کہ جسطرح وجود کو اپنے رسول کے سبب رحمت اور موجب رفع عذاب بتایا اوسیطرح بلحاظ اتحاد اوسکے اہلبیتؑ کو بھی یہی شرف دیا لہذا ہم اس آیت سے بھی بضمیمہ روایات مذکورہ سب اچھی طرح اس امر پر استدلال کر سکتے ہیں کہ بعد رسول اللہ کے گھر کے کسی کو منصب خلافت و امامت و امارت مل سکتا ہے تو وہ اہلبیت ہی ہیں نہ کوئی اور کیونکہ مثل یا عین کے ہوتے ہوئے غیر مثل یا غیر عین ہرگز کافی نہیں سمجھا جا سکتا - پانی کے ہوتے ہوئے تیمم ہرگز جائز نہیں ہے اور اعلی کے ہوتے ہوئے اسفل کو ہرگز کوئی عاقل ترجیح نہ دیگا - ہاں ناانصافی کا علاج نہیں ہے اور نہ

جہل مرکب کا کوئی دفعیہ ہے الا یہ کہ خدا تعالیٰ مقلب القلوب ہے ممکن ہو کہ ان باتوں سے ہدایت دیکر راہ مستقیم پر اہل دنیا کو پہونچا دے۔ و بیدہ الخیر و ہو علیٰ کل شیئ قدیر۔

آیت ۳۷

(پ ۱۰ ع ۴ سورہ انفعال)

ہو الذی ایدک بنصرہ و بالمومنین۔ والف بین قلوبہم۔ بہ ذیل آیہ وان یریدوا ان یخدعوک فان حسبک اللہ۔ ہو الذی ایدک بنصرہ و بالمومنین۔ ای ہمارے رسولؐ اگر اور لوگ تم سے فریب کریں تو (کچھ پرواہ نہیں کیونکہ) خدا تم کو کافی ہے۔ اُسی نے تمہاری تائید کی ہو اپنی نصرت سے اور نیز ایمان والوں کے ذریعہ سے" یعنے تم کو لوگوں کے خدع و فریب سے کچھ خوف نہ کرنا چاہیئے۔ اسلیئے کہ تمہارے ساتھ خدا کی نصرت ہے۔ جو تمہاری مددگار ہے اور ایمان والے ہیں جو تمہارے مددگار بنائے گئے ہیں۔

علامہ سیوطی اپنی تفسیر درمنثور جلد ۳ صہ ۱۹۹ میں روایت کرتے ہیں اخرج بن عساکر عن ابی ہریرۃؓ قال مکتوب علی العرش لا الٰہ الا انا وحدی لا شریک لی محمد عبدی و رسولی ایدتہ بعلیؑ وذالک قولہ ہو الذی ایدک بنصرہ و بالمومنین ابن عساکر ابو ہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ عرش پر لکھا ہوا ہے کہ میں صرف ایک اکیلا معبود برحق ہوں میرا کوئی شریک نہیں۔ محمد میرا بندہ اور میرا رسول ہے۔ میں نے اوسکی تائید "علیؑ" کے ذریعہ سے کی ہے۔

ابو نعیم حافظ نے اپنی سند سے ابو ہریرہؓ سے اور نے ابو صالح اُس نے ابن عباسؓ سے روایت کی ہے نیز جعفر صادقؑ سے بھی روایت ہے تفسیر قول اللہ تعالیٰ ہو الذی ایدک بنصرہ و بالمومنین میں قالوا نزلت علی وان رسول اللہ قال رایت مکتوبا علی العرش لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ محمد عبدی و رسولی ایدتہ و نصرتہ بعلی ابن ابیطالبؑ۔ ان سب کا قول ہے کہ آیہ مذکورہ "علیؑ" کی مدح میں نازل ہوا ہے۔ اور یہ کہ آنحضرتؐ نے فرمایا ہے کہ میں نے عرش پر لکھا ہوا دیکھا ہے۔ لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ محمد عبدی و رسولی ایدتہ و نصرتہ بعلی ابن ابیطالب" ینابیع المودۃ صہ ۱۶ و صہ ۷۷۔

روی عن انس ابن مالک نحوہ - یہ روایت بطریق انس بن مالک بھی مروی ہے۔ جسے حافظ ابو نعیم نے لکھا ہے۔ ینابیع ص۸۷

قاضی عیاض نے ابن قانع سے اُسنے ابو الحمراء سے روایت کی ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا لما اسری بی الی السماء اذا علی العرش مکتوب لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ ایدتہ بعلیؑ - یعنے جب مجھے شب معراج آسمان پر لے گئے تو ناگاہ میں نے عرش پر یہ لکھا ہوا پایا "لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ ایدتہ بعلیؑ"۔ ص۸۷ ینابیع المودۃ چھاپہ بمبئی۔

سردست یہ چار روایتیں ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت مقدسہ قرآنیہ صرف علی ابن ابیطالب علیہ السلام سے متعلق ہے۔ جسمیں دوسرے کو کوئی حصہ نہیں۔

اس آیت و روایات سے چند باتیں صریحاً معلوم ہوئیں۔ جنپر غور کرنا لازم ہے۔

(۱) یہ کہ علیؑ ہی وہ ایک اکیلا شخص ہے جسپر عہد رسول میں مؤمن کا اطلاق صحیح ہو سکتا تھا۔ ورنہ اور لوگ بھی اس اطلاق صحیح میں داخل ہوتے تو کوئی وجہ نہ تھی کہ باوجود مؤمنین کے جمع ہونے کے یہ آیت اُن سے متعلق نہ ہوتی۔ مگر معلوم ہوا کہ اُسوقت ایسے ایمان کا کوئی شخص جسے خدا تعالیٰ مؤمن کہے موجود نہ تھا۔ اور واقعی بھی ایسا ہی ہے۔ کہ اُسوقت جتنے اور مؤمن تھے وہ سب ضعیف الایمان تھے۔ ورنہ اُن سے اسطرح کے خطابات ہوتے کہ یا ایہا الذین آمنو من یرتد منکم عن دینہ" اے ایمان والو جو کوئی مرتد ہو جائیگا اپنے دین سے"۔ جس سے معلوم ہوا کہ اُس وقت کے موجودہ مؤمنین میں اتنی ہی قوت تھی کہ وہ مرتد بھی ہو جاتے تھے۔ پس اُنکا ایمان ہی کیا ہوا۔

(۲) یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ علیؑ ہی کی نصرت نے دنیا میں رسول اللہ کی مدد کی نہ کسی اور کی نصرت نے۔ یہی وہ اکیلا بہادر تھا جسکو خدا نے رسولؐ کی تائید و نصرت کے لیے تجویز کیا تھا۔ اگر کوئی اور بھی اس کمال و فضل کا ہوتا تو ممکن نہ تھا کہ ان کے ساتھ وہ بھی منتخب کیا جاتا۔

(۳) تیسرے یہ بھی معلوم ہوا کہ علیؑ ہی ایک وہ فرد اکمل دنیا میں ہے جسے پروردگار عالم اپنے ساتھ نصرت و تائید رسول میں شریک فرماتا ہے۔ یعنے بالائے عرش سے پروردگار عالم اور زمین پر علیؑ رسول خدا کے

یہی دو مددگار ہیں۔ اور یہ کہ علیؑ نے وہ قوت اپنے ایمان میں پیدا کی ہو کہ پروردگار عالم اپنی نصرت کے ساتھ انکی نصرت کو منظم کرکے بیان کرتا ہو۔ یہ معمولی بات نہیں ہو۔ جسپر سے انسان سرسری طور پر گذر جائے اور غور نہ کرے۔ عالم میں کوئی شخص خدا کا شریک نہیں وہ وحدہ لاشریک لہ ہے۔ لیکن وہ خود جل جلالہ کسی شخص کو اپنے ساتھ کسی کام میں شریک کرے تو سمجھ لینا چاہیئے کہ اُس سے بہتر۔ افضل۔ اعلیٰ اور اکمل دوسرا کوئی نہیں کہ وہ خدا کے ساتھ اُس کام میں شریک ہوتا ہے۔

یہی تو سبب ہے کہ جب یہ کمال فضل و ایمان کے سبب خدا کے ساتھ اُس کے کام میں شریک ہوتے ہیں تو وہ دنیا میں بھی ان کے لیئے ایسے اُمور عجیبہ ظاہر کرتا ہو جو کسی کے لیئے ظاہر نہیں ہوئے۔

یہی وہ نصرت و تائید تھی جو بروز خندق ظاہر ہوئی اور خدا تعالیٰ کا یہ کلام پورا اُترا کہ ہوالذی ایدک بنصرہ وبالمؤمنین اللہ ہی نے اپنی نصرت اور مؤمنین کے ذریعے سے تمہاری مدد کی۔ کیا کوئی بتا سکتا ہو کہ دیگر نام نہادی ایمان والوں میں سے بھی کوئی شخص رسول اللہ کی مدد کے لیئے اُٹھا تھا۔؟ لا واللہ ہرگز نہیں۔ بلکہ بعض حضرات نے تو ایسی باتیں کیں جن سے اوروں کی ہمتیں پست ہوگئیں۔ مگر وہ علیؑ ،، میدان شجاعت کا شیر۔ دریائے بسالت کا نہنگ۔ جو معرفت الٰہی کا عقاب۔ جس نے کم سنی میں اُٹھ کر رسول اللہ سے کہا یا رسول اللہؐ میں آپ کی مدد کرونگا اور پھر میدان میں جاکر عمرو جیسے دیو کو خاک کے برابر کیا۔ جس کا نتیجہ دنیا ہی میں رسول اللہ کی زبانی یہ مِلا کہ آپ نے فرمادیا ضربۃ علیؑ یوم الخندق افضل من اعمال اُمتی الی یوم القیامۃ ،، علیؑ کی ایک ضرب بروز خندق میری اُمت کے عمل سے جو قیامت تک ہوگا افضل ہے۔ ،،

(دیکھو ینابیع المودۃ ص۱۳۷ بمبئی)

اور خدا تعالیٰ سے یہ مِلا جسے ابن شیرویہ دیلمی نے کتاب فردوس الاخبار میں نقل کیا ہو۔ ابن عباسؓ راوی ہیں۔ کہ جب علیؑ نے عمرو ابن عبدود عامری کو قتل کیا اور رسول اللہ کے سامنے اس حالت سے حاضر ہوئے کہ تلوار سے خون ٹپک رہا تھا فلما رایٰ علیاً قال اللّٰھم اعط علیاً فضیلۃ لم یعطھا احد قبلہ ولا بعدہ۔ یعنے جونہیں رسول اللہ نے علیؑ کو دیکھا عرض کی خدایا تو علی کو ایسی فضیلت دے

جو قبل اسکے اور بعد کسی کو نہ ملی ہو اور نہ ملے۔ فهبط جبرائیل ومعه ترجه الجنته اس دعا کے ختم پر جبرائیل
امین آئے اور اُن کے ساتھ جنت کا ترنج تھا۔ فقال ان اللہ یقرئک السلام ویقول حیّ ہذہ
علیاً کہا کہ خدائے عزوجل آپکو سلام کہتا ہے اور فرماتا ہے کہ یہ تحفہ علیؑ کو دو فدفعها الیه فانفلقت فی یده
فلقتین فاذا فیها حریرة خضراء مکتوب فیها سطران۔ تحفة من الطالب الغالب لی علی ابن ابیطالبؑ
(ینابیع المودة ص۸۷) تب رسول اللہ نے وہ ترنج علیؑ کو دیا اون کے ہاتھ میں پہونچکر وہ دو ٹکڑے ہو گیا
اور ایک سبز حریر کا ٹکڑہ برآمد ہوا جس پر یہ دو سطریں لکھی ہوئی تھیں " یہ تحفہ ہے طالب غالب (خدائے
عزوجل) کا، علی ابن ابیطالب کو۔"

یہ ایک مختصر فضیلت دنیاویہ ہے امیر المؤمنین علیہ السلام کی جو نصرت رسول کی وجہ ہاتھ آئی۔
رہی فضیلت اُخرویہ اُسکا اندازہ صرف رسول اللہ کر سکتے ہیں نہ ہم آپ۔

(۴) اس آیت اور ان احادیث سے چوتھی بات یہ بھی سمجھ میں آئی کہ اگر عالم میں کوئی عظمت ہے،
یا قابل ذکر ہیں تو وہ صرف رسول خداؐ اور علی ابن ابیطالبؑ۔ اور یہ کہ اگر خدائے تعالیٰ کے اسم اجل اور
ذکر محترم کے ساتھ ملا کر کسی کا ذکر کیا جاتا ہے تو صرف محمدؐ و علیؑ کا۔ جس کے معنے یہ ہوئے کہ
سب سے اول واجب الذکر خدائے عزوجل ہے " وذکره الاعلیٰ "۔ اُس کے بعد اُس کے رسول اعظم
جناب محمد مصطفےٰ ہیں۔ " ورفعنا لک ذکرک "۔ ان کے بعد بلا فاصلہ اگر کوئی دوسرا شخص ہے تو
وہ صرف علی ابن ابیطالب علیہ السلام ہیں۔ " وانہ فی الکتاب عندنا لعلی حکیم "۔
یہ ترتیب آپنے اُن آیات کی دیکھی ہو گی جو اوپر مذکور ہوئیں۔ اور آئندہ بھی ایسا ہی دیکھئے گا۔
کہ پہلے خدائے تعالیٰ کا نام مقدس آیا ہے پھر رسول کا ذکر پھر بلا فاصلہ علی ابن ابیطالبؑ کا ذکر
بالمدح۔ جو بے تامل اس نتیجہ پر پہونچاتا ہے کہ اصل الاصول عالم۔ مدار ایمان۔ مرکز اسلام۔ مبنائے
وجود و بقایا عالم بھی تین ہیں۔ خدائے تعالیٰ خالق عالم ہیں۔ رسول خدا سبب خلق عالم ہیں
اور علی موجب بقائے عالم۔ ان کے سوا چوتھا ان کے درمیان میں دخیل نہیں۔ خواہ ملائکہ کی
صف سے ہو۔ یا انبیاء و رسل کی۔

دوسرے یہہ بھی نتیجہ نکلا کہ جسطرح خدا تعالیٰ اور اُس کے درمیان کوئی شخص فاصل اور حایل نہیں اسیطرح جناب رسول خدا اور امیر المومنین علی ابن ابیطالب کے درمیان بھی کوئی شخص فاصل و حائل نہیں ہیں۔ پس جسطرح خدا تعالیٰ کے بعد رسول سے افضل کوئی نہیں اوسیطرح بعد رسول کے علیؑ سے بھی افضل کوئی نہیں۔ تیسرے یہہ بھی کھلم کھلا نتیجہ نکلا کہ جسطرح خدا تعالیٰ نے اپنے اور جناب رسالتمآب کے درمیان کسی نبی کا فاصل نہیں قرار دیا بلکہ سب سے پہلے انکو نبوت دی جیسے آپکا یہہ کلام شاہد ہے کنت نبیًّا و آدم بین الماء والطین میں آدم کے وجود سے پہلے نبی تھا۔" اور سب آخر بھی یہی نبی تھے۔ جیسے ولکن رسول اللہ و خاتم النبیین" گواہ ہے۔ اوسیطرح درمیان رسول اللہؐ اور امیر المومنینؑ کے بھی کوئی شخص بحیثیت خلافت فاصل نہیں ہے۔ علیؑ ہی آنحضرتؐ کے اول خلیفہ ہیں اور یہی آپکے آخری خلیفہ۔ جیسے آنحضرتؐ کے متواترا حادیث دال ہیں۔ جیسا کہ علی سے شہاب ہمدانی نے کتاب مودۃ القربیٰ میں لکھا ہے اور نیز سینکڑوں محدثین نے مفصلاً اس کا ذکر کیا ہے منجملہ ایک حدیث یہہ ہے (ینابیع ص ۲۰۶ چھاپہ بمبئی) کہ آنحضرتؐ نے فرمایا یا علی انت تبرء ذمتی وانت خلیفتی علی اُمتی یا علی تم ہی مجھے بری الذمہ کروگے اور تم ہی میرے خلیفہ میری اُمت پر ہو۔" اور پھر فرمایا کہ خدا تعالیٰ نے ہر نبی کے لیے ایک وصی مقرر کیا۔ شیثؑ کو آدمؑ کا وصی بنایا۔ یوشعؑ کو موسیٰؑ کا۔ شمعونؑ کو عیسیٰؑ کا اور علیؑ کو میرا وصی روز اول سے بنایا۔ میں داعی ہوں اور علی روشنی پہونچانیوالا ہے (ینابیع ۲۰۶ المودۃ)

اور نیز آنحضرتؐ سے حموینی نے روایت کیا ہے عن ابی ذر قال رسول اللہؐ انا خاتم النبیین و انت یا علی خاتم الوصیین الیٰ یوم الدین۔ ابوذر راوی ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا میں خاتم النبیین ہوں اور اے علی تم خاتم الوصیین ہو قیامت تک کے لیے۔ یعنی میری اور تمہاری درمیان قیامت تک کوئی دوسرا وصی و خلیفہ نہ ہوگا۔

جس نے فیصلہ کردیا کہ خدا کی طرف سے اور رسول کی جانب سے مقرر کردہ خلیفہ بلافصل تو صرف امیر المومنین ہی تھے لیکن دنیا نے باوجود اتنے اقوال خدا و رسول کے بھی اُن سے علٰحدگی کی جس سے اونکا اصلی عہدہ تو زائل نہیں ہوا کیونکہ وہ خدا داد تھا مگر دنیا کی نگاہوں میں کسی قدر عظمت میں

فرق آگیا۔ اگرچہ بصیرت والی آنکھیں آج بھی اونکو اُسی نگاہ سے دیکھ رہی ہیں جس صورت سے خدا تعالی نے انکو دنیا کے سامنے پیش کیا ہے اور اپنے اور اپنے رسول اور امیرالمؤمنین کے درمیان کسی چوتھے کو حائل نہیں فرمایا۔

آئندہ دنیا کو اختیار ہے جیسا چاہے سمجھے ہم نے تو حق ادا کر دیا اور آیت کا مفہوم دنیا تک پہونچا دیا

وما علینا الا البلاغ وہو الہادی۔

آیت ۳۸ (پارہ ۱۰۔ ع ۴ سورہ انفال)

یا ایہا النبی حسبک اللہ ومن اتبعک من المؤمنین " اے نبی صلے اللہ علیہ وآلہ الہ تمہارے لیئے کافی ہے۔ اور وہ لوگ جنہوں نے تمہاری تبعیت کی "

اس آیت کا سوق و انداز بھی وہی ہے جو آیت سابقہ کا تھا۔ یعنی پروردگار عالم فرماتا ہے کہ اے رسولؐ تمہاری مدد کے لیئے اللہ کافی ہے اور وہ ایمان والے جو تمہاری پوری تبعیت کرتے ہیں۔ سابقاً معلوم ہو چکا ہے کہ بالمؤمنین سے آیت سابقہ میں خاص امیرالمؤمنین علیہ السلام مراد ہیں۔ اور وہاں بھی تائید و نصرت ہی کا ذکر ہے اس آیت میں بھی وہی بیان ہے۔ لہٰذا بسبب اتحاد سیاق کے من اتبعک من المؤمنین سے مراد بھی علی ابن ابیطالب علیہ السلام ہونے چاہئیں جسطرح بالمؤمنین سے مراد آیہ سابقہ میں وہی تھے۔

علاوہ بریں ایسا تابع جس نے ایک منٹ کے لیئے کبھی رسول کا ساتھ نہ چھوڑا اون کے ہمراہ ہر حال میں رہا صغر سنی میں اُن ہی کی گودیوں میں پلے۔ جوانی میں ہجرت کی تو رسول اللہ کے ساتھ نماز میں سب سے پہلے تبعیت کی۔ اسلام کے اظہار میں سب سے پہلے تبعیت کی۔ احکام خدا کی بجا آوری میں سب سے پہلے تبعیت کی۔ حتیٰ کہ آیت نجویٰ کی تعمیل میں سب سے اول اور سب سے آخر آپ ہی رہے کیونکہ اس آیت کے مفہوم پر عمل کرنا سوائے آپکے اور کسی کو نصیب نہ ہوا۔ پھر نصرت و مدد میں کبھی کبھی کسی کسی موقع پر الگ نہ ہوئے۔ تو بھلا کیونکر اس آیت کا مصداق کوئی دوسرا ہو سکتا ہے۔

اس وجہ سے عزالدین عبدالرزاق محدث حنبلی نے اپنی کتاب میں روایت کی ہو کہ اس سے مراد خاص علی ابن ابیطالب علیہ السلام ہیں نہ کوئی اور۔ اسے جناب مفتی محمد عباس اعلی اللہ مقامہ نے کتاب روائح القرآن میں کشف الغمہ سے نقل کیا ہو۔

مگر عجیب بات یہ ہو کہ حضرت عمر صاحب فرماتے ہیں کہ یہ آیت اُس وقت نازل ہوئی جبکہ میں مسلمان ہُوا جس سے اونکا مطلب یہ ہے کہ تابعین مؤمنین سے جو اس آیت میں مذکور ہے میں مراد ہوں۔ چنانچہ علامہ سیوطی نے درمنثور جلد ۳ کے صفحہ ۲۰۰ پر لکھا ہے۔

عن عمر ابن الخطاب قال اسلمت رابع اربعین فنزلت یا ایہا النبی حسبک اللہ ومن اتبعک من المؤمنین " اور دوسری روایت زہری سے لکھی ہے۔ قال نزلت فی الانصار۔ یہ آیۃ انصار کی بابت نازل ہوئی۔

ناظرین ان دونوں آیتوں کا تہافت سمجھ سکتے ہیں اگر یہ آیت انصار سے متعلق ہو تو اسے مدنی ہونا چاہیئے۔ اور اگر حضرت عمر سے متعلق ہو تو اسے مکی ہونا چاہیئے۔ مگر دنیا جانتی ہو کہ یہ آیت سورہ انفال کی ہو۔ جو بالکل مدنی ہو۔ پس حضرت عمر سے اسکا تعلق کیونکر ہو سکتا ہے۔ وراں حالیکہ یہ سورۃ اون کے اسلام لانے کے مدت بعد نازل ہُوا۔ حالانکہ وہ فرماتے ہیں کہ میرے اسلام لاتے ہی یہ آیہ نازل ہُوا۔

اور چونکہ یہ آیت معہ تمام سورہ کے مدنی ہو لہذا اسکیطرح اسکو حضرت عمر سے ربط نہیں ہو سکتا۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہو کہ کسی خوش اعتقاد آدمی نے اُنپر افترا کیا ہے۔ ورنہ حضرت عمر کب ایسے جاہل تھے کہ مدنی آیت کو مکی بناتے۔

علاوہ بریں آیت اُن مؤمنین کا ذکر کر رہی ہے جو تابع رسول تھے۔ لیکن حضرت عمر تو عموماً رسول اللہ کی مخالفت ہی کرتے رہے۔ پھر کیونکر یہ من اتبعک کا مصداق ہو سکتے ہیں

(۱) رسول اللہ نے ان کو جیش اسامہ کے ساتھ وقت آخر روانہ کیا یہ وہاں سے واپس آئے اور شریک جیش نہ ہوئے جسپر آنحضرتؐ نے لعنت کی اور فرمایا لعن اللہ من تخلف جیش اسامہ۔

(۲) آخروقت جناب رسولؐ جبکہ آپنے قلم دوات کاغذ مانگا - انہوں نے مخالفت کی اور فرمایا حسبنا کتاب اللہ ہم کو صرف کتاب خدا کافی ہو - آپ کی تحریر کی ہمیں ضرورت نہیں - (دیکھو صحیح مسلم وبخاری وغیرہ -

(۳) انکی تبعیت کا حال اس آیت سے بھی ظاہر ہے اذ تصعدون ولا تلون علیٰ احد والرسول یدعوکم فی اخراکم - سورہ آل عمران ج ۴ رکوع ۱۷ -

جبکہ تم لوگ پہاڑی پر بھاگے چڑھے چلے جاتے تھے اور ہمارا رسول تمہیں آخری صف سے پکار رہا تھا - جسکا حاصل یہ ہے کہ بروز احد سر آئے سے یہ تمام حضرات بھاگے اور پہاڑی پر چڑھ گئے حالانکہ آنحضرتؐ انکو پکارتے ہی رہے - چنانچہ یہ بزرگوار خودہی فرماتے ہیں لما کان یوم احد ھزمنا ففررت حتی صعدت الجبل فلقد رایتنی انزو کانی اروی - تفسیر درمنثور سیوطی ج ۲ صفحہ ۸۸ چھاپہ مصر -

جب احد کی لڑائی ہوئی تو ہم سب نے شکست کھائی - تب میں بھاگا - یہانتک کہ پہاڑ پر چڑھ گیا اُس وقت تم دیکھتے کہ میں اسطرح اوچک رہا تھا جیسے جنگلی بکرے -

کیا تبعیت کے یہی معنے ہیں - کہ رسول اللہ تو پکارتے رہیں اور آپ بھاگے چلے جائیں ذرا مُڑکر بھی نہ دیکھیں - اور بفخر اس واقعہ کو لوگوں سے بیان کریں - اسی سے خیال قوی ہوتا ہے کہ آیہ مذکورہ کا نزول حضرت عمر نے اپنی نسبت نہ کہا ہوگا کیونکہ وہ تو خود جانتے تھے کہ مدت العمر نے شاید ہی کبھی آنحضرت کی متابعت کی ہو -

(۴) رسول اللہ نے فرمایا انی تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ وعترتی ما ان تمسکتم بہما لن تضلوا بعدی - جس کا حاصل یہ ہے کہ میں کتاب خدا اور اپنی عترت دونوں کو تم میں چھوڑے جاتا ہوں ان دونوں سے تمسک کرنا - اور حضرت عمر مخالفت اس حدیث کے فرماتے ہیں حسبنا کتاب اللہ ہمیں تو کتاب خدا کافی ہے - جس کا مطلب صاف یہ ہے کہ ہمکو آپ کی عترت سے تمسک کرنا لازم نہیں ہے -

ان تمام وجوہ اور ایسے ہی بہت وجوہ پر نظر کرکے یقین کامل ہوتا ہے کہ اس سے حضرت عمر کو کوئی تعلق نہیں - رہے انصار تو انکا حال بھی قرآن سے ظاہر ہے اور نیز لڑائیوں سے فرار کا حال سب کو معلوم ہے

پھر کیونکر خدا تعالیٰ ان کی بابت کہہ سکتا ہے کہ ایسے بھگوڑے انصار تمہارے لیئے کافی ہیں کیا لڑائیوں سے چھوڑ کر بھاگ جانا کفایت کیا جا سکتا ہے اگر ایسا ہے تو بالضرور یہ لوگ پکے مددگار ہو سکتے ہیں۔ بہر حال کسی طرح یہ آیت غیر امیر المومنین علیہ السلام سے چسپاں نہیں ہوتی۔

آیت ۳۹

(سورہ توبہ ج ۱۰ ع ۷) برائۃ من اللہ ورسولہ الی الذین عاھدتم من المشرکین۔

اس سورہ کو مطلقاً جناب امیر المومنین علیہ السلام سے خصوصیت خاصہ اور تعلق قریب ہے۔ کیونکہ اس سورہ کے نزول نے بہت سے عقدے حل کیئے ہیں۔ ایک تو امیر المومنینؑ کو نفس رسول عملاً ثابت کر دکھایا۔ دوسرے آپ کی خدمت الٰہیہ کو بھی اسی آیت نے ثابت کیا۔ تیسرے حضرت ابو بکر کا عدم قابلیت تبلیغ سورہ برأت پر عدم استحقاق خلافت بھی ثابت کیا۔ چوتھے آپکے کمال شجاعت پر بھی اس آیت نے روشنی ڈالی۔ لہذا اس کا ذکر بالخصوص ہونا چاہیئے۔ اسکے بعد اُن آیات کو بیان کیا جائیگا جو اس سورہ میں علیحدہ علیحدہ امیر المومنین علیہ السلام کی شان والاشان میں نازل ہوئی ہیں۔ اس سورہ کی بابت تفسیر درمنثور میں علامہ سیوطی نے (صفحہ ۲۰۹ جلد ۳ چاپ مصر) لکھا ہے اخرج عبد اللہ بن احمد بن حنبل فی زوائد المسند وابو الشیخ وابن مردویہ عن علیؑ قال لما نزلت عشر آیات من برائۃ علی النبیؐ دعا ابا بکر لیقراھا علی اہل مکۃ ثم دعانی فقال لی ادرک ابا بکر فحیثما لقیتہ فخذ الکتاب منہ ورجع ابا بکر رضی اللہ فقال یا رسول اللہ نزل فی شیئ قال لا ولکن جبرائیل جاءنی فقال لن یؤدی عنک الا انت او رجل عنک۔"

اس روایت کو عبد اللہ بن احمد بن حنبل نے۔ ابو الشیخ نے۔ ابن مردویہ نے باسناد خود۔ علیؑ سے نقل کیا ہے آپنے کہا جب دس آیتیں سورہ برات کی نازل ہوئیں تو رسول اللہ نے ابو بکر کو بلایا اور فرمایا کہ انہیں اہل مکہ کے روبرو پڑھو۔ پھر مجھے بلایا اور فرمایا ابو بکر کو جا پکڑو اور جہاں اُن کے ملاقات ہو کتاب (آیات مذکورہ) کو اُن سے لے لینا۔ (جب امیر المومنین گئے تو ابو بکر سے وہ آیتیں لے لیں اور مکہ کو روانہ ہوئے) اور ابو بکر واپس آگئے اور عرض کی یا رسولؐ کیا کوئی

آیہ میرے متعلق نازل ہوا ہے آپنے فرمایا نہیں - لیکن جبرائیل آئے اور کہا کہ تمہاری طرف سے کوئی نہیں کرسکتا مگر تم یا جو تم سے ہو۔

اس روایت سے چند فوائد حاصل ہوتے ہیں

پہلا فائدہ - (۱) یہہ کہ پہلے ابوبکر کو آیات سورہ برأت دیکر بھیجا گیا اور معلوم ہی کہ کوئی فعل وقول آنحضرت کا بغیر اذن صریح خدا یتعالیٰ نہیں ہوسکتا کیونکہ قرآن کہہ رہا ہی - ماینطق عن الھویٰ الا وحی یوحیٰ - رسول ہمارا خواہش نفس سے کچھ نہیں کہتا جو کچھ کہتا ہی ہماری وحی ہوتی ہے - پس جبکہ ابوبکر سے آپنے فرمایا ہوگا کہ ان آیات کو لیجاکر مکہ میں کفار قریش کے روبرو پڑھو - تو لامحالہ یہہ قول بھی منجملہ وحی الٰہی ہوگا - اور دوبارہ علی علیہ السلام کو بھیجنا اور ابوبکر سے سورہ برأت کے آیات کو واپس لینا یہی بوحی الٰہی تھا جیسا کہ حدیث خود بتا رہی ہے کہ جبرائیل آئے اور واپسی کے لئے کہا - پھر دو متضاد باتیں خدا یتعالیٰ سے کیونکر صادر ہوئیں اگر علیؑ ہی کو بھیجنا تھا تو پہلے ہی کیوں نہ بھیجا - ابوبکر کو بلا وجہ کیوں زحمت دی اور اگر ابوبکرؓ کو بھیجنا تھا تو اُنہیں راہ سے واپس کیوں بُلایا - کیا پروردگار عالم کی رائے بھی آناً فاناً پلٹا کرتی ہے اور آخر اسمیں مصلحت کیا ہے ؟

تمام اہل ایمان جانتے ہیں کہ خدا تعالیٰ الحکیم ہو اُس سے کبھی غلطی نہیں ہوسکتی پس لامحالہ یہہ فعل بھی اوس کا مبنی کسی حکمت پر ہوگا اور اگر ایسا نہ ہو تو اوس کے حکیم ہونے میں کلام ہوگا - ابظاہر کوئی حکمت سوائے اسکے نہیں معلوم ہوتی کہ پہلے ابوبکر کو اس کام کے لیئے روانہ کیا جائے - تاکہ دنیا کو معلوم ہو کہ ابوبکر صاحب تبلیغ کے لیئے بھیجے گئے اور یہہ بات مشہور ہوجائے - اُس کے بعد جب اوس کو راہ سے واپس بلایا جائیگا اور کہا جائیگا کہ تبلیغ کا کام یا خود رسول اللہ کرسکتا ہی یا وہ شخص جو اُس سے ہے تو دنیا کو کھُلم کھُلا معلوم ہوجائیگا کہ جناب ابوبکر میں قابلیت تبلیغ اور جانشینی رسول کی نہیں ہی - چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ اُن کے ایک مرتبہ بھیجے جانے اور دوبارہ واپس بلائے جانے نے وہ رغبت پیدا کی کہ تیرہ سو برس سے آجتک کتابوں میں درج چلا آتا ہی - اور وہ تحریریں دنیا کو بتا رہی ہیں کہ دیکھو جبکہ ابوبکر کو صرف دس آیتیں سورہ برأت کی

پہونچانیکا حق منصب تھا تو ساری شریعت رسول کی ذمہ واری وہ کیونکر کر سکتے ہیں اور تمام مہام اُمور شرع و دین میں اونکو اہلیت کہاں سے پیدا ہو سکتی ہے اور جب نہیں پیدا ہو سکتی تو وہ ہرگز رسول اللہ کے بعد جائز خلیفہ و جانشین نہیں ہو سکتے۔

دوسرا فائدہ

دوسری بات اس روایت نے یہ بتائی کہ ابوبکر صاحب راہ سے واپس آگئے مکہ تک امیر المؤمنینؑ کے ہمراہ نہیں گئے اور نہ تبلیغ آیات میں اُنکا ہاتھ بٹایا۔ جیسا کہ ایک دوسری روایت میں جو اسی دُرِّ منثور جلد ۳ ص ۲۰۹ میں ہی ثابت ہوتا ہے۔ ابن مردویہ سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں ان رسول اللہ صلعم بعث ابابکرؓ برائۃ الی اہل مکۃ ثم بعث علیاًؑ علی اثرہ فاخذھا منہ وکان ابابکرؓ وجد فی نفسہ فقال النبی یا ابابکر انہ لایؤدی عنی الا انا او رجل منی" کہ رسول اللہ نے ابوبکرؓ کو سورہ برات دیکر بھیجا اہل مکہ کی طرف۔ پھر علیؑ کو اون کے پیچھے روانہ کیا تب علیؑ نے ابوبکر سے وہ آیات لے لیئے اس سے ابوبکرؓ کے دل میں غصہ آیا تو رسول اللہ نے فرمایا اے ابوبکرؓ بالضرور میری طرف سے تبلیغ کرنے والا سوائے میرے اور اُس کے جو مجھ سے ہو کوئی اور نہیں ہو سکتا۔

حضرت ابوبکر کا غصہ کرنا بتا رہا ہے کہ وہ واپس آگئے اور مکہ تک شرکت و تائید امیر المؤمنینؑ کے لیئے نہیں گئے ورنہ غصہ کرنے کی کوئی وجہ نہ تھی۔

اسی کی مؤید دوسری روایت بھی ہے جسے علامہ سیوطی نے اس کے بعد ہی درج کیا ہے مخرج اسکے امام احمد بن حنبل امام نسائی۔ ابن المنذر۔ اور ابن مردویہ ہیں جن کی صداقت میں عام اہل اسلام کو کوئی کلام نہیں ہو سکتا۔ یہ چاروں بزرگوار ابوہریرہ سے روایت کرتے ہیں۔ کنت مع علیؑ حین بعث رسول اللہ بعث علیاًؑ باربع لایطوف بالبیت عریان ولایجتمع المسلمون والمشرکون بعد عامھم ومن کان بینہ وبین رسول اللہ عھدہ فھو الی عھدہ۔ وان اللہ ورسولہ بریٓ من المشرکین ابوہریرہ کہتے ہیں کہ میں علیؑ کے ہمراہ تھا جبکہ آنحضرت نے ان کو (مکہ بھیجا تھا) چار باتیں دیکر علیؑ کو روانہ کیا تھا ایک یہ کہ (کفار سے کہدیں کہ) کوئی آئندہ برہنہ طواف نہ کرے۔ دوسرے یہ کہ اس سال بعد مسلمان و مشرکین مجتمع نہ ہوں۔ تیسرے یہ کہ رسول کے درمیان اور جس کے درمیان

درمیان معاہدہ ہو وہ اپنی معاہد پر رہی۔ چوتھے یہہ کہ اللہ اور اُسکا رسول مشرکین سے بری ہیں
اس روایت نے بھی بتایا کہ ابوبکر صاحب مکہ میں ہمراہ حضرت امیرالمؤمنینؑ کے نہ تھے پس ایسی روایت
جو بیان کی جاتی ہو جیسے ترمذی شریف میں لکھا ہو کہ ابوبکر صاحب بھی امیرالمؤمنین کے ہمراہ تھے اور جب وہ
چیختے چیختے تھک جاتے تو حضرت ابوبکر منادی کرنے لگتے بالکل مجہول و موضوع ہوگی۔ اور ہرگز قابل
سماعت نہ ٹھیرگی درانحالیکہ اس کے مؤید اور بہت سے روایات ہیں جنمیں سے ایک روایت یہہ بھی ہو
(دیکھو دُر منثور جلد ۳ صفحہ ۲۱۰)

عن ابی رافع قال بعث رسول اللہ ابا بکر ببرائۃ الی الموسم فاتی جبرائیل فقال انہ لن یؤدیہا
عنک الا انت اور جل منک فبعث علیاً علی اثرہ حتی لحقہ بین المکۃ والمدینۃ فاخذہا فقراہا علی الناس
فی الموسم۔ اس روایت کا محصل بھی یہی ہے کہ علیؑ نے وہ آیات ابوبکر سے واپس لے لیں
اور تنہا اوسے موسم حج میں جا کر پڑھا۔

لہذا دیگر عوام اہل اسلام جو یہہ کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر تبلیغ آیات برائت سے بالکل معزول نہیں
ہوئے بلکہ تائید میں امیرالمؤمنینؑ کے وہ بھی وہاں موجود تھے۔ بالکل غلط اور ساقط از درجہ اعتبار ہے۔

تیسرا فائدہ۔ تیسری بات یہہ بھی معلوم ہوئی کہ وہ آیت جسمیں خدا تعالیٰ نے فرمایا انفسنا وانفسکم
وہ اب عملاً نمایاں ہوگئی۔ جبکہ جبرائیل نے بتصریح کہا کہ اس سورہ کی تبلیغ تمہارا کام ہی یا اُس شخص کا
جو تمہارا جزو ہو۔ جسکی تصدیق رسول اللہ نے یہہ کی کہ حضرت امیرالمؤمنین علیہ السلام کو روانہ کیا۔ اور
بتا دیا کہ رجل منک کا مصداق صرف امیرالمؤمنین علیہ السلام ہیں۔ نہ کوئی اور۔
یہہ وہ مرتبہ ہے جسکے برابر کوئی دوسرا عقل انسانی میں نہیں آسکتا کہ کوئی شخص نفس رسول یا من
رسول کہا جاوے۔

چوتھا فائدہ۔ چوتھی بات جو اس سے قطعی طور پر معلوم ہوئی وہ کمال شجاعت امیرالمؤمنین علیہ السلام
ہی جس کا ظہور جابجا اس زور سے ہو چکا ہے جسکے اثبات کی ضرورت نہیں۔ مگر تاہم اُن مواقع پر
کچھ نہ کچھ فوج رہتی تھی۔ کچھ لوگ آگے پیچھے اپنے ہم خیال نظر آتے تو تھے لیکن یہہ وہ موقع ہی کہ خالص

مشرکین و کفار کا مجمع ہے کوئی مددگار ایسا جس پر بھروسہ کیا جائے ساتھ نہیں۔ حکم بھی وہ پہونچانا ہے جس سے آیندہ تمام اعزازات اور تمام اختیارات اہل مکہ و دیگر مشرکین کے مسلوب ہو جائینگے۔ یعنے کہ آیندہ برہنہ کوئی شخص طواف نہ کرے۔ آیندہ کوئی مشرک مسجد الحرام میں داخل نہ ہو۔ کوئی مسلمان مشرک ملکرہ نہیں۔ اللہ اور اسکا رسول بالکل مشرکین سے دست بردار ہیں۔ ان احکام کا تن تنہا لاکھوں مشرکین کے مجمع میں پڑھ کے سُنانا اور اُن سے ذرا ہراس نہ کرنا اور اُن کی ذرہ برابر پرواہ نہ کرنا بڑے جگر کا کام ہے اور واقعی یہی بات ہے کہ اگر ابوبکر صاحب وہاں پہونچے ہوتے تو ہرگز اُن آیات یا اُن احکام کی تبلیغ نہ کر سکتے بلکہ مارے خوف کے گھگھی بندھ جاتی۔ کیونکہ جب فوج سے باوجود ہمراہی رسول من اللہ کے اپنی جان بچانیکی خاطر ہٹ جایا کرتے تھے تو ایسے موقع سخت پر جبکہ کوئی مددگار بھی ہمراہ نہیں کیونکر برخلاف مشرکین کے کوئی کلمہ زبان سے نکال سکتے تھے۔

اس کے علاوہ ان کی واپسی میں ایک بڑا راز مخفی تھا وہ یہ کہ ایک مرتبہ اُنہوں نے رسول اللہ سے اصرار کیا تھا کہ آپ مجھے تبلیغ اسلام اور اعلان کلمۃ اللہ کا حکم دیجیے تو میں مسجد الحرام کے پاس اعلان کروں۔ آنحضرت نے انکو منع بھی کیا مگر یہ نہ مانے اور تبلیغ اسلام کرنے گئے۔ حالانکہ ایسی کوئی سختی مشرکین کے ساتھ بظاہر نہیں کی تھی باینہمہ ابن ربیعہ نے انکو اپنی نعلین سے اتنا مارا کہ ناک اور آنکھیں سوج کر ایک ہو گئیں۔ اور یہ اُسکا کچھ نہ بنا سکے۔ پھر ایسے سخت احکام لیکر اگر یہ بزرگوار وہاں جاتے اور سُناتے تو آپ کی بابت معلوم کیا گت ان کی بنتی اور کس قدر ان پر زد و کوب واقع ہوتی بلکہ بالکل ممکن تھا کہ جان سے مار ڈالے جاتے۔ لہذا مصلحت یہی تھی کہ انہیں واپس بلا لیا جائے دوبارہ انکی کمزوری سے اسلام کی بے وقاری نہ ہو اور اُسے بھیجا جائے جو اسد اللہ الغالب لیث لوئ بن غالب اشجع الشجعان۔ مجدل الاقران۔ مصرع الابطال الخائض فی الاہوال۔ الضارب بالسیفین۔ الطاعن بالرمحین اور خطاب یافتہ لافتیٰ الا علیؑ ہو تا کہ کسی کو یہ ہمت نہ ہو سکے کہ ان کی طرف نظر اُٹھا کر بھی دیکھے۔

پانچواں فائدہ۔ پانچویں بات جس کا فیصلہ اس سورۃ اور ان حدیثوں نے کر دیا وہ مسئلہ خلافت

امیرالمؤمنین ہی کیونکہ اسکے بعد اب کسی کو شبہ نہیں رہ سکتا کہ سوائے حضرتؑ کے کوئی بھی مستحق خلافت ہو سکتا ہی کیونکہ حضرت کی ناقابلیت ثابت ہو چکی اور امیرالمؤمنینؑ کا اہل تبلیغ کار رسالت ہونا بھی روز روشن کی طرح واضح ہو گیا پھر اب کون ہی جو ان کے سوا بعد رسول اللہؐ کے کسی اور کو جائز طور پر منتخب کر سکتا ہو جبکہ رسول اللہ نے خود اپنی زندگی میں اپنا قائمقام بنایا اور اہلبیت سورہ برارت کی تبلیغ سے بتا دیا کہ یہ یا ایسے ہی کام جو خدائی کام کہے جا سکتے ہیں سوائے ان کے کوئی نہیں کر سکتا - اور جبکہ ایسے اہم معاملات دینی کا انصرام بغیر آپکے نہیں ہو سکتا تو دنیادی حکومت کی کیا ہستی ہے وہ تو بطریق اولی ان سے ہی متعلق ہونی چاہیئے - جسے بہ نسبت اوروں کے بہتر سے بہتر انجام دینگے اسی کیطرف آنحضرتؐ نے ایک حدیث صحیح میں اشارہ کیا ہی اور نہ صرف اشارہ بلکہ تصریح موجود ہے اور اسی سے عامتہ الناس کے عندیہ کا حال بھی معلوم ہوتا ہی - وہ حدیث یہ ہے - جسے رو سبعین فی فضائل اہلبیت " میں نقل کیا ہی - اور صاحب ینابیع نے صـ ۱۹۹ چاپ بمبئی میں بھی اسے لکھا ہے اگرچہ ضمیمہ میں دیگر نام بھی ہیں - مگر امیرالمؤمنین کا استحقاق زبردست لکھتا ہے -

الحدیث الحادی والستون - عن حذیفۃؓ قال قالوا یا رسول اللہ الا تستخلف علینا فقال علیہ السلام ان استخلف علیکم من بعدی خلیفۃ عصیتم خلیفتی نزل العذاب علیکم ثم قال ان تولوا ہذا الامر ابا بکر تجدوہ قویا فی دین اللہ ضعیفا فی بدنہ وان تولوہا عمر تجدوہ قویا فی دین اللہ قویا فی بدنہ وان تولوہا علیا ولن تفعلو تجدوہ ہادیا مہدیا یسلک بکم الطریق المستقیم"

اکسٹھویں حدیث - حذیفہ سے مروی ہی کہ لوگوں نے آنحضرتؐ سے عرض کی یا رسول اللہ آپ ہم پر کسی کو خلیفہ نہیں مقرر کرتے - فرمایا اگر میں خلیفہ مقرر کروں تم اسکی مخالفت کروگے تو تم پر عذاب نازل ہوگا - پھر فرمایا اگر ابوبکر کو خلیفہ بناؤگے تو وہ دین میں مضبوط اور بدن کے لحاظ سے کمزور ملیگا - اور اگر عمر کو خلیفہ بناؤگے تو وہ دین اور بدن میں مضبوط ہوگا - اور اگر علیؑ کو خلیفہ بناؤ (حالانکہ تم اسے ہرگز خلیفہ نہ بناؤگے) تو اسے ہادی مہدی پاؤگے جو تمہیں صراط مستقیم پر لے چلیگا -"

جس سے معلوم ہوا کہ لوگ اگر امیر المؤمنین علی ابن ابیطالب علیہ السلام کو حسب منشاء رو ارشاد رسولخدا خلیفہ مانتے تو وہ بالضرور صراط مستقیم پر لوگوں کو لے چلتے کیونکہ وہ خود ہادی و مہدی تھے لیکن لوگوں نے ایسا نہ کیا۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ ان کے علاوہ جنکو تم خلیفہ بناؤ گے نہ وہ ہادی و مہدی ہونگے اور نہ تمکو صراط مستقیم پر لے چلینگے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ ان کے علاوہ اوروں کو مقدم کیا گیا اور مؤمن خدا برباد ہوا

چالیسویں آیت

اذانٌ من اللہ ورسولہ الی الناس یوم الحج الاکبر۔ (سورہ توبہ ج ۱۰ ع ۷)

ترجمہ یہ اذان ہے اللہ اور اُس کے رسول کی طرف سے لوگوں کو حج اکبر کے دن۔ تفسیر درمنثور ج ۳ صفحہ ۲۱۱ مطبوعہ مصر میں ہے اخرج بن ابی حاتم عن حکیم بن حمید قال قال لی علی بن الحسین ان لعلی فی کتاب اللہ اسماً ولکن لایعرفونہ قلت ما ہو قال الم تسمع قول اللہ واذان من اللہ ورسولہ الی الناس یوم الحج الاکبر ہو واللہ الاذان "

ابن ابوحاتم نے حکیم بن حمید سے روایت کی ہے کہ مجھ سے علیؑ ابن الحسینؑ نے بیان کیا کہ علی (علیہ السلام) کا ایک نام ایسا قرآن میں ہے جسے لوگ نہیں جانتے میں نے کہا وہ کیا ہے آپنے فرمایا کیا تم نے خدا تعالی کا یہ کلام نہیں سنا ہے۔ واذان من اللہ الخ قسم بخدا کہ وہ اذان علی ابن ابیطالبؑ ہیں۔

اس مضمون کی روایت ینابیع صفحہ ۸۳ مطبوعہ بمبئی میں بھی موجود ہے۔ ایک نہیں بلکہ دو۔ جابر جعفی سے روایت ہے کہ جب امیر المؤمنین جنگ نہروان سے واپس ہوئے اور آپ کو خبر معلوم ہوئی کہ معاویہ بن ابی سفیان آپ کو سب کرتا ہے (گالیاں دیتا ہے) اور آپکے اصحاب کو قتل کرتا ہے تو خطبہ فرمایا اور اُسمیں ارشاد کیا انا المؤذن فی الدنیا والآخرۃ میں ہی دنیا و آخرت میں مؤذن ہوں۔ خدا تعالی فرماتا ہے فاذن مؤذن بینہم یقول ان لعنۃ اللہ علی الظالمین (ج ۸ ع ۱۲) وہ مؤذن میں ہی ہوں۔ اور خدائے عزوجل نے فرمایا واذان من اللہ ورسولہ الی الناس یوم الحج الاکبر

وہ اذان میں ہی ہوں"

دوسری روایت محمد بن فضیل سے ہے اُس نے احمد بن عمر حلال سے اُس نے ابوالحسن موسیٰ سے روایت کی ہو- فرمایا المؤذن امیر المؤمنین علی صلوات اللہ علیہ مؤذن امیر المؤمنین علی صلوات اللہ علیہ ہیں یؤذن اذانا یسمع الخلائق ایسی اذان دینگے کہ تمام خلائق سُنینگی والدلیل علی ذالک واذان من اللہ ورسولہ اور اسکی دلیل خدا تعالیٰ کا کلام اذان من اللہ ورسولہ فرمایا ہی امیر المؤمنین نے انا ذالک الاذان وہ اذان میں ہی ہوں-

اس آیت سے بھی اگر خدا عقل دے تو انسان سمجھہ سکتا ہو کہ امیر المؤمنین علیہ السلام کی خلافت بلافصل کس طرح ثابت ہوتی ہے-

سوق استدلال یہ ہے کہ رسول اللہ کی ساری اُمت اور اقلاً ساری اصحاب میں سے صرف امیر المؤمنین علیہ السلام اس کام کے لیئے منتخب کیئے گئے ہیں کہ اذان بن سکیں- اور وہ بھی کن کی؟ خدا اور رسول کی- جس سے معنی صرف یہی ہوئی کہ خدا ورسول خدا کے امور کا خلائق تک پہونچانا خواہ وہ متعلق بامور معاش ہو یا معاد صرف امیر المؤمنین سے متعلق ہے نکسی اور سے اسلیئے کہ درمیان اس اذان اور اللہ ورسول کے کوئی فاصلہ نہیں دیا گیا ہے بلکہ یہی فرمایا گیا ہو کہ اللہ ورسول کی خبریں اگر کوئی پہونچا سکتا ہو اور اللہ ورسول کی اذان بن سکتا ہو تو وہ صرف اور صرف علی ابن ابیطالب علیہ السلام ہیں اور جبکہ صرف علی ہی اذان خدا ورسول خدا بن سکے تو خلیفہ رسول بھی وہی ہونگے اسلیئے کہ خلیفہ کا عہدہ اور کام سوا اسکے اور کچھہ نہیں کہ بندگان خدا تک قائم مقامی رسول میں احکام خدا ورسول کی خبر پہونچادے اور یہی معنی اذان کے ہیں لہذا جو شخص اذان خدا ورسول ہے وہ خلیفہ رسول بھی یقیناً ہے- وہو المطلوب

نیز اس آیت نے صرف اتنا ہی نہیں ثابت کیا کہ حضرت علی علیہ السلام بہ سبب اذان اللہ ہونے کے خلیفہ رسول ہیں- بلکہ یہ بھی بتایا کہ دنیا وآخرت میں مخبر ومؤذن عن اللہ ورسول اگر کوئی ہو سکتا ہو تو وہ صرف علی ہیں جس سے آپ کی عظمت فرشتگان مقربین پر بھی ثابت ہو سکتی ہی

بایں معنے کہ اُمیں سے کوئی ایسا شخص تجویز نہ ہوا جو علی الاعلان و علی رؤس الاشہاد خدا اور رسول کا مخبر و مؤذن بن سکے اگر تجویز ہوئی تو "علی" لہذا وہ ملائکہ مقربین سے بھی افضل ہونگے بلکہ اسی سے انبیائے سابقین پر بھی سبقت و فضیلت پیدا ہوتی ہے اُس تقریب سے جو اوپر عرض کی گئی جسمیں کوئی شبہ نہیں - کیونکہ اگر رسول اللہ کو تمام انبیاء پر فضیلت ہے تو جو شخص منہٗ ہوگا - اور جو انفسنا کا مصداق ہوگا وہ کیونکر انبیاء پر فضیلت نہ رکھیگا - فافہم وتدبر ثم تشکر واللہ الہادی -

آیت ۱۴

ام حسبتم ان تترکو ولما یعلم اللہ الذین جاہدوا منکم ولم یتخذو من دون اللہ ولا رسولہ ولا المؤمنین ولیجۃ واللہ خبیر بما تعملون - ج ۱۰ ع ۸ سورۂ توبہ (اس آیت کا ذکر روائح القرآن میں نہیں آیا)

ترجمہ - کیا تمہارا خیال ہے کہ تم چھوڑ دیئے جاؤ گے (صرف اس کہنے پر کہ ہم مسلمان ہیں) درانحالیکہ نہ (ظاہر ہو تم سے وہ بات جس سے) جان لے خدا اُن لوگونکو جنہوں نے تم میں سے جہاد کیا اور خدا کے سوا اور اُس کے رسول کے سوا کسی کو اپنا دوست نہیں بنایا - حالانکہ خدا تعالیٰ اچھی طرح جانتا ہے اُن باتوں کو جنہیں تم کرتے ہو -

حاصل آیت یہ ہے کہ جبتک تم میں جہاد کرنے والے خدا کی راہ میں اور خدا و رسول کے سوا کسی کو دوست نہ بنانے والے معلوم نہ ہو جائینگے تب تک تم لوگ برابر معرض امتحان میں رہو گے یہانتک کہ عام طور پر معلوم ہو جائے کہ کون مجاہد فی سبیل اللہ اور خدا و رسول خدا کو دوست رکھنے والا ہے اور کون اسکے برخلاف ہے -

چنانچہ ایسا ہی ہوتا یہانتک اصحاب رسول خدا نے ایک ایک کرکے ثابت کر دیا کہ کون مجاہد فی سبیل اللہ اور ولی خدا و رسول ہے اور کون اسکے برخلاف ہے آج دنیا پر یہ مسئلہ بالکل مخفی نہیں ہے اگر ذرا غور سے اوراق تواریخ اُلٹے جاویں - بلکہ دنیا کا اعتراف موجود ہے کہ کون حقیقی مجاہد راہ خدا اور محب خدا و رسول ہے اور کس نے محض دنیا کے لیے آنحضرت کا ساتھ دیا تھا - جہانتک عقل کہتی ہے یہ آیت بھی اہلبیت رسولؐ سے چسپاں ہوتی ہے - کیونکہ اُن سے بڑھ کر

مجاہد فی سبیل اللہ اور ولی خدا و رسولؐ کوئی نہیں۔ مگر ہم یہاں عقلی قیاس سے کام نہیں لے سکتے کیونکہ یہ مقام تحقیق ہی نہ مقام قیاس لہذا تصریحات محدثین و مؤرخین پر ہمیں نظر کرنی چاہیئے۔ جستجو سے معلوم ہوتا ہی کہ حقیقۃً یہ آیت امیر المؤمنین علیہ السلام اور بعد والے اوصیا کی شان میں نازل ہوئی ہی۔ چنانچہ محدث جلیل حموینی کی تحریر کتاب فرائد السمطین میں اس مطلب کی شاہد ہی (ینابیع المودۃ صـ۹۳ چھاپ بمبئی) ایک طولانی روایت ہے جسکے ذیل میں اس آیت کو پیش کیا گیا ہی۔ چونکہ ساری روایت کا بیان فائدہ سے خالی نہیں لہذا اصل روایت مع ترجمہ پیش کیجاتی ہے۔

الحموینی بسندہ عن سلیم بن قیس الہلالی قال رأیت علیاً فی مسجد المدینۃ فی خلافۃ عثمان ان جماعۃ المہاجرین والانصار یتذاکرون فضائلہم وعلیؑ ساکت فقالوا یا ابا الحسن تکلم فقال یا معشر القریش والانصار اسئلکم ممن اعطاکم اللہ ہذا الفضل ا بانفسکم او بغیرکم قالوا اعطانا اللہ ومن علینا محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم قال الستم تعلمون ان رسول اللہ ص قال انی واہل بیتی کنا نوراً بین یدی اللہ قبل ان یخلق اللہ عزوجل آدم باربعۃ عشر الف سنۃ فلما خلق اللہ آدم علیہ السلام وضع ذالک النور فی صلبہ واہبطہ الی الارض ثم حملہ فی السفینۃ فی صلب نوح علیہ السلام ثم قذف بہ فی النار فی صلب ابراہیم ثم لم یزل اللہ عزوجل ینقلنا من الاصلاب الکریمۃ الی الارحام الطاہرۃ من الآباء والامہات لم یکن واحد منا علی سفاح قط فقال اہل السابقۃ واہل بدر واحد ہم قد سمعنا ثم قال انشدکم اللہ اتعلمون ان اللہ عزوجل فضل فی کتاب السابق علی المسبوق فی غیر آیۃ ولم یسبقنی احد من الامۃ فی الامۃ قالوا نعم قال فانشدکم اللہ اتعلمون حیث نزلت والسابقون السابقون اولئک المقربون سئل عنہا رسول اللہ فقال انزلہا اللہ فی الانبیاء واوصیاہم فانا افضل الانبیاء اللہ ورسلہ وعلی وصیی افضل الاوصیاء قالوا نعم۔ قال انشدکم اللہ اتعلمون حیث نزلت یا ایہا الذین آمنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم وحیث نزلت انما ولیکم اللہ ورسولہ والذین آمنوا الذین یقیمون الصلوٰۃ ویؤتون الزکوٰۃ وہم راکعون وحیث نزلت لم یتخذوا من دون اللہ ولا رسولہ ولا المؤمنین ولیجۃ وامر اللہ نبیہ ان یعلمہم ولاۃ امرہم وان یفسر لہم من الولایۃ کما فسر لہم من صلوٰتہم وزکوٰتہم وحجہم فنصبنی للناس بغدیر خم فقال ایہا الناس

ان اللہ جل جلالہ ارسلنی برسالۃ صادق بہا صدری وظننت ان الناس یکذبونی فاوعدلی ربی ثم
قال تعلمون ان اللہ مولائی وانا مولی المؤمنین وانا اولی بہم من انفسہم قالوبلیٰ یارسول اللہ فقال
آخذا بیدی من کنت مولاہ فعلی مولاہ اللّٰہم وال من والاہ وعاد من عاداہ فقام سلمان وقال یا
رسول اللہ ولاء علی ماذا قال ولائہ کولائی من کنت اولیٰ بہ من نفسہ فعلی اولی بہ من نفسہ فنزلت
الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینًا فقال صلی اللہ علیہ وسلم اللہ اکبر
باکمال الدین واتمام النعمۃ ورضاء ربی برسالتی وولایۃ علی بعدی۔ قالوا یارسول اللہ ھٰذہ
الآیات فی علی خاصۃً قال بلیٰ فیہ وفی اوصیائی الی یوم القیامۃ قالوا بینہم لنا قال علی اخی
ووارثی ووصیی وولی کل مؤمن من بعدی ثم ابنی الحسن ثم الحسین ثم التسعۃ من ولد الحسین القرآن
معہم وہم مع القرآن لایفارقونہ ولایفارقہم حتی یردوا علی الحوض الخ

ترجمہ حموینی اپنی سند سے سلیم بن قیس ہلالی سے روایت کرتے ہیں کہ نبیؐ نے علیؑ کو مسجد مدینہ میں دیکھا خلافت عثمان کے زمانہ میں کہ ایک گروہ مہاجرین و انصار کا آپسمیں فضائل بیان کرتا تھا اور علیؑ خاموش بیٹھے تھے۔ لوگوں نے کہا "یا علیؑ"، تم بھی کچھ کہو۔ تب آپ نے کہا اے گروہ قریش و انصار میں تم سے دریافت کرتا ہوں کہ یہ فضیلتیں کس کے سبب سے خدا نے تمکو دیں خود تمہاری وجہ سے تم کو ملیں یا کسی اور کی وجہ سے سب نے کہا ہمیں فضائل خدا نے دیئے اور محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذریعہ سے ہم پر احسان کیا۔ آپنے فرمایا تو کیا تم نہیں جانتے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا میں اور میری اہلبیت ایک نور (روح) تھے جو خدا تعالیٰ کے حضور میں چلتے پھرتے تھے قبل اس کے کہ خدا تعالیٰ آدمؑ کو پیدا کرے چودہ ہزار برس پیشتر۔ پھر جب آدمؑ کو پیدا کیا تو اُس نور (روح) کو صلب آدم میں رکھا پھر اُسے کشتی میں نوح کی صلب میں اُٹھایا۔ پھر ابراہیمؑ کی صلب میں قرار دیا جبکہ وہ آگ میں پھینکے گئے تھے (یعنی نور اہلبیت صلب ابراہیمؑ میں اُسوقت موجود تھا) پھر برابر انہیں اصلاب کریمہ سے ارحام طاہرہ تک آیا و امہات سے منتقل کرتا رہا۔ جسمیں کوئی زنا کار نہ تھا۔ پس اہل بدر و اہل سابقہ و اہل بدر و اہل احد نے کہا ہم نے یہ از رسول اللہ کو فرماتے ہوئے سنا ہے۔

تب آپ نے کہا میں تمہیں قسم دے کے پوچھتا ہوں کیا تم جانتے ہو کہ خدا تعالیٰ نے سابق کو مسبوق پر کئی آیتوں میں فضیلت دی ہے اور مجھ پر تمام اُمت نبی سے کوئی شخص اسلام میں سابق نہیں سب نے کہا ہاں۔

تب آپ نے کہا میں تمہیں قسم دیکے پوچھتا ہوں کیا تم جانتے ہو کہ جب آیہ السابقون السابقون اولئک المقربون نازل ہوا تو اوسکی بابت رسول اللہؐ سے سوال کیا گیا آپ نے فرمایا یہ آیہ انبیاء و اوصیاء کے شان میں ہے پس میں افضل انبیاء و رسل خدا ہوں۔ اور علی "افضل اوصیاء ہیں" سب نے کہا ہاں۔

تب آپ نے کہا میں تم کو قسم دیتا ہوں کیا تم جانتے ہو جب کہ آیہ یا ایہا الذین آمنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم آیا ہے اور آیہ انما ولیکم اللہ و رسولہ الخ آیا ہے۔ اور آیہ لم تتخذوا من دون اللہ و لا رسولہ و لا المومنین ولیجۃ نازل ہوا ہے اور خدا تعالیٰ نے اپنے نبیؐ کو حکم دیا کہ لوگوں کو اون کے والیان امر کے تئیں اور اُن کے لیے ولایت کی تفسیر اوسیطرح کر دیں جسطرح اونکی نماز روزے اور حج کی تفسیر کر دی تو آنحضرتؐ نے مجھ کو غدیر خم پر کھڑا کیا اور فرمایا ایہا الناس خدا تعالیٰ نے مجھے ایسا پیغام دیکر بھیجا ہے جس سے میرا سینہ تنگی کرتا ہے اور میرا گمان ہے کہ لوگ میری تکذیب کر دینگے تب مجھے خدا نے دھمکی دی ہے اوسکے بعد فرمایا کیا تم لوگ جانتے ہو کہ خدائے عزوجل میرا مولا ہے اور میں مومنین کا مولیٰ ہوں اور میں اُن کے نفسوں سے زیادہ اونکا مالک ہوں سب نے عرض کی ہاں۔ یا رسول اللہ۔

تب آنحضرتؐ نے میرا ہاتھ پکڑا اور فرمایا " میں جس کا مولا ہوں علی بھی اوسکا مولا ہے" خدایا اوس کے دوست کو دوست رکھنا اور اُسکے دشمن کو دشمن۔

تب سلمان کھڑے ہوئے اور کہا یا رسول اللہ ولائے علیؑ کے کیا معنے ہیں آپ نے فرمایا اونکی ولا مثل میرے ولا کے ہے میں جس کا مولیٰ ہوں علی ہی اوس کا مولیٰ ہے۔ تب الیوم اکملت لکم دینکم الخ نازل ہوئی۔ رسول اللہ نے فرمایا دین کے کامل کرنے اور نعمت کے پورا کرنے

اور میری رضا سے راضی ہونے اور میرے بعد علی کی ولایت سے راضی ہونے پر میں خدا کی تکبیر کہتا ہوں"
تب لوگوں نے کہا یا رسول اللہ کیا یہہ آیتیں (جو اوپر مذکور ہوئیں) خاص علی کی شانیں ہیں۔ فرمایا
ہاں اونکے اور میرے۔ (دیگر) اوصیاء کی شانیں ہیں جو قیامت تک ہونگے۔
لوگوں نے عرض کی تو انہیں ہمیں بتائیے۔ فرمایا۔ ایک تو علیؑ ہے جو میرا بھائی میرا وارث میرا وصی
اور ہر مؤمن کا ولی ہے میرے بعد۔ پھر میرا فرزند حسنؑ ہے پھر حسینؑ ہے۔ پھر نو فرزندان حسین میں
قرآن اون کے ساتھ ساتھ رہیگا اور وہ قرآن کے ساتھ رہینگے۔ نہ وہ اُس سے جدا ہونگے نہ وہ
ان سے جدا ہوگا۔ جبتک میرے پاس حوض پر نہ وارد ہوں"۔
یہہ حدیث حدیث مناشدہ کے نام سے مشہور ہے اسکا بڑا حصہ اور بھی ہے مگر اس مقام پر
اسی قدر نقل کی ضرورت تھی اور صرف یہہ بات دکھلانی تھی کہ باقرار حموینی۔ اور شاہ سلمان قندوزی
حنفی بلخی۔ اس آیت مذکورہ عنوان کو امیر المؤمنین علیہ السلام نے مجمع عام مہاجرین و انصار میں اپنی
اور اپنے بعد والے اوصیاء کے شانیں بیان کرنے کے لیئے پیش کیا ہے۔ اور اُن لوگوں نے اسکا
اعتراف بھی کیا ہے اور اولاً یہہ کہ امیر المؤمنین علیہ السلام جیسے عارف بالقرآن نے اسے اپنے حق میں
پیش کیا ہے تو ضرور ایسا ہی ہوگا۔ ورنہ ممکن نہ تھا کہ علی سا باخدا شخص غیر کی فضیلت کو اپنے لیئے
غصب کرے۔ اون کے ذاتی فضائل کیا کم ہیں جو دوسروں سے رعایت لے۔
بالجملہ یہہ آیت بھی منجملہ دیگر حدیث بالا کی امیر المؤمنین اور اُن کے بعد والے اوصیاء کے شانیں ہیں۔

آیت سے چند باتیں مستنبط ہوتی ہیں

جس سے چند باتیں مستنبط ہوتی ہیں
(۱) یہہ کہ واقعی مجاہد فی سبیل اللہ یہی لوگ تھے خواہ بذریعہ مال ہو یا بذریعہ نفس
ان لوگوں نے کبھی بمقابلہ خدا تعالیٰ کے جان کو جان نہیں سمجھا اور نہ مال کو مال جسپر کتب احادیث
و سیر شاہد ہیں اور آیات قرآن مجید غایت شہادت دینے کے لیئے موجود۔
غزوات بدر و احد و خندق و خیبر و فتح مکہ و غزوہ بنی قریظہ و غزوہ بنی نضیر وغیرہ آجتک پکار پکار کر
کہہ رہی ہیں کہ جیسا علیؑ نے جہاد کیا کسی نے نہ کیا۔ علیؑ اُسوقت ثابت قدم رہے جبکہ تمام لوگ

بھاگ گئے - یہانتک کہ زبان قدرت سے یہ آواز سُن لی کہ لافتیٰ الا علی لاسیف الا ذوالفقار - اور
رسول اللہؐ نے فرمایا ہو منی وانا منہ اور خدا نے فرمایا من الناس من یشری نفسہ ابتغاء مرضات اللہ
اور رسول اللہ نے فرمایا علیؑ منی بمنزلۃ راسی من جسدی - (ینابیع المودۃ ص۲۴۴ چھاپ بمبئی -)

(۲) یہ کہ یہی لوگ وہ ہیں جنہوں نے ہرگز سوا خدا کے ہرگز کسی کے آگے سر نیاز خم نہیں کیا بخلاف دیگر اصحاب کے کہ بیشتر انہیں کثیر حصہ عمر تک مشرک رہے اور اکثر مشرک مرے بھی -

(۳) یہ کہ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے سوائے خدا اور رسول خدا اور ایمان والوں کے کسی کو دوست نہیں بنایا - اور ظاہر ہے کہ جب ان لوگوں نے سوائے خدا کے اور رسول خدا اور ایمان والوں کے کسی کو دوست نہیں بنایا تو بالضرور وہ بھی انکا دوست و محب ہوگا -

صرف ہوگا ہی نہیں بلکہ قطعاً وہ انکا محب ہے - اور یہ اوسکے محب - جیسا کہ مشکوٰۃ شریف چھاپ دہلی مطبع انصاری ص۵۵۵ میں مذکور ہے - عن سہل بن سعد ان قال رسول اللہ یوم خیبر لاعطین الرایۃ غداً رجلاً یفتح اللہ علی یدیہ یحب اللہ ورسولہ ویحبہ اللہ ورسولہ فلما اصبح الناس غدوا علی رسول اللہ کلھم یرجون ان یعطاھا فقال این علی ابن ابیطالب فقالوا ھو یا رسول اللہ یشتکی عینیہ قال فارسلوا الیہ فاتی بہ فبصق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فی عینیہ فبرأ حتی کان لم یکن بہ وجع فاعطاہ الرایۃ الخ (متفق علیہ) نیز صواعق محرقہ ص۷۲ چھاپ مصر -

یعنی سہل بن سعد سے روایت ہے کہ بروز خیبر رسول اللہ نے فرمایا کل میں اس علم کو ایسے شخص کو دونگا کہ خدا اُس کے ہاتھ پر فتح دیگا وہ خدا اور رسول کو اُس کے دوست رکھتا ہوگا اور خدا و رسول خدا اُس کو دوست رکھتے ہونگے جب صبح ہوئی تو لوگ آنحضرت کے پاس پاس آئے سب کو یہ اُمید لگی تھی کہ مجھی کو یہ علم دیا جائیگا - تب آپ نے فرمایا علی ابن ابیطالب کہاں ہیں لوگوں نے کہا کہ اُنہیں آنکھوں کی شکایت ہے آپ نے فرمایا اُن کے پاس آدمی بھیجو - جب آپ لائے گئے تو آنحضرت نے آپ کی آنکھوں میں آب دہن ڈالا تب فوراً صحیح ہوگئے گویا کہ درد کبھی تھا ہی نہیں پھر آپ کو علم دیا (یہ روایت مسلم و بخاری دونوں کے درمیان متفق علیہ ہے) اس حدیث کو بطرفے

مودودۃ۔ ینابیع منہ؎ چاپ بمبئی) میں بھی نقل کیا ہے۔ صحت میں کوئی شبہ نہیں۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ تمام جمیع اصحاب موجود ہیں واقعہ خیبر میں صرف ایک شخص علی ابن ابیطالب ایسا تھا جسے خدا نے فتح خیبر کے لیئے منتخب کیا تھا اور جو خدا و رسول کو دوست رکھتا تھا اور خدا و رسول خدا اُسی دوست رکھتے تھے۔

اور ظاہر ہے کہ جو شخص اس مرتبہ پر فائز ہو اُس سے بالاتر کوئی شخص نہیں ہوسکتا اور جب نہیں ہوسکتا تو اُس کے ہوتے ہوئے منصب خلافت و امامت کا دوسرے کسی کو ملنا ہی بالکل بے معنے ہے۔ کیونکہ جتنی باتیں خلیفہ کے لیئے ضروری ہیں وہ سب ان میں موجود ہیں۔ شجاعت ایسی کہ فاتح خیبر ہیں۔ محبت خدا ایسی کہ رسول خدا اور خود پروردگار اوس کا معترف اور جب ایسا ہے کہ ہر موقع پر خدا تعالے انکا ناصر و معین بھی ہوگا جو خلیفہ کے لیئے ضروری ہے۔ اور کس کمال سے خواہ وہ نفس و روح سے متعلق ہو یا جسم خالی نہ رہیگا لہذا ان کے سوا مستحق خلافت کوئی اور نہیں ہوسکتا۔ وہو المطلوب

چوتھی بات علاؔ ابن مغازلی کی روایت سے یہ بھی طے ہوگئی کہ جسوقت رسول اللہ نے یہ دعا کی کہ خدایا میری اہلبیت میں سے علیؑ کو میرا وزیر بنا (جسطرح موسیٰ کے خلیفہ و وزیر اُن سے تھے) تب منادی آسمان نے پکار کر کہا کہ اے احمد تمہارے وہ منصب ہوئے تمہارا سوال پورا کیا گیا جس کے معنے اور کچھ نہیں ہوسکتے سوائے اسکے حضرت علی علیہ السلام رسول اللہ کے وزیر و خلیفہ بنائے گئے اور منجانب اللہ بنائے گئے جسکی سند میں یہ آیت نازل ہوئی۔ پس اگر آئندہ کوئی شخص امیر المؤمنین علیہ السلام کے خلافت بلافصل میں تردد کرے تو بالضرور وہ منکر قرآن و حدیث ہے۔

پانچویں بات۔ جو اس خاص حدیث سے معلوم ہوئی وہ یہ ہے کہ امیر المؤمنین علیہ السلام کی شان میں خاصکر وہی آیتیں نازل ہوئی ہیں جنہیں کرائم قرآن کہا جاسکتا ہے۔ یعنے بہتر سے بہتر۔ اگرچہ ایک ربع خاص جو کرائم قرآن میں وہ محض امیر المؤمنین علیہ السلام کی مدح میں ہیں۔

اب اُن لوگوں کو اس حدیث کے بعد فضائل امیر المؤمنین علیہ السلام میں کہا جائے گفتگو ہوسکتی ہے۔ جو آپکے فضائل سنکر منغص ہوجایا کرتے ہیں۔ جب خدا تعالیٰ اپنی کتاب محکم میں انکا مداح ہے۔

تو ہمیں خوش ہونا چاہیئے کہ ایسا محترم شخص ہم میں پیدا کیا گیا ۔ نہ منغض ہونا ۔ بہر حال یہ آیت بھی اعظم آیات ہے جسمیں سر دست اتنے فوائد معلوم ہوئے اور جو ہنوز مخفی ہیں وہ معلوم کتنے ہیں ۔

آیت ۴۲ ۔ (ج ۱۰ ع ۹ سورہ برات)

اجعلتم سقایۃ الحاج وعمارۃ المسجد الحرام کمن آمن باللہ والیوم الآخر وجاہد فی سبیل اللہ لایستوون عند اللہ واللہ لایہدی القوم الظالمین ۔

کیا تم لوگوں نے حاجیوں کو پانی پلانا اور مسجد الحرام کو آباد کرنا اُس کے برابر سمجھ لیا ہے جو اللہ پر ایمان لایا قیامت پر ایمان لایا اور راہ خدا میں جہاد کیا ۔ ہرگز یہ دونوں خدا کے نزدیک برابر نہیں ہو سکتے ۔ اور اللہ قوم ظالموں کو ہدایت نہیں کرتا ۔

اس آیت کا حاصل یہ ہے کہ محض حاجیوں کو پانی پلانا اور مسجد الحرام کو آباد رکھنا ایمان بخدا تعالی و روز آخر اور جہاد فی سبیل اللہ کے برابر نہیں ۔ بلکہ ایمان و جہاد کا مرتبہ اُس سے بہت زیادہ ہے ۔

اس کے بعد اسکی اور تصریح کی ہے ۔ الذین آمنوا وہاجروا وجاہدوا فی سبیل اللہ باموالہم وانفسہم اعظم درجۃ عند اللہ واولئک ہم الفائزون یبشرہم ربہم برحمۃ منہ ورضوان وجنات لہم فیہا نعیم مقیم خالدین فیہا ابدا ان اللہ عندہ اجر عظیم ۔

جن لوگوں نے ایمان قبول کیا ۔ ہجرت راہ خدا میں کی اور اپنے مال و جان سے راہ خدا میں جہاد کیا وہ خدا کے نزدیک درجہ میں بہت بڑے ہیں ۔ اور وہی کامیاب ہیں اونکا پروردگار اُنہیں اپنی رحمت و رضوان اور ایسے باغات کی بشارت دیتا ہے جنمیں دائمی نعمت ہے ۔ وہ اُن جنتوں میں ہمیشہ رہینگے ۔ بالضرور اُس کے (خدا کے نزدیک) اجر عظیم ہے ۔

ابن مغازلی شافعی نے چودھویں آیت کے ذیل میں اپنی کتاب مناقب میں جس کا قلمی نسخہ کتبخانہ ناصریہ میں موجود ہے اور نجف کے پاس بھی اوسکی نقل حاضر ہے لکھا ہے ۔

۱ اخبرنا ابو طالب محمد ابن احمد بن عثمان انبانا ابو عمر ابن عباس بن حیویہ الخزار ثنا محمد بن احمد ویہ المروزی ثنا ابو الموجہ ثنا عبدان عن ابی حمزہ عن اسمعیل عن عامر قال نزلت ہذہ الآیۃ اجعلتم سقایۃ الحاج

وعمارة المسجد الحرام فی علیؑ والعباس"

ترجمہ بحذف اسناد یہ ہے - عامر نے بیان کیا ہے کہ یہ آیت علی اور عباس کی شان میں نازل ہوئی ہے -

دوسری روایت یہ لکھی ہے - اخبرنا ابو غالب محمد بن احمد بن سہل بن الحسن القاضی ثنا الحضرمی - ثنا ہناد بن ابی زیاد انبانا ابو موسیٰ بن عبدہ الزیدی - قال قال علیؑ للعباس لو ہاجرت الی المدینۃ قال اولست افضل فی الہجرۃ - الست اسقی حاج بیت اللہ واعمر المسجد الحرام فانزل اللہ تعالیٰ ہذہ الآیۃ اجعلتم سقایۃ الحاج -

ترجمہ بحذف اسناد - ابو موسےٰ سے عبدہ الزیدی نے بیان کیا ہے کہ علیؑ نے ایک مرتبہ عباسؓ سے کہا اے چچا کاش آپ مدینہ کی طرف ہجرت کرتے - تو عباسؓ نے کہا - کیا میں ہجرت میں افضل نہیں ہوں؟ کیا میں حاجیان خانہ کعبہ کو پانی نہیں پلاتا؟ کیا میں مسجد الحرام کو آباد نہیں کرتا - تب یہ آیت نازل ہوئی اس آیت میں فرق دکھایا گیا ہے - عباس کا (جو چچا ہیں رسول اللہ صلعم کے) اور امیر المومنین علی ابن ابیطالبؑ کا کہ یہ دونو صاحب برابر نہیں ہو سکتے بلکہ "علی" کا فضل بڑھا ہوا ہے - کیونکہ وہ اللہ اور روز قیامت پر ایمان بھی لایا ہے اور جان و مال سے مجاہد فی سبیل اللہ بھی ہے - اور ہجرت میں بھی اُن سے سابق ہے -

تیسری روایت - جلد دوم صحیح نسائی میں اسطرح مذکور ہے (نقل از ینابیع المودۃ صفحہ ۷۶ چھاپہ بمبئی) قال حدثنا محمد بن کعب القرظی قال افتخر طلحۃ بن شیبہ من بنی عبد الدار وعباس بن عبد المطلب وعلی ابن ابیطالب رضی اللہ عنہم فقال طلحۃ معی مفتاح البیت وقال العباس انا صاحب السقایۃ وقال علی لقد صلیت الی القبلۃ ستۃ اشہر قبل الناس وانا صاحب الجہاد فانزل اللہ تعالیٰ اجعلتم سقایۃ الحاج الخ

یعنے محمد بن کعب قرظی نے بیان کیا کہ طلحہؓ بن شیبہ نے جو بنی عبد الدار تھے اور عباسؓ بن عبد المطلب نے اور علی بن ابیطالبؑ نے آپس میں مفاخرت کی - طلحہ نے کہا میرے پاس خانہ کعبہ کی کنجی رہتی ہے عباسؓ نے کہا کہ میں حاجیوں کا ساقی ہوں - علیؑ نے کہا میں نے قبلہ کی طرف سب سے پہلے چھ ماہ تک نماز پڑھی ہے اور میں صاحب جہاد ہوں - تب یہ آیت اُتری -

علامہ سیوطی نے تفسیر درمنثور میں (جلد سوم صفحہ ۲۱۸) اس موقعہ پر آٹھ نو روایتیں نقل کی ہیں جنمیں باختلاف

بعض الفاظ میں مضمون مندرج ہے۔

ایک ابن مردویہ جو ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں قال نزلت فی علی ابن ابیطالب و العباس رضی اللہ عنہم۔

دوسری روایت عبدالرزاق ابن ابی شیبہ ابن جریر۔ ابن المنذر۔ ابن ابی حاتم۔ اور ابوالشیخ کی تخریج سے ہے

جو شعبی سے ناقل ہیں۔

تیسری روایت بھی شعبی سے ہے تخریج ابن مردویہ۔

چوتھی روایت عبدالرزاق کی تخریج ہے امام حسن بصری سے۔

پانچویں روایت تخریج ابن ابی شیبہ و ابوالشیخ و ابن مردویہ ہے عبداللہ بن عبیدہ سے۔

چھٹی روایت فریابی کی تخریج ہے ابن سیرین سے۔

ساتویں روایت تخریج ابن جریر کی ہے محمد بن کعب قرطی سے۔

آٹھویں روایت تخریج ابن جریر و ابوالشیخ ہے ضحاک سے۔

نویں روایت ابونعیم کی تخریج ہے اور ابن عساکر کی۔ انس سے۔ ص ۲۱۹ درمنثور سیوطی ج سوم چاپ مصر۔

خلاصہ یہ کہ روایت حدمرتبہ صحت پر پہونچی ہوئی ہے۔ جسمیں گفتگو کی گنجایش نہیں۔ جس نے چند امور ہدایۃً ثابت کیے۔

ایک یہ کہ علی ابن ابیطالب علیہ السلام حضرت عباس عم رسولؐ سے افضل ہیں۔ حالانکہ وہ چچا ہیں رسول اللہ کے اور سن میں بھی بزرگ ہیں۔ اور امیر المومنین بھتیجے ہیں۔ اور سن میں بھی کم ہیں۔ جس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سن کی بزرگی۔ یا قرابت کی خدا کے نزدیک کوئی وزن نہیں رکھتی۔ بلکہ وہاں اعمال دیکھے جاتے ہیں اور نیت

دوسرے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگرچہ عباسؓ بھی ایمان بخدا و رسول لا چکے ہیں مگر انکا ایمان اس وزن کا نہیں کہ اُسے ایمان کہا جائے۔ بلکہ ایمان صرف علی کا ایمان ہے جسکے مقابلہ میں ایمان عباسؓ نقطہ مشکوک ہے ورنہ اُسکا بھی ذکر آتا۔

تیسرے یہ بھی معلوم ہوا کہ اصل عمل میں پختگی ایمان ہی بعد اُس کے عمل کا درجہ ہے۔ پس سقایۃ الحاج۔ یا عمارۃ مسجد الحرام بغیر ایمان کامل کے خدا کے نزدیک کوئی وقعت نہیں رکھتی۔ البتہ علی چونکہ ایمان میں

سب سے زیادہ اکمل ہے لہذا اوس کا ایمان سب کے اعمال پر فائق ہے۔

چوتھے یہ بھی معلوم ہوا کہ جان و مال سے جہاد کرنے والے صرف علی ابن ابیطالبؑ ہی تھے۔ جو خدا تعالیٰ کے نزدیک مذکور ہو سکے ورنہ جتنے مجاہد تھے وہ بظاہری مجاہد تھے ایک بھی فی سبیل اللہ اُسوقت مجاہد نہیں تھا یا کم از کم اس مرتبہ کا مجاہد کوئی نہ تھا۔

جس نے یہ فائدہ پہونچایا۔ کہ پہلے اعلےٰ درجہ کا خطاب علیؑ کو دلوایا۔ پھر فائز کا پھر مبشر بالرحمۃ کا پھر مبشر بالرضوان کا۔ پھر خالد فی الجنات کا اور یہ بھی بتایا گیا کہ ان کے لیے جو نعمتیں ہیں وہ دائمی اور ابدی ہیں۔

پانچویں بدلالۃ التزام یہ بھی ثابت معلوم ہوئی کہ علیؑ ازبسکہ فائز عنداللہ ہیں اور ان ہی کے لیے رحمت ورضوان الٰہی ہے۔ پس لامحالہ ان سے تمسک کرنا۔ ان کے طریقہ پر چلنا انکی پیروی واطاعت کرنا ہی انسان کے لئے باعث فوز و کامیابی ہو سکتا ہے نہ کسی غیر کی۔ کیونکہ اوّلاً ان کا فائز و کامیاب ہونا قطعی طور پر بتیقین خدا تعالیٰ معلوم ہو گیا۔ رہے اور لوگ اونکا فائز ہونا یا مسکوت عنہ ہے یا مشکوک۔ پھر کیونکر کوئی عاقل جرأت کر سکتا ہے کہ ان کے طریقے کے چھوڑ کر کوئی اور رستہ اختیار کرے در آنحالیکہ ہمیشہ اوسے شبہہ میں پڑا رہنا پڑیگا کہ آیا میں اس رستہ سے کوئی فائدہ بھی اُٹھا سکونگا یا نہیں بخلاف طریقہ امیر المؤمنین علیہ السلام کے وہ اس آیت کے روسے قطعی الصحت ہے اور یقینی فائدہ مند۔

آیت ۴۳۔ (جزو ۱۰۔ رکوع ۱۱ سورہ توبہ)

هو الذی ارسل رسوله بالهدی ودین الحق لیظهره علی الدین کلّه ولو کره المشرکون۔ وہی خدا ایسا ہے جس نے بھیجا اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق لیکر تاکہ وہ اُس دین کو تمام ادیان پر غالب کرے اگرچہ مشرکین اسے ناپسند کریں۔"

اس آیت میں خدا تعالیٰ نے یہ پیشین گوئی فرمائی ہے کہ وہ دین حق جسے رسول خداؐ لائے ہیں تمام ادیان پر ایک وقت میں غالب ہوگا۔ کوئی دین ایسا باقی نہ رہیگا جو دین اسلام سے مغلوب نہ ہو جاوے مگر معلوم ہے کہ تیرہ سو برس سے اس وقت تک کوئی زمانہ ایسا نہیں آیا جسمیں تمام ادیان پر دین اللہ غالب ہوتا

حالانکہ یہ وعدہ الٰہی ہے جسے پورا ہونا لازم ہے۔ انّ اللّٰہ لا یخلف المیعاد۔ خدا تعالیٰ اپنے وعدہ میں خلف نہیں کرتا انّ اللّٰہ لا یخلف وعدہ رسلہ۔ خدا اپنے وعدے میں جو رسولوں سے کیئے ہیں کبھی خلف نہیں کرتا۔ پس یہ وعدہ کیونکر بغیر ایفا ہوئے رہ سکتا ہے۔

اور جب ایسا ہی تو یہ دیکھنا ضروری ہوا کہ وہ کون سا وقت ہوگا جسمیں یہ وعدہ الٰہی پورا ہوگا۔ اگر معلوم ہو جائے تو سبحان اللّٰہ۔

تلاش سے معلوم ہوا کہ یہ زمانہ وہ ہوگا جسمیں آنحضرتؐ کا فرزند مہدیؑ جو سلسلہ ائمہ اثنا عشر کا بارہواں رُکن ہے جو امام حسن عسکریؑ کا فرزند اور امیرالمومنینؑ کا پوتا اور رسول اللّٰہ صلے اللّٰہ علیہ وآلہ کی دختری اولاد میں ہونے کی وجہ سے نواسا ہے ظہور کریگا اُس وقت یہ وعدہ پورا ہوگا۔ کیونکہ آنحضرتؐ کی حدیث صحیح بلکہ حد تواتر تک پہونچی ہوئی ہے (جیسا کہ سنن ابن داؤد میں مروی ہے اور ابن صباغ مالکی نے اپنی کتاب فصول مہمہ کے ورق ۲۸۴ نسخہ قلمی موجودہ کتبخانہ ناصریہ لکھنؤ میں لکھا ہے)

قال لولم یبق من الدہر الا یوم البعث رجلاً من اہلبیتی ملأھا عدلاً کما ملئت جوراً" اگر زمانہ کا صرف ایک دن ہی رہجائیگا تب بھی خدا تعالیٰ میری اہلبیت میں سے ایک شخص کو مبعوث کریگا۔ جو زمین کو عدل سے بھر دیگا جسطرح وہ جور و ظلم سے بھری ہوگی"

دوسری روایت اسی کتاب میں ابوداؤد اور ترمذی سے نقل کی ہے جو ابو سعید خدری تک سلسلہ روایت پہونچاتے ہیں وہ کہتے ہیں میں نے سُنا رسول اللّٰہ صلے اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم سے فرماتے تھے۔

المہدی منّی اجلی الجبھتہ اقنی الانف یملأ الارض قسطاً و عدلاً کما ملئت جوراً و ظلماً" مہدی مجھ سے ہوگا (یعنے میرے فرزندوں میں سے) روشن پیشانی ہوگا اور اونچی ناک والا۔ زمین کو عدل و داد سے بھر دیگا۔ جسطرح وہ جور و ظلم سے مملو ہو۔ پھر ورق ۲۸۵ پر لکھا ہے۔ المہدی ولدی وجہہ کالقمر الدری واللون منہ لون عربی والجسم جسم اسرائیلی یملأ الارض عدلاً کما ملئت جوراً یرضی بخلافتہ اہل السموٰت والارض والطیر فی الجو یملک عشر سنین" (اس روایت کو ابن شیرویہ دیلمی نے بھی کتاب فردوس الاخبار میں باب الالف واللام میں نقل کیا ہے۔)

ترجمہ - مہدی میرا فرزند ہوگا اوس کا چہرہ مثل قمر روشن ہوگا اور رنگ اوس کا عربی رنگ ہوگا اور جسم اُسکا اسرائیلی جسم ہوگا - زمین کو عدل سے بھر دیگا جسطرح وہ جور سے مملو ہے اوسکی خلافت سے اہل آسمان و زمین اور فضا کے پرندے بھی راضی ہونگے وہ دس سال تک بادشاہ روئے زمین رہیگا -

ان کے علاوہ اور بیشمار روایات کتاب ینابیع المودۃ - ارجح المطالب - فردوس الاخبار - دیلمی - تذکرہ سبط ابن الجوزی وغیرہ میں مذکور ہیں - جس کا جی چاہے ان اصل کتابوں کا مطالعہ کرے - جن سے معلوم ہوگا کہ ایکدن دنیا میں خاص روز آنیوالا ہے کہ محمد عربی امی تہامی مکی مدنی ابطحی کا فرزند مہدی منتظر - حجتہ - قائم ظہور کریگا - اور تمام روئے زمین کو ظلم و جور سے خالی کرکے عدل الٰہی سے بھر دیگا -

یہی وہ دن ہوگا جسمیں وعدہ الٰہی پورا ہوگا اور لیظہرہ علی الدین کلہ آنکھوں سے شاہد ہوگا -

یہ جو کچھ اوپر لکھا گیا ہے قیاسی نہیں ہے بلکہ اس کا شاہد بھی موجود ہے جسے فصول مہمہ (ورق ۲۹۱ نسخہ قلمی) میں ابن صباغ مالکی مکی نے لکھا ہے - وہ حضرت مہدیؑ کے بقاء پر دلیل لاتے ہوئے اس آیت کو پیش کرتے ہیں اور فرماتے ہیں واما بقاء المہدی فقد جاء فی الکتاب والسنۃ اما الکتاب فقد قال سعید بن جبیر فی تفسیر قولہ عزوجل لیظہرہ علی الدین کلہ ولو کرہ المشرکون قال ہو المہدی من ولد الفاطمہؑ " ترجمہ - لیکن مہدیؑ کا باقی رہنا تو قرآن و حدیث دونوں میں موجود ہے -

کتاب خدا (قرآن) میں تو یہ آیت ہے لیظہرہ علی الدین کلہ ولو کرہ المشرکون جسکی تفسیر میں سعید بن جبیر نے روایت کی ہے کہ مراد اس سے مہدی ہیں - جو اولاد فاطمہؑ بنت رسول اللہؐ سے ہونگے -

اس سے روز روشن کی طرح واضح ہوگیا ہے کہ آیت مذکورہ کا تعلق شیعوں کے بارہویں امام جناب مہدی موعود - حضرت حجت قائم منتظر عجل اللہ فرجہ سے ہے اور وہی تمام دنیا میں دین کو پھیلا کر ادیان عالم کو مغلوب کرینگے - اور حسب ذیل باتیں بھی اس سے مستنبط ہوئیں -

(۱) یہ کہ قرآن مجید بھی اُس دعوے کو شیعوں کے صحیح ثابت کرتا ہے جسے وہ ہمیشہ سے پیش کرتے آئے ہیں کہ امام مہدی آخرالزمان ابتک زندہ ہیں اور وہی ظہور فرما کر دین خدا کو غالب کرینگے

مگر سینکڑوں مسلمان اس سے انکار کرتے تھے اور کہتے تھے کہ وہ آئندہ پیدا ہونگے - بالفعل موجود نہیں -
اون کے اس خیال کو نورالدین ابن صباغ مکی مالکی نے باطل کر دیا اور بتا دیا کہ اس آیت کے ذریعے سے
ثابت ہے کہ مہدی علیہ السلام اس وقت تک زندہ ہیں اور وہی ظہور کرینگے -

(۲) یھہ بھی معلوم ہوا کہ آیہ لیستخلفنہم فی الارض کو جو عام مسلمان خلفائے ثلثہ سے چسپاں کرتے ہیں اور
کہتے ہیں کہ لیمکنن لہم دینہم اون کے وقت میں ظاہر ہو گیا تھا بالکل غلط ہے بلکہ اوس کا وقت آئندہ
آئیگا جبکہ امام مہدی ظہور فرمائینگے اوسیوقت تمکین دین بھی ہوگی اور وہی تمام عالم کے ادیان پر دین
خدا کے غالب آنیکا بھی وقت ہوگا - خلفائے ثلثہ کے وقت میں کب تمکین دین ہوئی تھی - اور کب سارے
ادیان پر اسلام کو غلبہ ہو گیا تھا -؟

(۳) اسی آیت اور اسکی تفسیر سے شیعوں کے مذہب کا حق ہونا بھی معلوم ہو گیا جو امامت کا سلسلہ
امام مہدی علیہ السلام تک پہونچاتے ہیں اور وہ خیالات غلط ہو گئے جو سلسلہ امامت کو معاویہ و یزید
و بنی امیہ تک لیجاتے ہیں - کیونکہ وہ بارہ خلفا جنکی پیشین گوئی رسول اللہ نے کی ہو اوس سلسلے کے
بارہویں امام مہدی ہی ہیں - اور جب یھہ بارہویں امام برحق ہیں تو ان کے ماقبل والے امام بھی برحق اور
خلفائے رسول ہونگے - وہ بارہ جن کو سیوطی نے تاریخ الخلفاء میں لکھا ہو اور جسے ہمنے اسی کتاب کے
اوائل میں نقل کیا ہے -

(۴) اس سے بہت بڑی فضیلت امام آخرالزمان علیہ السلام سلمہ المنان کی بھی ثابت ہوئی کہ ان کے
ہاتھ پر خدا تعالی اپنے دین کو غالب کریگا اور ان کے ہاتھوں دنیا سے ظلم و جور کی بنیاد اُکھڑیگی
یھہ وہ فضیلت ہی جسمیں کوئی شخص سابقین ولاحقین میں سے انکا شریک نہیں - نیز اس سے جناب
سرور کائنات صلے اللہ علیہ وآلہ کی عظمت کا بھی حال معلوم ہوا کہ یہی وہ بزرگوار ہیں جن کے فرزند
کے ہاتھوں دین اسلام تمام ادیان پر غالب آئیگا - اور اُن ہی پر دنیا کا خاتمہ ہوگا - جس طرح اون سے
دنیا شروع بھی ہوئی تھی -

اس موقعہ پر نامناسب ہوگا اگر چند ضروری باتیں جناب امام حجۃ العصر کے متعلق لکھدی جائیں - کیونکہ یھہ

یہ مسئلہ کسی قدر اسلام میں اختلافی ہے لہذا اُس کا فیصلہ ہو جانا چاہیئے۔

امام حجۃ العصر کے متعلق چند ضروری باتیں

یہاں چند باتیں زیر بحث ہیں۔ ایک یہ کہ امام مہدی علیہ السلام پیدا ہوئے یا نہیں۔ دوسرے یہ کہ پیدا ہوئے تو آیا وہی ابتک زندہ ہیں یا کوئی اور ہونگے۔ تیسرے اس قدر طول عمر اور غیبت ممکن ہے یا نہیں۔

(امر اول) کی بابت اکثر اہل اسلام کہتے ہیں کہ آیندہ پیدا ہونگے ابھی تک متولد نہیں ہوئے مگر شیعوں کا دعوےٰ ہے کہ متولد ہو چکے۔ جیسا اُن کے پاس بہت سے دلائل ہیں۔ جنمیں سے بڑی دلیل اقوال علما و محدثین اسلام ہیں۔ انمیں سے بعض کا ذکر بیان کیا جاتا ہے۔

(۱) معترفین ولادت امام مہدی علیہ السلام سے ایک علامہ نور الدین ابن صباغ مکی مالکی ہیں جو اپنی کتاب فصول مہمہ کے ورق ۲۸۳ نسخہ قلمی پر لکھتے ہیں۔ ولد ابو القاسم محمد الحجۃ بن الحسن الخالص بسامن رای لیلۃ النصف من شعبان سنہ ۲۵۵ خمس وخمسین ومائتین للہجرۃ ابو القاسم محمد حجت بن حسن خالص سر من رائے میں پندرھویں شعبان کی شب کو سنہ دو سو پچپن ہجری میں متولد ہوئے۔

(۲) معترف ابن حجر مکی ہیں (صواعق محرقہ صفحہ ۱۲۴ چھاپہ مصر) میں فرماتے ہیں (امام حسن عسکری امام یازدہم کے حال میں) ولم یخلف غیر ولدہ ابی القاسم محمد الحجۃ وعمرہ عند وفات ابیہ خمس سنین لکن اتاہ اللہ فیہا الحکمۃ ویسمی القاسم المنتظر۔ آپ نے (یعنے امام حسن عسکری علیہ السلام) نے کوئی اور فرزند سوائے اپنے فرزند ابو القاسم محمد حجت کے نہیں چھوڑا۔ جنکی عمر اپنے باپ (امام حسن عسکری علیہ السلام) کی وفات کے وقت پانچ برس کی تھی۔ لیکن خدا نے اُس سنہ میں اونکو حکیم بنایا تھا اور انکا نام قائم منتظر بھی ہے۔

(۳) تیسرے معترف عالم محدث محمد خواجہ پارسا بخاری ہیں جو اپنی کتاب فصل الخطاب میں لکھتے ہیں ومن ائمۃ اہل البیت ابو محمد الحسن العسکری ع ولد سنۃ احدی وثلاثین ومائتین ووفاتہ یوم الجمعۃ السادس من ربیع الاول سنۃ ستین ومائتین ودفن بجنب ابیہ وکانت مدۃ بقاء الحسن

بعد ابیہ بخمس سنین ولم یخلف ولداً غیر ابی القاسم محمد المنتظر المسمی بالقایم والحجۃ والمہدی وصاحب الزمان وخاتم الائمۃ الاثنا عشر عند الامامیۃ وکان مولدہ لیلۃ النصف من شعبان سنۃ خمس وخمسین ومائتین وامہ ام ولد یقال لہا نرجس"

ائمہ اہلبیت میں سے (گیارہویں امام) ابو محمد حسن عسکری ہیں۔ سنہ دو سو اکتیس ہجری میں پیدا ہوئے اور وفات اونکی بروز جمعہ ربیع الاول سنہ ۲۶۰ ہجری میں اور اپنے باپ کے پہلو میں دفن ہوئے۔ مدت بقاء اونکی بعد اپنے باپ کے صرف چھ برس ہے اپنا کوئی فرزند سوائے ابو القاسم محمد منتظر مسمی بقایم وحجۃ ومہدی وصاحب الزمان وخاتم الائمۃ کے نہیں چھوڑا۔ جنکی ولادت شب پانزدہم شعبان سنہ ۲۵۵ھ میں ہوئی اونکی ماں ام ولد ہیں جنکا نام نرجس ہے"

(۴) حموینی کتاب فرائد السمطین میں لکھتے ہیں یہ عبارت بہت طولانی ہے جسمیں ائمہ اہلبیت کے اسماء مبارکہ ذکر کیئے گئے ہیں اور بہ ترتیب بارہ کو بیان کیا گیا ہی منجملہ اُس کے یہ عبارت ہے اذا انقضت مدۃ الحسین قال الامام ابنہ علی ویلقب زین العابدین فبعدہ ابنہ محمد ملقب بالباقر فبعدہ ابنہ جعفر یدعی بالصادق بعدہ ابنہ موسی یدعی بالکاظم فبعدہ ابنہ علی یدعی بالرضا فبعدہ ابنہ محمد یدعی بالتقی والزکی فبعدہ ابنہ علی یدعی بالنقی والہادی فبعدہ ابنہ الحسن یدعی بالعسکری فبعدہ ابنہ محمد یدعی بالمہدی والقائم والحجۃ فیغیب ثم یخرج فاذا خرج یملاء الارض قسطاً وعدلاً کما ملئت جوراً وظلماً۔ جب مدت زندگی امام حسینؑ کی گذر جائیگی تو اون کے بعد اون کے بیٹے علیؑ امام ہونگے جن کا لقب زین العابدینؑ ہوگا اُن کے بعد اون کے فرزند محمدؑ ہونگے جنکو باقر کہا جائیگا۔ اُن کے بعد اون کے فرزند جعفر امام ہوگا جنکو لوگ صادق کہینگے اون کے بعد موسیٰؑ امام ہونگے جنکو لوگ کاظم کہینگے اون کے بعد اون کے فرزند علیؑ امام ہونگے جنکو لوگ رضا کہینگے اُن کے بعد اون کے فرزند محمدؑ ہونگے جو معروف بہ تقی وزکی ہونگے اون کے بعد اُن کے فرزند علیؑ امام ہونگے جو معروف بہ نقی وہادی ہونگے۔ اون کے بعد اون کے فرزند حسنؑ امام ہونگے جنکو لوگ عسکری کہینگے اون کے بعد اون کے فرزند محمدؑ ہونگے جنکو لوگ قائم۔ مہدی۔ اور حجت کہینگے۔ وہ غائب ہونگے پھر ظہور کرینگے۔ تب زمین کو عدل

ودادسے بھر دینگے جیسے وہ جور وظلم سے مملو ہوگی (ینابیع صـ۳۷)

جس سے معلوم ہوا کہ امام مہدی متولد ہو چکے ہیں کیونکہ وہ فرزند ہیں امام حسن عسکری علیہ السلام کے۔ جن کی ولادت سنہ ۲۳۳ھ میں ہوئی اور وفات سنہ ۲۶۰ھ میں بتائی گئی ہے۔ تو لامحالہ اون کے فرزند جنکا نام مہدی۔ قائم اور حجت ہے ضرور متولد ہو چکے ہیں۔

نیز اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ وہی غائب ہونگے اور غیبت کے ظہور کرینگے پھر دنیا کو عدل وداد سے مملو کرینگے جیسا کہ شیعوں کا اعتقاد ہی۔

(۵) عبدالوہاب شعرانی ہیں جنہوں نے کتاب یواقیت وجواہر کے بحث پینسٹھویں ۶۵ میں لکھا ہی

المہدی من ولد امام الحسن العسکری و مولدہ لیلۃ النصف من شعبان سنہ خمس وخمسین ومائتین وہو باق الی ان یجتمع بعیسی ابن مریم (ینابیع المودۃ ۳۹۲)

امام مہدیؑ فرزند ہیں امام حسن عسکریؑ کے اون کی ولادت شب پانزدہم شعبان ۲۵۵ھ ہجری میں ہوئی وہ اب تک زندہ ہیں۔ یہانتک کہ عیسےٰ بن مریم کے ساتھ مجتمع ہوں۔

(۶) شیخ حسن عراقی ہیں جنکی بابت شعرانی مذکور نے لکھا ہی کہ وہ بھی ولادت امام مہدی علیہ السلام کے قائل تھے۔ ینابیع ۳۹۲ چاپ بمبئی۔

(۷) سید علی خواص جن کو شعرانی موصوف نے کتاب مذکور میں لکھا ہی۔ کہ وہ بھی اس رائے میں اون کے موافق ہیں۔ (ینابیع صـ۳۹۲ چاپ بمبئی)

(۸) شیخ کبریا کامل صلاح الدین صفدری ہیں جنہوں نے شرح دائرہ میں لکھا ہی کہ مہدی موعود وہ امام دوازدہم ہیں سلسلہ ائمہ اہلبیتؑ کے جنھیں اول حضرت علی ابن ابیطالب علیہ السلام اور آخر امام مہدیؑ ہیں (ینابیع صـ۳۹۳)

(۹) محمد بن یوسف گنجی شافعی ہیں جنہوں نے البیان فی اخبار صاحب الزمان میں لکھا ہی۔

ان المہدیؑ ولد الحسن العسکریؑ فہو حیؑ موجودؑ باقٍ منذ غیبتہٗ الی الآن۔ ینابیع صـ۳۹۳۔

مہدیؑ فرزند ہیں امام حسن عسکریؑ کے پس وہ زندہ موجود ہیں باقی ہیں جب سے غائب ہوئے ہیں اب تک موجود ہیں۔

(۱۰) محمد بن طلحہ شافعی ہیں جنہوں نے کتاب مطالب السئول فی مناقب آل رسول میں امام مہدیؑ کی ولادت کا اقرار کیا ہے (کتاب مطبوعہ لکھنؤ موجود ہے)

ان کے علاوہ اور بہت سے لوگ موجود ہیں جن کا ذکر باعث طول کل ہے اس قدر سردست کافی ہے۔ (بامر دوم) یعنے وہ ابتک زندہ ہیں اسکا ثبوت بھی مذکورہ بالا عبارتوں سے بخوبی ہوتا ہے مثلاً

۱ محمد بن یوسف گنجی شافعی کی یہہ تحریر کتاب البیان میں فہو حی موجود باق منذ غیبۃ الی الآیان

(دوسرے) محدث فقیہ محمد بن ابراہیم الجوینی الحموینی کتاب فرائد السمطین میں لکھتے ہیں محمد الحجۃ المہدی المنتظر فی غیبۃ المطاع فی ظہورہ (امام حسن عسکری کے فرزند) محمد الحجۃ المہدی المنتظر جن کا غیبت میں اون کے انتظار ہے اور ظہور میں جن کی اطاعت کی جائیگی۔" جس سے معلوم ہوا کہ وہی ابتک غائب ہیں اور وہی ظہور کرینگے۔

(تیسرے) محمد خواجہ پارسا ہیں جنہوں نے کتاب فصل الخطاب میں لکھا ہے هو ابن خمس سنۃ فاختفیٰ الی الآن شہ وهو محمد المنتظر ولد الحسن العسکری رضی اللہ عنہما معلوم عند خاصۃ اصحابہ و ثقات اہلہ ۔ وہ پانچ برس کے تھے تب سے غائب ہیں ابتک (خدا ان سے راضی رہے) اور وہی محمد منتظر فرزند امام حسن عسکری رضی اللہ عنہما کے ہیں۔ انکا حال ان کے خاص اصحاب اور ثقات اہل کو اون کے معلوم ہے۔

(چوتھے) شیخ عبدالوہاب شعرانی ہیں جو اپنی کتاب یواقیت میں فرماتے ہیں وهو باق الی ان یجتمع بعیسی ابن مریم۔ امام مہدیؑ زندہ باقی ہیں۔ اور باقی رہینگے یہانتک کہ عیسی ابن مریم کے ہمراہ ظہور کریں۔

(پانچویں) کمال الدین حلبی شافعی ہیں۔ جنہوں نے بڑے زور سے اپنی کتاب مطالب السئول میں حضرت کی غیبت اور طول عمر کو ثابت کیا ہے۔ (کتاب چھپی ہوئی موجود ہے) اور نیز اوس کا حوالہ کتاب ینابیع المودۃ صـ ۳۹۳ میں بھی ہے۔

(چھٹے) ابن صباغ مالکی ہیں جو کتاب فصول مہمہ میں ابو سعید محمد بن یوسف کی کتاب کے حوالے سے لکھتے ہیں۔

من الدلالۃ علی کون المہدی باقیاً منذ غیبتہ الی الآن انہ لا امتناع فی بقائہ کبقاء عیسی ابن مریم والخضر والیاس من اولیاء اللہ تعالی وبقاء الاعور الدجال وابلیس اللعین من اعدائہ قد ثبت بقاؤہم بالکتاب والسنۃ - اما عیسی فالدلیل علی بقائہ قولہ تعالی وان من اہل الکتاب لیومنن بہ قبل موتہ ولم یومن بہ منذ نزول ہذہ الآیۃ الی یومنا ہذا احد فلا بد ان یکون فی آخر الزمان واما السنۃ فما رواہ مسلم فی صحیحہ عن ابن سمعان فی حدیث طویل فی قصۃ الدجال قال فینزل عیسی ابن مریم عند المنارۃ البیضاء بین مہرودین واضعا کفیہ علی اجنحۃ ملکین -

اس عبارت سے جہاں حضرت کی غیبت اور آپکا اسوقت تک زندہ رہنا معلوم ہوا وہاں آپکے بقاء کی دلیل بھی معلوم ہو گئی - کیونکہ وہ کہتے ہیں کوئی محال نہیں ہے امام مہدیؑ کا باقی رہنا جسطرح اولیاء خدا میں سے عیسیٰ بن مریم - خضر اور الیاس زندہ ہیں - اور دشمنان خدا میں سے اعور دجال - اور ابلیس زندہ ہیں -

رہا عیسےٰ کا ابتک زندہ رہنا تو اُسپر قرآن کی یہ آیت گواہ ہے - وان من اہل الکتاب الا لیومنن بہ قبل موتہ حالانکہ معلوم ہے کہ ابتک اہل کتاب میں سے کوئی اُنپر ایمان نہیں لایا - پس لابد ہی یہ ایمان لانا آخر زمان میں ہوگا اتب تک وہ زندہ رہینگے کیونکہ خدا فرماتا ہے کہ اہل کتاب کا ایمان لانا اُنپر قبل حضرت عیسیٰؑ کی موت کے ہوگا -)

اور احادیث میں صحیح مسلم کی یہ روایت طولانی ہے جسمیں کہا ہے کہ عیسیٰ ابن مریم (آسمان سے اُترینگے) منارہ کے نزدیک سہرو میں اور اپنا ہاتھ دو فرشتوں کے بازوں پر رکھے ہونگے - الخ (جس سے معلوم ہوا کہ وقت نزول تک زندہ رہینگے -

اما الخضر والیاس فقد قال ابن جریر الطبری الخضر والالیاس باقیان یسیران والدنیا - ما رواہ المسلم فی صحیحہ عن ابی سعید الخدری الخ - رہے خضر والیاس انکا زندہ رہنا ابتک تو ابن جریر طبری نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ وہ دونو صاحب زندہ باقی ہیں - اور پھرتے رہتے ہیں - نیز اون کے بقاء کی دلیل یہ روایت ہے جسے امام مسلم نے اپنی صحیح میں ابوسعید خذری سے نقل کیا ہے (فصول مہمہ ورق ۲۹۱)

رہا ابلیس کا زندہ رہنا تو قرآن کی یہ آیت اُسپر شاہد ہے۔ قال رب فانظرنی الی یوم یبعثون۔ قال فانک من المنظرین۔ الی یوم الوقت المعلوم۔

* وانا بقاء المہدی فقد جاء فی الکتاب والسنۃ اما الکتاب فقد قال سعید بن جبیر فی تفسیر قولہ عزوجل۔ لیظہرہ علی الدین کلہ ولو کرہ المشرکون۔ قال ہو المہدی من ولد فاطمۃ واما من قال انہ عیسی فلا تنا فی بین القولین اذ ہو مساعد المہدی علی ما تقدم وقد قال مقاتل بن سلیمان ومن تابعہ من المفسرین قولہ تعالی وانہ لعلم الساعۃ قال ہو المہدی یکون فی آخر الزمان وبعد خروجہ تکون امارات الساعۃ۔

(فصول مہمہ ورق صفحہ ۲۹۱ قلمی نسخہ)

* حاشیہ ترجمہ عبارت مذکورہ۔ لیکن بقاء مہدی تو اس بارہ میں قرآن وحدیث دونو موجود ہیں۔ قرآن کی تو آیت ہی لیظہرہ علی الدین کلہ جسکی بابت سعید بن جبیر نے روایت کی ہے کہ اس سے مراد مہدیؑ ہیں جو اولاد فاطمہؑ سے ہونگے اور جس نے یہ کہا ہے کہ وہ عیسے ہونگے تو ان دونوں میں کوئی منافات نہیں اسلیئے کہ عیسیٰ بھی امام مہدیؑ کے مددگار ہونگے۔ درانحالیکہ مقاتل بن سلیمان اور اون کے تابعین نے جو مفسرین قرآن ہیں بیان کیا ہے۔ کہ آیہ قرآنیہ وانہ لعلم الساعۃ میں بھی مراد امام مہدیؑ ہیں جو آخر زمان میں ہونگے اور اُن کے خروج کے بعد علامات قیامت ظاہر ہونگے۔"

حاصل عبارت یہ ہے کہ قرآن وحدیث دونوں سے ثبوت بقائے امام مہدیؑ ملتا ہے۔ جسطرح قرآن واحادیث دونوں سے حضرت عیسےٰ وخضر والیاس کا اور دشمنان خدا دجال وابلیس کا بقاء وطول عمر ثابت ہے لہذا کوئی وجہ نہیں کہ ان کے طول عمر میں تو کچھ تامل نہ کیا جائے اور اُن کے طول عمر میں تردد کیا جائے۔ اگر طول عمر ممکن ہے تو تمام اُن لوگوں میں ماننا چاہیئے۔ جنھیں قرآن وحدیث بتا رہی ہیں۔ اور اگر نہیں ممکن ہے تو سب انکار کرنا چاہیئے یہ کیا کہ عیسےٰ بن مریم کی طوالت عمر کو تو مانو۔ اور حضرت امام مہدیؑ کے طول عمر کو نہ مانو۔

اس عبارت نے دلیل بقاء امام صاحب الزمان علیہ السلام بھی بیان کر دیا۔ لہذا ہم کو دوسری کسی دلیل کی ضرورت نہیں ہے۔ اس سے زیادہ تفصیل کی اگر ضرورت ہو تو ہماری کتاب حجۃ العصر کو ملاحظہ کرنا چاہیئے۔ یا ہماری شرح اربعین جلد رابع جسمیں مسئلہ طول حیات امام زمان و مسئلہ غیبت وغیرہ بروجہ اتم واکمل بیان کیا گیا ہے۔ واللہ الہادی۔

لیکن اس مقام پر مختصرًا دو باتیں بیان کی جاتی ہیں۔

ایک یہ کہ آجتک انسانی عمر کا کوئی قانون دنیا کو نہ معلوم ہو سکا کیونکہ کوئی شخص آج پیدا ہوتا ہے اور آج ہی مر جاتا ہے اور کوئی سو برس زندہ رہتا ہے کوئی دو سو برس کوئی ہزار برس۔ جیسا کہ نوح علیہ السلام کی بابت خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے وعاش فیھم الف سنۃ الا خمسین عاما۔ حضرت نوحؑ اپنی قوم میں ساڑھے نو سو برس زندہ رہے۔ بعضوں نے یہ کہا ہے کہ یہ زندگی نوح علیہ السلام کی قبل طوفان کی ہے۔ ورنہ بعد طوفان اور قبل طوفان دونوں کو جمع کر لیا جائے تو اٹھارہ سو برس یا اس سے بھی زیادہ اونکی زندگی کا زمانہ ثابت ہوتا ہے۔

اور بعضے تین ہزار برس یا اس سے زیادہ بھی زندہ رہے ہیں۔ جیسا کہ کتاب المعمر مطبوعہ مصر کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے پس جبکہ انسانوں کی زندگی کا کوئی قانون مقرر نہیں ہے بلکہ خدا کے اختیار میں ہے جسے جتنا چاہے زندہ رکھے تو کیا وجہ کہ ایک معمولی انسان پانچ ہزار برس زندہ رہے اور رسول اللہ کا آخری خلیفہ جو ہر طرح صحت روح وجسم میں سب سے افضل واکمل ہے دو چار ہزار برس نہ زندہ رہ سکے اگر عام آدمی کئی ہزار برس جی سکتے ہیں تو امام عصر فرزند رسول مقبولؐ بھی کئی ہزار برس جی سکتے ہیں اسمیں ہرگز استبعاد کا کوئی موقع نہیں ہے۔

دوسرے یہ کہ آنحضرتؐ کی ایک حدیث صحیح موجود ہے جسمیں آپنے فرمایا ہے النجوم امان لاہل السماء فاذا ذھبت النجوم ذھب اہل السماء واہلبیتی امان لاہل الارض فاذا ذہب اہلبیتی ذھب اہل الارض یعنی اہل آسمان کے لیئے امان ہیں اگر وہ نہ ہوں تو اہل آسمان فنا ہو جائیں اور میری اہلبیت امان ہیں اہل زمین کے لیئے اگر میری اہلبیت بالکل فنا ہو جائیں تو اہل زمین فنا ہو جائینگے۔ اس روایت کو

امام احمد بن حنبل نے مناقب میں امام حاکم نے اپنی صحیح میں حموینی نے فرائد السبطین میں اور نیز بہت سے کتب احادیث میں علمائے حدیث نے وارد کیا ہے۔ (دیکھو ینابیع المودۃ شیخ سلمان حنفی قندوزی بلخی ص۱۷)

اور جب معلوم ہے کہ ابتک اہل زمین اوسیطرح قایم و باقی ہیں جیسے پہلے تھے بلکہ ہمیشہ آبادیوں کی تعداد بڑھتی ہی جاتی ہے تو کیونکر کہا جا سکتا ہے کہ آج اس دنیا میں اہلبیت رسول سے کوئی ایسا شخص جس سے دنیا و اہل دنیا قائم رہ سکیں موجود نہیں

بالضرور آج بھی کوئی شخص اہلبیت رسول سے جو بالکل معصوم و مطہر و ولی خدا ہو اس زمین پر موجود ہے جس کے فیض قدم سے دنیا قایم ہے اور اہل دنیا زندہ ہیں۔ اگر یہہ حدیث رسول صحیح ہے تو منکرین کو بتانا چاہیئے کہ باوجودیکہ امام مہدی علیہ السلام اونکے قول بموجب موجود نہیں کیونکر دنیا قایم ہے اسکا کوئی جواب صحیح نہیں ملسکتا بغیر اس کے کہ ایک خلیفہ رسول کو آج بھی دنیا میں زندہ مان لیں جو ہرگز قدرت خدا سے بعید نہیں اور نہ کسی قانون عادی یا عقل کے خلاف ہے۔ ہاں اگر کسی قانون عقل کے خلاف ہوتا۔ تو البتہ کچھہ کلام کی جگہ تھی۔ حالانکہ اُس وقت بھی یہہ جواب ہوسکتا ہے کہ اگر خدا تعالیٰ چاہے تو ہر قاعدہ کو توڑ سکتا ہے اوس کے اختیار میں کسی کو کیا مداخلت ہے۔

آیت ۴۴۔ (ج ۱۱ ع ۲ سورہ توبہ)

والسابقون الاولون من المهاجرین والانصار والذین اتبعوهم باحسان رضی الله عنهم ورضوا عنه واعدلهم جنٰت تجری من الانهار خالدین فیها ابدا ذالك الفوز العظیم "

جو لوگ کہ سابقین اولین ہیں مہاجرین و انصار میں سے اور جو لوگ اون کے بعد نیکوکار رہے ہیں خدا اُن سے راضی ہے اور وہ خدا سے راضی ہیں۔ اور اللہ نے اون کے واسطے ایسے باغ مہیا کر رکھے ہیں جنکے نیچے نہریں جاری ہیں۔ وہ اُن میں ہمیشہ رہینگے یہی بڑی کامیابی ہے۔

اس آیت نے سابقین اولین کی مدح کی ہے اور نیز اون کے خاص تابعین کی۔ اور بتایا ہے کہ خدا اُن سے راضی اور وہ خدا سے راضی ہے۔

اب بحث اسمیں کہ سابقین اولین سے کون لوگ مراد ہیں کچھہ لوگ کہتے ہیں کہ اس سے

امیر المؤمنین علیہ السلام مقصود ہیں۔ جیسا کہ فصول مہمہ (تصنیف محدث جلیل نور الدین بن صباغ مکی مالکی کے ورق ۱۵۰ نسخہ قلمی) سے معلوم ہوتا ہے۔ وہ جناب امیر المؤمنینؑ کے حالات ابتدائی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں وانہ اول من اسلم وآمن برسول اللہؐ من الذکور بعد خدیجۃ قال الثعلبی فی تفسیر قولہ تعالیٰ۔ والسابقون الاولون من المهاجرین والانصار وهو قول ابن عباس و جابر بن عبد اللہ الانصاری و زید بن ارقم و محمد بن المنکدر و ربیعۃ الراعی۔ وقد اشار علی ابن ابیطالبؑ الی شیئی من ذالک فی ابیات قالها رواه الثقات الاثبات وهی هذه

محمد النبیؐ اخی وصنوی	وحمزۃ سید الشہداء عمی
وبنت محمد سکنی وعرسی	منوط لحمها بدمی ولحمی
سبقتکم الی الاسلام طرّا	غلام ما بلغت اوان حلمی
فویل ثم ویل ثم ویل	لمن یلقی الالٰہ غدًا بظلمی

یعنی صرف علی ابن ابیطالبؑ پہلے مسلم اور پہلے مؤمن ہیں جو بعد خدیجہؑ کے مردوں کی صنف میں سے رسول اللہ پر ایمان لائے۔ اس مطلب کو امام ثعلبی نے اپنی تفسیر میں والسابقون الاولون من المهاجرین والانصار کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے۔

یہی قول ابن عباس۔ جابر بن عبد اللہ انصاری۔ زید بن ارقم۔ محمد بن منکدر۔ اور ربیعہ رائی کا ہے۔ ان ہی باتوں کی طرف علی ابن ابیطالبؑ خود اپنے اُن اشعار میں اشارہ کیا ہے جنہیں بڑے بڑے موثق اور معتبر علماء نے روایت کیا ہے۔ اور وہ اشعار یہ ہیں۔

(جن کا ترجمہ حسب ذیل ہے) محمدؐ نبی میرا بھائی اور میرا ہمسر ہے۔ اور سید الشہداء حمزہ میرا چچا ہے۔ (محمدؐ کی بیٹی میرے دل کا سکون اور میری زوجہ ہے۔ جس کا گوشت میرے گوشت سے مخلوط ہے۔ میں تم لوگوں پر اسلام کی طرف سابق ہوا جبکہ لڑکا تھا اور ابھی بالغ بھی نہیں ہوا تھا۔ پس ویل ہے پھر ویل ہے پھر ویل ہے۔ اُس پر جو مجھ پر ظلم کر کے خدا سے ملاقات کرے۔ (ختم ہوا ترجمہ عبارت فصول مہمہ) اور کچھ لوگوں نے حضرت کے ساتھ دیگر صاحبان کو بھی شریک کر لیا ہے۔ چنانچہ ایک روایت

چنانچہ ایک روایت ابن مردویہ کی علامہ سیوطی نے درمنثور جلد ۳ صفحہ ۲۶۹ چھاپ مصر میں لکھا ہے کہ سابقین اولین سے مراد - ابوبکر - عمر - علی - سلمان - اور عمار یاسر ہیں -

مگر یہ بات محض تراشیدہ ہے جسکو صداقت سے کوئی واسطہ نہیں - اس واسطے کہ ابوبکر صاحب پچاس آدمیوں کے بعد ایمان لائے ہیں جیسا کہ استیعاب میں ہے اور عمر صاحب بھی چالیس آدمیوں کے بعد ایمان لائے ہیں - جیسا کہ اُنکا قول خود اس سے پہلے اسی درمنثور کے حوالہ سے معلوم ہو چکا ہے پھر اُن چالیس یا پچاس آدمیوں کے نام نہ لینے اور صرف اُنہیں سے ابوبکر و عمر اور علی - و سلمان و عمار کو منتخب کر لینا سخت بد دیانتی ہے اور اُن بیچاروں پر ظلم صریح ہے جو ان سے بھی پہلے ایمان لائے اور وہ اس آیت کے مصداق میں داخل نہ کیے گئے -

اور چونکہ یہ بات واقعات تاریخیہ کے خلاف ہے اس وجہ سے قطعاً یہ روایت جھوٹی ہے -

علاوہ بریں السابقون الاولون سے مراد وہی لوگ ہیں جو ایمان میں پختہ کار ہیں - حالانکہ حضرت ابوبکر کی بنسبت امام بخاری اپنی ادب مفرد میں لکھتے ہیں - (ادب مفرد صفحہ ۱۰۲ چھاپ مصر) قال سمعت معقل بن یسار یقول انطلقت مع ابی بکر تصدیق الی النبی صلعم فقال یا ابا بکر للشرک فیکم اخفی من دبیب النمل فقال ابوبکر وھل الشرک الا من جعل مع اللہ الٰہا آخر - فقال النبی صلعم والذی نفسی بیدہ الشرک اخفی من دبیب النمل)

میں نے سُنا معقل بن یسار سے وہ کہتا تھا کہ میں ابوبکر کے ساتھ رسول اللہ کے پاس گیا تو آپ نے فرمایا بالضرور تم لوگوں میں شرک چیونٹی کی چال سے زیادہ خفی ہے (یعنے بہت آہستہ آہستہ چل رہا ہے جسکی خبر عام لوگوں کو نہیں ہے) ابوبکر نے کہا شرک تو یہی ہے کہ خدا کے سوا کسی اور کو خدا مانا جائے آپ نے فرمایا - قسم اوسکی جسکے قبضہ میں میری جان ہے کہ شرک (تم لوگوں میں) چیونٹی کی چال سے بھی زیادہ خفی ہے -

اسی روایت کو جامع صغیر صفحہ ۳۴ مطبوعہ مصر میں علامہ سیوطی نے بھی لکھا ہے -

اسی روایت کو شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے ازالۃ الخفا مقصد دوم کے صفحہ ۲۳ پر بھی لکھا ہے جسکی صحت میں کوئی شبہ نہ رہا - اور معلوم ہو گیا کہ ظاہر بظاہر تو نہیں مگر باطن میں حضرت ابوبکر کے اندر شرک موجود تھا

پس کیونکر وہ السابقون الاولون میں داخل ہو سکتے ہیں۔

پھر یہ کہ حضرت عمر بھی اپنے تئیں منافق بتایا کرتے تھے اور فرماتے تھے یا حذیفۃ واللہ انا من المنافقین قسم خدا کی میں منافق ہوں۔ اور معلوم ہے کہ منافق ہرگز مومن نہیں۔ اور جب مطلقاً مومن نہیں تو السابقون الاولون کے ذیل میں کیونکر داخل ہوگا۔

نیز خود حضرت عمر کا قول موجود ہے کہ ما شککت عند اسلمت الا یومئذ میں جب سے مسلمان ہوا ہوں آج ہی (نبوت رسول اللہ میں) میں نے شک کیا ہے"۔ اور معلوم ہے کہ جسے رسول اللہ کی نبوت میں ہنوز شک ہو وہ کیونکر السابقون الاولون کا مصداق ہو سکتا ہے۔

نیز ان دونوں صاحبوں نے جناب سیدہ کو غضبناک کیا اور حضرت معصومہ دنیا سے ان سے ناراض گئیں جیساکہ صحیح بخاری مترجم اردو مطبوعہ مطبع احمدی لاہور سپارہ ۱۲ ص ۶۱ ایضاً سپارہ ۱۷ ص ۲۱ میں ہے۔ نیز صحیح مسلم جلد دوم ص ۹۱ مطبوعہ نولکشور پریس میں ہے۔ حالانکہ رسولؐ کی حدیث صحیح ہے۔ فاطمۃ بضعۃ منی فمن اذاہا فقد اذانی (دیکھو مودۃ القربیٰ مودۃ ۱۱) اور دیکھو ینابیع المودۃ چھاپ بمبئی ص ۲۱۶ نیز آنحضرتؐ نے فرمایا ان اللہ یغضب لغضبک ویرضی لرضاک اے فاطمہؑ خدا تیرے غضب سے غضبناک ہوتا ہے اور تیرے رضا سے راضی ہوتا ہے۔ (دیکھو صواعق محرقہ چھاپ مصر ص ۱۰۵ سطر اول)

پس جس نے اپنے فعل سے رسول خدا کو ایذا دی اور خدا کو غضبناک کیا وہ کیونکر السابقون الاولون میں داخل ہو کر رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ کا مصداق ہو سکتا ہے۔ کیونکہ جس سے خدا ناراض ہو اس سے راضی ہونا کیا معنی رکھتا ہے۔ یہ تو اجتماع نقیضین ہے جو عقلاً محال ہے۔

البتہ ایک علی ابن ابیطالب علیہ السلام ایسے نکلتے ہیں جو ہر امر خیر میں تمام صحابہ مہاجرین و انصار سے سابق اور اول عمر سے آخر عمر تک ممدوح رہے ہیں جن سے کوئی امر اول عمر سے آخر عمر تک خلاف رضائے خدا نہ ہوا۔

سبقت فی الاسلام کا حال یہ کہ عبداللہ بن احمد بن حنبل اپنے منہ سے ابن عباس سے روایت کی ہے قال ان علیاً اول من اسلم علی سب سے پہلے اسلام لائے (ینابیع ص ۶۰) نیز عبداللہ موصوف نے

[illegible handwritten marginal note]

روایت کی حسن بصری سے ان علیاً اول من اسلم بعد خدیجۃ (ینابیع ص۵۵)

ابن مغازلی شافعی نے روایت کی ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا اول الناس وروداً علی الحوض واولہم اسلاماً علی ابن ابیطالبؑ سب میں پہلے میرے پاس حوض کوثر پر آنیوالا اور سب سے پہلے اسلام لانیوالا علی ابن ابیطالبؑ ہے (ص۵۵ ینابیع المودۃ)

ابن صباغ مالکی کا قول اوپر نقل ہوچکا ہے کہ فصول مہمہ میں لکھا ہے انہ اوّل من اسلم وآمن رسول اللہ علی پہلے وہ شخص ہیں جو رسول اللہ پر اسلام وایمان لائے۔ الی غیر ذالک من الاحادیث التی لاتحصٰی۔

موفق بن احمد نے اپنی کتاب مناقب میں لکھا ہے عن ابن عباس اول من اسلم بعد خدیجۃ علی علیہ السلام (ص۲۳ نسخہ قلمی فصل چہارم مناقب)

اسی کتاب مناقب موفق بن احمد میں ہے کہ بعض اہل کوفہ نے آپ کے سبق اسلام میں یہ اشعار کہے ہیں۔

انت الامام الذی ترجو بطاعتہ	یوم نشور من الرحمن غفرانا
اوضحت من دیننا ما کان مشتبہا	جزاک ربک عنا فیہ احسانا
نعمی الغداۃ لخیر الناس کلہم	بعد النبی علی الخیر مولانا
اخی النبی ومولی المؤمنین معاً	واول الناس تصدیقاً وایمانا

نیز موفق بن احمد نے لکھا ہے (مناقب موفق بن احمد ص۲۳ نسخہ قلمی) عروہ قال اسلم علی وہو ابن ثمان سنین۔ علیؑ اوسوقت لائے جبکہ وہ آٹھ برس کے تھے۔

سبقت فی الایمان موفق بن احمد نے اپنے مناقب کے فصل رابع (ص۲۱ نسخہ قلمی) میں لکھا ہے۔

عن عبد اللہ ابن عباس قال سمعت عمر ابن خطاب وعندہ جماعۃ فتذاکروا السابقین الی الاسلام فقال عمر اما علیؑ فسمعت رسول اللہ یقول فیہ ثلث خصال لوددت ان لی واحدۃ منہن فکان احب الی مما طلعت علیہ الشمس کنت انا وابو عبیدہ وابو بکر وجماعۃ من الصحابہ اذ ضرب النبیؐ بیدہ علی منکب علی فقال یا علیؑ انت اول المؤمنین ایماناً واول المسلمین اسلاماً وانت منی بمنزلۃ ہارون من موسیٰ۔

ترجمہ عبد اللہ ابن عباس کی روایت ہے کہ میں نے سنا و عمر ابن خطابؓ کو درانحالیکہ اون کے پاس

خود تھی۔ سب نے سابقین الی الاسلام کا ذکر تو عمرؓ نے کہا کہ میں نے رسول اللہؐ کو کہتے ہوئے سنا ہے کہ علیؑ میں وہ تین خصلتیں ہیں کہ اگر وہ مجھ میں ہوتیں تو میرے نزدیک تمام اُن چیزوں سے محبوب تر ہونگی جن پر آفتاب نے طلوع کیا ہے میں اور عبیدہ اور "ابوبکر" اور نیز ایک گروہ اصحاب موجود تھا جبکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ نے علیؑ کے کاندھے پر ہاتھ رکھکر فرمایا یا علی تم تمام مؤمنین سے پہلے ایمان لانے والے ہو تم تمام مسلمین سے پہلے مسلم ہو تم مجھ سے وہ منزلت رکھتے ہو جو ہارون کو موسٰے سے تھی۔

اس بات میں اب زیادہ کاوش کرنے کی ضرورت نہیں ہے اسلیئے کہ امام موفق بن احمد اپنے مناقب میں حضرت عمر جیسے اسلامی ہیرو اور اسلامی خلیفہ کے قول کو درباره سبقت اسلام علی ابن ابیطالب علیہ السلام بیان کر رہے ہیں جس مجمع میں حضرت ابوبکر اور ابو عبیدہ بھی موجود ہیں اور یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت ابوبکر اُس وقت یہ سنکر چپکے رہے کچھ بولے اگر وہ سابق الاسلام ہوتے تو ضرور کہتے یا رسول اللہ آپ یہ کیا فرما رہے ہیں میں تو سب سے پہلے مسلمان ہوا پھر اب علی کا نام سابق الاسلام میں کیوں لیتے ہیں۔ لیکن ان کا سکوت خود بتا رہا ہے کہ وہی واقعہ صحیح ہے جسے رسول اللہؐ نے فرمایا لہذا اب آئندہ اہل سنت والجماعت کو اس بارے میں کوئی بحث نہ کرنی چاہیئے کیونکہ اُن کے خلیفہ دوم سبقت الاسلام وایمان علیؑ کی گواہی دے رہے ہیں اور راوی ابن عباس جیسا ثقہ اور عالم جلیل ہے۔

سبقت درنماز۔ الترمذی بسنده عن انس بن مالک قال بعث النبیؐ یوم الاثنین وصلّے علیؑ یوم الثلثاء (ینابیع المودت ص۴۹ چھاپ بمبئی) ترمذی نے انس بن مالک سے روایت کی ہے کہ رسول اللہؐ بروز دوشنبہ مبعوث ہوئے اور بروز سہ شنبہ علیؑ نے اُن کے ساتھ نماز پڑھی۔ یہی روایت مسلم نے بھی حبہ سے روایت کی ہے ینابیع ص۴۹

ترجمہ ابیات عربی صفحہ ماسبق۔

(۱) اے علیؑ تو وہ امام ہے جسکی طاعت سے ہم قیامت کے دن خدا تعالیٰ کی مغفرت کی اُمید رکھتے ہیں۔

(۲) تو نے واضح کردیئے وہ امور جو ہمارے دین میں مشتبہ تھے خدا ہماری طرف سے تجھکو جزائے خیر دے۔

(۳) میرا نفس علی پر فدا ہو جو بعد نبی خدا خیر الناس اور ہمارے مولا ہیں۔

(۴) (وہ علی) جو رسول کے بھائی ہونے کے ساتھ ہی مؤمنین کے مولا (بھی) ہیں اور تصدیق رسول) وایمانی میں تمام لوگوں سے اول وسابق ہیں۔

احمد بن حنبل نے مسند میں - ابن ماجہ قزوینی نے ابونعیم حافظ نے ثعلبی نے حموینی نے تخریج کیا ہے کہ علیؑ نے فرمایا میں عبداللہ ہوں میں برادر رسول ہوں - میں صدیق اکبر ہوں نہ کہیگا اس جملہ کو میرے سوا مگر جھوٹا آدمی بالضرور میں نے سب سے پہلے سات برس نماز پڑھی ہے - ینابیع صفحہ ۴۹

موفق بن احمد نے اپنے مناقب کے فصل رابع صفحہ ۲۲ نسخہ قلمی میں لکھا ہے - عن زید بن ارقم اول من صلے مع النبیؐ علی ابن ابیطالب - زید بن ارقم راوی ہیں کہ سب سے پہلے نبی صلوات اللہ علیہ و آلہ کے ساتھ علی ابن ابیطالبؑ نے نماز پڑھی ہے - نیز صفحہ ۲۳ میں لکھا ہے -

عن ابن عباس قال لعلی اربع خصال ہو عربی و عجمی صلے مع النبیؐ و ہو کان لوائہ معہ فی کل زحف و ہو الذی صبر معہ یوم احد و انہزم الناس کلہم غیرہ - و ہو الذی غسلہ و ادخلہ فی قبرہ -

ترجمہ - ابن عباس فرماتے ہیں کہ علی کے لیے چار باتیں ہیں - (جو اون کے ساتھ خاص ہیں -) (۱) یہ کہ وہ اول عربی و عجمی ہیں جس نے رسول اللہ کے ساتھ نماز پڑھی - (۲) ہر جنگ میں علم رسول اللہ کا اون کے ہاتھ میں رہتا تھا - (۳) روز جنگ احد وہی ایک قائم رہے اور سب لوگ بھاگ گئے - (۴) اُن ہی نے رسول اللہ کو غسل دیا اور قبر میں اُتارا -

عام سبقت - رسول اللہؐ نے تو یہانتک فیصلہ کر دیا ہے کہ دنیائے اسلام میں کوئی شخص سابق اول سوائے علیؑ کے نہیں - خواہ کسی امر میں ہو - چنانچہ امام موفق بن احمد صفحہ ۱۶ مناقب فصل رابع میں لکھتے ہیں - عن مجاہد عن ابن عباس - قال قال رسول اللہؐ السبق ثلثۃ - السابق الی یوشع بن نون - والسابق الی عیسیٰ صاحب یسین - والسابق الی محمد علی ابن ابیطالبؑ - سابق دنیا میں تین گذرے ہیں - ایک یوشع بن نون جنہوں نے حضرت موسےٰؑ کی طرف سبقت کی - دوسرے صاحب یٰسین جنہوں نے حضرت عیسیٰؑ کی طرف سبقت کی - تیسرے علی ابن ابیطالبؑ جنہوں نے محمد (صلے اللہ علیہ و آلہ) کی طرف سبقت کی -

یہ حدیثیں ایک نہیں بیسیوں طریقے سے مروی ہیں - مگر میں نے اختصار کے خیال سے اس قدر پر اکتفا کی ہے - عاقل کے واسطے اتنا ہی بس ہے - اور اُمید ہے کہ ان روایات کو دیکھنے کے بعد

آئندہ کوئی شخص کسی دوسرے کا نام سبقت اسلامیہ میں نہ لیگا اور سمجھ لیگا کہ ان کے علاوہ جتنی روایتیں ہیں وہ سب سلطنت کے دباؤ اور خلافت کے خوف یا طمع زر سے بنائی گئی ہیں۔

لطیفہ طریفہ

جہاں اس آیت سے علی ابن ابیطالب علیہ السلام کی فضیلت کلیہ ثابت ہوئی۔ وہاں اس آیت نے حضرت عمرؓ کے متعلق ایک عجیب راز کا افشاء کیا ہے جو سننے کے قابل ہے اور وہ یہ ہے کہ حضرت خلافت مآب کو اس آیت کی صحت نہ معلوم تھی اور آپ اس آیت کے الفاظ سے ایسے جاہل تھے کہ لوگوں سے عرصہ تک جھگڑتے پھرے آخر بمشکل دیگر صحابہ نے آپ کو چپ کیا۔ ملاحظہ ہو تفسیر درمنثور سیوطی صفحہ ۲۶۹ جلد سوم۔

اخرج ابو عبید وسنید وابن جریر وابن المنذر وابن مردویہ عن حبیب الشہید عن عمرو ابن عامر الانصاری ان عمر بن الخطاب قرء والسابقون الاولون من المہاجرین والانصار الذین اتبعوہم باحسان ولم یلحق الواو فی الذین فقال لہ زید بن ثابت والذین فقال عمر الذین فقال امیر المؤمنین اعلم فقال عمر ائتونی بابی ابن کعب فاتاہ فسألہ فقال ابی والذین فقال عمرؓ فنعم اذن فتابع ابیًا۔

حاصل روایت یہ ہے کہ عمر ابن خطاب نے والسابقون الاولون من المہاجرین والانصار الذین اتبعوہم باحسان اور درمیان لفظ انصار اور الذین کے واو نہ لگایا اور لفظ انصار کو ضمہ دیا (حالانکہ کسرہ ہے) تو زید بن ثابت نے کہا کہ اس آیت میں والذین ہے عمر نے کہا الذین ہے زید نے کہا اچھا امیر المؤمنین بہتر جانتے ہیں۔ تب عمرؓ نے کہا کہ بلاؤ ابی ابن کعب کو جب وہ آئے تو ان سے دریافت کیا۔ ابی نے کہا والذین ہے۔ (واو کے ساتھ) عمرؓ نے کہا کہ اب تم ابی کی پیروی کیا کرو۔

حضرت عمر اور ابی بن کعب کا آپس میں جھگڑنا

دوسری روایت اسی صفحہ میں لکھی ہے کہ عمر ابن الخطاب ایک مرتبہ ایک شخص کے پاس سے ہو کر گذرے جو پڑھ رہا تھا والسابقون الاولون من المہاجرین والانصار والذین اتبعوہم باحسان۔ یہ سن کر عمرؓ کھڑے ہو گئے جب وہ شخص ختم کر چکا قال من اقرءک ہذہ حضرت عمر نے کہا تجھ کو اس طرح کس نے پڑھایا ہے

قال اقرا ینہا ابی بن کعب اُس نے کہا مجھے اسطرح ابی بن کعب نے پڑھایا ہے فانطلقا الیہ یا انا المنذر اخبرنی

ہذا انک اقرء تہ ہذہ الآیۃ قال صدق تلقیتہا من فی رسول اللہ قال عمر تلقیتہا من فی رسول اللہ قال فقال

فی الثالثۃ وہو غضبان نعم واللہ لقد انزلہا اللہ علی جبرائیل وانزلہا جبرئیل علی قلب محمد لم یستامر فیہا

الخطاب ولا ابنہ فخرج عمر رافعاً یدیہ وہو یقول اللہ اکبر اللہ اکبر یہ سنکر دونو صاحب ابی کے پاس گئے

عمر نے کہا ای ابی تم نے اسے اسطرح آیۃ پڑھایا ہے۔ ابی نے کہا وہ سچ کہتا ہے میں نے اسیطرح

رسول اللہ کے مونہہ سے لیا ہے۔ عمر نے کہا (خفا ہوکر) تو نے رسول اللہ کے منہہ سے لیا ہے۔ راوی

کہتا ہے (کہ تین دفعہ اسیطرح ہیرا پھیری ہوئی) تیسری دفعہ ابی نے غضبناک ہوکر ہاں قسم بخدا

اس آیت کو اسیطرح خدا نے جبرائیل پر نازل کیا اور جبرائیل نے قلب رسول اللہ پر اور خطاب

یا اُس کے بیٹے (عمر سے) اسمیں مشورہ نہیں لیا تھا۔ (کہ جیسے دیکھے ویسے ہی خدا نازل کرے)

اس واقعے سے دو تین باتوں کا پتہ معلوم ہوا۔ ایک یہ کہ عمر صاحب کو آیات قرآن کی صحت معلوم نہ تھی اور وہ علم القرآن سے بالکل ناواقف تھے۔ حالانکہ خلیفہ رسول کو سب سے زیادہ علم القران کی ضرورت ہے تاکہ فیصلہ جات میں غلطی نہ کرے۔ حضرت عمر علم قرآن نہ رکھتے تھے

دوسرے بات یہ معلوم ہوئی کہ اُس وقت بھی جبکہ حضرت عمر صاحب خلیفہ تھے۔ ابی بن کعب ان سے زیادہ قابل تبعیت تھے۔ تب تو اُنہوں نے حکم دیا کہ اب تم لوگ ابی کی پیروی کرو۔ حالانکہ دراصل موجودگی خلیفہ میں خلیفہ کی پیروی ہونی چاہئیے نہ غیر خلیفہ کی۔ پھر جبکہ ابی اس قابل تھے تو وہ کیوں خلیفہ نہ بنائے گئے۔ حضرت عمر صاحب میں کیا بزرگی تھی جو خلیفہ مقرر ہوئے۔ حضرت ابی بن کعب عمر سے زیادہ قابل تبعیت تھے

تیسرے یہ بھی معلوم ہوا کہ عمر صاحب اور ابی میں تکرار ہوئی تو آخر میں ابی نے ان کو ڈانٹا اور کہا کہ میں نے رسول اللہ سے یوں ہی سُنا ہے اور خدا نے بھی اسیطرح نازل کیا ہے۔ اور اسمیں خطاب اور ابن الخطاب کا کوئی دخل نہیں ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ عام عرب کے نزدیک انکی اتنی وقعت تھی کہ لوگ ان کے باپ تک بھی پہونچ جاتے تھے اور یہ سُنکے خاموش ہو جاتے تھے کیونکہ جانتے تھے کہ ہم تو اوّل میں وہی لکڑیاں توڑ کے لانے والے اور بازار میں بیچنے والے تھے۔ اگرچہ آج خلیفہ ہوگئے ہیں

یہہ معمولی ناواقفیت ہے ان کی آیات قرآن سے ورنہ انکے ناواقفیتوں کی فہرست بہت لمبی ہے اگر سب بیان کی جائے تو بہت طول ہو لیکن تنشبط خاطر ناظرین کے لیئے دو چار ناواقفیتیں ان کی لکھی جاتی ہیں

حضرت عمر کو مسئلہ حد شرب خمر معلوم نہ تھا

اول - انکو مسئلہ حد شرب خمر کا معلوم نہ تھا امیر المؤمنین علیہ السلام نے بتایا - کہ شراب پینے کی حد اسی کوڑے ہیں - تب ان کو معلوم ہوا - چنانچہ ابن تیمیہ نے منہاج السنۃ میں لکھا ہے کہ قدامہ ابن مظعون نے شراب پی عمرؓ نے کہا کہ تجھے اس کام پر کس نے آمادہ کیا فقال ان اللہ یقول لیس علی الذین آمنوا وعملوا الصالحات جناح فیما طعموا اذا ما اتقوا وآمنوا الآیۃ - وانی من المہاجرین الاولین من اہل بدر و احد فقال عمر اجیبوا الرجل فسکتوا عنہ فقال لابن عباس اجبہ فقال انما انزلہا عذراً للماضین لمن شربہا قبل ان یحرم وانزل انما الخمر والمیسر حجۃ علی الناس ثم سال عمر عن الحد فیہا فقال علی ابن ابیطالبؑ اذا شرب ہذی واذا ہذی فقد افتری فاجلدہ ثمانین جلدۃً فجلد عمر ثمانین جلدۃً -

اُس نے جواب دیا کہ خدا فرماتا ہے کہ جو لوگ ایمان لائے ہیں اور نیک کام کرتے ہیں اون کے لیئے کچھہ مضائقہ نہیں ہے جو چاہیں کھائیں پئیں - اور میں مہاجرین اولین میں سے ہوں اہل بدر و احد سے ہوں (پھر میں نے اگر شراب پی تو کیا مضائقہ ہے -) عمرؓ نے جب یہہ سُنا تو حیران رہ گئے اور کچھہ جواب بن پڑا (تب لوگوں سے) کہا اس کا جواب دیتے جاوٗ - سب لوگ چُپ رہے - تب ابن عباس سے کہا تم جواب دو اُنہوں نے کہا کہ اس آیت کو خدا نے گذشتہ شرابیوں کے عذر میں بیان کیا ہے جبکہ آیت حُرمت شراب اُترا تھا - اور اللہ نے (اب) لوگوں پر حجت تمام کرنے کے لیئے انما الخمر والمیسر نازل کردی ہے پھر عمرؓ نے حد کی بابت دریافت کیا (کہ کتنے کوڑے لگائے جائیں) تو علی ابن ابیطالب (علیہ السلام) نے فرمایا کہ جب شرابی شراب پیتا ہے تو ہذیان بکتا ہے - اور جب ہذیان بکتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے اور افترا کرتا ہے لہذا اسکو اسی کوڑے مارو - تب حضرت عمر صاحب نے اُسے اسی کوڑے پٹوائے -

حضرت عمر کو مجنونہ کے رجم کا مسئلہ معلوم نہ تھا

دوم - حضرت عمرؓ صاحب کو مجنونہ کے رجم کا مسئلہ معلوم نہ تھا استیعاب ابن عبد البر میں ہے افضل حرف عین حال علی ابن ابیطالبؑ) عن سعید بن المسیب قال کان عمر یتعوذ من معضلۃ لیس لہا ابو الحسن

وقال فی المجنونۃ اللتی امر عمر برجمہا وفی التی وضعت لستۃ اشہر فامر او عمر رجمہا فقال لہ علی ان اللہ یقول

حملہ وفصالہ ثلٰثون شہراً الحدیث وقال لہ ان اللہ رفع القلم عن المجنون الحدیث - فکان یقول لولا علی

لہلک عمرؓ - یعنے حضرت عمر اُس مشکل مسئلہ سے پناہ مانگا کرتے تھے جسکے حل کرنے کے لیے علی موجود

نہ ہوں - اور ایک مجنونہ عورت کے رجم کا حکم عمر صاحب نے دیا تھا اور ایک اُس عورت کے رجم کا جسکے ہاں

چھہ ماہ پر بچہ پیدا ہوا تھا - عمر نے چاہا تھا کہ انکو رجم کریں تو علی علیہ السلام نے کہا خدا فرماتا

ہے حملہ وفصالہ ثلٰثون شہراً اور یہہ کہ مجنون مرفوع القلم ہے خدا کے نزدیک - (تب حضرت عمر نے

اُن دونوں کی جان چھوڑی ورنہ مار ہی ڈالا تھا) اسیوجہ سے عمر کہتے تھے "لولا علی لہلک عمر"

علیؑ نہ ہوتے تو عمرؓ ہلاک ہوجاتا -

حضرت عمر کو معلوم نہ تھا کہ آیہ انک میت وانہم میتون قرآن کی آیت ہے -

سوم - حضرت عمر کو آیہ انک میت وانہم میتون کا قرآن مجید سے ہونا بھی معلوم نہ تھا - ملاحظہ ہو کنز العمال حرف ش - کتاب چہارم ذکر ما تعلق بموت رسول اللہؐ " عن عائشۃ قالت لما توفی رسول اللہؐ استاذن عمر

والمغیرۃ بن شعبۃ فدخلا علیہ فکشفنا الثوب عن وجہہ فقال عمر واغشیاہ ما اشد غشی رسول اللہ ثم قاما فلما انتہیا

الی الباب قال المغیرۃ یا عمر مات واللہ رسول اللہ قال کذبت ما مات رسول اللہ ولکنک رجل تحوشک فتنۃ

ولن یموت رسول اللہ حتی یفنی المنافقین - ثم جاء ابوبکر وعمر یخطب الناس فقال ابوبکر اسکت فسکت فصعد ابوبکر

محمد اللہ واثنی علیہ ثم قرء انک میت وانہم میتون ثم قرء وما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل حتی فرغ

من الآیۃ ثم قال من کان یعبد محمداً فان محمداً قد مات ومن کان یعبد اللہ فان اللہ حی لا یموت

فقال عمر ہذا فی کتاب اللہ فقال نعم قال ایہا الناس ہذا ابوبکر ذو شیبۃ المسلمین فبایعوہ فبایعہ الناس

عائشہ رضی اللہ کا بیان ہے کہ جب رسول اللہ کی وفات ہوئی تو حضرت عمر اور مغیرہ بن شعبہ دونوں آئے

اور رسول اللہ کے پاس گئے - تب ہم نے حضرت کا مُنہہ کہولدیا - عمر نے کہا ہائے غشی - کیسی سخت غشی

رسول اللہ کو ہے - یہہ کہکر دونو اُٹھ گئے - جب دروازہ تک پہونچے تو مغیرہ نے کہا اے عمر خدا کی قسم رسول اللہ

تو مر گئے - عمر نے کہا تو جہوٹہہ بولتا ہے - رسول اللہ نہیں مرے - لیکن تو فتنہ پرداز ہے - اور ہرگز رسول اللہ

مر نہیں سکتے - جبتک کہ منافقین کو فنا نہ کرلیں - اتنے میں ابوبکرؓ آگئے اور عمر لوگوں کو خطبہ سُنا رہے تھے ابوبکرؓ نے کہا چپ رہو - یہہ چُپ ہوئے تو ابوبکر چڑھ گئے اور حمد خدا و ثنا الٰہی کے بعد یہہ آیت پڑھی اِنَّکَ مَیّتٌ وَّاِنَّہم میّتون " یعنے اے رسولؐ تم بھی مروگے اور دیگر اشخاص بھی مرینگے - پھر یہہ آیت پڑھی مامحمدٌ الّا رسول قد خلت من قبلہ الرّسل - محمدؐ بھی ایک رسول ہی ہیں - جن سے قبل بہت سے رسول وفات پا چکے (یا گذر چکے) پھر ابوبکر نے کہا بھائیو جو کوئی محمدؐ کی عبادت کرتا رہا ہو وہ جان لے کہ محمدؐ کا انتقال ہوگیا اور جو کوئی خدا کی عبادت کرتا رہا ہو وہ یقین کرے کہ خدا زندہ ہے ہرگز نہ مریگا - عمر صاحب نے کہا کہ کیا یہہ آیتیں قرآن کی ہیں - ابوبکر نے کہا ہاں - تب عمر نے کہا - ایہا النّاس - ایہا النّاس یہہ ابوبکر مسلمانوں میں سب سے زیادہ بوڑھے ہیں - انکی بیعت کرتے جاؤ - تو سب نے بیعت کرلی -

دو حال سے خالی نہیں - یا تو موت رسول اللہ سے صرف اسلیئے انکار کیا تھا کہ جبتک ابوبکر نہ آجائیں اور بیعت نہ ہولے تب تک آنحضرتؐ کی موت کا لوگوں پر واضح نہ کیا جائے - ورنہ اور لوگ خواہشمند خلافت کے ہونگے اور ہمارے ہاتھ سے کام نکل جائیگا - تو یہہ ایک کھلی ہوئی فریب کاری ہے - اور جھوٹ بولنا ہے اور اپنے ضمیر کے خلاف کہنا ہے - جو ہرگز کسی دیندار آدمی کا کام نہیں ہوسکتا - چہ جائیکہ وہ جسے عام مسلمان خلیفہ مانتے ہوں -

اور اگر واقعاً ان کو خیال تھا کہ رسول اللہ کی وفات نہیں ہوسکتی اور یہہ کہ آیہ انک میّت وانہم میّتون وما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل - کا قرآن مجید کا کلام ہونا معلوم نہ تھا تو سخت جہالت انکی ثابت ہوتی ہے - جو انسانی عیبوں میں بدترین عیب ہے -

حضرت عمر کو حاملہ زانیہ کا مسئلہ معلوم نہ تھا

چہارم حاملہ زانیہ کا مسئلہ بھی حضرت عمر کو معلوم نہ تھا جیسا کہ فواتح میبندی شرح دیوان امیر المؤمنینؑ اور شرح مواقف میں بھی مذکور ہے - فواتح کی عبارت یہہ ہے - امام احمد گوید عمر حکم کرد برجم مجنونہ زانیہ - علیؑ فرمود اما سمعت قول النبیؐ رفع القلم عن ثلاثۃ عن النائم حتی یستیقظ وعن الطفل حتی یحتلم وعن المجنون حتی یبرء - ونیز حکم برجم زنے حاملہ بسبب اعتراف او بہ زنا - علیؑ گفت ہذہ سلطانک علیہا فما سلطانک علیٰ ما فی بطنہا -

(یعنے علیؑ نے عمر کو زانیہ حاملہ کے رجم سے منع کیا اور فرمایا کہ اگر تم کو اس عورت کے رجم کا اختیار ہے تو اوسکے بچے کے رجم کا جو اُسکے بطن میں ہے کیا اختیار ہے۔) عمر گفت عجزت النساء ان تلدن مثل علی ابن ابیطالب لولا علی لہلک عمر عورتیں عاجز ہیں کہ علیؑ سا فرزند جن سکیں۔ اگر علی نہ ہوتے تو (اس وقت) عمر ہلاک ہوگیا تھا۔

حضرت عمر کو مسئلہ موت جنین معلوم نہ تھا

پنجم۔ حضرت عمر کو مسئلہ اُس جنین کا معلوم نہ تھا۔ جو پیٹ میں مرجائے۔ چنانچہ (کنز العمال کتاب القصاص ص۱۴۲) میں ہے۔ عن ابن عباس قال قام عمر علی المنبر فقال اذکر اللہ امرا سمع رسول اللہ قضی فی الجنین فقام حمل بن مالک ابن النابغہ الہندلی وقال یا امیر المؤمنین کنت بین ضرتین فضربت احدہما الاخری بعود فقتلتہا وقتلت ما فی بطنہا فقضی النبی بغرۃ عبد اوامۃ۔ فقال عمر اللہ اکبر ولم اسمع بہذا لقضینا بغیرہ"

(یعنے ابن عباس سے مروی ہے کہ ایک روز عمر نے منبر پر کھڑا ہو کر کہا کہ میں خدا کو یاد دلا کر اُس شخص سے پوچھتا ہوں جسنے ۔ ۔ رسول اللہ کو جنین کے متعلق فیصلہ کرتے سنا ہو (کہ آپنے کیا حکم صادر فرمایا تھا) تو حمل بن مالک بن نابغہ ہندلی کھڑے ہوئے اور کہا ای امیر المؤمنین میری پاس دو بیویاں تھیں اونمیں سے ایکنے دوسری کو لکڑی سے اس طرح مارا کہ اسکو بھی قتل کردیا اور اُس بچی کو بھی جو اُس کے پیٹ میں تھا پس نبی خدا نے ایک غلام یا لونڈی دیت میں دینے کا حکم صادر فرمایا پس عمر نے کہا اللہ اکبر اگر میں یہ سنتا تو کچھ اور ہی فیصلہ کردیتا۔

ششم۔ حضرت عمر کو یہ معلوم نہ تھا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ نماز عیدین میں کون کون سے سورے پڑھتے تھے۔ چنانچہ صحیح مسلم جلد اول باب بالقرء فی صلواۃ العید میں ہے عن عبید اللہ بن عبد اللہ ان عمر بن الخطاب سئل ابا واقد اللیثی ما کان یقرء بہ رسول اللہ جمع الضحیٰ والفطر فقال کان یقرء فیہما بقاف والقرآن المجید واقربت الساعۃ وانشق القمر" عبید اللہ بن عبد اللہ سے مروی ہے کہ حضرت عمر نے ابو واقد لیثی سے پوچھا کہ رسول اللہ نماز عید قربان اور نماز عید الفطر میں کون سا سورہ پڑھتے تھے تو اُس نے بتایا کہ سورہ قاف اور سورہ قمر پڑھتے تھے یہ روایت صحیح ترمذی چھاپہ مصر جلد اول ص۱۰۵ میں بھی مذکور ہے جسے حدیث حسن صحیح بتایا ہے۔)

حضرت عمر کو الحمد للہ کے معنی معلوم نہ تھے	ہفتم حضرت عمر کو الحمد کے معنے معلوم نہ تھے - حضرت امیر المومنین علی ابن ابیطالب علیہ السلام نے بتایا تب اونکو خبر ہوئی - ملاحظہ ہو تفسیر درمنثور جلد اول ص۱۱ -

اخرج بن ابی حاتم عن ابن عباس قال قال عمر قد علمنا سبحان اللہ ولا الہ الا اللہ فما الحمد قال علیؑ کلمۃ رضی اللہ واحب ان تقال" ابن ابی حاتم نے ابن عباس سے روایت کی ہو کہ حضرت عمرؓ نے کہا "ہمیں سبحان اللہ اور لا الہ الا اللہ تو معلوم ہو گیا ہی - (مگر) الحمد کیا چیز ہے - تو "علی" نے فرمایا یہ ایک کلمہ ہے جسی خدا نے اپنے لیئے پسند فرمایا اور اُسے محبوب ہے (کہ اوسکے لیئے) کہا جائے -

حضرت عمر لفظ عدن کے معنے نہ جانتے تھے	ہشتم - حضرت عمر کو عدن کے معنے معلوم نہ تھے - دیکھیے تفسیر درمنثور سورہ رعد رکوع ۹ پارہ ۱۳ - اخرج عبد اللہ بن الحمید عن الحسن ان عمر قال لکعب

ماعدن قال ہو قصر فی الجنۃ لا یدخلہ الا نبی اوصدیق اوشہید اوحکم عدل" عبد بن حمید راوی ہے کہ حضرت عمر نے کعب سے پوچھا کہ (قرآن میں جو لفظ عدن ہے اوس) عدن کے کیا معنے ہیں - کعب نے بتایا کہ یہ ایک قصر جنت ہے جسمیں یا نبی داخل ہوگا یا صدیق یا شہید یا حاکم عادل -" (درمنثور جلد چہارم ص۵۷ چھاپ مصر)

حضرت عمر لفظ حرج کے معنے سے ناواقف تھے	نہم لفظ حرج جو قرآن میں ہو اُس کے معنے بھی حضرت عمر کو معلوم نہ تھے (دیکھو ازالۃ الخفا مقصد اول فصل ششم) عن محمد بن زید بن عبد اللہ بن عمر

قال قرء عمر ابن الخطاب ہذہ الآیۃ ماجعل علیکم فی الدین من حرج ثم قال ادعوالی رجلاً من مدلج قال عمر ماالحرج فیکم قال الضیق"

محمد بن زید بن عبد اللہ بن عمر سے مروی ہے کہ حضرت عمر نے یہ آیہ پڑھا ماجعل علیکم فی الدین من حرج پھر کہا کہ کسی شخص کو بنی مدلج سے بلاؤ - جب وہ آیا تو اُس سے پوچھا کہ تمہاری زبان میں حراج کسے کہتے ہیں - اوس نے کہا ضیق (تنگی) کو -

حضرت عمر کو لفظ ابًا کے معنے معلوم نہ تھے	دہم حضرت عمر کو ابًا کے معنے معلوم نہ تھے ملاحظہ ہو تفسیر درمنثور جلد ششم ص۳۱۷ چھاپ مصر - الحاکم وصححہ عن انس ان عمر قرء علی المنبر فانبتنا فیہا

حبّا وعنباً وقضباً الی قولہ وابا قال کل ہٰذہ قد عرفنا فما الاب ثم رفض عصا کانت فی ہٰذہ فقال ہٰذا لعمر

اللہ ہو التکلف فما علیک ان لا تدری ما الاب اتبعوا ما لکم ہداہ من الکتاب فاعملوا بہ وما لم تعرفوہ فکلوہ الی ربہ"

حاکم وغیرہ نے روایت کی اور حاکم نے اسکی تصحیح بھی کی۔ انس کہتے ہیں کہ حضرت عمر نے ممبر پر یہہ آیت پڑھی۔ فانبتنا فیہا حبّا وعنباً وقضباً لفظ ابا تک تو کہا کہ سب تو ہم سمجھ گئے مگر ابّاً کیا چیز ہے پھر عصا ہاتھ سے چھوڑ دیا جو اُن کے ہاتھ میں تھا اور کہا قسم بخدا یہہ تو تکلیف ہے تمہارا کیا حرج ہے اگر اب کے معنے تمہیں نہ معلوم ہوں۔ ایہا الناس جس قدر کھلی ہوئی باتیں قرآن کی ہیں اونکی پیروی کرو اور جسے تم لوگ نہ سمجھتے ہو اُسے اُسکے پروردگار کے حوالہ کرو۔

اے سبحان اللہ کیسے عالم خلیفہ ہیں۔ جنھیں ایسی موٹی موٹی باتیں بھی معلوم نہیں۔ اس روایت سے اتنا ضرور سمجھ میں آیا کہ لفظ اَبّ کے معنے جو انکی سمجھ میں نہ آئے تو مارے رعب مجلس کے عصا ان کے ہاتھ سے چھوٹ پڑا۔ پھر یہہ بات بتائی کہ جو کچھ قرآن میں کھلا کھلا لکھا ہو اُسے مانو۔ باقی کو خدا کے حوالہ کرو۔ یعنے اُس کے تحقیق کی ضرورت نہیں ہے۔ چلتا ہوا کام کرنا چاہیئے تدقیق اور چھان بین کی قرآن میں ضرورت نہیں ہے۔

اہل نظر اس سے اندازہ لگا سکتے ہیں کہ حضرت عمر قرآن دانی میں کس پایہ کے آدمی تھے اوسی پر بروز وفات رسول فرمایا تھا حسبنا کتاب اللہ جسے قرآن کے جزئی جزئی الفاظ نہ معلوم ہوں وہ نہ معلوم کیونکر کہہ سکتا ہے کہ ہمیں کتاب خدا کافی ہے۔ مگر وہاں تو صرف رسول اللہ کو وصیتنامہ لکھوانے سے روکنا تھا واقفیت سے کیا غرض تھی۔

یہہ مختصر فہرست ہے جناب عمر کے جہالات کی اور عشرہ مبشرہ کی اگر اس سے لمبی فہرست دیکھنی ہو تو جلد اول کتاب تشیید المطاعن مصنفہ علامہ مفتی سید محمد قلی کنتوری طاب ثراہ کو دیکھیئے۔

لفظ اَبّ کے معنے سے ابوبکر صدیق بھی واقف نہ تھے

ضمیمہ یہہ نہ سمجھیئے گا کہ لفظ ابّا کے معنے حضرت عمر کو ہی نہ معلوم تھے بلکہ حضرت ابوبکر صدیق بھی اسکے معنے سے ناواقف تھے (دیکھو تفسیر در منثور صفحہ ۳۱۷ جلد ۶ چھاپ مصر)

عن ابراہیم التیمی قال سئل ابوبکر الصدیق عن قولہ وابّا فقال ای سماء تظلنی وای ارض تقلنی اذا قلت فی

کتاب اللہ ما لا اعلم" ابراہیم تیمی کہتا ہو کہ کسی نے حضرت ابوبکر صدیق سے لفظ ابا کے معنے پوچھے تو فرمانے لگے کونسا آسمان مجھپر سایہ ڈالیگا اور کونسی زمین مجھے اُٹھائیگی اگر میں کتاب خدا میں ایسی بات بتاؤں جو مجھے معلوم نہیں یعنے مجھے ابا کے معنے معلوم نہیں یعنے مجھے ابا کے معنے معلوم نہیں بتاؤں کہاں سے۔

تعجب کی بات ہو کہ جو لوگ السابقون الاولون میں داخل ہوتے ہوں وہ قرآن سے ایسے بے خبر ہوں نہ معلوم جب رسول اللہ تفسیر آیات قرآن فرمایا کرتے تھے تو یہ لوگ کہاں رہتے تھے۔

تکمیل بحث۔

لفظ السابقون الاولون خود بتا رہا ہو کہ اس سے مراد وہی لوگ ہیں جو کامل ایمان دار ہیں اور سب میں سابق اور اول ہیں۔ اور پھر آخر وقت تک ایمان پر قائم بھی رہے ہیں۔ ورنہ رضی اللہ عنہم کا جملہ صحیح نہ ہوگا کیونکہ خداتعالیٰ تو اُسی سے راضی ہو سکتا ہو جو ایمان میں کامل ہو نہ یہ کہ ایمان سے علیحدہ ہو یا ہو جائے۔

لیکن حضرت ابوبکر و عمر دونوں صاحب اپنے نفاق کا اقرار کرتے ہیں اور معلوم ہے کہ نفاق و ایمان میں تضاد ہے منافق مؤمن نہیں اور نہ مؤمن منافق ہو سکتا ہے۔ جو مؤمن ہے وہ کیونکر منافق ہوگا اور جو منافق ہے وہ کیونکر آیہ والسابقون الاولون میں داخل ہوگا۔ نہ معلوم کیونکر مدعی سُست گواہ چُست کے مصداق بموجب اُن کے حوارین نے اُنہیں اس آیت کے ذیل میں داخل کیا ہے وہ تو بچارے اپنی سادگی سے خود اقرار کرتے ہیں کہ بابا ہم مؤمن نہیں۔ بلکہ منافق ہیں۔ ہمیں السابقون الاولون کی فہرست میں داخل کئے دیتے ہو۔

اگر اس بیان میں شبہہ ہو تو ملاحظہ ہو کتاب میزان الاعتدال ذہبی۔ جلد اول ص ۲۲۵ چھاپہ مصر باب الزاء ترجمہ زید بن وہب"

حضرت عمر کا اقرار اپنے نفاق کے متعلق

حضرت عمر خود فرماتے ہیں باللہ یا حذیفۃ انا من المنافقین۔ قسم خدا کی اے حذیفہ میں منافقین میں ہوں"

حضرت ابوبکر بھی اپنے منافق ہونیکا اقرار کرتے تھے۔

یہی نہیں بلکہ حضرت ابوبکر بھی خود اپنے منافق ہونیکا اقرار فرماتے ہیں۔ (دیکھو صحیح ترمذی جلد دوم ص ۸۴ چھاپہ مصر سطر اول) عن عثمان النہدی عن حنظلۃ الاسیدی وکان من کتاب النبی انہ مر بابی بکر وہو

یبکی فقال مالک یا حنظلہ قال نافق حنظلہ یا ابا بکر نکون عند رسول ع یذکرنا النار والجنۃ کانا رای عین - فاذا رجعنا الی الازواج والضیعۃ نسینا کثیراً قال فواللہ انا کذالک -

عثمان مہندی سے روایت ہو کہ وہ حنظلہ اسیدی سے روایت کرتا ہے جو کاتب تھا آنحضرتؐ کا کہ ایک دفعہ وہ روتا ہوا ابوبکر کے پاس سے گذرا ابوبکر نے پوچھا حنظلہ تجھے کیا ہوگیا ہے ؟ اُسنے کہا حنظلہ تو منافق ہوگیا - ای ابوبکر - جب ہم رسول اللہ کے پاس ہوتے ہیں اور آپ نار وجنت یاد دلاتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہو کہ جیسے ہم آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں - مگر جب وہاں سے اپنے عیال اور زمین میں آتے ہیں تو اکثر باتیں بھول جاتے ہیں - "ابوبکر" صاحب نے فرمایا (بھائی حنظلہ کیا پوچھتے ہو میں بھی ایسا ہی (منافق ہوگیا) ہوں -

اور جب ایسا ہو کہ یہ بزرگوار فہرست مؤمنین سے خارج اور منافقین کے گروہ میں باقرار خود " واقرار العقلاء علی انفسہم مقبول " تو لامحالا از خود آیہ السابقون الاولون سے خارج ہونگے اون کے داخل کرنے کی کوشش بے سود بلکہ بلا ضرورت ہے - کیونکہ حضرات خلفاء آپ اپنے تئیں اس زمرہ میں داخل کرنا پسند نہیں کرتے -

پس لامحالہ مصداق اس آیت کا وہی لوگ ہونگے جو تمام مہاجرین وانصار میں سے ہر امر میں سابق اور ہر امر میں اول ہوں اور وہ نہیں ہیں مگر جناب امیر المؤمنین علی ابن ابیطالبؑ لہذا وہی اس آیت کا مصداق ہیں زیادہ جو اونکی متابعت میں بہ نسبت دوسروں کے سابق المقدم ہوں - جیسے سلیمان والبوذر رضی اللہ عنہما -

آیت ۸۵

وبشر الذین آمنوا ان لہم قدم صدق عند ربہم (سورہ یونس ج ۱۱ ع ۱-) اے رسول ہماری بشارت دو اُن لوگونکو کہ جو ایمان لائے ہیں کہ اُن کے واسطے اُن کے رب کی طرف سے سعادت وسابقہ فضل ہے اسکی بابت ابن عباس کی روایت تفسیر درمنثور میں ہے - کہ ابن عباس نے کہا اس آیت کی تفسیر میں قال سبق لہم من السعادۃ فی ذکر الاول یعنے قدم صدق سے مراد وہ سعادت ہو جو ان ایمان

ان ایمان والوں کے واسطے اول ذکر میں سابق ہو چکے ہیں۔

دوسری روایت حسن کی ہے کہ قدم صدق سے مراد جناب رسالتمآبؐ ہیں۔

جس کا حاصل یہہ ہے کہ ایمان والوں کو یہہ بشارت دو کہ قیامت میں تم کو محمدؐ سا رسول ملیگا " اور معلوم ہے کہ جسے محمد سا رسول (صلے اللہ علیہ وآلہ) مل گیا اُسے خدا ملگیا اور جسے خدا ملا اُسے سب کچھ ملگیا پھر تو وہ اغنی الاغنیاء ہے۔ لیکن یہہ دیکھنا ہے کہ خدا ملا کس کو۔ اور کون غنی الاغنیاء ہے کیونکہ کچھ تو وہ لوگ ہیں جنکی بابت خدا تعالی قرآن مجید میں فرماتا ہے یا ایہا الذین آمنوا مالکم اذا قیل لکم انفروا فی سبیل اللہ اثاقلتم الی الارض ارضیتم بالحیواۃ الدنیا من الآخرۃ فما متاع الحیواۃ الا قلیل الا تنفروا یعذبکم عذاباً الیما۔ جسمیں ظاہر کیا گیا ہے کہ اصحاب مہاجرین وانصار میں وہ لوگ بھی ہیں جنکو جہاد کیلئے نکلنے کو حکم دیا جاتا ہے کہ وہ کسی طرح نہیں نکلتے جسپر پروردگار عالم فرماتا ہے۔ کہ اگر تم نے کوچ نہ کیا تو جان لوکہ خدا تم کو دردناک عذاب میں مبتلا کریگا۔

پھر فرماتا ہے قل لن ینفعکم الفرار ان فررتم من الموت او القتل واذا لا تمتعون الا قلیلا اے رسول اپنے اصحاب سے کہدے کہ بھاگنے سے کچھ نفع نہ ہوگا خواہ موت سے بھاگو یا قتل سے اور بہت کچھ فائدہ اُٹھاؤگے۔

اور آنحضرتؐ فرماتے ہیں وان ناساً من اصحابی یوخذ بہم ذات الشمال فاقول اصحابی اصحابی فیقول انہم لن یزالوا مرتدین علی اعقابہم قد فارقتہم۔ مشکواۃ شریف صہ ۴۸۷ چھاپ دہلی مطبع انصاری) یعنی قیامت کے دن بہت سے لوگ میرے اصحاب میں سے بائیں ہاتھ کو لیجائے جائینگے (یعنی جہنم کی طرف) تو میں کہونگا (خدایا) یہہ میرے اصحاب ہیں تو پروردگار عالم فرمائیگا یہہ سب کے سب برابر مرتد رہے جب سے تم ان سے جدا ہوئے ہو"

یہی حدیث ترمذی شریف جلد دوم صہ ۶۸ چھاپ مصر میں بھی ہے"

جس سے لامعدود والعدد اصحاب رسولؐ کا جہنمی ہونا معلوم ہوا اور یہہ کہ حضرتؐ کا پکارنا اور اصحابی اصحابی کہنا کچھ فائدہ نہ دیگا۔ کیونکہ وہ سب مرتد ہونگے۔

حدیث [illegible] ارتداد اصحاب [illegible]

تیسری روایت بھی آنحضرت سے ہے۔ عن ام سلمۃ قالت قال النبی ان من اصحابی من لن اراہ و لا یرانی بعد ان اموت ابدا قال فبلغ ذالک عمر فاتاها یشتد ویسرع فقال انشدک اللہ انا منہم قالت ولن ابری بعدک الیوم کمافی النصایح الکافیہ ص ۱۲۹

جناب ام سلمہ سے مروی ہے فرمایا رسول خدا نے کہ بہت سے میرے اصحاب ایسے ہیں جنکو نہ میں دیکھونگا اور نہ کبھی وہ مجھے دیکھینگے مرنے کے بعد۔ یہ حدیث حضرت عمر کو معلوم ہوئی تو دوڑتے ہوئے ام سلمۂ کے پاس آئے اور کہا کہ میں بھی اُن لوگوں سے ہونگا؟ ام سلمہ نے کہا کہ نہیں مگر تمہارے سوا میں اور کسی کو مستثنیٰ نہ کرونگی۔

معلوم ہوا کہ عمر صاحب کے سوا کوئی صحابی رسول اس عدم رویت روئے رسول کے بروز قیامت مستثنیٰ کرنے کے قابل نہیں۔ اور جو ایسا ہے کہ قیامت میں کہ قیامت میں رسول اللہ کی شکل بھی نہ دیکھیگا تو شفاعت کہاں سے ہوگی۔ اور کب بخشا جا سکتا ہے۔ اور کب اُسکے لیئے سعادت کا احتمال بھی ہو سکتا ہے۔

رہے خود حضرات ثلثہ تو اون میں سے ایک صاحب کو رسول اللہ نے فرمایا ہے کہ یا ابابکر ان الشرک فیکم اخفی من دبیب النمل۔ ازالۃ الخفا ص ۱۹۹۔

اے ابوبکر تم میں شرک چیونٹی کی چال سے زیادہ خفی ہے۔

دوسرے صاحب نے خود اقرار کیا کہ مجھے رسول اللہ کی رسالت میں شک ہے (دیکھو تفسیر معالم التنزیل)

رہے تیسرے صاحب اونکی شان میں یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ افرایت الذی تولیٰ واعطیٰ قلیلا واکدیٰ۔ اے رسول ہمارے کیا تم نے دیکھا اُسے (عثمان کو) کہ مونہ پھیر کر چلا گیا۔ اور دیا تھوڑا سا۔ اور (سائل کو) رد کیا۔ (ملاحظہ ہو تفسیر کبیر جلد ہشتم ص ۷۶۴)

پھر آنحضرت کا عام صحابہ کو مخاطب کرکے کہنا انکم ستحرصون علی الامارۃ وانہا ستکون حسرۃ وندامۃ یوم القیامۃ۔ بالضرور عنقریب تم لوگ حکومت کا لالچ کروگے اور بالضرور وہ حکومت تمہارے لیئے قیامت کے دن حسرت وندامت کا باعث ہوگی۔ (سنن نسائی مطبوعہ نظامی کانپور ص ۶۴۸)

جس کا ظہور بعد انتقال آنحضرت فوراً ہی ہوا۔ کہ سقیفہ میں منا امیر و منکم امیر کے جھگڑے ہوئے انصار کہتے کہ ہمیں حکومت ملنی چاہیئے۔ مہاجرین کہتے ہمکو حکومت ملنی چاہیئے۔ اور کچھ لوگ کہتے تھے کہ ایک ہم میں سے اور ایک تم میں سے حاکم مقرر کیا جائے۔ آخر یہ جھگڑا بیعت حضرت ابوبکر پر طے ہوا جسکی بابت حضرت عمر نے فرمایا الاوان بیعۃ ابی بکر کانت فلتۃ وقی الفلتۃ شرّھا۔ آگاہ ہو کہ بیعت ابوبکر ایک ناگہانی بات تھی جو ہو گئی۔ خدا نے اُس کے شر سے بچا لیا۔ (ورنہ معلوم نہیں کیا کچھ خونریزیاں ہوتیں۔)

پھر آنحضرتؐ نے اصحاب میں سے اُن لوگوں پر لعنت کی جو لشکر اسامہ میں شریک نہ ہوئے۔ اور فرمایا لعن اللہ من تخلف جیش اسامۃ۔ چنانچہ ملل و نحل شہرستانی میں ہے۔ الخلاف الثانی فی مرضہ انہ قال جہزوا جیش اسامۃ۔ لعن اللہ من تخلف عنہا۔ ملل نحل ص۱۱ مطبوعہ جرمنی)

اور شرح مواقف کے آخری حصہ میں جہاں اُن فرقونکا ذکر کیا ہے جنکی انبیا بیان کر گئے ہیں لکھا ہے وکا اختلافہم بعد ذالک فی التخلف عن جیش اسامہ۔ فقال قوم وجب الاتباع لقولہٗ۔ جہزوا جیش اسامۃ لعن اللہ من تخلف عنہ وقال قوم بالتخلف انتظار لمایکون من رسول اللہ فی مرضہ۔

ترجمہ۔ نیز جیسا کہ اختلاف ہوا اصحاب کا لشکر اسامہ سے پیچھے رہ جانے میں۔ کچھ لوگوں نے کہا کہ واجب ہے اسامہ کے ساتھ جانا۔ کیونکہ آنحضرتؐ نے فرمایا ہے " لشکر اسامہ کو مرتب کرو خدا لعنت کرے جو اس لشکر میں نہ شریک ہو۔ اور کچھ لوگوں نے کہا کہ ہمیں اوسکے ساتھ نہ جانا چاہیئے۔ اور انتظار کرنا چاہیئے کہ رسول اللہ کا انجام کار کیا ہوتا ہے۔

جس سے معلوم ہوا کہ سینکڑوں اصحاب ایسے تھے جو رسول اللہؐ کے حکم کی پروا نہ کرتے تھے چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ لعنت رسولؐ کی پرواہ نہ کرکے لوگ شریک لشکر اسامہ نہ ہوئے اور مستحق لعنت رسولؐ ہوئے۔ اور معلوم ہے کہ جو کوئی ملعون ہو وہ رحمت خدا سے دور ہے۔ اور جو رحمت خدا سے دور ہے اوسکے لیئے قدم صدق یعنے سعادت اور سابقہ فضل کہاں سے ہوگا۔

خلاصہ یہ کہ عامہ اصحاب رسول اللہ کی حالتیں کتب تواریخ سیر و احادیث میں پڑھ لیویں

کوئی عاقل کسی طرح تجویز نہیں کر سکتا کہ آیہ بشیر الذین آمنوا ان لہم قدم صدق ان کے متعلق نازل ہوا۔ کیونکہ ان ہی میں وہ بھی ہیں جو بسبب تخلف لشکر اسامہ ملعون ٹھیرے۔

۲۔ ان ہی میں وہ بھی ہیں جو اپنے زبانی آپ مقر نفاق ہیں۔

۳۔ ان میں وہ بھی ہیں جو جنگ سے بھاگ جانے سبب معتوب الٰہی ہیں۔

۴۔ ان ہی میں وہ بھی ہیں جنہوں نے شب عقبہ رسول اللہ کو مار ڈالنا چاہا۔

۵۔ ان ہی میں وہ بھی ہیں جن کو رسول اللہ نے مشرک کہا۔

۶۔ ان ہی میں وہ بھی ہیں جن کو نبوت میں رسول اللہ کے شک ہوا۔

۷۔ ان ہی میں وہ بھی ہیں جنہوں نے جناب سیدہ کو ناراض کیا اور اسکی وجہ سے ناراضی خدا تعالیٰ خریدی۔ ان ہی میں وہ بھی ہیں جو اس آیت کے خلاف مصداق ہیں۔ لا یستاذنک الذین یؤمنون باللہ والیوم الآخر ان یجاہدوا باموالہم وانفسہم واللہ علیم بالمتقین۔ (پ ۱۰ ع ۱۳)
اے رسول ہمارے جو لوگ کہ خدا تعالیٰ اور روز قیامت پر ایمان لا چکے ہیں وہ تم سے جہاد مال و جان سے باز رہ کر گھر میں بیٹھ رہنے کا اذن نہ مانگینگے۔

جس کا مطلب یہ ہوا کہ جو لوگ یہ کہیں کہ یا رسول اللہ ہم کو لڑائی پر نہ لیجائیے اور ہمیں اذن دیجئے کہ اپنے اہل و عیال میں رہیں وہ مومن ہی نہیں ہیں۔ اور معلوم ہے کہ لڑائی سے پیچھے رہ جانے اور عدم شرکت کا اذن حضرت عمر نے جنگ تبوک میں طلب کیا تھا۔ جیسا کہ امام رازی نے تفسیر کبیر جلد ۶ صفحہ ۴۴ میں لکھا ہے قال الضحاک المراد عمر ابن الخطاب وذالک لانہ استاذن فی غزوۃ تبوک فی الرجوع الی اہلہ، ضحاک نے کہا ہے کہ مراد اس سے حضرت عمر ہیں جنہوں نے جنگ تبوک میں اذن مانگا تھا کہ اپنے اہل و عیال کی طرف واپس چلے جائیں۔ اگرچہ اس واقعہ کو امام رازی نے سورہ نور میں زیر آیہ انما المؤمنون الذین لکھا ہے مگر چونکہ وہ اقرار کرتے ہیں کہ حضرت عمر نے غزوہ تبوک میں اذن پس ماندگی مانگا تھا اس لیئے اس واقعہ کا تعلق سورہ توبہ پ ۱۰ ع ۱۳ سے ہونا چاہیئے۔

بہرحال ان ہی اصحاب میں وہ بھی ہیں جنکی بابت حذیفہ نے فرمایا ہے۔ لقد انزل النفاق علیٰ قوم خیر منکم۔ نفاق تم لوگوں میں سے اُنپر اُتارا گیا ہے جو تم میں سے اچھے لوگ ہیں۔ (یعنے جو تم میں سے بہت اچھے بنتے ہیں وہی منافق ہیں۔ اور جب منافق ہوئے تو مومن کہاں رہی (دیکھو صحیح بخاری معہ ارشاد الباری جلد ۷ صفحہ ۷۸)

ان ہی اصحاب میں وہ بھی ہیں جنکی مذمت میں پورا سورہ توبہ اُترا ہے ملاحظہ ہو تفسیر درمنثور جلد ۳ صفحہ ۲۵۸ سطر ۲۳۔

سورہ برآت کو اصحاب رسول فضیحت کرنیوالا سورہ کہتے تھے

قال عمر رضی اللہ عنہ ما فرغ من تنزیل برارت حتی ظننا انہ لم یبق منا احد الا سینزل فیہ وکانت تسمی الفاضحہ۔" حضرت عمر فرماتے ہیں کہ سورہ برات کے نزول سے فارغ نہیں ہوا کہ ہم لوگوں نے گمان کر لیا تھا کہ ہم میں سے کوئی نہ بچیگا جسکی ہجو و مذمت میں کوئی آیت نازل نہ ہو لوگ اس سورہ کو فضیحت کرنیوالا سورہ کہتے ہیں۔" نیز ابن عباسؓ سے مروی ہے۔ بل ہی الفاضحۃ ما زالت تنزل فیھم حتی ظننا ان لن یبقی منہا احدًا الا ذکر فیہا۔" یہہ سورہ توبہ کیا ہے بلکہ سورہ فاضحہ (رسوا کرنے والا) ہے۔ برابر یہہ سورہ نازل ہوتا رہا۔ ان (اصحاب) کی بابت یہانتک کہ ہم نے گمان کیا کہ ہم میں اب کوئی نہ بچیگا (جسکی مذمت اسمیں نہ ہو)

سورہ برات میں جملہ اصحاب کی مذمت تھی

لیکن حذیفہ اس سے زیادہ کی تصریح کرتے ہیں۔ عن حذیفۃ رضی اللہ عنہ قال الذین تسمون سورۃ التوبہ ہی سورۃ العذاب واللہ ما ترکت احدًا الا نالت منہ ولا تقرؤن منہا مما کنا نقرء الا ربعہا۔ تفسیر درمنثور صفحہ ۲۰۸ جلد سوم۔)

حذیفہ فرماتے ہیں۔ جسے تم لوگ سورہ توبہ کہتے ہو وہ سورہ عذاب ہے قسم خدا کی اس نے کسی کو نہیں چھوڑا جسکی مذمت نہ کی ہو اور اب تم لوگ اس سورہ میں بقدر چوتھائی کے پڑھتے ہو۔ اُس مقدار میں جسے ہم لوگ پڑھا کرتے تھے۔"

اس روایت سے دو باتیں معلوم ہوئیں نمبر ۱ یہہ کہ سورہ برائت نے کسی صحابی کی جان نہیں بخشی بلکہ ہر ایک کی مذمت کی اور ہر ایک کی شان میں کوئی نہ کوئی آیت قدح و مذمت اُتری۔

سورہ برات کا صرف چوتھائی حصہ موجود ہے

نمبر ۲ یہہ بھی معلوم ہوا کہ اس سورہ کا تین ربع اب موجود نہیں۔ بلکہ

ایک چوتھائی رہ گیا ہو۔ اب یہ سوال قدرتاً پیدا ہوتا ہو کہ وہ تین ربع کیا ہوئے۔ جنمیں دیگر صحابہ کی مذمت بالتصریح تھی۔؟ لیکن اس کا جواب سوائے اسکے اور کچھ نہیں ہو سکتا کہ جن لوگوں کی مذمت میں آیتیں کھلی کھلی موجود تھیں اُنہوں نے اُن آیات کو جمع و ترتیب کے وقت نکال ڈالا پہلے حضرت ابوبکر کے زمانہ میں قرآن کے آیات مرتب کئے گئے تھے جیساکہ تاریخ الخلفا سیوطی میں ہو۔ اور پھر حضرت عثمان غنی کے زمانہ میں بظاہر ان ہی دونوں زمانوں کی جمع و ترتیب میں وہ آیات غائب کی گئی ہیں ورنہ اسکے علاوہ اور کوئی صورت سمجھ میں نہیں آتی۔ چونکہ جمع و ترتیب قرآن صحابہ ہی کے ہاتھوں میں تھا لہٰذا اونکو موقعہ ملا اور اُنہوں نے اپنے ذم کے آیات کو نکال باہر کردیا

جب یہ حال ہو تو کیونکر یقین بلکہ وہم بھی ہو سکتا ہو کہ آیۃ بشر الذین آمنوا ان لہم قدم صدق۔ ایسے صحابہؓ کی بابت نازل ہوا ہوگا۔ جنمیں اولاً ایمان ہی کا ثبوت نہیں۔ اور اگر ہے تو شرک و نفاق۔ اور معتوبیت الٰہی کا ثبوت۔ پس اب غور کرنا چاہیئے کہ آخر اسکا مصداق کوئی شخص ہوگا بھی یا نہیں۔ تحقیق سے ایسا معلوم ہوتا ہو کہ ایک شخص اُس وقت بھی ایسا موجود تھا۔ جسکی بابت عموم صحابہ کا خیال تھا کہ اُس سے بہتر کوئی نہیں۔ چنانچہ طبرانی سے صاحب صواعق محرقہ نے اور صواعق سے ینابیع المودۃ میں (بصفحہ ۲۳۸ سطر آخر) نقل کیا ہے۔ عن ابن عباس قال ما انزل اللہ یا ایہا الذین آمنوا الا علی امیرہا و شریفہا و لقد عاتب اللہ اصحاب محمدؐ فی غیر موضع و ما ذکر علیاً الا بخیر۔

خدا تعالیٰ نے علی کے سوا تمام اصحاب پر عتاب فرمایا ہو	جہاں جہاں خدا نے یا ایہا الذین آمنوا فرمایا ہے وہاں مؤمنین کے امیر و شریف "علی" ہیں۔ اور تمام اصحاب محمد (صلے اللہ علیہ و آلہ)

پر خدا نے جابجا عتاب فرمایا ہے مگر علی کو سوائے خیر و نیکی کے کہیں ذکر نہیں کیا۔

جس سے معلوم ہوا کہ ایک "علیؑ" ہی ایسے محفوظ رہے ہیں۔ جن کی مذمت میں کوئی آیت نہیں اُتری اور جہاں جہاں اونکا ذکر آیا ہے خیر کے ساتھ ہی آیا ہے۔ نیز یہ کہ وہی مؤمنین کے امیر و شریف ہیں۔ اُن ہی پر ایمان کا لفظ صحیح معنوں میں چسپان ہوتا ہے۔

علاوہ بریں علیؑ کے ایمان کی وہ حد ہے کہ خدا نے اونکی محبت کا حکم اپنے رسولؐ کو دیا۔ دیکھو صواعق محرقہ وینابیع المودۃ صفحہ ۲۳۴ عن بریدہ قال رسول اللہؐ ان اللہ امرنی بحب اربعۃ واخبرنی انہ یحبہم قیل یارسول اللہ سمہم لنا۔ قال "علی" منہم یقول ذالک ثلاثا والوذر ومقداد وسلمان۔

۲۔ علیؑ وہ مؤمن ہیں جنکو رسول اللہؐ نے علی منی وانا منہ فرمایا۔ دیکھو ینابیع صفحہ ۲۳۴۔ علی مجھ سے ہے اور میں اُس سے ہوں۔

۳۔ علیؑ کا ایمان اس مرتبہ پر ہے کہ انکی محبت علامت ایمان قرار پائی۔ اور بُغض ان کا علامت نفاق۔ جیسا کہ ینابیع صفحہ ۲۳۵ میں ہے۔ منقول از صواعق محرقہ کہ امیرالمؤمنین نے فرمایا "لایحبنی الا مؤمن ولا یبغضنی الا منافق"۔

۴۔ علیؑ کا ایمان اس مرتبہ کا ہے کہ ان کے چہرے پر نظر کرنا عبادت ٹھہرا۔ (دیکھو ینابیع صفحہ ۲۳۵ منقول از صواعق) ان النبیؐ قال النظر الی وجہ علی عبادۃ۔ "علی کے چہرہ کو دیکھنا عبادت ہے"۔

۵۔ علیؑ ہی وہ ایمان والے بزرگ ہیں جنکی محبت مؤمن کے صحیفہ کا عنوان ہے عن انس ان النبیؐ قال عنوان صحیفۃ المؤمن حب امیرالمؤمنین علیؑ ابن ابیطالبؑ صفحہ ۲۳۷ ینابیع چھاپ بمبئی۔

۶۔ علیؑ کا ایمان اس مرتبہ کا ہے کہ رسول اللہؐ نے اونکو اپنے سر کی بجائے فرمایا۔ عن ابن عباس قال علی منی بمنزلۃ راسی من بدنی۔ علی مجھ سے ایسا ہے جیسے سر کو نسبت بدن سے ہوتی ہے۔ صفحہ ۲۳۷ ینابیع

۷۔ علیؑ وہ صاحب ایمان ہیں کہ جنت انکی مشتاق ہے عن انس ان النبیؐ قال الجنۃ مشتاق علی ثلثۃ علی وعمار وسلمان"۔

۸۔ علیؑ ہی وہ صاحب ایمان ہیں۔ کہ خدا نے انکو قسیم جنت ونار بنایا۔ قال رسول اللہؐ یا علی انت قسیم النار والجنۃ یوم القیامۃ۔ صفحہ ۲۳۸ ینابیع المودۃ۔

۹۔ علیؑ ہی وہ صاحب ایمان ہیں جنکے ہاتھ ہی سے خدا نے صراط پر سے گذرنے کا پروانہ دیا ہے بغیر اون کے تذکرہ کے کوئی شخص صراط سے نہیں گذر سکتا۔ دیکھو ینابیع صفحہ ۲۳۸ چھاپ بمبئی۔ روی ابن السماک ان ابابکر قال لعلیؑ سمعت رسول اللہؐ یقول لایجوز احد علی الصراط الا من کتب لہ علی الجواز"۔

ابن سماک راوی ہے کہ ابوبکر صاحب نے فرمایا حضرت علیؑ سے کہ میں نے رسول اللہؐ کو فرماتے ہوئے سُنا کہ کوئی شخص صراط پر سے بغیر پروانہ راہداری علیؑ کے نہ گذر سکیگا۔"

نمبر۱۰ علیؑ ہی وہ مؤمن ہیں جن کا نام کمال اعزاز کے ساتھ دو ہزار سال قبل خلقت سماوات و ارض در باب جنت پر لکھا گیا۔ عن جابر بن عبد اللہ الانصاری قال قال رسول اللہؐ مکتوب علی باب الجنۃ قبل ان یخلق اللہ السموات والارض محمد رسول اللہ و علیؑ اخوہ۔ رواہ ابن المغازلی۔ صفحہ ۱۹۴ ینابیع المودۃ۔ جابر بن عبد اللہ سے مروی ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا دروازہ جنت پر لکھا ہوا ہے دو ہزار برس قبل کہ محمدؐ خدا کا رسول ہے اور علیؑ اُسکا بھائی ہے۔

نمبر۱۱ علیؑ ہی وہ ایمان والے ہیں جنکو امیر المؤمنین کا خطاب آدمؑ کی خلقت سے قبل دیا گیا۔ عن حذیفہ قال قال رسول اللہؐ لو یعلم الناس متیٰ سمی علی امیر المؤمنین لما انکروا فضائلہ سمی بذالک و آدم بین الروح والجسد و حین قال الست بربکم قالوا بلیٰ۔ فقال اللہ انا ربکم و محمدؐ نبیکم و علیؑ امیرکم۔ رواہ صاحب الفردوس صفحہ ۱۹۷ ینابیع المودۃ چھاپ بمبئی۔

نمبر۱۲ علیؑ ہی وہ مؤمن ہیں جنکی بابت رسول اللہؐ نے فرمایا الایمان مخالط لحمک ودمک کما خالط لحمی ودمی۔ ینابیع المودۃ صفحہ ۱۲۵ چھاپ بمبئی۔

(اے علیؑ) تمہارے گوشت و خون میں ایمان اسطرح پیوستہ ہے جیسے میرے گوشت و خون میں مخلوط ہے۔

لہذا کوئی وجہ نہیں ہے کہ یہ آیت شریفہ مذکورۃ العنوان سوائے اون کے کسی اور پر چسپاں ہو۔ در آنحالیکہ ہم دیکھتے ہیں کہ اسکے متعلق حدیث بھی ایک عالم جلیل و محدث کبیر نے وارد کی ہے۔ اور وہ حافظ ابن مردویہ ہیں۔ عن جابر ابن عبد اللہ انہا نزلت فی ولایۃ علیؑ "جابر بن عبد اللہ صحابی سے مروی ہے کہ یہ آیہ علی ابن ابیطالبؑ کی ولایت کے بارے میں نازل ہوا ہے۔" از روایح القرآن ص۲۱۶

یعنی اس آیت کے ذریعے سے بتایا گیا ہے کہ علیؑ ہی وہ مؤمن ہیں جسے تمکو اپنا ولی و آقا و امام و خلیفہ سمجھنا چاہئے ہم اُمید کرتے ہیں کہ انشاء اللہ اہل اسلام اس آیت کے مفہوم اور اس حدیث کے مضمون پر کافی غور کرکے اپنے

اپنے ایمان ویقین کو درست کرنے کی کوشش کرینگے کہ سوائے علی کے خلیفہ بلافصل کوئی نہیں اور یہ کہ اگر نجات آخرت مقصود ہے تو علیؑ کا دامن پکڑنا چاہیئے۔ نہ زید وعمرو کا واللہ الہادی۔

آیت نمبر ۴۶

ویؤت کل ذی فضل فضلہ۔ سورہ ہود ج ۱۱ ع ۱۷۔

اس سے قبل کے فقرات یہ ہیں کتاب احکمت آیاتہ ثم فصلت من لدن حکیم خبیر الا تعبدوا الا اللہ اننی لکم منہ نذیر وبشیر وان استغفروا ربکم ثم توبوا الیہ یمتعکم متاعاً حسناً الی اجل مسمی ویؤت کل ذی فضل فضلہ"

اس کتاب کے آیات محکم کیئے گئے ہیں۔ پھر مفصل کیئے گئے ہیں خدائے حکیم خبیر کی طرف سے یہ کہ تم لوگ سوائے اللہ کے کسی کی عبادت نہ کرو۔ میں تم کو عذاب سے ڈرانیوالا اور ثواب کی بشارت دینیوالا ہوں اور یہ کہ خدا سے استغفار کرو اور اُسکی طرف رجوع کرو۔ وہ تمہیں مدت معین تک اچھا سرمایہ دیگا اور ہر فضل والیکو اُس کا فضل دیگا۔ (یعنے جو سب سے زیادہ فضل رکھتا ہے اُسکے فضل کے مطابق اوسے زیادتی دیجائیگی)

| علی ابن ابیطالب افضل خلق تھے |

بحث یہ ہے کہ اس آیت میں ذی فضل سے کون مراد ہے؟ بظاہر تو اسکا رجاع اوسی طرف مناسب ہے جسکے فضل کی شہادت جناب سرور کائنات نے دی ہے اور جس نے اپنے اعمال سے دنیا پر ثابت کردیا ہو کہ وہی ایک افضل خلق بعد رسول اللہ کے ہے۔ ملاحظہ ہو کتاب مودۃ القربیٰ سید علی ہمدانی مودۃ ثالثہ نیز ینابیع المودۃ صفحہ ۲۰۴ عطار قال سئلت عائشہ عن علیؑ قالت ذالک خیر البشر لا شک الا کافر۔ عطا سے روایت ہے کہ میں نے عائشہؓ سے پوچھا علیؑ کی بابت تو کہا کہ وہ بہترین بشر ہیں اسمیں شک نہ کریگا مگر کافر"

دوسری حدیث خود حضرت علیؑ سے مروی ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا یا علی انت خیر البشر۔ ماشک فیہ الا کافر۔ ینابیع صفحہ ۲۰۴ اے علیؑ تم خیر البشر ہو اسمیں شک کرنے والا کافر ہے"

تیسری حدیث حذیفہ سے ہے علی خیر البشر ومن ابی فقد کفر علیؑ خیر البشر ہو اور جو اسکا منکر ہو وہ کافر ہے۔

چوتھی حدیث جابر سے ہے علی خیر البشر من شک فیہ فقد کفر۔

پانچویں حدیث امام محمد باقرؑ محمد بن علی علیہ السلام سے روایت ہے انہ سئل رسول اللہؐ عن خیر الناس فقال خیرہا واتقاہا وافضلہا واقربہا الی الجنۃ اقربہا منی ولا اتقی ولا اقرب لی من علی ابن ابیطالبؑ۔ ینابیع ص۲۰۱

چھٹی حدیث۔ ابن عباس سے مروی ہے کہ آنحضرتؐ نے علیؑ کی طرف نظر کی اور فرمایا انت سید فی الدنیا وسید فی الآخرۃ الخ تم ہی دنیا میں سید ہو اور تم ہی آخرت میں سید ہو۔ اور سید کے معنے سوائے افضل کے کچھ نہیں کیونکہ سید سردار کو کہتے ہیں۔ اور سردار وہی ہوتا ہے جو افضل ہو۔ (ینابیع ص۲۰۵ مودۃ القربیٰ مودۃ چہارم)

ساتویں حدیث آنحضرتؐ سے مروی ہے راوی ابن عباسؓ ہیں کہ آپ نے فرمایا افضل رجال العالمین فی زمانی علیؑ وافضل نساء الاولین والآخرین فاطمۃؑ۔ ینابیع المودۃ ص۲۱ "تمام جہان کے مردوں سے افضل ہر زمانہ میں علیؑ ہے اور تمام جہان کے عورتوں سے افضل فاطمہؑ ہے۔

آٹھویں حدیث۔ مودۃ ہفتم۔ مودۃ القربیٰ۔ ینابیع ص۲۱۔ عن جابر رضی اللہ قال رسول اللہؐ یوم یحضر المہاجرون والانصار یا علیؑ لوان احد عبد اللہ حق عبادتہ ثم شک فیک واہل بیتک انکم افضل الناس کان فی النار۔ یا علیؑ اگر کوئی شخص خدا کے خوف سے عبادت کرے پھر شک کرے تم میں یا تمہاری اہلبیت کے افضل الناس ہونے میں وہ جہنمی ہے۔

نویں حدیث مودۃ القربیٰ مودۃ ہفتم۔ ینابیع المودۃ ص۲۰۹

عن حذیفۃ الیمانؓ قال قال رسول اللہ ضربۃ علی یوم الخندق افضل من اعمال امتی الی یوم القیامۃ علیؑ کی ایک ضرب بروز خندق میری امت کے تمام اعمال سے قیامت تک افضل ہے۔

علاوہ بریں اور بھی بیشمار حدیثیں ہیں۔ جن سے امیر المومنینؑ کا افضل خلق ہونا صراحۃً معلوم ہوتا ہے حتی کہ حضرت عمرؓ نے بھی اپنے سے افضل بتایا ہے۔ چنانچہ صواعق محرقہ چھاپ مصر ص۷۶ میں ہے اور ینابیع المودۃ چھاپ بمبئی ص۲۳۹ واخرج ابو یعلی عن ابی ہریرۃ قال قال عمر ابن الخطاب

لقد اعطی علی ثلثۃ خصال لان تکون لی خصلۃ منہا احب الی من حمر النعم فسئل وما ہی قال تزویجہ ابنتہ وسکناہ فی المسجد لایحل لی ما یحل لہ والرایۃ یوم الخیبر۔ وروی احمد بسند صحیح عن ابن عمر نحوہ۔

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ علیؑ کو وہ تین باتیں حاصل ہیں کہ اگر اُن میں ایک ہی مجھکو ملتی تو میرے لیے سُرخ بال والے اونٹوں سے بہتر ہوتی۔ کسی نے دریافت کیا وہ کیا ہیں؟ کہا ایک تو یہ کہ فاطمہؑ بنت رسولؐ سے اونکا بیاہ ہوا۔ دوسرے مسجد میں اونکو ٹھیرنے کی اجازت ملی۔ اون کے لیے وہ بات وہاں حلال ہو جو میرے لیے نہیں۔ (یعنی بحالت جنابت مسجد میں ٹھیرنا مخصوص بامیرالمومنینؑ ورسالتمآبؐ تھا) تیسرے بروز خیبر علم کا ملنا۔ اس حدیث کو امام احمد نے بسند صحیح ابن عمر سے بھی روایت کیا ہے۔

اس سے زیادہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں۔ کہ علیؑ کو ایسی اٹھارہ باتیں حاصل ہیں جو اس اُمت میں کسی کو نہیں۔ صواعق محرقہ ص۷۶ واخرج الطبرانی عنہ قال کانت لعلی ثمانیۃ عشر منقبۃ ما کانت لاحد من ہذہ الامۃ ۔ علاوہ بریں آفتاب کا ان کے لیے رجعت کرنا (صواعق محرقہ ص۷۶) خانہ کعبہ کے پاس رسول اللہ کا انکو اپنے کاندہے پر چڑھانا۔ (ینابیع المودۃ ص۱۱۴) وغیرہ وغیرہ ایسے فضائل ہیں جن کا شمار اس مقام پر دشوار ہے اس صورت میں ان کے سوا کسی کو ذی فضل کہنا سخت جرات اور بدتہذیبی ہو درانحالیکہ اُسمیں اسکا نصف بلکہ عشر عشیر بھی فضل نہ ہو۔ فلہذا ماننا پڑیگا کہ اس آیۃ مذکورۃ الصدر میں ذی فضل سے مراد خاص امیرالمومنینؑ ہیں۔ علاوہ بریں اسکی تائید میں علام جلیل ابن مردویہ کا وہ کلام ہو جسمیں جناب مفتی صاحب نے روایح القرآن میں نقل کیا ہو۔ فرماتے ہیں ذوالفضل علیؑ کما نقل عن ابن مردویہ اس آیت میں ذوفضل سے مراد علیؑ ہیں جیسا کہ ابن مردویہ سے منقول ہے۔

یہ ابن مردویہ جن کا اسم گرامی ابوبکر ہے حافظ کامل محدث جلیل اور بڑے ثقہ ومعتمد ہیں۔ جنکی روایتیں درمنثور سیوطی تفسیر طبری صواعق محرقہ ینابیع المودۃ وغیرہ میں بہ کثرت مذکور ہیں۔ پس ایسے شخص کی روایت یقیناً قابل اعتماد ہوگی درانحالیکہ وجوہ عقلیہ بھی اوسکے مؤید ہیں۔ جیسا کہ اوپر بیان ہوا

ولعل اللہ یحدث بعد ذالک امرا۔

آیت ۱۷ - ج ۱۲ ع ۲ سورہ ہود

افمن کان علیٰ بینۃ من ربہ ویتلوہ شاہدٌ منہ ومن قبلہ کتاب موسیٰ اماماً ورحمۃ ومن یکفر بہ من الاحزاب فالنار موعدہ فلاتک فی مریۃ منہ انہ الحق من ربک ولکن اکثر الناس لایومنون -

ترجمہ - کیا وہ شخص جو اپنے پروردگار کی طرف سے بینۃ و دلیل پر ہو - اور اُسکے پیچھے پیچھے اوس کا گواہ (بھی موجود ہو جو اوسکی تصدیق کرتا ہو) اور اُس سے پہلے کتاب امام و رحمت بنکر (اسکی) ہو (اور وہ اُس دلیل والے (رسولؐ) کی تصدیق کرتی ہو) مثل اوس کے ہوسکتا ہی جو بالکل بلا بینہ و دلیل کے ہو) اور جو کوئی اسکا انکار کریگا (یعنے اُس دلیل والے اور اُس کے اگلے پچھلے مصدق کو نہ مانیگا) پس جہنم اوسکی وعدہ گاہ ہے - پس تم اس معاملہ میں شبہہ نہ کرو بالضرور یہہ بات حق ہی لیکن اکثر آدمی ایمان والے ہی نہیں ہیں - (کیونکہ وہ اُس دلیل والے اور اُسکے اگلے پچھلے گواہ کو نہیں مانتے)

حاصل آیت یہہ ہی کہ ہم نے ایک رسول بھیجا جسکو بینہ اور دلیل یعنے قرآن مجید اور دیگر معجزات دیئے پھر اوسکی تصدیق کے لیئے اوسی میں کا ایک شخص پیدا کیا جو اوسکی سچائی کا گواہ ہوسکے اور اُس سے پہلے موسےٰ کی کتاب نے اوس رسول کی تصدیق کردی تھی - پس اب اگر کوئی شخص اُس رسول کو اور اُسکے گواہ کو جو اوسکی تصدیق اُسکے بعد کر رہا ہے نہ مانیگا وہ جہنمی ہوگا - اسمیں بالکل شک نہ کرنا چاہیئے کہ وہ رسول اور اُسکا شاہد جو اُسکا ایک جزو ہی بالکل برحق ہیں اور اپنے رب کیطرف سے دونو حق پر ہیں - لیکن اکثر آدمی اُسے نہیں مانتے - (آخر کیا ہوگا جہنم میں جلینگے -)

موفق بن احمد نے اپنی کتاب مناقب (ص ۲۱۹ نسخہ قلمی) میں اس آیت کی بابت لکھا ہی -

قال ابن عباس ہو علی یشہد النبی وہو منہ یعنے یتلوہ شاہدٌ سے مراد علیؑ ہیں - جو رسول کی (حقیقت پر) گواہ ہیں اور آنحضرتؐ کا جزو ہیں -

فرائد السمطین میں حموینی نے لکھا ہی اپنی سند خاص جو منتہی ہوتی ہے ابن عباس تک اور زاذانی تک کہ علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا ان رسول اللہ کان علیٰ بینۃ من ربہ وانا التالی الشاہد منہ کہ رسول خدا اپنے رب کی طرف سے بینہ اور دلیل کے ساتھ تھے اور میں اونکا تالی (بعد آنیوالا)

اور شاہد ہوں جو اُن ہی سے ہوں۔ (ینابیع المودۃ صـ۸۱ چاپ بمبئی)

نیز حافظ ابو نعیم۔ امام ثعلبی اور واقدی نے باسانید خود اس مضمون کو حضرت علیؑ سے روایت کیا ہے ینابیع صـ۸۱ چاپ بمبئی۔

نیز ابن مغازلی شافعی نے عباد بن عبد اللہ سے روایت کی ہے قال سمعت علیاً کرم اللہ وجہہ یقول فی خطبۃ ما نزلت آیۃ من کتاب اللہ الا وقد علمت متی انزلت وفیمن انزلت وما من قریش رجل الا واحد نزلت فیہ آیۃ من کتاب اللہ عزوجل تسوقہ الی جنۃ او نار قال رجل یا امیر المومنین فما نزل فیک قال او ما تقرء افمن کان علیٰ بینۃ من ربہ ویتلوہ شاہد منہ الایۃ فرسول اللہؐ علی بینۃ من ربہ وانا التالی الشاہد منہ۔

ترجمہ۔ عباد کہتے ہیں میں نے سُنا علی کرم اللہ وجہہ کو وہ اپنے خطبہ میں فرماتے تھے کہ کوئی آیت قرآن کی ایسی نہیں نازل ہوئی جسکو میں نہ جانتا ہوں کہ کب نازل ہوئی اور کسپر نازل ہوئی اور کوئی شخص قریش میں سے ایسا نہیں جسکے متعلق کوئی آیت نہ آئی ہو جو اُسے جنت یا جہنم کی طرف لیجاتی ہو۔ یہ سُنکر ایک شخص اُٹھ کھڑا ہوا اور کہا یا علیؑ آپکے متعلق کون سی آیت نازل ہوئی آپنے فرمایا کیا تو نے یہ آیت نہیں پڑھی ہے افمن کان علی بینۃ من ربہ ویتلوہ شاہد (اس آیت میں) علیٰ بینۃ من ربہ سے رسول اللہؐ مراد ہیں۔ اور میں تالی شاہد ہوں جو اُن ہی سے ہوں۔ (ینابیع المودۃ صـ۸۱ چاپ بمبئی)

تفسیر درمنثور جلد ۳ صـ۳۲۴ میں بھی یہ روایت مذکور ہے علاوہ اسکے دو اور روایتیں اس مضمون کی ہیں۔ ۱۔ اخرج ابن مردویہ وابن عساکر عن علی رضی اللہ قال رسول اللہؐ علیٰ بینۃ من ربہ وانا شاہد منہ یعنے علیؑ نے فرمایا کہ علیٰ بینۃ من ربہ رسول اللہؐ ہیں اور میں شاہد ہوں اُنہیں سے۔

۲۔ واخرج ابن مردویہ من وجہ آخر عن علیؑ قال قال رسول اللہؐ افمن کان علی بینۃ من ربہ انا ویتلوہ شاہد منہ قال علیؑ۔ یعنے دوسرے طریق سے ابن مردویہ نے روایت کی ہے علیؑ سے۔ کہ

رسول اللہؐ نے خود فرمایا ہی کہ من کان علیٰ بینۃٍ من ربہ میں ہوں اور تیلوہ شاہد سے مراد علی ہیں
علامہ سیوطی نے اتقان نوع حادی والسبعین (باب ۷۱) میں یوں وارد کیا ہی عن عباد بن عبداللہ
قال قال علی مافی قریش احداً الا وقد نزلت فیہ آیت قیل لہ فما نزل فیک قال ویتلوہ شاہد
امام فخرالدین رازی نے بھی شاہد کی چار وجہوں میں سے تیسری وجہ یہ لکھی ہی۔ وثالثہا ان المراد
ہو علی ابن ابیطالب والمعنی انہ یتلو تلک البینۃ وقولہ منہ ای ہذا الشاہد من محمدؐ وبعض منہ والمراد منہ
تشریف ہذا الشاہد بانہ بعض عن محمد علیہ السلام۔ (جلد پنجم تفسیر کبیر ص ۶۸)
بالجملہ یہ مختصر سے شواہد ہیں اس امر کے کہ آیہ مذکورہ کی بابت مفسرین کا اتفاق ہے کہ اس سے مراد
علی ابن ابیطالب علیہ السلام ہیں۔ روحی لہ الفداء
اب غور طلب اس آیت کے وہ مطالب ہیں جنپر یہ آیت محترمہ مشتمل ہے۔
اوّل اسمیں شک نہیں کہ من کان علیٰ بینتہ سے مراد رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں
لیکن امام فخرالدین رازی اپنی کمال دیانتداری سے ایک قول یہ بھی نقل کردیا ہی کہ مراد
اس سے وہ یہود ہیں جو ایمان لائے تھے۔ جیسے عبداللہ بن سلام وغیرہ اور اسی کو امام صاحب نے
اظہر بتایا ہی۔ یعنے اونکی رائے میں یہی ہونا چاہیئے۔ کہ من کان علیٰ بینۃٍ سے مراد عبداللہ
بن سلام وغیرہ ہوں۔
مگر یہ نہ سمجھے کہ اگر ایسا ہوگا تو آگے کے فقرہ سے اسکو کیا ربط ہوگا۔ اور یتلوہ شاہد سے اس کو
کیا تعلق ہوگا۔
نیز لفظ کان علیٰ بینۃٍ بتاتا ہی کہ وہ شخص جسے یہ بینہ دیا گیا ہے وہ بینہ سے اُس بینہ پر قائم ہی
اور یہ بینہ عطیہ الٰہیہ ہے جو اُس سے کبھی سلب نہیں ہوسکتا۔ حالانکہ عبداللہ بن سلام وغیرہ
مُدتوں کافر رہے اگر وہ اپنے پروردگار کی طرف سے بینہ و برہان پر ہوتے تو کاہی کو کبھی
کافر رہتے۔
نیز اگر اس سے مراد عبداللہ بن سلام وغیرہ ہوں تو بحسب منشاء آیت حاصل یہ ہوگا کہ عبداللہ بن

سلام وغیرہ جو اپنے رب کی طرف سے بینہ پر ہیں ان کے برابر اور کوئی نہیں تو اس سے خلفائے ثلثہ وغیرہم سے بھی اُن قدیم یہودیوں اور تازہ مسلمانوں کی فضیلت ثابت ہوتی ہو اور معلوم ہوتا ہو کہ وہ تازہ مسلمان یہودی تو اپنے رب کے طرف سے بینہ و برہان پر ہیں اور دیگر حضرات اس سے کورے ہیں۔

نیز لفظ علیٰ بینۃ من ربہ بتا رہا ہو کہ وہ بینہ و دلیل عطیہ الٰہی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ بینہ الٰہیہ جو دلیل کا کام دیسکے وہ انبیاء و اوصیاء علیہم السلام کو دیا جاتا ہو نہ کسی اور کو۔ پس اگر اُس سے مراد عبداللہ بن سلام وغیرہ ہوں تو لازم آتا ہو کہ وہ لوگ انبیاء ہوں اور خلفائے ثلثہ اور اُن کے ہم خیال لوگوں سے بدرجہا افضل ہو جائیں۔ حالانکہ فخرالدین رازی اسے شاید تسلیم نہ کریں۔ پھر معلوم کیونکر اس رائے کو اظہر بتایا ہے۔

اور درصورتیکہ من کان علیٰ بینۃ من ربہ سے مراد رسول اللہؐ ہوں تو بینہ سے کیا مراد ہوگی اور یتلوہ سے کیا؟ اسکو بھی امام فخرالدین رازی نے صاف کرنا چاہا ہو اور کہا ہو کہ بینہ سے مراد قرآن ہے۔ اور یتلوہ کے معنے اوسکو تلاوت کرنے کے ہیں۔ یعنے محمد علیہ السلام کو قرآن دیا گیا ہو جسکو تلاوت کرتا ہے شاہد جو اُس سے ہے۔

پھر شاہد کے معنے بتائے ہیں کہ مراد اس سے یا جبرائیل ہیں۔ یا آنحضرتؐ کی زبان ہے۔ یا علی ابن ابیطالب علیہ السلام ہیں۔ یا آنحضرتؐ کی شکل و صورت و عادات و افعال ہیں۔

پہلے خیال کی رکاکت تو اسی سے ظاہر ہے کہ شاہد کے بعد منہ واقع ہو جو بتا رہا ہو کہ وہ گواہ اُسی محمد کا) ایک حصہ ہوگا اور جزو ہوگا۔ لیکن معلوم ہو کہ جبرئیل علیہ السلام آنحضرتؐ کا نہ جزو ہیں اور نہ آنحضرتؐ کی نسل سے ہیں اور نہ اونکی قوم سے ہیں۔

دوسرے خیال کی رکاکت اس سے ظاہر ہے کہ کسی کی سچائی کا گواہ وہی معتبر ہو سکتا ہو جو اقلاً اُس شخص سے الگ اور بظاہر منکر ہو اوسکی زبان اگر اُس کے گواہ تو دنیا میں کوئی شخص جھوٹا قرار ہی نہ پا سکے۔ اسلیئے کہ وہ کہہ سکتا ہے کہ میں سچا ہوں آخر یہ کون سی منطق ہو۔

چوتھے خیال کی رکاکت بھی واضح ہو اسلیئے کہ اسصورت میں یتلوہ کے معنے کچھ نہ بنینگے۔ کیونکہ

شکل و شمایل آنحضرتؐ کے قرآن کی تلاوت نہیں کرتے تھے -

باقی رہا تیسرا خیال یعنے کہ مراد اُس سے علی ابن ابیطالب علیہ السلام ہوں۔ اسمیں کوئی مضائقہ نہیں ہے - کیونکہ آپؑ شاہد صدق رسول کے بھی ہو سکتے ہیں۔ اور آپ تلاوت قرآن کرنے والے بھی تھے اور ایسے تلاوت کرنے والے کہ اُن سے بہتر کوئی شخص عارف قرآن نہ ہوا ہے نہ ہوگا - اس وقت میں منہ بھی درست ہو جائیگا - کیونکہ آنحضرتؐ نے بارہا فرمایا ہو ہو منی وانا منہ علی مجھ سے ہو اور میں اُس سے ہوں -

درصورتیکہ مراد من کان علی بینۃ سے اصحاب رسول اور عبداللہ بن سلام وغیرہ ہوں - تو امام رازی صاحب اس موقع پر لکھتے ہیں کہ بینہ سے مراد تو قرآن ہے مگر شاہد سے مراد ممکن ہو کہ قرآن ہی ہو کیونکہ اوسکی فصاحت و بلاغت وغیرہ اوسکی سچائی کی گواہ ہو - اور ممکن ہے کہ محمد علیہ السلام مراد ہوں -

لیکن ہم نے سابقًا اسکی رد بیان کردی ہو کہ علی بینۃ من ربہ سے مراد اصحاب نہیں ہو سکتے ورنہ لازم آئیگا کہ وہ لوگ ایلیا ہو جائیں جو ناممکن ہے -

آگے چلکے فراء وغیرہ کا قول نقل کیا ہے کہ یتلوہ شاہد سے مراد انجیل ہے مگر خود ہی ان دونو خیالوں کو کمزور بھی کیا ہے اور کہا ہو کہ خیال اول اقوی و اتم ہے - یعنے کہ علی بینۃ من ربہ سے مراد رسول اللہ ہیں -

مگر تعجب ہو کہ پہلے تو اصحاب رسول اور عبد اللہ بن سلام وغیرہ کے مراد ہونے کو اظہر بتا آئے ہیں اور پھر پہلے قول یعنے خود آنحضرتؐ کے مراد ہونیکو اقوی بتا رہے ہیں عجیب تہافت ہے بات یہ ہو کہ اصل معاملہ پر پردہ ڈالنے کے لیے یہ سب تدبیریں کی گئی ہیں کہ آیت میں اتنے احتمال پیدا کردو کہ کسی کو یقین نہ ہو سکے کہ اس سے مراد کیا ہو اور مقصود آیت کس امر کا بیان کرتا ہو اور یہی حال تمام آیات کی تفسیر میں ہے کوئی آیت ایسی نہیں جسمیں دو چار دس احتمال نہ لکھدیے ہوں تاکہ قرآن ایک معمہ بنجائے اور کوئی شخص اسکی کنہہ حقیقت سے واقف نہو سکے -

ورنہ رازِ سربستہ فاش ہو جائیگا - حالانکہ خدا تعالیٰ خود ہی اس قرآن میں فرماتا ہی واللہ متم نورہ ولو کرہ الکافرون اللہ اپنے نور کو کامل کرکے چھوڑیگا چاہے منکرین کو کتنی ہی کراہت ہو لہذا ممکن نہیں کہ حق پر پردہ پڑسکے - الحق ابلج حق روشن ہو وہ چھپائے سے نہیں چھپ سکتا۔

کیا آپنے نہیں دیکھا کہ ایک امام فخر الدین رازی کے چھپائے سے کیا ہوا کتنے ہی محدثین وعلما ہیں جو بتا گئے کہ من کان علیٰ بینۃ سے مراد رسول خدا ہیں اور یتلوہ شاہد سے مراد علی ابن ابیطالب علیہ السلام ہیں -

اس سے آگے چلکر آپنے تحقیق الگ لکھی ہے (دیکھو تفسیر کبیر جلد پنجم ص ۶۹) کہ مراد من کان سے رسول اللہ ہیں - اور بینہ سے مراد دلائل عقلیہ ہیں - جو آپ کو دیئے گئے تھے اور شاہد سے مراد وحی الہی ہے - جو آپ پر نازل ہوتی تھی - اور کتاب موسےٰ کے امام ورحمت ہونے سے یہ مقصود وہ وحی ہو جو حضرت سے قبل نازل ہو چکی ہے ان تینوں کے مجتمع ہوجانے کے بعد معاملہ حد یقین کو پہونچ جاتا ہی -

لیکن واضح رہے کہ یہ تدبیر بھی اس غرض سے کیگئی ہے کہ کوئی شخص شاہد سے مراد حضرت امیر المومنینؑ کو نہ سمجھ لے ورنہ کام بگڑ جائیگا مگر یہ غور نہ کرسکے کہ اس صورت میں لفظ منہ بالکل بے معنی ہو جائیگا - کیونکہ وحی کی جزئیت آخر کس چیز سے متعلق ہوگی - نیز وحی کا شاہد ہونا بھی کوئی معنے نہیں رکھتا اسلیئے کہ اگر وحی کی شہادت کافی ہوتی تو کفار ومشرکین آنحضرتؐ کے رسول ہونے سے کیوں منکر ہوتے لیکن معلوم ہے کہ باوجود ہزاروں مرتبہ وحی نازل ہونے کے پھر مشرکین آنحضرتؐ کے منکر ہی رہے - علاوہ بریں وحی کا شاہد ہونا بھی کسی طرح سمجھ میں نہیں آتا کیونکہ اس صورت میں مرزا غلام احمد قادیانی اور دیگر مدعیان نبوت بھی کہہ سکینگے کہ ہم نبی صادق ہیں کیونکہ ہماری گواہ وہ ہماری وحی ہے جو ہم پر نازل ہوتی ہے خصوصاً مسلمہ کذاب بالضرور سچا نبی ہو جائیگا اسلیئے کہ اُس نے سینکڑوں آیتیں بنا کر پیش کردی تھیں -

خلاصہ یہ کہ سب حق پوشی کی باتیں ہیں۔ ورنہ اصل معاملہ کو وہ بھی خوب سمجھتے تھے۔ البتہ حجدوا بہا واستیقنتہا انفسہم کے مصداق تھے۔

(دوم) احادیث سابقہ نے قطعی طور پر بتایا ہے کہ مراد لفظ شاہد سے حضرت امیر المؤمنین علی ابن ابیطالب علیہ السلام ہیں جسکے صحیح ہونے کے کئی وجوہ ہیں۔

ایک یہ کہ امیر المؤمنین جیسے بزرگ جامع الکمالات کا رسول اللہ کی تصدیق کرنا اور انکو سچا رسول سمجھنا صاف گواہی دے رہا ہے کہ بالضرور آنحضرت برحق رسول خدا تھے ایک ایسا شخص جس کے علم و معرفت کی کوئی انتہا نہ ہو جسکی بابت دنیا نے اقرار کر لیا ہو کہ علم کے دس حصوں میں سے نو حصے خالص علیؑ کے پاس تھے اور دسواں حصہ تمام دنیا کو تقسیم کیا تھا جسمیں سے انکا ہی حصہ تھا۔ (دیکھو ینابیع ص۶۵)

ایک ایسا شخص جسکی شجاعت کا کوئی پایان نہ معلوم ہو سکے جسکی تلوار کی آنچ عمرو و مرحب جیسے شخص نہ برداشت کر سکیں۔ جس نے تمام عرب کی ہزار سالہ بہادری کو تن تنہا خاک میں ملا دیا۔ جس نے بڑے بڑے گردن کشوں کی کمریں گردنیں اپنے آگے خم کرالیں۔ جس نے بہادری میں رستم و اسفندیار کے نام کو چھپا دیا۔

ایک ایسا شخص جسکی قوت کا اندازہ خیبر کے در دروازہ سے ہوتا ہو جس نے اتنے بڑے دروازہ کو اپنی انگلیوں کی قوت سے اوکہاڑ لیا ہو اور خندق پر پل بنا دیا ہو جس نے خانہ کعبہ پر سے گڑھے ہوئے بتوں کو اوکہاڑ زیر زمین گرا دیا ہو اور ریزہ ریزہ کر ڈالا ہو۔ جس نے خالد جیسے پہلوان کے گلے میں لوہا موڑ کر طوق بنا کر ڈال دیا اور وہ اسے جدا نہ کر سکا ہو۔

ایک ایسا شخص جسکے جود و سخا نے حاتم کے نام پر پانی پھیر دیا ہو۔ ایک ایسا شخص جسکی ہمت نے دشمن کو تلوار اپنی دیدینے پر مجبور کیا ہو۔

ایک ایسا شخص جسکی رحمدلی نے راتوں کو بیواؤں اور یتیموں کو شبہائے تار میں روٹیاں پہونچائی ہوں ایک ایسا شخص جسکی طلاقت لسانی اور فصاحت بیانی نے سحبان وائل کیا بلکہ مجموع خطبہائے عالم

باج لے لیا ہو۔ اور سب کے کلام کو اپنے کلام سے نیچے کر دیا ہو۔

ایک ایسا حکیم جسکے پہلوں سے حکمت کی دہاریں بہتی ہوں۔ اور جسکی زبان نے لاکھوں حکمت کے جواہر ریزے علی طرف التمام رکھ دیئے ہوں۔

ایک ایسا واعظ جسکے مانند آجتک کسی کو گوش عالم نے نہ سُنا اور چشم عالم نے نہ دیکھا جو ایک جُملہ میں ہزاروں دلوں پر قابو پالے۔

ایک ایسا ذکی الطبع اور قوی الذہن شخص جسنے ہزاروں مشکل معمے مجرد زبان سے نکلنے کے حل کر دیئے اور ہزاروں مسئلوں میں دنیا کو ایسی تعلیم دی جو اُس سے قبل کبھی نہ ہوئی تھی۔

ایک ایسا شخص جس نے محض اپنی طباعی سے علم نحو و علم جفر کی تصنیف کی۔

ایک ایسا شخص جس نے عمر بھر جو کی روٹیاں کھاکر اور دن بھر روزہ رکھکر ہزار ہزار رکعتیں نماز کی راتوں میں پڑھیں۔

ایک ایسا شخص جس نے علم الاخلاق و سیاست و تمدن و تدبیر المنزل کو اس پیمانہ پر بیان کر دیا جس سے زائد نہ ارسطو کی تصنیفات میں ملسکتا ہے نہ کسی اور حکیم کی۔

ایک ایسا شخص جو بالکل مجمع الاضداد تھا۔ فقر میں غنی۔ ضعف میں قوی۔ عبادؔ میں شجاع۔ بے تعلمی میں حکیم۔ بے زری میں جواد۔ انفراد میں ہزار۔

ایک ایسا شخص جس نے سینکڑوں غیب کی باتیں بیان کیں۔ اور کُل صحیح نکلیں۔

ایک ایسا شخص جس کے ہاتھ پر سینکڑوں عجائبات ظاہر ہوئے جنہیں اہل اسلام معجزات کہتے ہیں جب کسی کا تابع ہوگا اور اُسے اپنے سے افضل بنائیگا تو بالضرور یہہ بات بہت بڑی گواہی ہوگی اُس متبع کے سچے ہونے کی۔ چنانچہ ایسا ہی ہؤا کہ باوجود اس فضل و کمال کے آپ رسول اللہ کے تبع تھے۔ جسنے دنیا پر ثابت کر دیا کہ بالضرور آنحضرت سچے رسول ہیں۔

دوسرے یہہ کہ عقلا نے تسلیم کر لیا ہے کہ علی ابن ابیطالبؑ بھی منجملہ معجزات رسولؐ کے ایک عظیم ترین معجزہ تھے جنکے اقوال و حرکات و سکنات و اقوال اعجازیہ نے رسول اللہ کے اعجاز کو

امر بھی بلند کردیا اور بتا دیا کہ بالضرور آنحضرتؐ سچے رسول اور برحق نبی ہیں۔ جبکہ اونکا پیرو اس قوت و حکمت و اعجاز کا آدمی ہے۔

تیسرے یہہ کہ اکثر اقوال رسول اللہ کی تصدیق آپ سے ہوئی۔ مثلاً آپنے کسی جنگ کے فتح ہونیکی خبر دی اور وہ امیر المؤمنینؑ کے ہاتہوں پر فتح ہوئی تو معلوم ہوگیا کہ بیشک رسول سچے ہیں اور اپنے دعوٰی میں بالکل برحق جیسا کہ غزوہ خیبر میں ہوا کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کل میں ایسے شخص کو علم دونگا جسکے ہاتھ پر خدا تعالیٰ فتح دیگا۔ پھر صبح کو جناب امیر کے ہاتھ میں علم دیا اور آپنے قلعہ کو فتح کرلیا جس نے رسول خداؐ کی سچائی کو ثابت کردیا۔

رسول اللہؐ نے معراج کے واقعات کی خبر دی اور امیر المؤمنین نے بغیر سنے ہوئے اون سب کو ایک ایک کرکے بیان کردیا جسنے بتا دیا کہ بیشک جو کچھہ آنحضرتؐ نے فرمایا ہے وہ صحیح ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

(سوم) آپکے منجانب اللہ شاہد قرار پانے نے آپکی عظمت اس حد پر بڑہا دی کہ عقل اُس کے اندازے قاصر ہے۔ اسلیئے کہ شاہد کے دو ہی مقصود ہو سکتے ہیں۔ ایک یہہ کہ آپ رسول اللہ کی رسالت و نبوت اور صداقت کے گواہ ہیں۔ دوسرے یہہ کہ آپ ناظر احوال اُمت و شاہد اُمت ہیں اگر شاہد سے امر اول مقصود ہو تو آپ کی عظمت اوسی حد پر نظر آئیگی جس حد پر رسول اللہؐ کے رسالت کی عظمت ہے۔ اسلیئے کہ آنحضرتؐ خاتم المرسلین اور افضل النبیین ہیں۔ لہذا آپکا شاہد و مصدق بھی دنیا کے تمام شاہدوں و مصدقوں سے افضل ہوگا۔

نیز یہہ کہ چونکہ غایت و غرض و مقصود خلقت عالم بعثت ہو جناب سرور کائنات علیہ و آلہ التحیۃ والصلواۃ کی اور آخری غرض صرف آپ کی نبوت ہو اور اسے قیامت تک باقی رکھنا ہو۔ اور اسی پر دنیا کو ختم کرنا ہے لہذا یہہ نبوت اعظم نبوات ہو پس اس کا شاہد و مصدق بھی اعظم شاہدین میں سے ہوگا۔

اور اگر شاہد سے مراد ناظر احوال اُمت ہو جو دیگر انبیاء کی حالت تھی کہ وہ بھی ناظر احوال اُمت

اور اُن کے شاہد تھے جیسا کہ متعدد آیات قرآنیہ اس مطلب کو بتا رہے ہیں۔ فکیف اذا جئنا من کل امۃ بشھید وجئنا بک علیٰ ھؤلاء شھیدا۔ (پس کیا حال ہوگا جبکہ ہم ہر اُمت میں سے ایک شاہد لائینگے اور اے رسولؐ تم کو اُن سب پر شاہد بنا کر لائینگے) اور مثلاً آیت کذالک جعلناکم اُمۃً وسطاً لتکونوا شھداء علی الناس ویکون الرسول علیکم شھیدا (اسطرح ہم نے تم کو اُمت عادل بنایا ہے کہ تم تمام آدمیوں کے شاہد ہو۔ اور (محمد رسول اللہ) تمہارے شاہد بنے۔ تو اس سے جناب امیر المومنینؑ کی وہی عظمت ثابت ہوتی ہو۔ جو دیگر انبیاء کی ہے بلکہ اُس سے زیادہ جیسا کہ ہم آئیندہ اس آیت کے ذیل میں لکھینگے۔

ازبسکہ لفظ یتلوہ شاہد میں کوئی تخصیص نہیں ہو اس وجہ سے خاصکر ناظر احوال اُمت مراد لینا یا خاص شاہد نبوت مراد لینا کوئی ضروری نہیں۔ بلکہ امیر المومنین علیہ السلام میں دونو ہی جہتیں موجود تھیں۔ اسلیئے کہ آپ مصداق اول رسالت کے تھے۔ شاہد نبوت تھے اور اسلیئے کہ خلیفہ رسول تھے ناظر احوال اُمت بھی تھے۔ پس آپ دونوں وجہوں سے شاہد تھے اور آپکے لیئے اتنی فضیلت بس ہو۔

(چہارم) یتلوہ کا جملہ خاص طور پر آپ کی خلافت بلافصل کو بھی ثابت کرتا ہو۔ اسلیئے کہ خلیفہ اوسی کو کہتے ہیں جو کسی کے بعد کسی کی جگہ پر کام کرے۔ اور تالی کے معنے بھی بعد آنیوالے کے ہیں۔ اور جو شاہد کہ رسول کے بعد بلا فاصلہ آوے اور اُسکی اُمت کا ناظر و ناظم ہو وہی خلیفہ بلافصل ہو اور لفظ تالی چونکہ متصلاً بعد آنے والیکو کہتے ہیں اسلیئے کہ یہی لفظ اثبات خلافت بلافصل کے واسطے کافی ہے۔

(پنجم) لفظ منہ نے اور بھی خلافت بلافصل کے مسئلہ کو قوی کردیا کیونکہ رسول کا خلیفہ وہی ہوسکتا ہو جو اُس رسول کی ذریت و اخوان سے ہو نہ کوئی اور ہمیشہ سے یہی قانون الٰہی دنیا میں جاری رہا ہو۔ یہی وجہ ہو کہ آپ انبیائے سابقین کی فہرست میں کوئی نبی یا وصی ایسا نہ پائینگے جو غیر خاندان رسالت سے ہو قرآن مجید بھی اس مطلب پر نص کرتا ہو۔ چنانچہ ایک مقام پر فرماتا ہے۔

وجعلها کلمۃ باقیۃ فی عقبہ لعلہم یرجعون۔ (ج ۲۵ ع ۸) امامت کو خدا نے نسل بنی ابراہیم میں قیامت تک کے لئے باقی رکھا تاکہ لوگ (بوقت حاجت) اوسکی طرف رجوع کرسکیں۔ دوسرے مقام پر ربنا واجعلنا مسلمین لک ومن ذریتنا امۃ مسلمۃ لک ای پروردگار ہم دونوں (ابراہیم واسمٰعیل) کو کو اپنا مسلم بنا اور ہماری ذریت میں سے بھی اُمت مسلمہ بنا۔

ظاہر ہے کہ جناب ابراہیم علیہ السلام یہہ دعا اپنے مسلمان ہونے کے لئے نہیں کرتے بلکہ اُس عہدہ کی کرتے ہیں جسے عہدہ نبوت وخلافت الٰہیہ کہا جاتا ہی۔ اسلیے کہ حضرت ابراہیم اور اسمٰعیل سے بڑھ کر کون مسلمان ہوسکتا ہی تو کیا اپنے مسلمان ہونے کی دعا کرکے تحصیل حاصل کے مرتکب ہوئے ہرگز نہیں۔ بلکہ اس عہدہ جلیلہ کی دعا کرتے ہوئے عرض کی ہے کہ خدایا ہم کو تو ہم دونوں کو اپنا مطیع ومنقاد بنا اور ہماری ذریت میں سے بھی ایک گروہ کو اُمت مسلمہ بنا۔ (یہہ جملہ بھی اس امر کو بتا رہا ہی کہ مطلق مسلمان ہونے کی دعا آپ نہیں کرتے ورنہ یہہ کہنا کیا معنی رکھتا ہی کہ صرف ایک گروہ کو ہماری ذریت میں سے مسلمان بنا۔ نبی تو تمام دنیا کا مسلمان ہونا چاہتا ہی چہ جائیکہ اپنی نسل کا پس اگر صرف مسلمان ہونا مراد ہوتا تو آپ یوں دعا کرتے کہ خدایا تو ہماری تمام نسل کو مسلمان بنا نہ یہہ کہ صرف ایک گروہ کو۔ اور جب کہ آپنے اپنی ذریت سے صرف ایک گروہ کے اُمت مسلمہ ہونیکی دعا کی ہی۔ لہذا اُس سے سوائے نبوت وخلافت الٰہیہ کے دعا کے اور کوئی امر مقصود نہیں ہوسکتا)

رہا یہہ کہ اُمت مسلمہ لک یا مسلمین لک کیوں فرمایا؟ اسکی وجہ واضح ہے وہ یہہ کہ نبی اور رسول یا وصی رسول سے زیادہ مطیع ومنقاد خدا کا کوئی نہیں ہوتا لہذا ملزوم کی جگہ لازم کا اطلاق کیا گیا ہی۔ جو عام محاورہ عرب کے مطابق ہے۔

تیسری جگہ فرمایا ہی ربنا وابعث فیہم رسولاً منہم اے ہمارے پروردگار ہماری ذریت میں۔ اُن ہی میں سے ایک رسول مبعوث کر۔ جس سے معلوم ہوا کہ یہی قانون الٰہی ہے کہ رسول کی ذریت ہی سے رسول ونبی مبعوث ہوتے ہیں۔

چوتھی جگہ جناب زکریا کی دعا میں فرمایا ہے کہ حضرت زکریا خدا سے یوں دعا کر رہے ہیں رب هب لی من لدنک ذریۃ طیبۃ انک سمیع الدعاء۔ خدایا تو ہمیں ذریت پاک معصوم دے۔ تو بالضرور دعا کا قبول کرنیوالا ہے۔

یہی وہ دعا ہے جو دوسری جگہ اسطرح مذکور ہے هب لی ولیاً یرثنی ویرث آل یعقوب۔ خدایا تو مجھکو ایسا ولی (فرزند) عطا کر جو میرا اور آل یعقوبؑ کا وارث ہو سکے۔

اس آیت میں بھی نبوت کا نسل نبی میں ہی رہنا ثابت ہوتا ہے۔

پانچویں جگہ فرمایا ہے ووهبنا له اسحٰق ویعقوب کلاً هدینا ونوحاً هدینا من قبل ومن ذریته داؤد وسلیمان وایوب ویوسف وموسیٰ وهارون وکذالک نجزی المحسنین۔ ہم نے ابراہیمؑ کو اسحاق ویعقوب سا نبی (فرزند دیا اسحٰق بیٹے اور یعقوب پوتے ہیں) اور نوح کو اور سب کو ہمنے ہدایت کی اس سے قبل ہدایت کی تھی اور (پھر) ابراہیم کی ذریت میں سے داؤد سلیمان ایوب یوسف۔ موسیٰ اور ہارون کو ہدایت کی (یعنے نبی بنایا) اور اسیطرح ہم نیکو کاروں کو بدلہ دیتے ہیں۔

چھٹی جگہ فرمایا ہے ومن آبائهم وذریاتهم واخوانهم واجتبیناهم وهدیناهم الی صراط مستقیم ہمنے ان کے آباء واجداد اور ذریات اور بھائیوں میں سے (بعض کو بھی چنا) اور انکو برگزیدہ (معصوم) بنایا اور راہ راست کی ہدایت کی

ساتویں مقام پر حکایت قول جناب ابراہیمؑ میں فرماتا ہے ومن ذریتی قال لاینال عهدی الظالمین یعنے جبکہ خدا تعالیٰ نے حضرت ابراہیم سے کہا کہ انی جاعلک للناس اماما۔ ای ابراہیم میں تمکو تمام آدمیوں کا امام بناتا ہوں تو حضرت ابراہیم نے عرض کی ومن ذریتی یعنے میری نسل میں سے امام بنا تو پروردگار عالم نے جواب دیا کہ جو ظالم ہو گا اُسے امام نہ بنایا جائیگا ہاں جو تمہاری ذریت سے عادل ہوگا وہ امام ہو گا۔

اس سوال و جواب نے بھی اس عقدہ کو حل کر دیا کہ امامت وخلافت ہمیشہ نسل رسول یا اخوان رسول میں ہوتی ہے نہ اس سے باہر۔ پس کیونکر ممکن ہے کہ آدمؑ سے لیکر علیؑ تک تو یہی قانون رہا ہو

کہ نبی کا وصی اُس نبی کی ذریت و اخوان سے ہوتا آیا اور رسول اللہ کے بعد یہہ قانون ٹوٹ گیا ہرگز ہرگز ممکن نہیں اور نہ اسکی کوئی وجہ ہو ہاں اگر ذریت نبی میں عہدہ نبوت اور کار خلافت کی انجام دہی کے قابل کوئی شخص نہ رہے تو البتہ کہیں اور سے تلاش کی ضرورت پڑیگی۔ لیکن جبکہ خدا فرماتا ہے۔ وجعلها کلمۃ باقیۃ فی عقبہ یہہ امامت تو نسل ابراہیم میں قیامت تک باقی رہیگی۔ تو کوئی وجہ نہیں کہ نسل ابراہیمی کے معصومین کی موجودگی میں جو اخوان و ذریت رسول خدا سے بھی ہیں کبھی اور خلافت مل سکے۔

اس مطلب کو لفظ شاہد منہ بتا رہا ہو یعنے کہ جو شاہد و ناظر امت ہمارے رسولؐ کے بعد ہونیوالا ہو وہ اُسی کا ایک جزو ہو اور اُسکے بعد جو ہونگے وہ سب ایسے ہی جزو ہیں

(ششم) اسی لفظ منہ کی تفسیر ہے جو آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ نے وقتاً فوقتاً ارشاد فرمایا کہ علی منی و انا منہ علی مجھ سے ہے اور میں اُس سے ہوں۔ یعنے دونوں مثل ایک جان دو قالب کے ہیں۔ (کتاب کنوز الدقائق) ینابیع المودۃ ص ۱۳۹

نبی و علی ہر دو نسبت بہم　　دوتا و یکے چوں زبان قلم

پھر فرمایا ہے علی منی و انا من علی ولا یؤدی عنی الا انا و علی علی مجھ سے ہے اور میں علی سے ہوں اور میرا کام انجام نہیں دے سکتا الا میں یا علیؑ جسمیں تصریح ہو خلافت بلا فصل کی۔ یعنی کار رسالت و نبوت کا انصرام یا مجھ سے ہو سکتا ہے یا علی سے۔ نہ زید و عمر و بکر سے۔

پھر فرمایا ہو حسینؑ منی و انا من حسینؑ حسینؑ مجھ سے ہے اور میں حسینؑ سے ہوں۔ یعنی حسینؑ کو بھی خلافت اس وجہ سے ملی ہو کہ وہ میری قرابت سے ہے (ینابیع ص ۱۳۴ چھاپ بمبئی)

پھر فرمایا ہے من احب ان یرکب سفینۃ النجاۃ و یتمسک بالعروۃ الوثقی و یعتصم بحبل اللہ المتین فلیوال علیاً بعدی فلیوال علیاً بعدی ولیعاد عدوہ ولیاتم بالائمۃ الھداۃ من ولدہ فانہم خلفائی و اوصیائی۔ جو کوئی یہہ چاہو کہ کشتی نجاۃ پر اور عروہ محکم کو پکڑے (جو ٹوٹ نہ سکے) اور خدا کی مضبوط رسی سے معتصم ہو تو چاہیئے کہ میرے بعد علیؑ (میرے بھائی کی) ولایت رکھے اور اُسکے

دشمنوں سے عداوت اور اُن اماموں کی اقتدا کرے جو اوسکی اولاد سے ہونگے کیونکہ وہی لوگ میرے اور میرے اوصیاء ہیں (دیکھو مودۃ عاشرہ مودۃ القربیٰ اور دیکھو ینابیع المودۃ صفحہ ۲۱۲)

اب بھی دنیا کو اگر خلفاء کے مسئلہ میں تردد ہو تو تعجب کی بات ہو گی کیونکہ اس سے زیادہ توضیح مسئلہ خلافت کی ناممکن ہے۔ ہر طرح سے آنحضرتؐ نے اپنی اُمت پر حجت تمام کر دی ہے۔ کبھی منی اور منہ کہکے بتایا کہ میرے خلفاء وہ ہونگے جو مجھ سے اور میری اہلبیت سے ہوں۔ کبھی تصریح کرکے بتایا کبھی نام بنام توضیح کی ہے کبھی ایک اجمالی لفظ من ولدہ میں اسے ظاہر کیا ہے۔ مگر دنیا ہے کہ عقل کے ساتھ دشمنی کیئے ہی جاتی ہے۔ اور ایسوں کو پاتے ہوئے دوسروں کی طرف دوڑی جا رہی ہے۔ جو ان کے گرد قدم کو بھی نہیں پہنچ سکتے اور نہ کسی طرح جائز خلفائے رسول ہو سکتے ہیں اسلیئے کہ آپنے جنکو اپنا خلیفہ بنایا ہی اونکو ہٹا کر دوسروں کو خلیفہ بنانا قطعاً ناجائز فعل اور خلاف مرضی خدا و رسول ہے۔

(ہفتم) لفظ منہ کی خوبی کا اندازہ کرنا اُسی وقت ممکن ہے جبکہ یہ اندازہ ہو سکے کہ رسول خدا کس پیمانہ کے آدمی تھے۔ لیکن معلوم ہے کہ آپ کی عظمت کا اندازہ بالکل فوق طاقت بشری ہے کیونکہ وہی ایسے بزرگوار ہیں جو اول مخلوق الٰہی ہیں وہی اول نور الٰہی ہیں وہی سبب خلقت عالم ہیں۔ وہی رحمۃ للعالمین ہیں۔ وہی تمام انبیاء کے گواہ ہیں۔ وہی باعث نجات انبیاء ہیں۔ وہی ملائکہ کے مخدوم ہیں۔ وہی ملائکہ کے معلم ہیں۔ اُن ہی سے عہد نبوت ملائکہ و انبیاء سے روز الست لیا گیا ہے۔

اور جب ایسا ہے تو جو شخص کہ اُن کا نفس ہو گا۔ جیسا کہ آیہ مباہلہ کا جملہ انفسنا و انفسکم بتا رہا ہے۔ جو شخص اونکا جزو ہو گا۔ جیسا کہ حدیث علی منی وانا منہ بتا رہی ہے جو شخص مثل سر رسول ہو گا جیسا کہ علی منی بمنزلۃ راسی من جسدی بتا رہی ہے (دیکھو صواعق محرقہ صفحہ ۷۵ سطر ۸ چھاپہ مصر) جو شخص کہ رسول کی روح کے قائم مقام ہو جیسا کہ حدیث علی منی بمنزلۃ روحی من جسدی بتا رہی ہے (دیکھو ینابیع المودۃ)

اُس کے فضل کا اندازہ کون کرسکتا ہو اور کس کے پاس وہ عقل ہے جو اس عظمت کی تہ تک پہونچ سکے اور ایسا شخص موجود ہے جسے خود پروردگار عالم منہ فرما رہا ہے جسے انفسنا سے تعبیر کیا جا رہا ہی جسے تالی رسول بتا رہا ہو جسے شاہد اُمت بتا رہا ہے تو اُسکے سوا خلافت اولیہ کا مستحق کون ہوسکتا ہی نہیں بلکہ خلافت کا ثبوت بھی یہی ہے اگرچہ دنیا نہ مانے ۔ لیکن اگر بعد اس اتمام حجت کے بھی نہ مانے تو پھر اُس جملہ کا استحقاق ہوگا من یکفر بہ من الاحزاب فالنار موعدہ

(ہشتم) جملہ من یکفر بہ من الاحزاب فالنار موعدہ ایک پیشین گوئی ہے قرآن مجید کی اور معجزہ ہی کلام الٰہی کا ۔ جسکا ظہور بعد آنحضرت کے ہوا یعنی یہ کہ اس حضرت نے بتا دیا کہ ہم سب کچھ کہے جاتے ہیں لیکن گروہ کا گروہ ہوگا جو اس کا منکر ہوگا چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ بجرد آنحضرت کی آنکھہ بند ہونیکے دنیا نے تمام نصوص سے آنکھیں بند کرلیں اور تمام آیات کی تصریحات سے چشم پوشی کرلی پھر منا امیر و منکم امیر کا نعرہ سقیفہ میں بلند کیا پھر ایک غیر مستحق شخص کو انتخاب کرکے النار موعدہ کا وعدہ پورا کرالیا۔

اور جیسا کہ اس آیت نے یہ بتایا کہ اس ہماری کلام سے ضرور انکار کیا جائیگا اوسیطرح ہاتھ لگے ۔ یہ بھی بتا دیا کہ انجام اسکا جہنم ہے اور وعدہ گاہ ایسے لوگوں کی نار ہی یہی وہ لوگ ہیں جنکو رسول اللہ نے فرمایا ہے کہ کچھ لوگ میرے اصحاب سے ایسے ہونگے جنکو مرنے کے بعد نہ میں دیکھونگا اور نہ وہ مجھے دیکھینگے ۔
آخر دیکھیں کیونکر آپ تو جنت اور علیین میں رہینگے اور یہ لوگ جہنم میں پھر کیونکر ملاقات ہوسکیگی

(نہم) تاکیداً یہ بھی خدا تعالیٰ نے فرما دیا کہ فلا تک فی مریۃ منہ اے رسول تم اس باب میں شک کرنا کہ جو کچھ ہم نے اسی آیتہ میں کہا ہے وہی درست ہو یعنے کہ علی تمہارے بعد شاہد اُمت ہی ۔
اگرچہ بظاہر یہ خطاب آنحضرت سے ہے مگر باطناً اس سے اُمت کو تنبیہ کرنا ہی اور بتانا ہے کہ

دیکھو یہ ایسا معاملہ ہے جسمیں شک وشبہہ کرنا بالکل جائز نہیں - بالضرور ہمارا رسول علی بینۃ من ربہ اور علی تالی شاہد منہ ہے۔

(دہم) تاکید در تاکید کے طور پر یہ بھی فرما دیا کہ انہ الحق من ربک بیشک ولایت علی حق ہے یا خود علی حق ہے تمہارے رب کی طرف سے جسکی دوبارہ تفسیر آنحضرت نے فرمائی - علی مع الحق والحق مع علی (ینابیع صـ۴۶) پھر یوں تفسیر فرمائی الحق مع علی حیث ما دار (ینابیع صـ۴۷)

اور یہ بھی فرمایا کہ ان الحق معک والحق علی لسانک فی قلبک وعین عینیک - (ینابیع المودۃ صـ۱۰۱)

اے علی حق تمہارے ساتھ ہے - حق تمہاری زبان پر ہے حق تمہارے دل میں ہے اور حق تمہاری آنکھوں کے سامنے ہے - جسکے معنے اور کچھہ نہیں ہوسکتے سوائے اسکے اگر دنیا میں کہیں حق ملسکتا ہے تو علی کے پاس سے کیونکہ وہ خود حق ہے اور حق انکے اردگرد محیط ہے - زبان ودل وچشم سب میں اور سب کے سامنے حق ہی حق ہے - اور جب ایسا ہے تو انکا دامن چھوڑنا حق کو چھوڑنا ہے اور حق کا چھوڑنا بعینہ باطل کا اختیار کرنا ہے - پس اگر یہ آیت آیت قرآن ہے اور یہ حدیثیں حدیث رسول برحق ہیں تو دنیا میں سوائے متمسکین دامن علیؑ کے سب باطل پر ہیں اور ہی ایک علامت باطل پرستی کی ہے کہ علیؑ کو چھوڑکر دوسروں کو اختیار کر لیا گیا ہے - غضب تو یہ کیا گیا کہ صرف دامن چھوڑنے پر اکتفا نہیں کی گئی - بلکہ اوروں کو افضل بتایا گیا اور ترتیب یوں قایم کی گئی ہے افضل اُمت حضرت ابوبکر پھر عمر - پھر عثمان - حالانکہ خدا تعالی فرماتا ہے ویتلوہ شاہد منہ وہ خلیفہ جو شاہد اُمت ہوکر ہماری طرف سے آئیگا وہ ہمارے رسولؐ کا ایک جزو ہوگا اور اُس سے ہوگا - پھر کیونکر ممکن ہے کہ رسول یا جزو رسول سے کوئی شخص افضل ہوسکے درانحالیکہ اوسمیں وہ باتیں بھی موجود ہوں جو اُسے انسانیت محضہ کے طبقے سے بھی گھٹا رہی ہوں فافہم ولا تعجل واللہ الہادی الی صراط المستقیم۔

آیت نمبر ۴۸

بقیۃ اللہ خیر لکم ان کنتم مؤمنین - اے قوم خدا بقیہ (یعنے خدا کی باقی رکھی ہوئی نعمت) تمہارے

بہتر ہے اگر تم ایمان والے ہو۔
مفسرین اسلام نے تو جہانتک ہوسکا ہے اس امر میں پوری کوشش کی ہے کہ اصل مفہوم آیت کا کسی طرح کسی کی سمجھ میں نہ آئے اتنے اختلافات اور خیالات ایک ایک لفظ کے لیئے تفسیروں میں لکھہ دیئے ہیں کہ انسان کو اُنہیں پڑہنے کے بعد سوائے صفر کے اور کچھہ ہاتھ نہیں لگتا وہ گھبرا جاتا ہے کہ آخر میں اتنے خیالات میں سے کسپر یقین کروں اور کیونکر سمجھوں کہ انمیں سے فی الحقیقت مقصود باری تعالی کیا ہے اور اگر کہیں امر واقعی کو لکھا بھی ہے تو اسطرح عام آرائے مختلفہ کے درمیان کہ ناظر کو کبھی اطمینان نہ ہو سکے۔ کہ واقعی یہی مراد خدا ہے۔
اس مصیبت میں قرآن مجید تیرہ سو برس سے چلا آتا ہے۔ قتادہ کچھہ فرماتے ہیں۔ حسن بصری کچھہ کہتے ہیں۔ ابن عباس کی کوئی رائے ہے ابن مسعود الگ رائے دے رہے ہیں۔ مجاہد کا الگ خیال ہے ابی بن کعب کچھہ ارشاد فرماتے ہیں۔ حضرت عبد اللہ بن عمر کچھہ بول رہے ہیں۔
غرض جتنے موہنہ اُتنی ہی زبانیں اور جتنی زبانیں اُتنے ہی اقوال۔ اب آدمی یقین کرے تو کیونکر اور سمجھے تو کیا اُسپر اضافہ یہہ کہ خود مفسر بھی کوئی نہ کوئی رائے اپنی پیش کر دیتا ہے۔ جو دس پر ایک نمبر اور اضافہ ہو جاتا ہے۔
چونکہ انمیں سے کوئی ایسا نہیں جسکو معصوم سمجھا جائے اور یقین ہو کہ جو کچھہ کہتا ہے وہ صحیح منجانب اللہ کہتا ہے اسکی کوئی وجہ نہیں کہ کسی وقت تفسیر آیات کے کوئی اطمینانی پہلو نکل سکے۔ مگر جو کچھہ بھی ہے صرف اس وجہ سے ہے کہ جسے رسول خدا نے تفسیر قرآن کے لیئے قرآن کے ساتھہ ساتھہ کر دیا تھا اور فرما دیا تھا علی مع القرآن و القرآن مع علی (صواعق محرقہ صـ۷۴ چھاپہ مصر۔ ینابیع المودۃ باضافہ لن یفترقا حتی یردا علی الحوض۔ صـ۷۴ چھاپ بمبئی۔ فرائد السمطین حموینی) اور فرما دیا تھا انا دار الحکمۃ و علی بابہا۔ میں شہر علم ہوں اور علی اُسکا دروازہ ہے۔ انا مدینۃ العلم و علی بابہا۔ میں شہر علم ہوں اور علی اُسکا دروازہ ہے۔ اور فرما دیا کہ انی تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ و عترتی اہلبیتی۔ ان تمسکتم بہما لن تضلوا بعدی و لن یفترقا حتی یردا علی الحوض۔ اُس کا دامن اہل دنیا نے

چھوڑ دیا - اور اپنی رائے و خیال کو تفسیر قرآن میں دخل دیکر اتنے اختلافات ایک ایک لفظ میں پیدا کر دیئے - کہ آج آدمی کوئی فیصلہ کسی مطلب کے صحیح ہونے کے متعلق نہیں کر سکتا -

لیکن جہاں ایسے لوگ ہوئے ہیں وہاں وہ بھی ہو گذرے ہیں جنہوں نے بلا خوف لومۃ لائم حق کو بھی لکھدیا ہی اور دنیا کو ظلمت جہل میں رکھنا پسند نہیں کیا -

دیکھیے یہی لفظ وجہ ہے جو یبقیٰ وجہ ربک میں واقع ہو کوئی کہتا ہی کہ مراد اس سے خدا کا چہرہ ہی اور کوئی کہتا ہی کہ ذات خدا مراد ہی - چنانچہ امام فخر الدین رازی نے تفسیر کبیر جلد ہشتم صفحہ ۲۳ یہی اختیار کیا ہی[1] اور وجہ بمعنی چہرہ کو فرقہ مجسمہ کا قول لکھا ہی - اور کسی نے ایسا لفظ لکھدیا ہی جس سے کچھ بھی سمجھ میں نہ آئے - جیسے تفسیر در منثور جلد ششم صفحہ ۱۴۳ میں ہی کہ حمید بن بلال نے کہا قال رجل یرحم اللہ رجلاً اتی ھذا الآیۃ ویبقیٰ وجہ ربک ذوالجلال والاکرام قال اللہ بذالک الوجہ الکافی الکریم - یعنے ایک شخص نے کہا کہ خدا رحم کرے اُس پر جو اس آیۃ کو پڑھے اور خدا سے اس وجہ کافی کریم کے واسطے سوال کرے -

اس سے کچھ سمجھ میں نہ آیا - کہ آخر وجہ سے مراد کیا ہی - اسی طرح جعلھا کلمۃ باقیۃ میں عکرمہ کا قول ہی کہ اس سے اسلام مراد ہی - مجاہد کا قول ہی کہ اخلاص مراد ہی ابن عباسؓ کا قول ہے کہ لا الہ الا اللہ مراد ہی (دیکھو تفسیر در منثور جلد ششم صفحہ ۱۶)

امام رازی نے تفسیر کبیر جلد ۷ صفحہ ۴۲۴ میں البتہ اسقدر فرمایا ہی کہ ان ابراہیم جعل ھذہ الکلمۃ باقیۃ فی عقبہ اے ہی ذریتہ فلا یزال فیھم من احد اللہ ویدعوا الی توحیدہ لعلھم یرجعون ای لعل من اشرک منھم یرجع بدعایۃ من وحد منھم - یعنے ابراہیم نے اس کلمہ کو اپنی نسل میں چھوڑا - پس ہمیشہ کوئی نہ کوئی ایسا موحد انکی نسل میں رہیگا جو دعوت توحید کرسکے - جس سے مشرک لوگ رجوع (الی اللہ) کریں

[1] حالانکہ اس رائے کی غلطی اس سے واضح ہی کہ ذات خدا اگرچہ بیشک ابدی دھری ہی لیکن وہ زمین کی چیزوں میں سے نہیں ہی اور خدا تعالیٰ فرماتا ہی کہ زمین کی تمام چیزیں فنا ہو جائینگی مگر وجہ رب باقی رہیگی - جس سے معلوم ہوتا ہی کہ وجہ رب سے کوئی ایسی چیز مراد ہے جو خاص زمین سے تعلق رکھتی ہو -

مگر یہ نہ بتایا کہ نسل ابراہیمی میں دعوت اسلام کرنے والا (جو نبی ہوگا یا امام) کون ہے اور ہمیشہ جو ہمیشہ رہیگا وہ کون ہے اور آج مثلاً نسل ابراہیمی کی کون سی فرد ہے جو مستحق دعوت الی الاسلام ہو سکے۔ اسلیئے کہ دعوت الی الاسلام ہر شخص کا کام نہیں ہے اسلیئے کہ معصوم کی ضرورت ہے جو یا نبی ہوگا یا امام و خلیفہ نبی۔ بہر حال یہہ ہے حال مفسرین کا۔ اور اونکی تفسیر ونکا۔ جس سے امر حق پانا بالکل دشوار بلکہ ناممکن ہوگیا ہے پھر بھی حق چونکہ کبھی چھپا نہیں رہتا اس لیئے اوسکا نمایاں ہو کر رہنا لازم ہے۔ چنانچہ امام مدقق محقق کامل محدث جلیل نور الدین ابن صباغ مکی مالکی نے اپنی کتاب فصول مہمہ کے آخر میں علامات ظہور امام محبت منتظر قائم علیہ السلام کو بیان کرتے ہوئے لکھدیا ہے۔ (فصول مہمہ ورق ۲۹۵ نسخہ قلمی موجودہ کتبخانہ ناصریہ لکھنؤ) فاذا خرج اسند ظہرہ الی الکعبۃ واجتمع الیہ ثلثمائۃ وثلاثۃ عشر رجلاً من اتباعہ فاول ماینطق بہ ہذہ الآیۃ بقیۃ اللہ خیر لکم ان کنتم مؤمنین" ثم یقول انا بقیۃ اللہ وخلیفتہ وحجتہ علیکم فلایسلم علیہ مسلم الاقال السلام علیک یا بقیۃ اللہ فی الارض۔ یعنے امام حجۃ منتظر جب ظہور کرینگے تو خانہ کعبہ سے سہارا کر کے کھڑے ہونگے۔ اور تین سو تیرہ آدمی آپکے اتباع سے جمع ہونگے تو پہلے آپ یہہ آیہ کریمہ پڑھینگے بقیۃ اللہ خیر لکم پھر فرمائینگے میں بقیۃ اللہ ہوں۔ اور اُس کا خلیفہ۔ اور اُسکی حجت ہوں تمپر۔ پھر ہر سلام کرنے والا آپ پر یہی کہکے سلام کریگا۔ کہ السلام علیك یا بقیۃ اللہ"

اس سے بتصریح معلوم ہوگیا کہ بقیۃ اللہ سے مراد وہ امام ہے جو نسل ابراہیم سے باقی رہیگا۔ وہ ہادی ناس۔ خلیفۃ اللہ۔ اور حجت خدا ہوگا۔ جس سے وہ بھی مراحل طے ہوگئے کہ جلعہا کلمۃ باقیۃ میں کلمہ باقیہ سے اور یبقی وجہ ربک میں وجہ رب سے کیا مراد ہے اس مقام پر ناظر کو ذرا تامل کر کے سوچنا چاہیئے کہ عقدہ مخل ہے۔ واللہ الہادی۔

آیت ۴۹ ج ۱۳ ع ۷ سورہ رعد

وفی الارض قطع متجاورت وجنات من اعناب وزرع ونخیل صنوان وغیر صنوان یسقی بماء واحد۔ زمین میں ایک دوسرے سے ملے ہوئے ٹکڑے ہیں۔ اور انگوروں کے باغ ہیں اور زراعت ہے

اور خرما کے درخت ہیں۔ جوڑواں اور فرد فرد جو سب کے سب ایک ہی پانی سے سینچے جاتے ہیں۔
یہ ایک تمثیل ہے جو پروردگار نے پیش کی ہے۔ نہ محض زمین کے قطعات اور انگوروں کے باغ کا
بیان۔ جو "دندان تو جملہ در دہان اند" کے مشابہ ہو جائے۔ یہ تو سبھی جانتے ہیں کہ زمین کے
قطعات ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں اُسمیں باغات بھی ہیں۔ پھر ایسی چیز کے بیان سے
فائدہ کیا۔ جو ہر شخص کو بداہتہً معلوم ہو۔ لیکن دراصل یہ مقصود نہیں۔ بلکہ تمثیل مقصود ہے۔ یعنی جسطرح
زمین کی حالت ہے اوسیطرح نوع انسان کی بھی حالت ہے۔ کہ آپسمیں ایک دوسرے کی صورت
سے ملے جلے ہوئے ہیں۔ مگر کوئی نیک ہے کوئی بد۔ کوئی عالم ہے کوئی جاہل۔ کوئی فائدہ رسان
کوئی محض ناکارہ۔ کوئی متحد الطبع ہے۔ کوئی مختلف المزاج۔ مگر سب کے سب ایک ہی منبع فیض سے
سیراب ہوتے ہیں با ایں ہمہ کوئی بُرا ہوتا ہے اور کوئی اچھا۔ جیسے اشجار زمین کہ آب باران
سب کو سینچتا ہے مگر کسی سے میٹھا پھل پیدا ہوتا ہے کسی سے پھیکا۔ کسی سے کڑوا کسی سے کسیلا۔ وغیرہ وغیرہ

باراں کہ در لطافت طبعش خلاف نیست — در باغ لالہ روید و در شورہ بوم خس

اسیطرح کوئی مقام تعجب نہیں اگر انسان بھی متخالف الطبع اور متضاد الحالات ہوں۔ دیکھو رسول اللہ
کا اور مزاج ہے اور ابوجہل کا اور۔ علی کا اور مزاج ہے اور عمر کا اور سلمان کا اور مزاج ہے
ابوبکر کا اور ابوذر کی طبیعت اور طرح کی ہے عثمان کی اور طرح کی وغیرہ وغیرہ
پس انہیں بعض تو صنوان ہیں یعنی جوڑواں کی کہ ایک ہی جڑ سے دونو نکلے ہیں جیسے محمد و
علی علیہما الصلواۃ والسلام اور بعض غیر صنوان ہیں جیسے ابوبکر و سلیمان مثلاً۔ اسلیئے ضروری
ہے کہ جو متفق الاصل ہیں اون کے آثار اور ہونگے اور جو مختلف الاصول اون کے آثار اور
چنانچہ ایسا ہی دنیا میں محسوس و مشاہد بھی ہیں۔ کل اناء یترشح بما فیہ۔
کوئی ایسا ہے کہ روح القدس سے اوسکی تائید ہوتی ہے اور کوئی ایسا کہ شیطان اُس پر ہر وقت

سوار رہتا ہے۔ چنانچہ خود حضرت ابوبکر فرماتے ہیں ان لی شیطانا یعتربنی فاذا رایتمونی رغبت
فقومونی۔ دیکھو تاریخ الخلفاء صـ ۴۹ صواعق محرقہ مطبوعہ محمدی لاہور صـ ۱۹

کوئی ایسا ہی جسکی بابت آنحضرتؐ فرماتے ہیں کہ اخبرنی جبرائیل انہ مر بعلیؑ وھو یرعیٰ فرود ا لہ

وھو نائم ؕ قد ابدی بعض جسدہ قال فردوت علیہ ثوبہ فوجدت برد ایمانہ قد وصل الی قلبی (مناقب

موفق بن احمد فصل ثالث صہ ۸۸ نسخہ قلمی) مجھے جبرائیلؑ نے خبر دی کہ وہ علیؑ کے پاس سے ہوکر

گذرے اور وہ اپنا گلہ چراتے ہوئے سوگئے ہیں۔ اور کوئی حصہ جسم کھلا ہوا تھا تو اُنہوں نے

اسپر کپڑا ڈالدیا (جبرئیلؑ کہتے ہیں کہ) پس میں نے علیؑ کے ایمان کی خنکی اپنے دلمیں محسوس کی،

اور یہہ کہ لوان السموٰت والارض فی کفتہ ووزن ایمان علی لرجح ایمان علی"

یہہ روایت حضرت عمرؓ سے ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا اگر آسمان وزمین ایک پلہ میں اور صرف علیؑ کا

ایمان دوسرے پلہ میں رکھکر تولا جائے تو علیؑ کا ایمان بھاری نکلیگا (دیکھو مناقب موفق

بن احمد صہ ۸۸ نسخہ قلمی فصل ثالث)

صہ ۳۴

اور کوئی ایسا ہی جسے رسول اللہ فرماتے ہیں ان الشرک لاخفی فیکم من دبیب النمل (جامع صغیر جلد دوم

شرک ہم لوگوں میں چیونٹی کی چال سے بھی زیادہ خفی ہے)

بہرحال یہہ صورت ہے انسانوں کی۔ مگر انہیں محمدؐ و علیؑ دونوں کی مثال بالکل اُس نخل کی ہی

جو ایک جڑ سے نکلکر اوپر دو ہوگئے ہوں۔ چنانچہ حافظ ابوبکر ابن مردویہ نے اس آیت کی تفسیر

کے موقعہ پر جابر بن عبداللہ سے روایت کی ہے کہ انہ سمع النبیؐ یقول الناس من شجر شتی

وانا وانت یا علی من شجرۃ واحدۃ ثم قرا النبیؐ آیہ۔ اُنہوں نے سُنا رسول خداؐ کو فرماتے ہوئے

کہ تمام لوگ مختلف شجر سے ہیں اور میں اور تم اے علیؑ ایک شجر سے ہیں۔ پھر آپنے اس کلام

کے بعد آیت مذکورہ پڑھ دی۔ جس سے آپنے ظاہر فرمادیا کہ قرآن مجید میں صنوان وغیر صنوان

کا لفظ ہمارے اور دیگر لوگوں کی تمثیل میں ہے۔ پس میں اور علی تو صنوان ہیں یعنی ایک شجر سے

اور دیگر اشخاص اثمار مختلفہ اور اصول مختلفہ سے ہیں۔

اس روایت کو میبذی نے امام ثعلبی سے اپنی شرح دیوان مسمی بہ فواتح میں بھی نقل کیا ہے۔

(فواتح القرآن صہ ۲۲۳)

اور اسی روایت کو ابن حجر مکی نے بھی صواعق محرقہ صفحہ ۱۲۲ چھاپہ مصر میں لکھا ہے اور ینابیع المودۃ صفحہ ۲۱۲ میں بھی مذکور ہے۔ یہی روایت مودۃ القربیٰ کی مودت رابعہ میں ہے جسکے الفاظ یہ ہیں خلقت انا وعلی من شجرۃ واحدۃ والناس من اشجار شتےٰ۔

اور دوسری روایت بھی مودۃ القربیٰ میں ہے۔ خلق الانبیاء فی اشجار شتےٰ وخلقنی وعلیاً من شجرۃ واحدۃ۔ فانا اصلہا وعلی فرعہا والحسن والحسین اثمارہا واشیاعنا اوراقہا الخ جن سب کا حاصل یہ ہے کہ امیر المومنین اور جناب رسولخدا ایسے متحد و متفق ہیں کہ انہیں تفرقہ کرنا بالکل دشوار ہے جو فضائل ایک کو حاصل ہیں وہی دوسرے کو بھی حاصل ہیں اگر فرق ہے تو صرف نبوت اور وصایت کا ایک رسول ہے دوسرا ایک منیب ہے اور دوسرا نائب ہے جیسا ینابیع صفحہ ۲۱۲ میں ہے۔ کہ آنحضرت نے امیر المومنین سے مخاطب ہوکے فرمایا یا علی خلقنی اللہ وخلقک من نورہ فلما خلق آدم علیہا السلام اودع ذالک النور فی صلبہ فلم نزل انا وانت شیئاً واحداً ثم افترقنا فی صلب عبد المطلب ففی النبوۃ والرسالۃ وفیک الوصیۃ والامامۃ۔ ای علیؑ خدا نے مجھہ کو اور تم کو اپنے نور سے خلق فرمایا پس جب آدمؑ کو پیدا کیا تو اُس نور کو اونکی صلب میں ودیعت کردیا پس ہم اور تم برابر ایک رہے پھر صلب عبد المطلب میں آکر جدا ہوئے تو مجھہ میں نبوت و رسالت آئی اور تم میں وصایت و امامت۔

یہی وجہ تھی کہ اول سے آخر تک جہاں دیکھیے گا امیر المومنین کو ساتھہ ساتھہ رسول اللہ کا پائیگا۔ عرش پر ساتھہ باب جنت پر ساتھہ۔ بیت المقدس میں ساتھہ۔ سدرۃ المنتہیٰ پر ساتھہ آستانہ صابیل پر ساتھہ۔ چنانچہ آنحضرت سے منقول ہے (دیکھو ینابیع المودۃ صفحہ ۲۱۲ نقل از مودۃ القربےٰ) انی رایت اسمک مقروناً باسمی فی اربعۃ مواطن فلما بلغت البیت المقدس فی معراج الی السماء وجدت علی صخرۃ بہا لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ایدتہ بعلی وزیرہ ولما انتہیت الی سدرۃ المنتہی وجدت علیہا انی انا اللہ لا الہ الا انا وحدی محمد صفوتی من خلقی ایدتہ بعلی وزیرہ ونصرتہ بہ۔ ولما انتہیت الی عرش رب العالمین فوجدت مکتوباً علی قوائمہ

انی انا اللہ لا الہ الا انا و محمد حبیبی من خلقی ایدتہ بعلی وزیرہ ونصرتہ بہ - فلما وصلت الی الجنۃ وجدت مکتوبا علی باب الجنۃ لا الہ الا انا و محمد حبیبی من خلقی ایدتہ بعلی وزیرہ ونصرتہ بہ - (اے علی) میں نے تمہارا نام اپنے نام کے پاس ہی چار مواقع میں دیکھا (ایک) جبکہ بوقت معراج بیت المقدس میں پہونچا تو ایک پتھر پر لکھا ہوا دیکھا لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ ایدتہ بعلی و وزیرہ (دوسرے) جب سدرۃ المنتہی پر پہونچا تو وہاں یہ لکھا ہوا پایا - انی انا اللہ لا الہ الا انا وحدی محمد صفوتی من خلقی ایدتہ بعلی وزیرہ ونصرتہ بہ -

(تیسرے) جبکہ عرش تک پہونچا تو اُس کے قوائم پر لکھا ہوا پایا انی انا اللہ لا الہ الا انا محمد حبیبی من خلقی ایدتہ بعلی وزیرہ ونصرتہ بہ -

(چوتھے) جب جنت میں پہونچا تو دروازہ جنت پر لکھا ہوا دیکھا لا الہ الا انا محمد حبیبی من خلقی ایدتہ بعلی وزیرہ ونصرتہ بہ -

دوسری روایت مجاہد کی ہے ابن عباسؓ سے قال قال رسول اللہؐ لما عرج لی الی السماء رایت علی باب الجنۃ مکتوبا لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ علی ولی اللہ الحسن والحسین صفوۃ اللہ فاطمۃ امۃ اللہ وعلی مبغضیھم لعنۃ اللہ (ص ۲۴۴ مناقب موفق بن احمد نسخہ قلمی) یعنے رسول خداؐ نے فرمایا کہ جب مجھکو آسمان پر بلند کیا گیا تو میں نے دروازہ جنت پر لکھا ہوا دیکھا لا الہ الا اللہ الخ (اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں محمد اللہ کا رسول ہے اور علیؑ اسی کا ولی - اور حسنؑ و حسینؑ برگزیدۂ خدا ہیں اور فاطمۃؑ اوسکی کنیز اُن سے بغض رکھنے والوں پر خدا کی لعنت ہے -)

تیسری روایت بھی مناقب میں موفق بن احمد نے لکھی ہے ص ۲۷۹ فنظر النبی فاذا بین کتفی صرصائیل (بظاہر صلصائیل ہے) مکتوب لا الہ محمد الرسول اللہ علی ابن ابیطالب مقیم الحجۃ - نبی خدا نے نظر کی تو دیکھا کہ صرصائیل فرشتے کے بازوں پر لکھا ہوا لا الاہ الا اللہ الخ یعنے اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے محمد اُس کا رسول ہے اور علی ابن ابیطالب حجۃ خدا کو قائم کرنیوالا ہے - یہ سابقہ

اسی جگہ نہیں ختم ہوتا بلکہ قیامت تک مسلسل ہے چنانچہ ینابیع المودۃ فارسی صفحہ ۲۵۴ میں ہے اخرج احمد اعطیت

فی علی خمساً ہے فی الدنیا و ما فیہا اما الواحدۃ فہو تکائی بین ید اللہ حتی یفرغ من الحساب و اما

الثانیۃ فلواء الحمد بیدہ و من ولدہ تحتہ و اما الثالثۃ فواقف علی حوض من عرف من امتی و ام الرابعۃ

فساتر عورتی و سلمی الی اللہ عزوجل - وام الخامسۃ قلت فاخشٰے علیہ ان یرجع زانیاً بعد احصادہ

ولا کافر بعد ایمان - رواہ امام الاحمد فی مسندہ - ینابیع صفحہ ۱۹۳

اور کیونکر نہ ہو کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے صنوان و غیر صنوان یسقی بماء واحد - لہذا اول میں بھی ساتھ

رہے جیسے انا و علی من نور واحد بتا رہی ہے اور آخر میں بھی ساتھ ہیں جیسا کہ حدیث عبد الرحمن انصاری

بتا رہی ہے - قال رسول اللہ اعطیت فی علی تسعاً ثلثۃ فی الدنیا و ثلثۃ فی الاخرۃ و اثنان

ارجوہما و واحد اخاف علیہ - اما الثلثۃ فی الدنیا فساتر عورتی و قائم بامری و وصیی فیہم -

و اما الثلثۃ فی الاخرہ فانی اعطی یوم القیامۃ لواء الحمد فادفعہ الی علی ابن ابیطالب فیحملہ عنی و اعتمد

علیہ فی مقام الشفاعۃ و یعیننی علی مفاتیح الجنۃ و اما الثانی ارجوہما بعد فانہ لا یرجع بعدی ضالاً

ولا کافراً و اما التی اخاف علیہ فغدر قریش بہ " یعنی رسول خدا نے فرمایا کہ علی کو نو باتیں عطا

کی گئی ہیں اونمیں سے تین دنیا میں ہیں اور تین آخرت میں اور دو وہ ہیں جنکو میں امید رکھتا ہوں

اور ایک وہ ہے جس کا مجھ اون کے متعلق خوف ہے - وہ تین باتیں جو دنیا میں ہیں یہ ہیں کہ وہ میرے

مرنے کے بعد میرے پردہ دار ہونگے اور میرے امر کو قائم کرینگے اور امت کے درمیان میرے وصی ہونگے

اور وہ تین باتیں جن کا تعلق آخرت سے ہے یہ ہیں کہ وہاں مجھے لواء الحمد عطا ہوگا پس میں اوسے

علی کو دیدونگا وہی اوسکو میری طرف سے اٹھائے ہونگے اور میں مقام شفاعت میں انپر تکیہ کیے ہونگا

اور وہ درہائے جنت کے کھولنے میں میری اعانت کرینگے اور دو باتیں جنکی قوی امید ہے یہ ہیں

کہ وہ میرے بعد نہ گمراہ ہو سکتے اور نہ کافر بن سکتے اور وہ بات جس کا مجھ خوف ہے وہ ان کیساتھ

قریش کی بیوفائی و دغا بازی ہے -

یہ وہ باتیں تھیں جنکو حضرات خلفائے ثلثہ بھی جانتے تھے اور دیگر اشخاص بھی جیسا کہ کبھی کبھی اس کا

اقرار بھی کر لیا گیا ہے چنانچہ امام موفق بن احمد اخطب خطبائے خوارزم نے اپنی کتاب مناقب صفحہ ۲ (نسخہ قلمی) میں لکھا ہے کہ حضرت عمر نے فرمایا کانت لاصحاب محمد ثمانیۃ عشر سابقۃ فخص منہا علی بثلثۃ عشر و شرک فی الخمس (مناقب موفق بن احمد صفحہ ۲)

حضرت محمدؐ کے اصحاب کو اٹھارہ سابقہ حاصل تھے جنمیں سے تیرہ تو خاص علیؑ کے لئے تھے۔ اور پانچ میں وہ دوسروں کے شریک تھے۔

غالباً ان ہی فضائل پر نظر کر کے حضرت عمر نے فرمایا ہے۔ بابی انتم بکم ہدانا اللہ وبکم اخرجنا من الظلمات الی النور "میرا باپ تم پر (اے علی) فدا ہو۔ تمہارے ہی باعث سے ہم کو خدا نے ہدایت دی اور تمہاری ہی بدولت ہمکو تاریکیوں سے روشنی میں لایا۔ (مناقب خطب خوارزم صفحہ ۵۹)

اگرچہ بعد اس کے حضرت عمر نے اپنی اس کلام کی کچھ رعایت نہ کی اور بے انتہا بُرا برتاؤ امیرالمومنینؑ سے کیا جیسا کہ دنیا کو معلوم ہے مگر میں نے ان روایات کو اسلیئے لکھدیا ہے کہ اہل اسلام غور کریں کہ علی ابن ابیطالب علیہ السلام کیسے انسان تھے اور کیا کچھ اُن کے فضائل و کمالات تھے کہ حضرت عمر وغیرہ بھی جو بعد وفات رسولؐ اُن سے مخالف ہو گئے وہ بھی اون کے فضل و کمال کے معترف تھے اور اقرار کرتے تھے کہ تم ہی سے ہم نے ہدایت پائی اور تمہاری ہی وجہ سے ہم کو ظلمت کفر سے نجات ملی لہذا حق کے جویاؤں کو اس سے سبق لینا چاہیئے اور اپنے دین و ایمان کو ان ہی روایات و آیات کے ذریعہ سے جلد سے جلد درست کر دینی لازم ہے قبل اس کے کہ جو موقعہ ہاتھ سے نکل جاوے۔ اور یا حسرتے علی ما فرطت فی جنب اللہ کہنا پڑے۔

آیت ۵۰ (ج ۱۳ ع ۸ سورہ رعد)

افمن یعلم انما انزل الیک من ربک الحق کمن ھو اعمیٰ انما یتذکر اولوا الالباب۔ کیا وہ شخص جو جانتا ہے کہ جو کچھ تمپر (اے رسول ہمارے) نازل کیا ہے وہ بالکل برحق ہے مثل اُسکے ہوگا جو اندھا (جاہل) ہو اسکو تو صرف عقل والے ہی سمجھ سکتے ہیں" یعنے وہ شخص جو تمام وحی آسمان کو جس کا نزول رسول اللہؐ پر ہوتا رہا حق سمجھتا ہو ہرگز اوسکے برابر وہ نہیں ہو سکتا جو اس بات سے جاہل ہو اور پھر امر

عاقلوں کے ہی سمجھنے کا ہے۔

اس آیت کے متعلق ابن مردویہ نے اپنی اسناد سے ابن عباس سے تخریج کی ہے۔ افمن یعلم انما اُنزل الیک من ربک الحق۔ میں اس عالم سے مراد علی ابن ابیطالب ہیں۔ (روائح القرآن ص ۲۲۸)

اور عقل بھی اسی کو بتاتی ہے۔ کہ علم علی علیہ السلام کی وہ حد تھی کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا انا مدینۃ العلم وعلیؑ بابہا۔ میں شہر علم ہوں اور علی اُس کے دروازہ ہیں۔ فصول مہمہ ابن صباغ مالکی ورق ۲ نسخہ قلمی)

اور فرمایا اعلم اُمتی من بعدی علی ابن ابیطالبؑ (میری تمام اُمت میں زیادہ علم والا علی ہے) (مناقب موفق بن احمد ص ۵ نسخہ قلمی)

اور فرمایا قسمت الحکمۃ علی عشرۃ اجزاء فاعطی علی عشرۃ والناس جزء واحد حکمت کے دس حصے ہیں نو حصے خاص علیؑ کو دیئے گئے ہیں اور ایک حصہ اور لوگو نکو۔ اور فرمایا انا مدینۃ العلم وعلی بابہا فمن اراد العلم فلیات الباب میں شہر علم ہوں اور علی اُس کا دروازہ ہیں۔ پس جو کوئی علم کا قصد کرے اُسے چاہیئے کہ دروازہ میں سے آوے۔" (مناقب موفق بن احمد ص ۵۱)

اور فرمایا یھنئک العلم یا اباالحسن لقد شربت العلم شرباً ونھلتہ نہلاً۔ (مناقب اخطب خوارزم ص ۵۲) گوارا ہوئے علی تم کو علم تمنے علم کو پی لیا جو حق ہے پینے کا اور اُس سے سیراب ہوئے جو حق ہو سیراب ہونیکا)

اور فرمایا اقضاہم علی ابن ابیطالب سب سے زیادہ صحیح فیصلہ کرنیوالا علی ہے۔ (دیکھو مناقب اخطب خوارزم ص ۱۱ نسخہ قلمی فصل ہفتم۔)

عبداللہ ابن عباس کہتے تھے العلم ستۃ اسداس لعلی من ذالک خمسۃ اسداس وللناس سدس ولقد شارکنا فی السدس حتی لہو اعلم بہ منا۔ علم کے پانچ حصے تو صرف علی کے پاس ہیں۔ اور چھٹا حصہ اوروں کے پاس مگر علی اُس چوتھے حصے میں بھی ہمارے شریک ہیں۔ بلکہ اوس کو بھی ہم سے زیادہ جانتے ہیں۔ (مناقب اخطب خوارزم ص ۵۴ نسخہ قلمی)

حق دانی اور قرآن دانی کی یہ حالت ہے کہ خود فرماتے تھے سلونی عن کتاب اللہ فانہ لیس من آیۃ الا وقد عرفت بلیل نزلت ام بنہار ام فی سہل ام فی جبل۔ تم لوگ مجھ سے کتاب خدا کو پوچھ لو کیونکہ

کوئی آیت نہیں جس کو میں نہ جانتا ہوں کہ رات کو اُتری یا دن کو ہموار زمین میں اُتری یا کوہستان میں
(دیکھو مناقب اخطب خوارزم صہ ۵٦ نسخہ قلمی فصل ہفتم)

اس مقام پر ابن صباغ مالکی اپنی کتاب میں بڑے جوش کے ساتھ لکھتے ہیں فصارت الحکمۃ من الفاظ ملتقطۃ والعلوم الظاہرۃ والباطنۃ بفوادہ مرتبطہ لم یزل بحار العلوم تتفجر من صدرہ ویطفو عبابہا الی ان قال صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انا مدینۃ العلم وعلی بابہا حکمت تو اُن کے الفاظ سے چنی جاتی تھی اور علوم ظاہرہ و باطنہ اُن کے دل سے بندھے ہوئے تھے - برابر علموں کے دریا اُن کے سینے سے پھوٹ بہتے اور اُسکا موجہ بلند ہوتا تھا یہانتک کہ رسول اللہ نے فرمایا میں ہوں شہر علم اور علی اُسکا دروازہ ہے -

ایک طرف علم معرفت اور قرآن دانی و حق شناسی کا یہ حال اور دوسری طرف وہ ناداری کہ ایک حرف معلوم نہیں - دیکھیئے ایک شخص گرفتار ہو کر حضرت عمر کے دربار میں آتا ہے اوسکی خطا صرف اسقدر ہے کہ اُس سے لوگوں نے پوچھا تھا کہ کیف اصبحت آج کیسی صبح کی اُسنے جواب دیا تھا اصبحت احب الفتنۃ واکرہ الحق واصدق الیہود والنصارے واومن بمالم اَرہ واقر بمالم یخلق میں نے ایسی حالتمیں صبح کی ہے کہ فتنہ کو دوست رکھتا ہوں - حق کو ناپسند کرتا ہوں - یہود و نصارٰے کی تصدیق - جسے دیکھا نہیں اُسپر ایمان لاتا ہوں اور جو شے مخلوق نہیں اُس کا اقرار کرتا ہوں -

(ایک روایت بطریق حضرت عمر کی لاعلمی کی مثال)

جب یہ مقدمہ دربار خلافت میں پہونچا فارسل عمر الی علی علیہ السلام فلما جاءہ اخبر بمقالۃ الرجل - تو حضرت عمر فاروق نے جناب صدیق اکبر و فاروق اعظم علی ابن ابیطالبؑ کے پاس آدمی بھیجا (کہ یہاں تشریف لائیے اور ایک مشکل حل کیجئے) جب آپ تشریف لائے تو آپ کو اُس شخص کے کلام کی خبر دیگئی فقال صدق یحب الفتنۃ قال اللہ انما اموالکم واولادکم فتنۃ آپ نے کہا سچ کہتا ہے وہ فتنہ کو دوست رکھتا ہے - خدا فرماتا ہے تمہارے مال اور تمہاری اولاد فتنہ ہیں (اور ہر کوئی مال واولاد کو دوست رکھتا ہے) ویکرہ الحق یعنی الموت قال اللہ تعالی وجاءت سکرۃ الموت بالحق اور وہ حق کو ناپسند کرتا ہے یعنے موت کو خدا فرماتا ہے (جسمیں موت کو خدا نے حق سے تعبیر کیا ہے - یا یہ مطلب ہے موت برحق ہے اور اُسکا آنا برحق ہے) ویصدق الیہود والنصارٰے اور وہ بالضرور یہود و

کی تصدیق کرتا ہے (دیکھو خدا تعالیٰ فرماتا ہے قالت الیہود لیست النصاریٰ علی شیئ و قالت النصاریٰ لیست الیہود علی شیئ یہودی کہتے ہیں کہ نصاریٰ بیدین ہیں اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ یہودی بیدین ہیں (اور یہہ شخص اُن دونوں کی تصدیق کرتا ہے) و مؤمنین بالم یرہ یہہ شخص بن دیکھے چیز پر ایمان لایا ہے مؤمنین باللہ عزوجل خدائے عزوجل پر ایمان لایا ہے۔ ویقر بمالم یخلق یعنے الساعۃ اور غیر مخلوق چیز کا اعتقاد و اقرار بھی رکھتا ہے یعنے قیامت کا (جو ابتک مخلوق نہیں ہے) یہہ سُنکر حضرت عمر بولے اعوذ باللہ من معضلۃ لا علی لہا۔ پناہ بخدا اُس مشکل مسئلہ سے جسکے حل کرنے کے لیئے علیؑ موجود نہ ہوں" (دیکھو فصول مہمہ ابن صباغ مالکی ورق ۱۸ نسخہ قلمی)

اور تب ہی تو حضرت عمر فرماتے تھے بابی انتم بکم ہدانا اللہ و بکم اخرجنا من الظلمت الی النور۔ اے علیؑ تمپر میرا باپ فدا ہو تمہاری وجہ سے ہمنے ہدایت پائی۔ اور تمہاری ہی وجہ سے ہم کو خدا نے ظلمت سے نور کی طرف نکالا۔ (دیکھو مناقب موفق بن احمد صفحہ ۵۹ نسخہ قلمی)

حضرت ابوبکر کو خالہ اور پھوپھی کے میراث کا مسئلہ معلوم نہ تھا

یہی نہیں بلکہ معاملہ اس سے آگے بھی ایسا ہی ہے حضرت ابوبکر فرماتے ہیں وددت انی سالت رسول اللہ عن میراث العمۃ والخالۃ مجھے اچھا معلوم ہوتا ہے کہ میں رسول اللہؐ سے پھوپھی اور خالہ کی میراث کا مسئلہ پوچھے ہوتا (یعنے ابتک معلوم نہیں) دیکھو کنز العمال کتاب الفرائض حرف فا۔

حضرت ابوبکر کو سزائے لواطہ معلوم نہ تھی

آپ کو سزائے لواطہ بھی معلوم نہ تھے تو امیر المؤمنین علیہ السلام نے بتایا کہ اُسے آگ میں جلانا چاہیئے۔ تو حضرت ابوبکر نے اُسے آگ میں جلوایا۔ (دیکھو کنز العمال حد اللواطہ من کتاب الحدود حرف الحاء)

حضرت ابوبکر کو نانی اور دادی کی میراث کا مسئلہ معلوم نہ تہا

آپ کو نانی اور دادی کے میراث کا مسئلہ بھی معلوم نہ تھا عبدالرحمن بن سہل کے ترجمہ میں کتاب استیعاب ابن عبدالبر صفحہ ۴۱۳ میں ذکر ابن عیینہ قال حدثنی یحیی بن سعید قال سمعت القاسم بن محمد یقول جاءت الی ابی بکر جدتان فاعطی السدس ام الام دون ام الاب فقال لہ عبدالرحمن بن سہل یا خلیفۃ رسول اللہ اعطیتہ التی لو ماتت لم یرثہا و

ترکت التی لو ماتت وریثہا فجعلہ ابوبکر بینہا۔

حضرت ابوبکر کو علم قرآن حاصل نہ تھا

آپ کو علم قرآن بھی نہ تھا۔ (دیکھو علامہ سیوطی نے تفسیر اتقاق کی چھتیسویں نوع میں لکھا ہے ان ابی بکر سُئل عن قولہ تعالیٰ فاکہۃ وابا فقال ای سماء تظلنی وای ارض تقلنی ان انا قلت فی کتاب اللہ مالا اعلم۔" کسی نے حضرت ابوبکر صاحب سے فاکہۃ وابا کے معنے دریافت کیے۔ (یہ لفظ قرآن مجید کا ہے) تو فرمایا کہ میں کس آسمان کے نیچے اور کس زمین کے اوپر ہونگا۔ اگر قرآن میں سے ایسی بات بتاؤں جس کا مجھے علم نہیں۔ (یعنے ابا کے معنے مجھے معلوم نہیں۔)

حضرت ابوبکر کو معلوم نہ تہا کہ خلافت میں انصار کا حق ہے یا نہیں

آپ کو یہ بھی معلوم نہ تھا کہ انصار کا بھی کچھ حق خلافت میں ہے یا نہیں۔ آپ فرماتے تھے "لیتنی کنت سألت النبی ھل الانصار فی الخلافۃ نصیب"۔ (منہاج السنۃ ابن تیمیہ در جواب مطاعن ابوبکر در آخر کتاب جواب طعن سابع)

حضرت ابوبکر کی عام مسائل دانی

آپ کی عموماً مسائل دانی کی یہ حالت تھی۔ شعبی نے روایت کی ہے کہ کسی نے آپ سے کلالہ کی بابت دریافت کیا تو فرمایا انی اقول فیہا برائی فان کان صوابا فمن اللہ وحدہ لاشریک وان کان خطاء فمنی ومن الشیطان واللہ منہ بری"۔ میں اپنی رائے سے ایک بات کہونگا اگر وہ ٹھیک ہوئی تو خدائے وحدہ لاشریک کی طرف سے ہے اور اگر نا درست ہوئی تو میری طرف سے ہے اور شیطان کی طرف سے۔ (دیکھو کنز العمال کتاب الفرائض ذکر کلالہ حرف الخاء) ناظرین یاد رکھیں یہ وہی شیطان ہے جس کا ذکر آپنے اپنے ایک خطبہ میں کیا ہے۔ کہ ان لی شیطاناً یعتری۔ بیشک ایک شیطان مجھے پیش آیا کرتا ہے۔ (یا مجھ پر شیطان سوار رہا کرتا ہے) ملاحظہ ہو تاریخ الخلفاء وغیرہ۔)

ان ہی امور پر نظر فرماکر جناب رب العزت نے اپنی کتاب محکم میں فرمایا ہے "افمن یعلم انما انزل الیک الحق من ربک کمن ہو اعمی"۔ کیا محض اندھا (جاہل) کیا اُس شخص کے برابر ہوسکتا ہے جو علم رکھتا ہے کہ جو کچھ تیرا ای رسول بھیجا گیا ہے وہ برحق ہے"۔ مگر سمجھے کون۔ دنیا نے تو عقل سے ہاتھ بھی اُٹھا لیا ہے۔ اسیوجہ سے تو چلتے چلتے پروردگار عالم نے فرما دیا "انما یتذکر اولوا الالباب"

اسے تو وہی لوگ سمجھینگے جن کے پاس عقل بھی ہے - ورنہ ہر کوئی اس بات کو کہاں سمجھ سکتا ہی۔
اس آیت نے جہاں اس عدم تسویہ کا فیصلہ کر دیا وہاں مسئلہ خلافت کا بھی فیصلہ کر دیا کیونکہ خلافت وامامت کے لیئے علم کی سخت ضرورت ہے۔ خلیفہ کو معاملات کا فیصلہ کرنا پڑتا ہی خلیفہ کو قضایا کا فیصلہ کرنا پڑتا ہی خلیفہ سے مسائل حلال وحرام دریافت کیئے جاتے ہیں خلیفہ سے مسائل مشکلہ پوچھے جاتے ہیں۔ خلیفہ کو حدود جاری کرنے ہوتے ہیں۔ خلیفہ کو قصاص لینا ہوتا ہی۔ خلیفہ کو آیات قرآن کے مطالب بیان کرنے ہوتے ہیں خلیفہ کو احادیث رسول سُنانے پڑتے ہیں۔ پس اگر اپنے رسول کی احادیث سے اور اپنے خدا کی کتاب سے واقف نہ ہوگا تو آخر کس گڑھے میں بندگان خدا کو بیجا گرائیگا اور کیا کچھ اونکی حق تلفیاں کریگا۔ کتنے اموال تلف ہونگے کتنے خروج ناحق مدخول بہا ہونگے۔ کتنے مواریث نارکسان ہونگے کتنے ناحق طلب حق دار بنجائینگے۔ اور کتنے حق دار محروم ہو جائینگے لہذا خدا تعالی نے روز اول ہی قرآن مجید میں فیصلہ سنا دیا کہ افمن یعلم انما انزل الیک من ربک الحق کمن ھو اعمی۔ ہرگز جاہل عالم کے برابر نہیں ہو سکتا لہذا ہمارے فیصلہ کے مطابق کبھی کوئی خلیفہ نہیں ہو سکتا خواہ وہ لعنت وسرکشی کی راہ سے خلیفہ بنجائے لیکن وہ خلافت ناحق ہوگی۔ اسلیئے کہ فاضل کے ہوتے ہوئے مفضل کو کوئی حق نہیں جب عقل ونقل دونوں حاکم ہیں۔ البتہ اس کا علاج نہیں کہ آدمی نہ سمجھے۔ وانما یتذکر اولوا الالباب۔

آیت ۱۵

الذین آمنوا وتطمئن قلوبہم بذکر اللہ الا بذکر اللہ تطمئن القلوب۔ (ج ۱۳-ع ۱۰- سورہ رعد)
اسکے بعد یہ ہی الذین آمنوا وعملوا الصالحات طوبی لہم وحسن مآب۔ وہ جو لوگ کہ ایمان لائے ہیں اور اُن کے دل ذکر خدا سے مطمئن ہیں (پھر) جو لوگ کہ ایمان لائے اور جنھوں نے نیک کام کیئے اُن کے لیئے طوبی ہے۔ اور نیک انجام ہے (آگاہ ہو کہ خدا ہی کی یاد سے دل مطمئن ہوتے ہیں
اس آیت میں فضیلت اُن لوگوں کی بیان کی گئی ہے جو مؤمن ہیں۔ جنکے دل یاد خدا سے مطمئن ہیں اور نیکو کار ہیں۔ اُن کے لیئے پروردگار عالم نے طوبی عطا کیا ہی اور خوبی انجام جو مآل کار انسان

ہے۔ مگر دیکھنا یہ ہے کہ یہ مومن کون سے لوگ ہیں جنکو طوبےٰ ملیگا۔ اور جن کا انجام ایسا اچھا ہوگا جسے خدا تعالیٰ بھی حسن مآب سے تعبیر فرمائے۔

تفسیر درمنثور کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جنکو خدا کے ساتھ رسول خدا سے بھی اور رسول خدا کے ساتھ اہلبیت سے بھی محبت ہو اور اہلبیت رسول کے ساتھ دوستان اہلبیت سے بھی ولا ہے اور ولا بھی سچی ہے نہ محض زبانی۔ ملاحظہ ہو یہ حدیث (درمنثور جلد چہارم ص۵۸ چھاپہ مصر)

اخرج ابن مردویہ عن علی رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم لما نزلت ہٰذہ الآیۃ الا بذکر اللہ تطمئن القلوب قال ذاک من احب اللہ ورسولہ واحب اہلبیتی صادقاً غیر کاذب واحب المؤمنین شاہداً وغائباً۔" پھر جو لوگ خدا و رسولؐ و اہلبیت رسولؐ اور مؤمنین کو دوست رکھینگے اُنہیں کیا ملیگا؟ طوبیٰ ملیگا۔ طوبیٰ کہاں ہو اور کیا ہے؟

اُسکا جواب اس حدیث میں ہے۔ اخرج ابن ابی حاتم عن ابن سیرین رضی اللہ عنہ قال شجرۃ فی الجنۃ اصلہا فی بیت حجرۃ علی ولیس فی الجنۃ حجرۃ الا وفیہا غصن من اغصانہا۔ یعنی ابن ابی نے ابن سیرین سے روایت کی ہے کہ طوبیٰ ایک درخت ہے جنت میں جسکی جڑ حجرہ علی ابن ابیطالبؑ میں ہو۔ اور کوئی حجرہ جنت کا ایسا نہیں جسمیں ایک نہ ایک شاخ اس درخت کی نہ پہونچی ہو (ص۵۹ درمنثور جلد ۴)

دوسری روایت ینابیع المودۃ میں ہو (ص۷۹ چھاپہ بمبئی) الثعلبی بسندہ عن جابر الجعفر عن ابی جعفر الباقر رضی اللہ عنہ قال سئل رسول اللہ ص عن قولہ تعالیٰ الذین آمنو وعملو الصالحات طوبیٰ لہم وحسن مآب۔ فقال ہی شجرۃ فی الجنۃ اصلہا فی داری وفرعہا علی اہل الجنۃ فقیل لہ یا رسول اللہ سئلنک عنہا فقلت اصلہا فی دار علی وفرعہا علی اہل الجنۃ فقال ان داری ودار علی واحد غداً فی مکان واحد۔

تیسری روایت ایسی ینابیع میں صفحہ ۱۰۸ ہو باضافہ لفظ فاطمہ۔ جس کا مطلب یہ ہو کہ طوبیٰ کی تفسیر میں رسول اللہ ص نے فرمایا یہ وہ درخت ہو جسکی جڑ میرے گھر میں اور شاخیں تمام اہل جنت کے

گھر ہمنیں ہیں میں نے عرض کی یا رسول اللہ ایک دفعہ جو ہمنے طوبیٰ کی بابت دریافت کیا تھا تو آپنے فرمایا تھا کہ وہ علیؑ کے گھر میں (اور فاطمہؑ کے) آپنے ارشاد کیا - میرا اور علی کا (بنابر روایت کنندہ) گھر کل (آخرت میں) ایک ہی مقام پر ہوگا -

چوتھی روایت درمنثور جلد چہارم صفحہ ۵۹ میں اسطرح ہے اخرج بن ابی حاتم عن فرقد السنجی رضی اللہ عنہ قال اوحی اللہ الی عیسی ابن مریم فی الانجیل یا عیسیٰ جد فی امری ولا تہزل واسمع قولی واطع امری یا ابن البکر البتول انی خلقتک من غیر فحل وجعلتک انت آیۃ للعالمین فایای فاعبد وعلیّ فتوکل وخذ الکتاب بقوۃ قال عیسیٰ ای کتاب آخذ بقوۃ قال خذ کتاب الانجیل بقوۃ ففسرہ لاہل السریانیۃ - واخبرہم انی انا اللہ لا الہ الا انا الحی القیوم البدیع الدائم الذی لا زوال لہ فآمنوا باللہ ورسولہ النبی الامی الذی یکون فی آخر الزمان فصدقوہ واتبعوہ صاحب الجمل والمدرعۃ والہراوۃ والتاج الاکحل العین المقرون الحاجبین صاحب الکساء الذی انما نسلہ فی المبارکۃ (یعنے خدیجہ) یا عیسیٰ لہا بیت من مرو من قصب موصل بالذہب لا یسمع فیہ اذی ولا نصب لہا ابنۃ (یعنے فاطمہ) ولہا ابنان یستشہدان (یعنے الحسن والحسین) طوبیٰ لمن سمع کلامہ وادرک زمانہ وشہد ایامہ - قال عیسیٰؑ یا رب وما طوبیٰ قال شجرۃ فی الجنۃ انا غرستہا بیدی وسکنتہا ملائکتی اصلہا فی رضوان وماؤہا من تسنیم -

ان تمام روایات سے چند باتیں مستفاد ہوئیں جو بہت زیادہ قابل لحاظ ہیں -

ایک یہ کہ علی وشیعیان علیؑ و فاطمہؑ کے خدا تعالیٰ کے نزدیک وہ قدر ہے کہ جنت میں اون کیلیے طوبیٰ قرار دیا ہے اور آج ہی سے اُنپر اُن کے انجام کی خوبی کو جتادیا ہے - تاکہ وہ ہمیشہ کے لیے مطمئن ہو جائیں اور اپنی مغفرت کے باب میں اُنھیں شک نہ رہے -

دوسرے یہ بھی معلوم ہوا کہ طوبیٰ وہ درخت ہے جو خانہ علی ابن ابیطالب علیہ السلام میں ہے اور اوسکی شاخیں تمام اہل جنت کے گھروں تک پہونچی ہوئی ہیں جس سے معلوم ہوا کہ اہتمام خدا تعالیٰ کا علیؑ ومحبان علیؑ کے باب میں کہ قبل اسکے کہ یہ لوگ جنت میں داخل ہوں ہزاروں برس پیشتر اون کے مکانات اور اسباب آسایش کو مہیا کر رکھا ہے جسطرح کوئی میزبان کریم اپنی کسی مہمان کریم کے لیے قبل اوسکی آمد کے سامان

راحت اُسکے لیے مہیا کر سکتا ہی۔

(تیسرے) یہہ بھی مسئلہ معلوم ہو گیا کہ جنت اور طوبیٰ بالفعل موجود ہیں ایسا نہیں ہو کہ آئندہ اُن کو پیدا کیا جائیگا۔ اسلیئے کہ پروردگار فرماتا ہے غرستہا بیدی میں نے اُسے اپنے ہاتھ سے لگایا ہے (بصیغہ ماضی) یعنے پہلے اسے لگایا جا چکا ہی نہ یہہ کہ آئندہ لگائیگا۔ لہذا اُن لوگوں کی رائے غلط ہی جو کہتے ہیں کہ جنت و نار آئندہ مخلوق ہونگے۔

چوتھے یہہ بھی معلوم ہوا کہ انجیل نے جہاں حضرت کی پیشین گوئی فرمائی ہو وہاں آپ کی دختر نیک اختر اور اُن کے مقدس فرزندوں کی بھی پیشین گوئی کی ہو جس سے کمال عظمت ان بزرگواروں کی ثابت ہوتی ہے۔

پانچویں یہہ بھی معلوم ہوا کہ جنت میں بھی خانہ جناب رسالتمآبؐ اور امیرالمومنین علی علیہ السلام ایک ہی مقام پر ہوگا اور یہہ کمال اتحاد کی دلیل ہے۔ اور اس اتحاد کے مکمل کرنے والے ہی جسکی خبر قرآن مجید نے انفسنا وانفسکم سے دی ہے اور یہہ بھی انتہائے فضیلت امیرالمومنینؑ کی ہو جسکے برابر کسی کو نصیب نہ ہوئی۔

(چھٹے) یہہ بھی معلوم ہوا کہ تمام اہل جنت اُسی درخت کے سایہ کے محتاج ہیں جو خانہ امیرالمومنین علی بن ابیطالب علیہ السلام میں ہے جس سے بہت بڑا رازیہہ منکشف ہوا کہ جب آخرت میں جو کہ بالکل دار راحت و امن ہی لوگونکو علی کی احتیاج ہے تو دنیا میں کیوں نہ ہوگی۔ اور کیا ممکن ہو کہ جنت میں تو بغیر درخت روئیدہ خانہ علیؑ کے سوا کسی کو سایہ مل سکے اور دنیا میں بغیر اونکی متابعت کے دین مل سکتا ہی؟ حاشا و کلا۔ بلکہ اس حدیث میں کھلے لفظوں سے اشارہ ہی کہ اصل اصول دخول جنت محبت و اتباع حضرت علی ابن ابیطالب علیہ السلام ہے۔ ورنہ جو درخت کہ خاص اون کے گھر میں اُگایا گیا ہو کوئی وجہ نہیں کہ اوسکا سایہ اُن لوگوں تک پہونچے جو اون کے مخالف ہیں یا اُن کے مخالفوں کے متبع ہیں۔ بس دنیا ہی میں اس امر کی خبر دیکر کہ درخت طوبے جسکے سایہ کی تمام اہل جنت کو احتیاج ہی۔ صرف خانہ علیؑ میں پیدا ہو اور اُس سے شاخیں نکلکر دیگر خانہ ہائے اہل جنت تک پہونچینگی بتا دیا گیا ہے کہ اگر جنت میں جانا چاہتے ہو اور اُس درخت سے فائدہ اُٹھانا مطلوب ہے تو اتباع علی ابن ابیطالبؑ

ہی ورنہ جو درخت کہ خاص اونچے گھر میں اوگایا گیا ہو کوئی وجہ نہیں کہ اُسکا سایہ اُن لوگوں تک پہونچے
جو اُن کے مخالف ہیں یا اُن کے مخالفوں کے متبع ہیں۔ پس دنیا ہی میں اس امر کی خبر دیکر کہ درخت طوبی
جسکے سایہ کی تمام اہل جنت کو احتیاج ہو صرف خانہ علیؑ میں ہے اور اُس سے شاخیں نکلکر دیگر خانہ ہائے
اہل جنت تک پہونچینگی بتا دیا گیا ہو کہ اگر جنت میں جانا چاہتے ہو اور اُس درخت سے فائدہ اُٹھانا مقصود
ہو تو اتباع علی ابن ابیطالبؑ کرو۔ ورنہ دخول جنت و استفادہ از درخت طوبی معلوم۔

ساتویں یہہ بھی معلوم ہُوا کہ علیؑ کا مرتبہ تمام انبیائے سابقین سے افضل ہے اور یہہ وہ دعوے ہے
جسکے تسلیم کرنے کے لیے اکثر دل تیار نہیں ہیں۔ مگر اون کی تشفی کے لیے . . . . . یہی ایک حدیث
کافی ہو اگر وہ تشفی حاصل کرنا چاہیں۔ بایمعنی کہ اہل جنت میں سے جناب آدم علیہ السلام۔ . . . جناب
نوح۔ جناب ابراہیم خلیلؑ۔ جناب موسیٰ کلیمؑ۔ جناب عیسیٰ مسیحؑ اور دیگر انبیائے کرام و رسل عظام ہیں۔
جنکی عظمت اس سے معلوم ہے کہ اُنہیں خدا تعالیٰ نے اپنا سفیر۔ مرسل۔ نبی۔ اور رازدار بنایا
بایںہمہ شجرہ طوبے کی اصل اُنمیں سے کسی کے گھر میں نہ دیگئی اگر قرار دیگئی تو خانہ جناب امیرالمومنینؑ
میں۔ جس سے آدم بھی مستفید ہونگے۔ نوح بھی۔ موسےٰ بھی مستفید ہونگے اور جناب عیسیٰ بن
مریم روح اللہ بھی۔ خلیل اللہ بھی مستفید ہونگے اور ذبیح اللہ بھی۔ جس سے واضح ہو گیا کہ عظمت
امیرالمومنینؑ کی عند اللہ ان تمام حضرات انبیا و رسل سے زیادہ ہے۔ ورنہ کوئی وجہ نہ تھی۔ کہ
ابوالبشر آدم۔ آدم ثانی نوح۔ ابوالانبیا ابراہیم۔ کلیم طور موسیٰ علیہ السلام میں سے کسی کے گھر میں نہ
قرار دیجاتی۔ مگر یہاں تو اظہار فضیلت علی ابن ابیطالب مقصود تھا۔ اور یہہ دکھا دینا کہ اب بھی
انبیا ء اللہ اُن ہی کے محتاج ہیں۔

آٹھویں۔ اصل کا احت خانہ امیرالمؤمنین علیہ السلام میں ہونا اس بات کو بھی بتا رہا ہے کہ یہی اصل وجود
خلقت دنیا بھی ہیں۔ ولاریب فیہ جسپر بے شمار احادیث دال جنمیں سے ایک حدیث وہ بھی ہے
جسمیں فرمایا گیا ہی لولاک لما خلقت الافلاک اور کنت انا و علی نوراً بین یدی اللہ سے اس کو
واضح کر دیا ہی کہ اصل وجہ خلقت عالم رسول اللہؐ ہیں اور وہ علی کی ذات سے متحد ہیں لہٰذا بسبقیتہ

خلقت عالم میں جسطرح رسول اللہ کو دخل ہے۔ اوسیطرح علی ابن ابیطالب علیہ السلام کو بھی۔ اور جب انکا وجود اصل خلقت عالم ٹھیرا تو ما فی العالم جو کچھ بھی ہے اون کے زیر حکم ہے۔ اور تابع فرمان۔ پس ممکن نہیں کہ جو شخص اصل خلقت عالم ہو کر مطاع کل ہو۔ وہ دنیا میں کسی وقت کسی دوسرے کا مطیع بنایا جائے بلکہ جو شخص ایسا ہو کہ ملائکہ اوسکی اطاعت ہوں۔ انبیاء سے وہ افضل ہو انبیاءٔ اُس کے محتاج ہوں واجب ہے کہ اہل دنیا بھی اوسکی اطاعت کریں اور اُسپر کسی دوسرے کو مقدم نہ کریں جس سے خلافت بلافصل بھی حضرت امیر المؤمنین کی ثابت ہوتی ہے۔ اسلیئے کہ رسول اللہ کا واجب الاتباع ہونا تو ہر شخص کے نزدیک مسلم ہے۔ اور ہر مسلمان طوعًا یا کرہًا مانتا ہے کہ ہاں بالضرور جناب سرور کائنات ہمارے حاکم و آقا ہیں۔ تو کیا وجہ کہ جو اُنکا نفس ہو۔ جسے خلقت عالم کی سببیتہ میں دخل ہو۔ جس کے انبیاء محتاج ہوں۔ جو اطاعت کردہ ملائکہ ہو اُسپر دنیا میں کوئی شخص اور حکومت کرنیوالا مانا جائے۔

یہ بات عقل و حس دونوں کے برخلاف ہے۔ اگر رسول اللہ واجب الاتباع عالم کے لیئے ہیں۔ تو وہ جو ہر امر میں اونکا شریک و مثل ہے وہ بھی واجب الاتباع اوسیطرح ہوگا۔ نہ یہہ کہ وہ دوسروں کا اتباع کرے۔ پس لازم ہے کہ بعد آنحضرتؐ کے اُن ہی کو بادشاہ مطلق امام برحق اور خلیفہ بلافصل مانا جائے وہو المطلوب۔ والحمد للہ رب العالمین۔

آیت ۵۲

قل کفیٰ باللہ شہیدًا بینی و بینکم و من عندہ علم الکتاب۔ (ج ۱۳ ع ۱۱۔)

کہدو اے ہمارے رسول کہ میرے اور تمہارے درمیان گواہ بننے کو خدا کافی ہے اور وہ شخص جسکے علم الکتاب (قرآن کا علم ہے)

اس آیت میں اس مطلب کو ظاہر کیا گیا ہے کہ جو لوگ آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ کی نبوت و صداقت میں شبہہ کرتے ہیں اُن سے کہدینا چاہیئے کہ محمدؐ کی نبوت او صدق کے گواہ دو ہیں ایک تو خود پروردگار عالم خالق الخلق و مالک الملک و مدبر الامور و مدبر نظام العالم گواہ ہے اور دوسرا وہ شخص گواہ ہے

جسکے پاس علم الکتاب ہے۔ ایسے دو زبردست گواہوں کی گواہی کے بعد آخر محمدؐ کی نبوت میں کیونکر شبہہ کی گنجایش ہو سکتی ہے۔

اس سے بہت بڑی عظمت اُس شخص کی پیدا ہوتی ہو جسکو خدا تعالیٰ نے اپنے ساتھ شہادت صدق نبیؐ صلے اللہ علیہ و آلہ میں شریک کیا ہو۔ اور بتایا ہے کہ جب دو ایسے بڑے گواہ جو کبھی جھوٹ نہیں بول سکتے اور جو ظاہر و باطن حالات سے واقف ہیں ایک گواہ فوقانی اور دوسرا گواہ تحتانی موجود ہیں۔ ایک تو وہ ہو جس نے عالم کو پیدا کیا اور اُس نے اصلاح نظام کے لیئے نبی بھیجا۔ دوسرا وہ مجمع کمالات انسانیہ اور عارف حقائق قرآن مجید ہے جسپر تمام نکات کتاب مجید روشن ہیں پھر آنحضرتؐ کی نبوت میں شبہہ کرنا بے معنے ہے۔

غور طلب ہے کہ وہ شخص جو خدا کا شریک بنا گواہی نبوت میں جناب سرور کائنات محمد مصطفےٰؐ صلے اللہ علیہ و آلہ و روحی و روح العالمین لالفداء کی اور جسکی تصدیق آنحضرتؐ کی رسالت کے ثابت کرنے کیلیے کافی سمجھی گئی۔ اور وہ ایسا ہو جسے خدا تعالیٰ گواہی کے لیۓ منتخب فرماتا ہے اور جسپر خدا تعالےٰ کو ایسا بھروسہ ہے کہ اُسے اپنے ساتھ گواہی میں لیتا ہو۔ کون ہو؟

اہل عقل و ہوش اگر ذرا اپنے دلوں پر ہاتھ رکھکر دریافت کریں تو اُس شخص کا نام معلوم ہو جانا کچھ دشوار نہیں۔ ایسا شخص دنیا میں کبھی مخفی نہیں رہ سکتا۔ دن کا گواہ آفتاب ہے۔ رات کے گواہ چاند اور ستارے ہیں وہ تو کسی طرح مخفی رہ سکتے ہی نہیں۔ نبوت خاتم النبیین اور رسالت سید المرسلین جو کہ آفتاب عالم ہے اوس کا گواہ کیونکر دلوں کی آنکھوں سے مخفی رہ سکتا ہو۔

واللہ دل سمجھتے ہیں اور عقلیں گواہی دے رہے ہیں اور حس تصدیق کر رہا ہو مگر دنیا انکار پر باوجود اس کے بھی تلی ہوئی ہے۔ اور اس شاخ سے اوس شاخ اور اُس شاخ سے اُس شاخ پر اوڑتی پھرتی ہو۔ جو واہا دا ستیقنتہا انفسہم اسکا تو کوئی علاج نہیں۔

مگر جہاں ایسے لوگ ہیں وہاں سچے لوگ بھی دنیا میں موجود ہیں وہ کسی نہ کسی طرح حق اور صدق کو ظاہر کرتے رہتے ہیں۔ ملاحظہ ہو کتاب ینابیع المودۃ صفحہ ۸۴ و صفحہ ۸۵ چھاپ بمبئی۔

امام ثعلبی اول المفسرین فی المشہور اپنی تفسیر میں اور ابن مغازلی شافعی نے عبد اللہ بن عطا سے اور انہوں نے امام محمد باقر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ میں نے ایک دن عبد اللہ بن سلام کے بیٹے کو مسجد میں دیکھا تو کہا یہ فرزند اوس کا ہے جس کے پاس علم الکتاب ہے آپنے فرمایا من عندہ علم الکتاب علی ابن ابیطالبؑ ہیں۔

دوسری روایت امام ثعلبی اور حافظ ابونعیم نے اپنی اپنی سندوں سے راذان سے کی ہے وہ محمد بن حنفیہ سے راوی ہے قال من عندہ علم الکتاب علی ابن ابیطالبؑ محمد بن حنفیہ نے فرمایا جسکے پاس علم الکتاب ہے وہ (صرف) علی ابن ابیطالبؑ ہیں۔

تیسری فضیل بن یسار سے امام ثعلبی نے تخریج کی ہے۔ امام محمد باقر رضی اللہ عنہ سے قال ایانا عنی وعلی افضلنا واولنا وخیرنا بعد النبیؐ فرمایا کہ اس سے خدا نے ہمیں ارادہ کیا ہے۔ اور علی افضل افراد ہم میں سے ہیں اور ہم سب میں اول اور بہتر ہیں۔ بعد نبی صلے اللہ علیہ وآلہ کے۔

چوتھی روایت محمد بن حنفیہ۔ سلمان فارسی۔ اور ابوسعید خدری سے کی ہے اور نیز اسمٰعیل سدی کہ قالوا فی قولہ تعالیٰ قل کفی باللہ شہیداً بینی وبینکم ومن عندہ علم الکتاب ہو علی ابن ابیطالبؑ یعنی یہ سب بزرگوار راوی ہیں کہ اس آیت میں من عندہ علم الکتاب سے مراد خاص علی ابن ابیطالبؑ علیہ السلام ہیں۔

پانچویں روایت عطیہ عوفی سے ہے وہ ابوسعید خدری سے راوی ہیں قال سئلت رسول اللہؐ عن ہذہ الآیۃ الذی عندہ علم من الکتاب قال ذاک وزیر اخی سلیمان بن داؤد علیہما السلام وسئلتہ عن قول اللہ عزوجل قل کفی باللہ شہیداً بینی وبینکم ومن عندہ علم الکتاب قال ذاک اخی علی ابن ابیطالب علیہ السلام۔

ابوسعید خدری صحابی فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرتؐ سے دریافت کیا کہ اس آیت الذی عندہ علم من الکتاب (وہ شخص جسکے پاس کچھ علم کتاب کا تھا) میں کون مراد ہے فرمایا وہ وزیر ہے میرے بھائی سلیمان ابن داؤدؑ کا۔ پھر میں نے قل کفی باللہ بینی وبینکم ومن عندہ علم الکتاب۔

(جسکے پاس سارا علم کتاب ہے) کی بابت دریافت کیا تو فرمایا وہ میرا بھائی علی ابن ابیطالب ہی۔
اس کے علاوہ اور بھی روایات اس مضمون کی ہیں جس نے دیکھنا ہو۔ ینابیع المودۃ اور کتاب ارجح المطالب مصنفہ مولوی عبیداللہ بسمل امرتسری کو ملاحظہ کرے۔ یہاں صرف ان پانچ گواہوں کا پیش کرنا کافی سمجھتا ہوں۔

جس سے معلوم ہوتا ہو کہ من عندہ علم الکتاب (وہ شخص جسکے پاس سارا علم کتاب ہے) صرف علی ابن ابیطالب علیہ السلام (اور انکی اولاد طاہرہ ائمہ علیہ السلام ہیں ح)

اگرچہ اس آیت کو عبداللہ بن سلام نومسلم یہودی الاصل سے بھی چسپاں کیا گیا ہو اور عبداللہ بن عباس سے روایت کی گئی ہے کہ مراد اس سے عبداللہ بن سلام نومسلم ہے۔

اول تو یہی افسوس کا مقام ہو کہ وہ شخص جو مدت تک کافر رہا۔ یہودی رہا۔ اوسکو مسلمانوں نے خدا کے ساتھ شریک گواہی کرنیمیں ذرا باک نہ کیا اور کہدیا کہ وہ بھی خدا کے ساتھ رسول اللہ کی نبوت کا مصدق ہے۔

دوسرے یہ کہ عبداللہ بن سلام کون ایسا عالم تھا جسے کل قرآن مجید کا علم رہا ہو۔ اور کب اُس سے اس کتاب الٰہی کے اسرار و نکات معلوم ہوئے اور کون سی اوسکی تفسیر آج دنیا میں ایسی ہو جس سے اُس کے علم کا پتہ معلوم ہو جسکی وجہ سے کہا جا سکے کہ وہ عالم کل کتاب اللہ کا تھا۔

تیسرے یہ کہ وہ ایک مدت بعد نزول آیات قرآن مجید کے مدینہ میں آکر مسلمان ہوا ہو اُس کے اسلام لانے سے پہلے کتنی آیتیں قرآن کی اُتر چکی ہیں جنکی اوسکو خبر ہی نہیں اور نہ اونکی تاویل و تفسیر کا اُسے علم ہے۔ پھر کیونکر خدا تعالیٰ نے اوسکو تمام کتاب کا عالم بتا دیا۔ کہیں ایسی بے جوڑ بات بھی قرین عقل ہوتی ہو۔ یا دل کو لگتی ہے۔

چوتھے۔ جس قدر طبقہ مفسرین میں مشہور ہیں۔ وہ عبداللہ ابن عباس۔ اور ابی بن کعب اور عبداللہ بن مسعود ہیں۔ جنہوں نے چھ ستاد مرتبہ آنحضرت کے سامنے قرآن کو پڑھا اور اسکی تفسیریں سُنیں۔ اگر ان کو علم کتاب کا واقف بکار کہا جاتا تو ایک حد تک قرین قیاس بھی ہو سکتا تھا۔ حالانکہ یہ بیچارے اپنے تئیں عالم کل کتاب نہیں کہتے۔ عبداللہ بن سلام کا تو نام بھی کہیں کبار مفسرین کے ذیل میں

نہیں لیا گیا پھر وہ کیونکر من عندہ علم الکتاب ٹھیر سکتا ہے۔

پانچویں یہ کہ عبداللہ بن سلام نے مدینہ میں آکر اسلام قبول کیا ہے اور یہ سورہ رعد جسمیں یہ آیت ہے وہ مکی ہے۔ پھر اس آیت کو اُن سے کیا ربط ہو سکتا ہے اس آیت کا نزول تو اس وقت ہوا جبکہ عبداللہ مذکور یہودیت کے لباس میں تھا۔ اور عزیر نبی کو خدا کا بیٹا بناتا تھا۔ اُسے خدا تعالیٰ اُس وقت میں کیونکر رسول اللہ صلعم کی رسالت کی تصدیق کا گواہ قرار دیتا درآنحالیکہ وہ اُس وقت آنحضرت صلعم کو مطلقاً نبی ہی نہیں جانتا تھا۔

اس مضمون کو علامہ سیوطی نے اپنی تفسیر درمنثور (جلد چہارم ص۶۹) میں بھی لکھدیا ہے۔ کہ سعید بن منصور ابن جریر۔ ابن المنذر۔ ابن ابی حاتم۔ اور نحاس جیسے محدثین کبار نے سعید بن جبیر جیسے تابعی سے روایت کی ہے۔ انہ سئل عن قولہ ومن عندہ علم الکتاب اہو عبداللہ بن سلام قال وکیف ہذہ السورۃ مکیۃ کہ کسی نے سعید بن جبیر سے دریافت کیا (جو اسلام میں اعلیٰ رکن اور تابع جلیل و عارف قرآن تھے) کہ من عندہ علم الکتاب سے کیا عبداللہ بن سلام مراد ہے؟ تو جواب دیا "یہ کیونکر ہو سکتا ہے حالانکہ یہ سورہ مکیہ ہے (اور عبداللہ بن سلام نے بعد ہجرت مدینہ میں اسلام قبول کیا)

علاوہ ازیں۔ ہنوز یہ بحث ہے کہ آیا ابن سلام کی مدح و ثنا میں کوئی ایک آیت بھی قرآن میں نازل ہوئی ہے یا نہیں۔ چہ جائیکہ اتنی عظیم الشان آیت جس سے عبداللہ بن سلام کا مرتبہ حضرت ابوبکر و عمر و عثمان سے بھی بڑھا جاتا ہے۔ کہ یہ حضرات تو شریک گواہی خدا کے ساتھ نہ ہوئے اور ہوا تو ایک نو مسلم آدمی۔ لیکن علامہ سیوطی نے اسکا بھی فیصلہ کر دیا ہے۔ کہ ابن سلام کی تعریف میں کوئی آیت بھی قرآن کی نازل نہیں ہوئی۔ ملاحظہ ہو یہ روایت عن ابن المنذر عن الشعبی رضی اللہ عنہ قال ما نزل فی عبداللہ بن سلام شئی من القرآن۔ حافظ ابن المنذر محدث جلیل نے امام شعبی جیسے تابع جلیل سے روایت کی ہے کہ عبداللہ بن سلام کی شان میں کوئی آیت بھی قرآن کی نازل نہیں ہوئی (ص۶۹ درمنثور چھاپہ مصر جلد چہارم)

ناظرین اس موقعہ کو ہاتھ سے نہ جانے دیں۔ آخر کبھی من عندہ علم الکتاب عبداللہ بن سلام کو بتایا جاتا ہے

جیسا کہ اسی در منثور میں ہے - اور کبھی جبرئیل امین کو - جیسا کہ سعید بن جبیر سے روایت کی گئی ہے اور کبھی یہود و نصاریٰ کو جیسا کہ عبد اللہ بن عباس سے منقول ہے اور کبھی مَنْ عِنْدَہٗ کو مِنْ عِنْدِہٖ پڑھ کر مطلب ہی نیا کر دیا ہے - اور یہ روایت حضرت عمر سے نقل کی گئی ہے کہ آیت مَنْ کے ساتھ مَنْ کے ساتھ نہیں ہے بلکہ مِنْ حرف جر کے ساتھ ہے - آخر اسکا کیا سبب ہے -

اور اس قدر ناظرین کو مشوش کرنے سے کیا حاصل ہے - کہ کسیطرح اطمینان ہی نہ ہو سکے کہ آیت کا مقصود کیا ہے - اور خدا تعالیٰ نے کیا ارادہ کیا ہے - یہی حال تمام تفسیر قرآن کا ہے - کہ کسی مقام پر ایسی بات نہیں کہی جو بچتہ ہو - اگر ایک بات لکھی تو فوراً دوسری روایت اُس کے ساتھ اُس کے مخالف لکھدی - ناظر کو کچھہ یقین ہوا بھی تھا وہ اس روایت کو دیکھکر جاتا رہا - اس کا باعث صرف حق کے چہرہ روشن پر پردہ ڈالنا ہے کہ کسی طرح امر حق واضح نہ ہونے پائے - اور اگر کبھی امر حق کو لکھا بھی ہے تو اسطرح مختلف روایات کے درمیان کہ کبھی ناظر کو اطمینان نہ ہو سکے کہ واقعی یہی مراد ہے لیکن طالبان حق اس جنجال میں پڑ کر بھی صاف نکل جاتے ہیں - اور اس شاخ در شاخ اور پیچ در پیچ راہوں میں چلکر بھی منزل مقصود تک پہونچ جاتے ہیں -

دیکھیے اتنی کوششوں کا نتیجہ کیا ہوا - آخر معلوم ہو گیا کہ عبد اللہ بن سلام جسکے لیے یہ آیت نازل کی گئی ہے - اوسکی بابت امام شعبی جیسے نقاد حدیث نے کہدیا کہ اُسکے شان میں تو کوئی آیت ہی نازل نہیں ہوئی - ایسی بڑی عظیم الشان آیت کیونکر اُس سے چسپان ہو سکتی ہے -

اور جس سے الگ کرنے کی کوشش کی گئی تھی - اوسکی حالت یہ ہے کہ ایک نہیں دو نہیں بیسوں اقرار کرنے والے نکل آئے کہ علیؑ ہی صرف وہ شخص ہے جسکو حقیقی عالم کہا جا سکتا ہے اور جس کے پاس قرآن کا پورا علم ہے اور واقعی مَنْ عِنْدَہٗ عِلْمُ الْکِتَابِ کہے جانیکا مستحق واجب ہے -

(ملاحظہ ہو مناقب موفق بن احمد اخطب خطبائے خوارزم صفحہ ۶۳ نسخہ قلمی -) جناب امیر المومنینؑ کے علم کی بابت فصل ہفتم میں روایت کرتے ہیں عن ابی درداء العلماء ثلثۃ - رجل بالشام یعنی نفسہ و رجل بالکوفۃ یعنی عبد اللہ ابن مسعود و رجل بالمدینۃ یعنی علیاً علیہ السلام فالذی بالشام

یسئل الذی بالکوفۃ والذی بالکوفۃ یسئل الذی بالمدینۃ والذی بالمدینۃ لایسئل احداً"

صحابی ابودرداء نے بیان کیا ہو کہ عالم صرف تین ہیں۔ ایک وہ شخص ہے جو شام میں ہو (یعنی خود ابودرداء) دوسرا وہ ہے جو کوفہ میں ہے یعنی عبداللہ ابن مسعود۔ تیسرا وہ ہو جو مدینہ میں ہے یعنے علی علیہ السلام۔ لیکن جو شام میں ہے وہ کوفہ والے عالم سے سوال کرتا ہو (جسے وہ نہیں جانتا) اور کوفہ والا عالم (عبداللہ بن مسعود) مدینہ والے عالم (علی بن ابیطالبؑ) سے سوال کرتا ہے۔ لیکن مدینہ والا عالم (علی) کسی سے سوال نہیں کرتا۔ (اُسے کسی سے پوچھنے کی حاجت نہیں ہوتی۔ اسلیئے کہ وہ خود بڑا عالم ہے)

پھر عبداللہ ابن عباس جیسے عالم قرآن وحدیث سے مروی ہے کہ "عن الکلبی قال ابن عباس علم النبیؐ من علم اللہ وعلم علیؑ من علم النبیؐ وعلمی من علم علی وما علمی وعلم الصحابۃ فی علم علیؑ داللہ کقطرۃ فی سبعۃ ابحر۔"

کلبی نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ انھوں نے فرمایا نبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا علم خدا کے علم سے ماخوذ ہو اور علیؑ کا علم نبیؐ کے علم سے ماخوذ ہے اور میرا علم علیؑ کے علم سے لیا گیا ہے۔ اور میرا اور تمام صحابہ کا علم علیؑ کے علم کے مقابلہ میں ایسا ہے جیسے سات دریاؤں کے مقابلہ میں قطرہ ایک۔ (یعنے علی کا علم ایسا ہے جیسے ساتوں دریا۔ اور میرا اور تمام صحابہ کا علم ایسا ہے جیسے اُسکے سامنے ایک قطرہ) (ینابیع المودۃ صـ۷۰ــ۵۵ چاپ بمبئی۔

اب بتائیے کہ جبکہ ابن عباس اور تمام صحابہ کا علم علیؑ کے علم کے مقابلہ میں کقطرۃ فی سبعۃ ابحر ہو۔ تو بیچارے عبداللہ بن سلام کی کیا وقعت اس موقع پر ہو سکتی ہے۔ جسے خدا تعالیٰ خلاف اپنے معلومات کے عالم کل کتاب فرمائے۔

پھر حضرت کی خاص قرآن دانی کی یہ حالت ہو کہ فرماتے ہیں کہ تمام وہ جو قرآن میں ہے صرف سورہ فاتحہ میں ہے اور تمام وہ باتیں جو سورہ فاتحہ میں ہیں وہ صرف بسم اللہ میں ہیں اور تمام وہ باتیں جو بسم اللہ میں ہیں صرف اُس نقطہ میں ہیں جو "ب" کے نیچے دیا ہوا ہے۔ اور میں

یہی نقطہ ہوں۔ جو تحت الباء ہے۔ (دیکھو ینابیع المودۃ صہ ۶ چھاپ بمبئی)

پھر یہی وہ علیؑ ہیں جو فرماتے ہیں سلونی عن اسرار الغیوب فانی وارث علوم الانبیاء والمرسلین مجھ سے غیبوں کی باتیں پوچھو کہ میں علوم انبیاء والمرسلین کا وارث ہوں۔ (دیکھو ینابیع المودۃ صہ ۶۷)

پھر ان ہی علی ابن ابیطالبؑ کی بابت مروی ہے۔ کہ بعد نماز عشا کے عبداللہ ابن عباس سے بائے بسم اللہ کی تفسیر بیان کرنی شروع کی صبح صادق تک صرف اسی ایک حرف کی تفسیر بیان فرمائی۔ (دیکھو ینابیع المودۃ صہ ۶۵)

ان ہی علیؑ کی نسبت مروی ہے کہ لما اراد اہل الشام ان یجعلوا القرآن حکماً بصفین قال الامام علی رضی اللہ عنہ انا القرآن الناطق۔ جب اہل شام نے یہ ارادہ کیا کہ قرآن مجید کو حکم بنائیں تو امام علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ کہ بولتا ہوا قرآن تو میں ہوں " (میرا فیصلہ ناطق ہوگا یا قرآن چپ کا) ینابیع صہ ۶۵

ان ہی علیؑ کی امام ترمذی نے شرح رسالہ موسوم بفتح المبین میں لکھا ہے کہ ابن عباسؓ نے کہا۔ ہو امام المفسرین۔ علی امام ہیں تمام مفسرین قرآن کے۔ (ینابیع صہ ۶۵)

ان ہی علی کی نسبت موفق بن احمد نے روایت کی ہے کہ سلیمان نے فرمایا کہ جناب رسالتمآب صلعم کا ارشاد ہے کہ اعلم امتی علی میری تمام اُمت میں سب سے بڑا عالم علیؑ ہے۔

یہی وہ علیؑ ہیں جنہوں نے مجمع صحابہ کبار و مہاجرین والصار میں فرمایا

لقد خزنت علم الاولین وانّنی	ضنین بعلم الآخرین کتوم
وکاشف اسرار الغیوب باسرها	وعندی حدیث حادث وقدیم
وانی القیوم علی کل قیّم	محیط بکل العالمین علیم

(دیکھو در منظوم ابن طلحہ حلبی شافعی کی۔ اور ینابیع المودۃ صہ ۷۳ چھاپ بمبئی)

مگر کسی صحابی نے اس کلام پر آپ کے اعتراض نہیں کیا۔ جس سے ثابت ہوا کہ سب کو اعلمیت کا اقرار تھا اور سب جانتے تھے کہ آپ سب سے بڑا عالم تمام عوالم کے حالات کا کوئی نہیں۔ انہیں اشعار میں یہ جملہ بھی

ہے - محیط بکل العالمین تمام عالموں کا احاطہ میں نے کر لیا ہے - یعنی جتنے عالم خدا نے مخلوق فرمائے ہیں اُن سب کا علم مجھے ہے - جس سے معلوم ہوا کہ صرف عالم دنیا کا علم آپ کو نہیں - بلکہ عالم بالا میں جس قدر معلومات ہیں اور دیگر عوالم مخفیہ میں اُن سب کا علم آپکے پاس ہے -

پس ایسا شخص من عندہ علم الکتاب ہو سکتا ہے یا بیچارہ عبداللہ بن سلام - جسکی تعریف میں کوئی آیت ہی قرآن کی نازل نہیں ہوئی -

علاوہ بریں اسکی تصدیق اُن مرجوعات سے بھی ہوتی ہے جو عہد صحابہ میں ہوئے ہیں - کہ جو کوئی مسئلہ پیش ہوا وہ علیؑ کے سامنے پیش کیا گیا - ایک نہیں بلکہ اگر سب جمع کئے جائیں تو ایک دفتر اُن کے لیئے درکار ہو - اور ہزاروں تک اونکی تعداد پہونچ جائے - جب ہی تو موفق بن احمد نے اپنی مناقب (کے صفحہ ۶۲ نسخہ قلمی) میں لکھا ہے کان عمر ابن الخطاب یقول لعلی ابن ابیطالب فیما کان یسئل عنہ فیفرج عنہ لا ابقانی اللہ بعدک یا علی - حضرت عمر ابن الخطاب جب کوئی مسئلہ پوچھتے - اور علی ابن ابیطالبؑ اُسے حل کر دیتے تو کہا کرتے تھے کہ یا علیؑ خدا مجھے تمہارے بعد زندہ نہ رکھے (ایسا نہ ہو کہ تمہارے بعد کوئی مسئلہ پیش آئے اور کوئی اُسکا حل کرنیوالا نہ ہو -)

اور نیز حضرت عمر فرمایا کرتے تھے عجزت النساء ان تلدن مثل علی ابن ابیطالب عورتیں عاجز ہیں اس سے کہ علیؑ کا سا بچہ پیدا کر سکیں - (دیکھو مناقب وخطب خوارزم صفحہ ۴۹) اور فرمایا کرتے تھے لولا علی لھلک عمر - اگر علی نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو گیا تھا" گویا حضرت عمر علی ابن ابیطالبؑ علیہ السلام کو اپنی زندگی کا سبب وذریعہ سمجھتے تھے - یا اپنی نجات کا - (مگر افسوس کہ اُن کے بعد کئی لوگوں نے جناب امیر المؤمنین علیہ السلام کو ایسا نہ سمجھا اور اُن کے دامن سے اپنے ہاتھ کھینچ لیئے)

حضرت ابوبکر کو رسولؐ کا حلیہ مبارک یاد نہ تھا

یہی حال خلافت اولی کا بھی تھا اُس دربار میں بھی جب کوئی پیچیدگی پیدا ہوتی تو اُس کے حل کرنے والے صرف علی ابن ابیطالبؑ ہی ہوتے تھے چنانچہ محب الدین طبری نے کتاب ذخائر العقبیٰ کے آٹھویں باب (ذکر رجوع ابی بکر وعمر الی قول علی)

منقول از تشیید المطاعن جلد اول ص ۳۰۴

میں لکھا ہی - عن ابن عمرؓ قال ان الیہود جاء الی ابی بکر فقال صف لنا صاحبک فقال یامعشر الیہود ولقد کنت معہٗ فی الغار کاصبعی ہاتین ولقد صعدت معہ جبل حراء وان خنصری لفی خنصرہ ولکن الحدیث عنہ شدید وہذا علی ابن ابیطالب فاتو علیاً فقالو یا اباالحسن صف لنا ابن عمک فوصفہ لہم - انتہی -

ترجمہ - ابن عمرؓ سے مروی ہی کہ ایک روز یہود ابوبکرؓ کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ اپنے صاحب (مراد رسول خدا ہیں) کی صفت (حلیہ) ہم سے بیان کرو - اُنہوں نے کہا اے گروہ یہود میں اُن کے ساتھ غار میں اس قدر قریب تھا جیسے میری یہہ دونو انگلیاں ہیں اور اُن کے ساتھ کوہ حرا پر بھی چڑھا تھا بھی چڑھا بھی اسطرح کہ میری انگلی اون کی اُنگلی میں تہی (یعنی میرا ہاتھ اُن کے ہاتھ میں تھا) لیکن اُن کے متعلق کچھہ بیان کرنا بہت دشوار کام ہی - یہہ علی ابن ابیطالب موجود ہیں - اون کے پاس جاؤ اور پوچھو)

پس لوگ اُن کے پاس آئے اور کہا کہ اے ابوالحسن اپنے ابن عم کا حلیہ ہم سے بیان کرو - تو اُنہوں نے بیان کردیا

حضرت ابوبکر ایک یہودی کے جواب سے عاجز رہے

نیز ایک اور واقعہ ابو محمد احمد بن محمد بن علی عاصمی نے کتاب زین الفتیٰ کی فصل پنجم (انے ذکر شباہتہ النبی) میں لکھا ہی اور وہ یہہ ہی عن انس قال اقبال یہودی بعد وفاۃ النبیؐ حتی دخل المسجد فقال این وصی المصطفےٰ محمدؐ فاشار القوم الی ابی بکر فوقف علیہ وقال انی ارید ان اسئلک عن اشیاء لایعلمہا الا نبی او وصی نبی قال ابوبکر اطلع بذالک قال الیہودی اخبرنی عما لیس للہ وعما لیس عند اللہ وعما لایعلم اللہ فقال ابوبکر ہذہ مسائل الزنادقہ وہم ابوبکر والمسلمون بالیہودی فقال ابن عباس ما انصفتم الرجل فقال ابوبکر اما سمعت ما تکلم بہ فقال ابن عباس ان کان عندکم جوابہ والا فاذہبوا بہ الی من یجیبہ قال سمعت رسول اللہ یقول لعلی ابن ابیطالب اللہم اہد قلبہ وثبت لسانہ قال فقام ابوبکر ومن حضرہ حتی اتوا امیر المؤمنین واستاذنوا علیہ وقال ابوبکر یا اباالحسن ان ہذا الیہودی سالنی عن مسائل الزنادقہ - فقال علی اما مالا یعلمہ اللہ عزوجل فذالک قولکم یامعشر الیہود عزیر ابن اللہ واللہ لایعلم لنفسہ ولداً واما قولک اخبرنی عما لیس للہ فلیس للہ شریک - وفی روایۃ غیر ہذہ الروایۃ ولا قولک عما لیس عند اللہ فلیس عند اللہ فقر

ولا جور فقال الیہودی اشہد ان لا الہ الا اللہ و ان محمداً رسول اللہ و اشہد انک وصی رسول اللہ
وقال المسلمون یا علی ابن ابیطالب یا مفرج الکرب۔ انتہیٰ۔

ترجمہ۔ اُس سے روایت ہے کہ ایک یہودی بعد وفات نبیؐ مسجد میں داخل ہوا اور کہنے لگا کہ وصی محمدؐ کہاں ہیں لوگوں نے ابوبکر کی طرف اشارہ کیا وہ سامنے آیا اور کہنے لگا کہ میں تم سے کچھ باتیں دریافت کرنا چاہتا ہوں جنکو نبیؐ یا وصی نبیؐ کے سوا کوئی اور نہیں جانتا۔ ابوبکر نے کہا پوچھ جو تیرے دلمیں آیا ہے یہودی نے کہا کہ بتاؤ وہ چیز جو خدا کے لیئے نہیں ہے اور وہ چیز جو خدا کے نزدیک نہیں ہے اور وہ چیز جس کا علم خدا کو نہیں ہے یہ سنکر ابوبکر نے کہا یہ زندیقیوں کے مسائل ہیں۔ پھر ابوبکرؓ نے اور دیگر مسلمانوں نے اُس کے (مارنے) کا قصد کیا تو ابن عباسؓ نے کہا کہ تم لوگوں نے اس شخص کے ساتھ کیا خوب انصاف کیا ہے پس ابوبکرؓ نے کہا کیا تم نے اس کا کلام نہیں سُنا۔ ابن عباسؓ نے کہا کہ اگر تمہارے پاس اسکی باتوں کا جواب ہو تو دیدو ورنہ اُس کو لیجاؤ اُس شخص کے پاس جو اس کا جواب دیدے گا۔ کیونکہ میں نے سُنا ہے رسول اللہؐ کو کہتے ہوئے علی ابن ابیطالبؑ کے متعلق کہ خدایا اس کے قلب کو ہدایت دے اور اسکی زبان کو ثابت کرے۔ پس ابوبکر اور دیگر حاضرین اُٹھے اور امیر المومنینؑ کے پاس آئے ابوبکرؓ نے کہا ای ابوالحسنؑ اس یہودی نے مجھ سے زنادقہ کے مسائل پوچھے ہیں پس علیؑ نے کہا ای گروہ یہود جس چیز کو خدا نہیں جانتا وہ تمہارا یہ قول ہے کہ عزیر خدا کے بیٹے ہیں کیونکہ کسی کو خدا اپنا بیٹا نہیں جانتا۔ اور تیرا کہنا کہ مجھے وہ چیز بتاؤ جو خدا کے لیئے نہیں ہے پس (اُس کا جواب یہ ہے) کہ خدا کے لیئے شریک نہیں ہے۔ اور دوسری روایت میں یہ بھی ہے کہ تیری اس قول کا کہ کونسی چیز خدا کے پاس نہیں ہے (جواب یہ ہے کہ) خدا کے پاس ظلم اور جور و ظلم نہیں ہے۔ پس یہودی نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اور محمد رسول اللہ تھے۔ اور گواہی دیتا ہوں کہ تم وصی رسول ہو۔ یہ سنکر اہل اسلام نے علی ابن ابیطالبؑ کو کہا یا مفرج القلوب (ای تمام کرب بےچینی کے دور کرنے والے)

ان تمام واقعات پر نظر کرنے سے یقین کامل حاصل ہوتا ہے کہ علی ابن ابیطالب ہی من عندہ علم الکتاب سے مقصود ہیں۔ اور واقعی اُن ہی کی یہ شان ہے کہ خدا کے ساتھ گواہی میں رسالت خاتم المرسلین علیہ الصلوٰۃ والسلام کے شریک ہوں اسلیئے کہ خدا کے ساتھ شرکت کرنیوالا گواہ وہی ہوسکتا ہے۔ جو واقعاً معصوم ہو۔ اور معلوم ہے کہ عبداللہ بن سلام وغیرہ معصوم نہ تھے بلکہ ابتدائے عمر ان کی کفر میں بسر ہوئی ہے بخلاف امیرالمؤمنین علی ابن ابیطالب علیہ السلام کے کہ اُنکا معصوم ہونا بدلائل قطعیہ معلوم ہے پس ان کے سوا کوئی شخص من عندہ علم الکتاب کا مصداق نہیں ہوسکتا۔ درانحالیکہ آپکا علم خود اسکی گواہی دے رہا ہے اور واقعات تاریخیہ خود اسکا فیصلہ کر رہی ہیں۔ اور کثیر روایات بھی اسکی تائید کر رہی ہیں۔ جیسا کہ ہم نے سابق میں بیان کر دیا ہے فافہم واغتنم

آیت ۵۳ ج ۱۴ ع ۳

قال ہٰذا صراط علیّ مستقیم اس آیت کو بھی مفسرین اور قارئین نے ایسی گومگو میں ڈالا ہے کہ واقعی پتہ نہ معلوم ہوسکے کہ کیا ہے اور مقصود باری تعالیٰ کس امر کا بیان کرنا ہے۔ علامہ ابوالسعود اپنی تفسیر میں (جو حاشیہ تفسیر کبیر پر چھپی ہے حاشیہ صہ ۱۰۱ جلد پنجم) کہ تقدیر عبارت یہ ہے ہٰذا صراط حق علیّ ان اراعیہٗ یعنے صراط کے بعد حقؔ محذوف ہے اور علی کے بعد ان اراعیہٗ محذوف ہے۔ جسکے معنے یہ ہوئے کہ یہ راہ وہ ہے کہ جسکی رعایت کرنی مجھپر لازم ہے۔ یہی مطلب علامہ بیضاوی نے بھی اپنی تفسیر میں لکھا ہے۔

امام فخرالدین رازی اپنی تفسیر کبیر جلد پنجم صہ ۴۰۱ میں لکھتے ہیں کہ ہٰذا کے معنے اور اس سے مقصود اخلاص ہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ اخلاص راہ مجھپر یعنے میری طرف۔

دوسرا قول حسن بصری کا لکھا ہوا ہے وہ کہتے ہیں کہ عَلَیَّ کے معنے الیَّ کے ہیں یعنے یہ راہ میری طرف سیدھی۔

تیسرا قول یہ لکھا ہے کہ مقصود اس سے یہ ہے کہ یہ وہ راہ ہے کہ جو کوئی اسپر چلا وہ گویا مجھپر چلا۔ یعنے میرے رضوان وکرامت پر چلا۔

چوتھی وجہ یہ لکھی ہے کہ صراط علی تقریرہ و تاکیدہ وہو مستقیم یعنے دراصل اسکا مطلب یہ ہی کہ یہ راہ ایسی ہے جسے مضبوط و محکم کرنا مجہپر فرض ہو اور وہ سیدھی راہ ہی۔

یعقوب نے اسکو صراطٌ عَلِیٌّ پڑہا ہو یعنے یہ راہ بلند و سیدھی ہے۔ یہی قرارت قتادہ ابن عباد اور ابن سیرین کی بہی ہی۔ (دیکھو درمنثور جلد ۴ صفحہ ۹۹)

غرض آجتک یہ طے نہیں ہوا کہ یہ لفظ عَلَیَّ ہے یا عَلِیٌّ ہے اور نہ یہ طے ہوا کہ مطلب اس کا کیا ہی۔ کوئی کچھ کہتا ہی اور کوئی کچھ۔ یہ کسی نے نہ بتایا کہ آخر جناب سرور کائنات محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ و آلہ نے اسکو کیونکر پڑہا ہی۔ اور کیا مطلب بیان فرمایا ہی۔ قتادہ۔ یعقوب۔ مجاہد ابن سیرین وغیرہ سب کے نام آگئے مگر رسول اللہ کا کہیں نام نہ آیا۔

کس قدر مقام افسوس ہی کہ لکھی جاے تفسیر قرآن اور جسپر قرآن نازل ہوا اُس کا کوئی قول نہ لکھا جائے کہ آخر اُس نے کیا بتایا ہی۔ ہر شخص اپنی رائے بتا رہا ہی رسول اللہ اور انکی رائے کوئی نہیں بتاتا۔ باوجود دیکہ یہ جتنی رائیں مذکور ہوئیں سب تخمینی ہیں یقینی کوئی نہیں۔ بلکہ سب میں کچھ نہ کچھ اعتراض ہے۔

وہ مطلب جسے علامہ ابن سعود نے لکھا ہو کہ یہاں سے لفظ حقٌ اور ان اراعیہ محذوف ہے اور بلا قرینہ کیوں حذف کیے گئے تو اسکا کوئی جواب نہیں ملسکتا۔

جس نے کہا ہو کہ عَلَیَّ کے معنے اِلَیَّ کے ہیں اُن سے دریافت طلب یہ بات ہی کہ کس دلیل سے آپنے علیٰ کو الیٰ کے معنے میں لیا ہی۔

جن لوگوں نے ہذا سے مقصود اخلاص بتایا ہے اُن سے سوال ہے کہ یہ لفظ کہاں سے پیدا کیا گیا اور کس قرینہ سے یہ مقصود سمجھا گیا۔ پھر یہ کہ اخلاص کا صلہ لام سے ہوتا ہے نہ علی سے آپنے کس دلیل سے اوسکا صلہ علی کو بتایا ہے۔

جن لوگوں نے اس لفظ علی کو علی پڑہا ہو اُن سے سوال ہے کہ راہ کی صفت عَلِیٌّ کس عربی نے بنائی ہو اور اسکا شاہد کیا ہی۔ بغیر سند کے کیونکر اسے مانا جائے۔ علاوہ بریں راہ کی صفت عربی

زبان میں مستقیم سوے مستوی۔ ابلج۔ واضح وغیرہ تو ضرور کلام عرب ہے موجود ہو۔ مگر علیؑ۔ یا رفیع تو کسی نے نہیں کہا۔ اور نہ راہ کا ملبند ہونا۔ اونکی کوئی خوبی ہو۔ ہاں سیدھا ہونا۔ روشن ہونا البتہ راہ کی خوبی ہو اور سب سے جانتے ہیں۔

بہرحال جو کچھ بھی بیان کیا گیا ہو اور وہ قیاسی اور تخمینی باتیں ہیں۔ جن کا کوئی ثبوت نہیں۔ کیونکہ انکا کوئی ماخذ نہیں۔ ہاں اگر خانہ اصحاب میں آکر یا خانہ اہلبیت میں آکر دریافت کرتے یا خود جناب رسول اللہ سے پوچھتے تو ضرور معلوم ہو جاتا۔

اب میں آپ کو بتاتا ہوں کہ اصحاب میں سے ابو بریدہؓ کہا ہو صراط مستقیم سے مراد صراط محمدؐ و آل محمدؐ (یعنے محمدؐ و آل محمدؐ کی راہ) ہے (دیکھو ارجح المطالب ص۹۷)

ابن عباسؓ نے کہا کہ صراط مستقیم سے مراد اسلام ہو (دیکھو تفسیر در منثور جلد ا ص۱۵)

اور رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے۔ جبکہ امیرالمومنین علیہ السلام عمرو بن عبدود سے لڑنے کے لئے چلے ہیں برز الاسلام کلہ الی الکفر کلہ پورا اسلام پورے کفر کی طرف جاتا ہو۔ جس سے معلوم ہوا کہ پورا اسلام صرف علی ابن ابیطالب ہیں۔ اور صراط مستقیم اسلام ہو۔ تو قیاس یوں بنا کہ صراط مستقیم اسلام ہو اور اسلام علی ابن ابیطالبؑ ہیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ صراط مستقیم علی بن ابیطالبؑ ہیں۔

یہی مطلب جناب صادق آل محمدؐ و امام محمد باقرؑ سے بھی مروی ہو۔ فرمایا الصراط المستقیم الامام صراط مستقیم سے مراد امام ہے۔ (دیکھو ینابیع المودۃ شاہ سلیمان حنفی ص۱۰۹ چھاپ بمبئی)

اور یہی بات رسول خدا صلے اللہ علیہ و آلہ نے بھی فرمائی ہے ان تومروا علیاً ولا اراکم فاعلین تجدوہ ہادیاً مہدیاً یاخذ بکم الصراط المستقیم اگر تم علی کو امام و حاکم بناؤگے (حالانکہ تم ایسا نہ کروگی) تو انہیں ہادی و مہدی پاؤگے) جو تمہیں صراط مستقیم پر لیچلیگا۔

ان تمام احادیث پر نظر کرنے سے فیصلہ ہو جاتا ہو کہ دراصل آیت مذکورہ میں نام علی ابن ابیطالبؑ کا صریحاً مذکور ہو یعنے ہذا صراط علیٌّ مستقیم۔ یہ علی کی راہ ہو جو مستقیم ہے مگر لوگوں نے اسے ہیر پھیر کے دوسری صورتوں میں کر لیا ہو۔ اور اسمیں کوئی تعجب کا مقام نہیں جبکہ اکثر مقام سے

نام ہی حضرت کا نکال ڈالا ہے۔ حالانکہ خدا نے تصریح فرما دیا تھا۔

ملاحظہ ہو تفسیر درمنثور سیوطی جلد پنجم صٓ ۱۹۲ چھاپ مصر اخرج بن ابی حاتم و ابن مردویہ و ابن عساکر

عن ابن مسعودؓ انہ کان یقرء ہذا الحرف وکفی اللہ المؤمنین القتال بعلی ابن ابیطالبؑ یعنی ابن ابی حاتم ابن مردویہ ابن عساکر یہ تینوں بزرگوار راوی ہیں کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ آیہ کفی اللہ المؤمنین القتال کو اسطرح پڑہتے تھے۔ کفی اللہ المؤمنین القتال بعلی ابن ابیطالبؑ مگر آج آپ تمام قلمی اور چھاپہ خانوں کے قرآنوں میں دیکھہ جائیے کہیں لفظ بعلی ابن ابیطالبؑ ملیگا۔ آخر اسکا کیا سبب ہے؟ یہی نہ کہ نکال ڈالا گیا۔ اگرچہ اصل نزول قرآن کے خلاف ہی کیوں نہ ہو

پھر ملاحظہ ہو درمنثور ج دوم صٓ ۲۹۸ اخرج ابن مردویہ عن ابن مسعود قال کنّا نقرء علی عہد رسول اللہؐ یا ایہا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک ان علیًا مولی المؤمنین وان لم تفعل فما بلغت رسالتہ واللہ یعصمک من الناس۔ یعنے حافظ ابو بکر ابن مردویہ نے ابن مسعود سے روایت کی ہے کہ ہم لوگ آیہ بلغ کو اسطرح پڑہتے تھے۔ جسمیں یہہ بھی تھا کہ ان علیًا مولی المؤمنین (یعنی علی مولا ہے تمام مؤمنین کا) اور یہہ پڑہنا ہمارا عہد رسول اللہؐ میں تھا" جس سے معلوم ہوا (کہ بعد عہد رسول اللہ کے) ان علیًا مولی المؤمنین کو لوگوں نے قرآن مجید سے نکال ڈالا۔

بہر صورت جب مسلمہ لفظ علیؑ کو دو مقام پر قرآن مجید سے نکال ڈالا گیا تو کیا تعجب ہے اگر ایک اور مقام پر اُسے ہیر پھیر کر پڑہا گیا ہو۔ بلکہ اس کا ثبوت بھی موجود ہے کہ واقعًا یہہ لفظ علیؑ تھا۔ بالکسر جسکو اب بالفتح پڑھتے ہیں۔ (نقل از روایح القرآن صٓ ۲۳۳) چنانچہ مناقب خوارزمی میں ہے

عن البصری انہ کان یقرء حرف ہذا صراط علیؑ مستقیم ویقول معناہ ہذا صراط علی ابن ابیطالب ودینہ طریق ودین مستقیم"

جسکے بعد تسلیم میں سوائے جحود و تعصب کے اور کوئی بات مانع نہیں ہو سکتی۔ خدا توفیق دے اہل اسلام کو کہ اس راہ مستقیم پر چلنے کی کوشش کریں جو جلد سے جلد منزل مقصود تک پہونچانیوالی ہے۔

ونزعنا ما فی صدورہم من غل اخوانا علی سرر متقابلین " ہم نے نکال دیا اُس سوزش کو جو اُن کے دل میں تھی - اور جنت میں اسطرح ہونگے جیسے بھائی بھائی تختوں پر ایک دوسرے کے مقابل بیٹھے ہونگے - دنیا میں بھائی بھائی تو بہت ہیں - مگر وہ اخوت جو جناب سرور کائناتؐ اور علی مرتضےؑ میں تھی اُس کے برابر کوئی اخوت نہیں ہو سکتی - کس قدر بلند مرتبہ ہے وہ بزرگ جس کا بھائی محمد مصطفٰے صلے اللہ علیہ وآلہ سا رسول خاتم النبیین واشرف المرسلین ہو اور کیا سعید ہے وہ روح جسے خود پروردگار عالم اپنے رسول کا اخ فرمائے اور کہے اخوانا علی سرر متقبلین - بھائی بھائی جنت کے سریروں پر ایک دوسرے کے مقابل ہونگے -

امام موفق بن احمد نے اپنے مناقب کے فصل چہاردہم صفحہ ۱۰۱ نسخہ قلمی میں فقرہ مواخاۃ کو بیان کرتے ہوئے لکھا ہے (کہ جب تمام اصحاب کے درمیان آنحضرتؐ نے اخوت قائم کر دی - حضرت عمر کو حضرت ابوبکر کا بھائی قرار دیا اور عثمان کو عبدالرحمن بن عوف کا - طلحہ کو زبیر کا - عمار کو سعد کا - ابودردا کو سلمان کا - بھائی بنا دیا اور امیر المؤمنین کی اخوت کسی کے ساتھ نہ قایم کی تو امیر المؤمنینؑ کو ایک گونہ ملال ہوا) فقال لہ علی لقد ذہب روحی وانقطع ظہری حین رایتک فعلت باصحابک ما فعلت غیری وان کان من سخط فلک العتبیٰ والکرامۃ فقال رسول اللہ والذی بعثنی بالحق نبیا ما اخرتک الا لنفسی و انت منی بمنزلۃ ہارون من موسیٰ غیر انہ لا نبی بعدی وانت اخی ووارثی قال وما ارث منک یا نبی اللہ قال وما ورثہ الانبیاء قبلی قال وما ہو قال کتاب ربہم وسنۃ نبیہم وانت معی فی قصری فی الجنۃ مع فاطمۃ ابنتی وانت اخی ورفیقی ثم تلا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اخوانا علی سرر متقابلین المتحابین فی اللہ ینظر بعضہم الی بعض " تو علی ابن ابیطالبؑ نے کہا - میری روح نکل گئی - اور کمر شکستہ ہو گئی جبکہ میں نے دیکھا کہ آپ (رسولخدا) نے اپنے اصحاب کے ساتھ جو کچھ کیا (صیغہ اخوت) اور مجھے چھوڑ دیا - تو اگر یہ بات کسی ناراضی سے ہے تو آپ معاف فرمائیں اور کرم کریں - پس آنحضرتؐ نے فرمایا قسم اوسکی جس نے مجھے نبی بنا کر مبعوث کیا ہے کہ میں نے تم کو صرف اپنے لیئے

خزانہ کر رکھا ہی اور تم مجھ سے بمنزلہ ہارون کے ہو موسٰے سے سوائے اسکے کہ میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا اور تم میرے بھائی اور میرے وارث ہو۔ علیؑ نے کہا کہ میں آپ سے کس شے کا وارث ہونگا؟ فرمایا جس کے وارث انبیاء ہوتے ہیں۔ (یا مجھ سے پہلے والے انبیاء جن چیزوں کا وارث کر گئے ہیں) کہا وہ کیا ہی؟ فرمایا وہ کتاب پروردگار اور سنت نبی ہے۔ اور تم میرے ہمراہ میرے قصر میں جنت میں ہوگے فاطمہ کے ہمراہ اور تم میرے بھائی اور رفیق ہو۔ پھر یہہ آیت آپنے تلاوت فرمائی اخوانا علی سرر متقابلین۔ کہ آپسمیں فی اللہ محبت رکھتے ہوئے ایک دوسرے کو تختوں پر جنت کے آمنے سامنے بھائی بھائی بنے دیکھینگے۔

امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں اسطرح روایت کی ہی عن زید بن ابی اوفی قال لما اخی رسول اللہ بین اصحابہ فقال علی یا رسول اللہ اخیت بین اصحابک ولم تواخ بینی و بین احد فقال والذی بعثنی بالحق نبیا ما اخرتک الا لنفسی انت منی بمنزلۃ ہارون من موسیٰ الا انہ لا نبی من بعدی وانت اخی ووارثی وانت معہ فی قصری فی الجنۃ مع ابنتی فاطمۃ وانت اخی ورفیقی ثم تلا اخوانا علی سرر متقابلین المتحابین فی اللہ ینظر بعضہم الی بعض۔ (دیکھو ینابیع المودۃ صـ۴۶ چھاپ بمبئی)

اس حدیث کا ترجمہ بھی قریب قریب وہی ہی۔ جو پہلے مذکور ہوا۔ اور اسمیں بھی بتایا ہی کہ آنحضرتؐ نے اس آیت مذکورہ بالا کو اُس موقعہ پر تلاوت کیا ہے جبکہ اپنے اور علی ابن ابیطالبؑ کے درمیان برادری قائم کی ہے۔

بہرحال معلوم ہوا کہ اس کا تعلق جناب سرور کائناتؐ اور علی ابن ابیطالب علیہ السلام سے ہے اور یہہ کہ وہ دو بھائی ہیں جنکو خدا فرماتا ہے کہ جنت میں تخت ہائے جنت پر ایک دوسرے کے مقابل خوش خوش بیٹھے ہونگے اور ایک دوسرے کو دیکھکر مسرور ہوتا ہوگا۔

جس سے چند باتیں معلوم ہوئیں۔ ایک یہہ کہ جناب سرور کائنات نے جسوقت اصحاب کے درمیان بھائی چارہ کیا ہی۔ حضرت حمزہ کو زید بن حارثہ کا بھائی بنایا۔ معاذ بن جبل اور جعفر بن ابیطالبؑ میں اخوت قائم کی۔ ابوبکر کو عمر کا بھائی بنایا (بروایت شیخ الشیوخ محی الدین عربی) زید بن

خارجہ کا) عمر کو عتبان کا (بروایت موفق بن احمد ابوبکر کا) عبدالرحمٰن بن عوف کو سعد بن ربیع کا (یا عثمان کا بروایت موفق بن احمد) زبیر کو سلمہ بن سلامہ کا (یا طلحہ کا بروایت موفق بن احمد) وغیرہ وغیرہ تو امیرالمؤمنین علی ابن ابیطالب علیہ السلام کو سوائے اپنے اور کسی بھائی نہ بنایا جس سے معلوم ہوا کہ ہر ایک صحابی کا ہمسر دوسرا اصحابی موجود تھا مگر امیرالمؤمنین علیہ السلام کا ہمسر اصحاب میں کوئی نہ تھا۔ اگر اونکا ہمسر کوئی تھا تو وہ ذات قدسیہ جناب خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ و آلہ تھے۔ یہی وجہ تھی کہ آنحضرتؐ نے اونکو اپنا اخ بنایا اور فرمایا انت اخی فی الدنیا والآخرۃ۔

(۲) یہ بھی معلوم ہوا کہ علی ابن ابیطالب علیہ السلام وہ بزرگوار ہیں جنسے افضلیت کا خیال کسی اور شخص کی نسبت کرنا ایسا ہے جیسے رسول اللہؐ سے افضل ہونیکا خیال۔ مگر رسول اللہؐ سے کسی کے افضل ہونیکا اعتقاد کرنا کفر ہے لہذا علی ابن ابیطالب علیہ السلام سے بھی کسی کے افضل ہونیکا خیال کرنا کفر ہے۔ ہاں اگر کوئی شخص اصحاب میں رسول اللہؐ سے افضل ہوسکتا ہے تو وہ بیشک علی ابن ابیطالبؑ سے افضل ہوسکتا ہے۔ اور اگر اُن سے افضل نہیں ہوسکتا تو اُن سے بھی افضل نہیں ہوسکتا۔ لہذا وہ لوگ سخت غلطی پر ہیں جو کسی کے امیرالمؤمنین علیہ السلام سے افضل ہونے کا اعتقاد رکھتے ہیں۔

اس وجہ سے امام احمد بن حنبل نے جو فیصلہ کیا ہے وہ یہی ہے کہ تفضیل کا خیال باہم اصحاب کے درمیان ہوسکتا ہے مثلاً ابوبکر افضل عمر سے عمر افضل عثمان سے۔ لیکن علیؑ کی بابت یہ خیال غلط ہے کیونکہ وہ اہلبیتؑ میں سے ہے۔ لایقاس بہولاد اوروں کا ان سے مقابلہ یا قیاس نہیں کیا جاسکتا (دیکھو ینابیع شیخ سلیمان قندوزی حنفی ص۲۱۰ چھاپ بمبئی)

(۳) امیرالمؤمنینؑ کا رسول اللہؐ سے اخوت رکھنا ایسا مسئلہ ہے جسپر خود امیرالمؤمنین علیہ السلام کو ناز تھا اور فرمایا کرتے تھے انا عبداللہ واخو رسول اللہ وانا الصدیق الاکبر ولقد صلیت قبل الناس سبع سنین اخرجہ الحافظ الخلعی۔ دیکھو ذخائر العقبیٰ مصنفہ امام الحرم احمد بن عبداللہ شافعی مکی) اور دیکھو کتاب ینابیع المودۃ ص۱۶۸ چھاپ بمبئی)

یہی وہ اخوت ہے جس کا ذکر صرف دنیا ہی میں نہیں بلکہ قبل خلقت دنیا ہی تھا۔ چنانچہ جابر انصاری سے مروی ہے۔ قال رسول اللہ ص مکتوب علی باب الجنۃ قبل ان یخلق اللہ السماوات والارض بالفی عام محمد رسول اللہ وعلی اخوہ۔ (رواہ ابن مغازلی) کہ آنحضرت نے فرمایا دروازہ جنت پر قبل خلقت سماوات وارض کے لکھا ہوا ہے (دوہزار برس پیشتر) کہ محمد رسول خدا ہے اور علی آپکا اخ (بھائی) ہے۔ (ینابیع صفحہ ۱۹۴ چھاپ بمبئی)

یہی وہ اخوت ہے کہ قیامت میں یہی پکاری جائیگی اور اُس رستخیز کے میدان میں بھی اسی کا نام لیا جائیگا۔ چنانچہ عبداللہ بن احمد بن حنبل نے زوائد مسند میں اپنی سند سے مخدوج بن زید ہذلی سے روایت کی ہے کہ جس وقت آنحضرت ص نے اصحاب کے درمیان اخوت قائم کی تو فرمایا کہ یا علی انت اخی یا علی میری تم بھائی ہو۔ اور تم مجھ سے ویسے ہی ہو جیسے ہارون موسٰے سے تھے۔ مگر یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہوگا تم ہی کو میرا علم جس کا نام لواء الحمد ہے دیا جاویگا۔ یا علی شاد ہو کہ تم سب سے پہلے قیامت میں پکاری جاؤگے۔ تم کو لباس (خلعت) پہنایا جائیگا۔ جب مجھکو پہنایا جائیگا۔ اور تم اُس وقت پکارے جاؤگے جب میں پکارا جاؤنگا۔ اور تم اُسوقت زندہ کیے جاؤگے جب میں زندہ کیا جاؤنگا۔ اور حسنؑ و حسینؑ تمہارے ساتھ ہونگے یہانتک کہ تم میرے اور ابراہیم (خلیل اللہ) کے درمیان کھڑے ہوگے۔ عرش کے سایہ میں۔ پھر ایک منادی پکاریگا نعم الاب ابوک ابراہیم ونعم الاخ اخوک علیؑ۔ اچھا باپ ہے تمہارا باپ ابراہیمؑ اور اچھا بھائی ہے تمہارا بھائی علیؑ۔ (دیکھو ینابیع المودۃ صفحہ ۴۷ چھاپ بمبئی)

(۴) اس مسئلہ اخوت سے تمام منازل ومراحل مبحوث عنہا طے ہوجاتے ہیں اگر ذرا غور کیا جائے کیونکہ اس اخوت نے ثابت کردیا کہ علی ابن ابیطالب علیہ السلام ہمسر رسول خدا ہیں صلے اللہ علیہما وآلہما۔ اگر فرق ہے تو صرف نبوت وامامت کا جسے بار بار آنحضرتؐ نے ظاہر فرمایا ہے اور اس کتاب میں بھی مکرر آچکا ہے۔ پس ایسے شخص کا قائمقام وہی ہوسکتا ہے جو اُس کی مانند ہو اور اُس کے کام کو انجام بھی وہی دیسکتا ہے جسکے دل میں وہی جوش ہو جو منیب کے دل میں تھا۔ وہ اسلام جسے رسول خدا نے کتنی مشقت اور جفاکشی سے بارآور کیا تھا اُسکا دردیا اونکو ہوسکتا ہے یا اُسے جو گوشت و پوست نفس

روح اور اخ ہو نہ کسی دوسرے کو بس اصلاح بھی اوسکی اُس سے ہو سکتی ہے نہ کسی اور سے۔
علاوہ بریں جانشینی کا مسئلہ خود ہی ایسا ہی جو ہر عاقل خود بخود فیصلہ کرے سکتا ہو کہ نائب یا قائمقام کون ہو سکتا ہو آیا وہ جو منصب کے لیے مثل و مساوی ہو۔ یا وہ جسے کچھ علم و عقل و دین و دیانت سے واسطہ ہی نہ ہو۔ لہذا میرے نزدیک بعد ثبوت، اخوت کے مسئلہ خلافت اول میں بحث کرنا فضول ہے یا تو ان احادیث کو غلط ثابت کیا جائے جنمیں اخوت کا ذکر ہے اور یا امیر المومنین علیہ السلام کو خلیفہ بلافصل مانا جائے۔ بغیر اسکے چارہ نہیں۔
(۵) مسئلہ اخوت سے خلافت کا استنباط صرف میں نے ہی نہیں کیا ہو بلکہ اس بات کو وہ لوگ بھی سمجھے ہوئے تھے جو صدر اول کہے جاتے ہیں۔ چنانچہ جس مطلب کو میں نے سمجھا ہی وہی حضرت عمر کے زبانی بھی ثابت ہوتا ہے۔ عمر بن الخطابؓ قال رسول اللہؐ لما عقد المواخاۃ بین اصحابہ قال ہذا علی فی الدنیا والآخرۃ وخلیفتی فی اہلی ووصی فی اُمتی ووارث علمی وقاضی دینی مالہ منی مالی منہ نفعہ نفعی وضرہ ضری من احبہ فقد احبنی ومن ابغضہ فقد ابغضنی۔" دیکھو ینابیع المودۃ ص۲۰۸ اور مودۃ القربیٰ سید علی ہمدانی شافعی مودۃ ششم)
جس کا مطلب یہہ ہو کہ حضرت عمر ابن الخطاب کہتے ہیں کہ جب رسول اللہؐ نے عقد مواخاۃ اپنے اصحاب کے درمیان کیا تو فرمایا کہ یہہ علی میرا اخ ہے دنیا و آخرت میں اور خلیفہ ہے میرا میرے اہل میں اور وصی ہی میرا میری اُمت میں اور وارث ہے میرے علم کا اور ادا کرنے والا ہی میرے دین کا اُسکا مال میرا مال ہے اور میرا مال اوسکا مال ہے اوسکا نفع میرا نفع ہے اور اُسکا ضرر میرا ضرر۔ جو اُس سے محبت رکھیگا۔ اُس نے مجھ سے محبت رکھی۔ اور جس نے اُس سے بُغض رکھا اُس نے مجھ سے بُغض رکھا۔
اور اس مطلب کو امام موفق بن احمد اخطب خطبائے خوارزم نے بھی اپنے مناقب کے چودھویں فصل (ص۱۰۳ نسخہ قلمی) میں لکھا ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا ان اللہ عزوجل اختار من کل اُمۃ نبیا واختار لکل نبی وصیا فانا نبی لہذہ الاُمۃ وعلی وصی فی اہلبیتی وعترتی واُمتی من بعدی۔"

خلاصہ یہ کہ حضرت عمر کو بھی اس کا اقرار ہے کہ اخوت کے لیئے خلافت لازم ہے۔ بلکہ آنحضرت نے ہی (باقرار حضرت عمر) فرما دیا ہے کہ علی چونکہ میرا اخ (بھائی) ہے لہٰذا وہی میرا خلیفہ وہی وارث اور قاضی دین ہے اب تو اہل اسلام کو اس سے انکار بے معنی ہے۔ اگر وہ سمجھیں۔)

لیکن یہ باتیں صرف اُس وقت تک تھیں جبتک کہ سلطنت کی ہوس اور پھریروں کا لہرانا۔ اور گھوڑوں کے ٹاپوں کی آواز اور دلربا سونے چاندی کی ٹکیوں نے دلوں پر قبضہ نہیں کیا تھا ادھر ہوس دنیا نے آنکھوں پر پٹی باندھی ادھر یہ تمام حدیثیں فراموش ہو گئیں۔

یہی حال آج بھی دنیا کا ہے کہ دینداری صرف اُسی وقت تک رہتی ہے جبتک دنیا نے دل پر قبضہ نہیں کیا ہے ادھر دنیا سامنے آئی۔ ادھر دین سے موںہ پھیرا۔ اعاذ باللہ من فتنۃ الدنیا و شر کہا و اخراہا۔)

آیت ۵۵۔ ج ۱۴ ع ۱۲ سورہ نحل

فاسئلوا اہل الذکر ان کنتم لا تعلمون ۔ پس سوال کرو اہل ذکر سے اگر تم نہ جانتے ہو۔

اس سے قبل کا جملہ یہ ہے۔ وما ارسلنا من قبلک الا رجالاً نوحی الیہم فاسئلوا اہل الذکر ان کنتم لا تعلمون۔ پروردگار عالم فرماتا ہے اُن لوگوں کے جواب میں جو اس بات کو عجیب سمجھتے تھے کہ پروردگار عالم کسی انسان کو نبی بنائے۔ نبی تو کسی فرشتہ کو ہونا چاہیئے تھا۔ تو خدا تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ کہ ہم نے اس رسول سے پہلے بھی جو انبیاء بھیجے تھے وہ بھی انسان ہی تھے اور مرد تھے۔ (فرشتے تو نہیں تھے) اگر تم لوگ (اے منکرین رسول) اس بات کو نہیں جانتے تو اہل ذکر سے دریافت کر لو۔

یہ موقع گواہی کا رسالت پر جناب سرور کائنات صلے اللہ علیہ وآلہ کے جسکی بابت اس سے پہلے ج ۱۳ ع ۱۱ میں اُس نے فرمایا ہے قل کفی باللہ شہیداً بینی وبینکم ومن عندہ علم الکتاب کہدو اے ہمارے رسول کہ میری نبوت کی گواہی کے لیئے میرے اور تمہارے درمیان خدا کافی اور وہ شخص کافی ہے جسکے پاس علم کتاب (قرآن) ہے اور ہم ثابت کر آئے ہیں کہ من عندہ علم الکتاب سے خاص ذات قدسیہ جناب یعسوب الدین سید الوصیین امیر المؤمنین علی ابن ابیطالب علیہ السلام مراد ہے دکوئی اور

اوسی طرح اس آیت میں رسالت آنحضرتؐ کے دو گواہ بیان ہوئے ہیں۔ ایک تو خود پروردگار عالم ہی جو یہ ارشاد فرما رہا ہے کہ ہم نے اس رسول سے پہلے بھی تو آدمیوں ہی کو رسول بنا کر بھیجا تھا۔ لہذا یہ آدمی (جناب خاتم المرسلین محمد مصطفے صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) بھی ہمارا رسول ہے۔ اور دوسرا گواہ خدا تعالیٰ اہل الذکر کو پیش کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اگر تم لوگونکو اب بھی شبہہ ہو تو میں تمہاری ہی صنف میں سے ایک گواہ اپنی رسول کی رسالت کا اور پیش کرتا ہوں اور وہ اہل ذکر ہیں۔ پس اگر چاہو تو اُن سے پوچھ لو وہ بتا دینگے کہ آیا یہ ہمارا رسول (جو تمہارے سامنے دعوئے نبوت کر رہا ہے) رسول ہی یا نہیں۔ اگر وہ تصدیق کر دے تب تو تمہارا شبہہ رفع ہو جائیگا۔

لہذا جسطرح وہاں من عندہ علم الکتاب سے علی ابن ابیطالب اور اون کے اوصیاء مراد ہیں اوسیطرح اس آیت میں میں بھی وہی مراد ہیں۔ نہ کوئی اور جسپر دوسری دلیل خود لفظ اہل الذکر ہے جو اس آیت میں وارد ہوا ہے۔ کیونکہ "ذکر" ایک نام ہے منجملہ دیگر اسمائے جناب رسالتمآبؐ کے جو قرآن میں مذکور ہوئے ہیں۔ مثلاً طٰہٰ۔ یٰسین۔ مزمل۔ مدثر۔ شمس۔ محمد۔ احمد۔ امی۔ نبی۔ اور رسول وغیرہ۔ چنانچہ خدا تعالیٰ اسی قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے قد انزل اللہ الیکم ذکرا رسولاً یتلو علیکم آیات اللہ بینات (ج ۲۸ ع ۱۸ سورہ طلاق)

بیشک نازل کیا ہی (بھیجا ہی) تمہاری طرف خدا نے ذکر (محمد) کو رسول (بنا کر) جو تلاوت کرتا ہے تمہارے سامنے خدا کی آیات واضحہ کو۔ اور جب کہ جناب محمد مصطفے صلے اللہ علیہ وآلہ ذکر ٹھیرے تو اہل الذکر اُن کے اہلبیتؑ ہوئے۔ جنمیں اول و اقدم و اشرف و اعلیٰ امیر المؤمنینؑ ہیں۔ اور واقعی بھی ایسا ہی ہی اور ہونا بھی ایسا ہی چاہیئے۔ کیونکہ جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہ کی نبوت کی گواہی وہی دیسکتا ہے جو اُن سے بہتر یا کم از کم اُن کے برابر ہو اور اُسکی سچائی میں کسی کو شبہہ نہ ہو سکے اسطور پر کہ وہ معصوم بھی ہو۔ اور معلوم ہی کہ ایسے گواہ سوائے خدا تعالیٰ اور اہلبیتؑ کے اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ خدا تعالیٰ اصدق الصادقین اور مالک سماوات والارضین و مدبر عالم ہے اُس سے بڑا اور اُس سے زیادہ سچا کوئی نہیں۔ اوس کے بعد اگر کسی کا سچائی میں درجہ ہو سکتا ہی

تو معصوم ہی کا اور وہ سوائے اہلبیت طاہرین کے کوئی نہیں جنکی عصمت پر قرآن گواہ ہی اور آیہ تطہیر۔
پس بالضرور اس آیت مذکورۃ الصدر میں اہل الذکر سے اہلبیتؑ ہی مقصود ہیں۔
مگر با تعجب ہے اُن لوگوں سے جنہوں نے اہل الذکر سے مراد اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ یا خاص یہود کو لیا ہی۔ امام فخر الدین رازی تفسیر کبیر جلد پنجم صفحہ ۲۶ میں لکھتے ہیں فی المراد باہل الذکر وجوہ الاول قال ابن عباسؓ یرید اہل التوراۃ اہل ذکر سے کیا مراد ہے؟ اسمیں چند وجوہ ہیں ایک وہ ہی جو ابن عباس سے مروی ہی کہ مراد اس سے اہل توراۃ ہیں۔ (دوسرا) زجاج کا قول ہی کہ اہل الکتاب مراد ہیں۔ (جنمیں نصاریٰ و یہود دونو شامل ہیں)۔ (تیسرے) اخبار ماضیہ کے جاننے والے مراد ہیں (خواہ وہ مشرکین ہی ہوں یا کسی طبقہ کے) (چوتھے) زجاج کا یہ بھی قول ہے کہ مطلقاً وہ لوگ مراد ہیں جو علم و تحقیق سے بات کہتے ہوں۔
امام فخر الدین رازی اپنی رائے لکھتے ہیں کہ الظاہر ان ہذا الشبہہ وہی قولہم اللہ عزوجل واعلیٰ ان یکون رسولہ واحدا من البشرا نما تمسک بہا کفار مکۃ ثم انہم کانو مقرین بان الیہود والنصاریٰ اصحب العلوم والکتب فامرہم اللہ بان یرجعو فی ہذہ المسئلۃ الی الیہو والنصاریٰ الخ
مینو ظاہر یہ ہی یعنے یہ شبہہ کہ خدا تعالیٰ اس سے اجل و اعلیٰ ہے کہ اُسکا رسول کوئی بشر ہو سکے کفار مکہ کا تھا۔ جنہیں یہود و نصاریٰ کے علم کا اقرار تھا لہذا خدا نے اُنھیں حکم دیا کہ اس مسئلہ میں یہود و نصاریٰ کی طرف رجوع کریں۔
یہ کلام ہے اسلام کے امام و عالم کامل فخر الدین رازی کا جو تفسیر کبیر جلد پنجم صفحہ ۲۶ میں مذکور ہی۔
مگر قابل ملاحظہ یہ بات ہی کہ قرآن مجید نے یہود و نصاریٰ کے کیا اوصاف بیان کئے ہیں۔ کہیں فرمایا ہی یحرفون الکلم عن مواضعہ یہ لوگ تحریف کرتے ہیں خدا کے کلام کی اُس کے مواضع سے۔ کہیں فرمایا ہی انکم ظلمتم انفسکم باتخاذکم العجل ای یہود یو تمنے اپنی نفسوں پر ظلم کیا کہ گوسالہ کو معبود بنایا کہیں فرمایا کہ یہود کی وہی ہیں جنھوں نے خدا کی دیدار کا اصرار کیا تھا۔ تو اُنپر بجلی گری اور وہ سب مرگئے۔ اذ قلتم یا موسیٰ لن نؤمن لک حتی نری اللہ جہرۃ فاخذتکم الصاعقۃ وانتم تنظرون۔

کہیں اونکا یہہ وصف بیان کیا ہو کہ اُنہوں نے موسیٰ سے درخواست کی کہ اُن کے لیئے ایک خدا بنا دیں جسے وہ پوجا کریں قالوا یا موسیٰ اجعل لنا الٰہا کما لہم الٰہۃ۔ کہیں انکی تعریف میں فرمایا ہو کہ یہہ لوگ ایسے قسی القلب ہیں جیسے پتھر یا اُس سے بھی زیادہ سخت ثم قست قلوبکم من بعد ذالک فہی کالحجارۃ او اشد قسوۃ کہیں فرمایا ہو کہ یہہ قوم ایسی نافرمان تھی کہ ہم نے انکو بندروں کی شکل میں مسخ کر دیا۔ الذین اعتدوا فی السبت فقلنا لہم قردۃ خاسئین۔ کہیں انکی تعریف یہہ کی کہ اُنپر ذلت و مسکنت ڈال دی اور وہ غضب خدا میں جا ٹھیرے ضربت علیہم الذلۃ والمسکنۃ و باؤ بغضب من اللہ کہیں فرمایا ہو کہ جب ان کے پاس کوئی رسول آیا تو یا اُسے جھٹلا کر چھوڑ دیا اُسے جان سے مار ڈالا جس کی وجہ سے وہ خدا کے ملعون ٹھیرے۔ افکلما جاءکم رسول بما لا تہوی انفسکم استکبرتم ففریقا کذبتم و فریقا تقتلون۔ وقالوا قلوبنا غلف بل لعنہم اللہ بکفرہم۔ کہیں ان کی تعریف میں یہہ فرمایا ہو کہ کتاب خدا کو یہہ لوگ پس پشت ڈالدیتے ہیں اور ہرگز اوسکی بات نہیں مانتے۔ ولما جاءکم رسول من عند اللہ مصدق لما معہم نبذ فریق من الذین اوتوا الکتاب کتاب اللہ وراء ظہورہم کانہم لا یعلمون۔ کہیں یہہ فرمایا ہو کہ یہہ لوگ کتاب خدا کو چھوڑ کر شیطان کی باتیں مانتے ہیں واتبعوا ما تتلوا الشیاطین علیٰ ملک سلیمان۔

غرض سارا قرآن مجید اہل کتاب کی مذمت سے مملو ہے اور ان ہی کو سب سے زیادہ عداوت جناب رسالتمآب اور مسلمانوں سے تھی۔ جسے خدا تعالیٰ نے قرآن میں یوں فرمایا ہے لتجدن اشد الناس عداوۃ للذین آمنوا الیہود والذین اشرکوا اے رسول ہمارے تم پاؤگے سب سے زیادہ عداوت رکھنے والا ایمان والوں سے یہود کو پھر یہی وہ اہل کتاب ہیں جنکو خدا نے فرمایا ہو فبما نقضہم میثاقہم لعناہم وجعلنا قلوبہم قاسیۃ یحرفون الکلم عن مواضعہ ونسوا حظا مما ذکروا بہ ان اہل کتاب کی عہد شکنی کی وجہ سے ہم نے انپر لعنت کی اور ان کے قلوب کو سخت کر دیا یہہ لوگ کلمات خدا کی اُن کے مقامات سے تحریف کرتے ہیں اور اپنے نصیب اور حصے کو بھولے ہوئے ہیں۔ جن کی یہہ شان ہو کہ توریت و انجیل کی تحریف کرتے ہوں۔ جنکی یہہ شان ہو کہ اہل ایمان سے

اُنکو سخت عداوت ہو جنکی یہہ شان ہو کہ رسول اللہ کا ذکر توریت و انجیل میں دیکھکر اُسے پس پشت ڈال دیتے ہوں اور ان کے ذکر اور نام کو چھپاتے ہوں۔ جنکی یہہ شان ہو کہ توریت کو چھوڑکر شیطان کی باتوں کا اتباع کرنے لگتے ہوں جنکی سختی کی یہہ حالت ہو کہ مطلقاً انبیا کا وجود اُنکو ناگوار ہو کسی کی تکذیب کرکے الگ کر دیتے ہوں اور کسی کو قتل کر دیتے ہوں اونکی بابت امام رازی تجویز فرماتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے اُنسے دریافت کرنے کا حکم کفار کو دیا ہو۔ کب عقل تجویز کر سکتی ہے۔ کہ جو لوگ ہمیشہ آنحضرتؐ کو جھٹلاتے رہے۔ جو ہمیشہ آپکے قتل پر تلے رہے۔ جو ہمیشہ توریت و انجیل کی باتیں چھپاتے رہے۔ جو صرف اس وجہ سے کہ بن اسحاق سے آخری نبی کیوں نہ مبعوث ہوا بن اسمٰعیل کے رسول خاتم کو جھوٹا کہتے رہے۔ اُن سے کیونکر ممکن ہے کہ آپکی تصدیق کرینگے۔ اور کس طرح اُن سے دریافت کرنیکا حکم خدا تعالیٰ دیگا۔

علاوہ ازیں غور طلب یہہ بات ہو کہ یہاں رسالت خاتم المرسلین کی تصدیق کرائی جاتی ہو۔ اور پیش کیئے جاتے ہیں وہ لوگ جو اکذب الکاذبین اور اکفر الکافرین ہیں۔ ایک طرف تو گواہی کے لیئے اصدق الصادقین کھڑا ہوتا ہو اور دوسری طرف وہ جو اکذب الکاذبین۔ کس قدر عجیب بات ہو۔ مگر امام فخرالدین رازی کے نزدیک یہی تحقیق ہو اور یہی اونکو پسند ہے۔

اور علاوہ بریں ایسے رسول خاتم و سید آدم و بنی آدم کی رسالت کی گواہی۔ اور پیش کیئے جاتے ہیں وہ لوگ جو مشرک و کفار بحت ہیں کوئی عزیر کو خدا کا بیٹا مانتا ہو اور کوئی مسیح ابن مریم کو۔ آیا یہہ توہین شان رسالت خاتم المرسلین ہو یا نہیں۔

مگر اسے کون سمجھے کہ ایسی باتیں کہنے میں شان رسالت میں نقص پیدا ہوتا ہو۔ خدا کی ذات پر الزام قایم ہوتا ہو اوسکی سفاہت لازم آتی ہو۔ کہ وہ باوجودیکہ جانتا ہو کہ ہرگز اہل کتاب آنحضرتؐ کی نبوت کو ظاہر نہ کرینگے اگرچہ توریت میں پڑھ چکے ہیں۔ پھر بھی وہ لوگوں سے کہتا ہو کہ جاؤ اہل کتاب سے پوچھو کہ یہہ رسول ہمارا سچا ہو یا نہیں۔ یہاں تو صرف یہہ غرض ہو کہ امر حق نہ ظاہر ہونے پاوے۔ چاہی خدا پر الزام لازم آئے۔ یا رسول کی شان گھٹے۔ کچھ ہی ہو مگر شان اہلبیت

نمایاں نہ ہونے دیجائے۔

لیکن اس کاوش سے ہوتا کیا ہے۔ حق تو آخر ظاہر ہو کر ہی رہتا ہے۔ دیکھئے۔ آخر ایک حدیث تفسیر درمنثور میں علامہ سیوطی نے لکھہ ہی دی (ملاحظہ ہو جلد ۲ ص ۱۱۹)

ان الرجل یصلی ویصوم ویحج ویعتمر وانہ لمنافق قیل یا رسول اللہ بما ذا دخل علیہ النفاق قال یطعن علی امامہ وامامہ من قال اللہ فی کتابہ فاسئلوا اہل الذکر ان کنتم لا تعلمون۔

آنحضرتؐ نے فرمایا ایک شخص نماز بھی پڑھتا ہے روزہ بھی رکھتا ہے حج بھی کرتا ہے اور عمرہ بھی بجالاتا ہے اور پھر بھی وہ منافق ہے۔ کسی نے عرض کی یا رسول اللہ اُس پر نفاق کیونکر داخل ہوا فرمایا اس لئے کہ وہ اپنے امام پر طعن کرتا ہے اور امام اُسکا وہ ہے جسے خدا نے اس آیت میں فرمایا ہے فاسئلوا اہل الذکر ان کنتم لا تعلمون - اس حدیث نے کئی راز سربستہ واضح کیے۔

اوّل ایک یہہ بتایا کہ اہل الذکر سے مراد امام ہے نہ اہل کتاب وغیرہ۔ جس سے خیال امام رازی کا اور نیز اُن لوگوں کا جو اون کے ہمخیال ہیں غلط ثابت ہو گیا ہے۔

دوسرا ۲ یہہ بھی معلوم ہوا نفاق کی علامت کیا ہے۔ جو امام پر اپنے طعن کرنا۔ ایسے شخص کا روزہ نماز وحج وغیرہ سب بیکار ہے۔ اور وہ ہرگز جنت میں نہیں جا سکتا اسلیئے کہ جنت میں جانیکی شرط ایمان ہے اور منافق ایمان سے خارج ہے۔

۳۔ یہہ بھی معلوم ہوا کہ حیات جناب سرور کائنات علیہ وعلیٰ آلہ التحیۃ والصلواۃ میں امام کی تشخیص وتعیین ہو چکی تھی اور آپنے لوگوں کو بتا دیا تھا کہ امام کون ہے اور میرے بعد کون خلیفہ ہوگا۔ جسپر لوگ طعن کرتے اور اُس سے عداوت رکھتے تھے جسکی وجہ سے وہ منافق ٹھیرے۔ ورنہ اس بات کے جتانے کی اُسوقت ضرورت نہ تھی۔ چونکہ عہد رسول میں ہزاروں منافق موجود تھے۔ جسپر آیہ اذا جاءک المنافقون قالوا نشہد انک لرسول اللہ ہو واللہ یعلم انک لرسولہ واللہ یشہد ان المنافقین لکاذبون گواہ ہے۔ اور بمثل اس کے بیشمار آیتیں۔ اور یہہ لوگ وہی تھے جو امام پر طعن کرتے اور اُس سے بغض رکھتے۔ لہٰذا آپنے فرمایا کہ انسان کا حج وعمرہ وروزہ ونماز سب بیکار ہے جبکہ وہ اپنے امام پر طعن

کرنے کے سبب منافق ہو گیا ہو۔
اس سے اُن لوگوں کا دعویٰ بھی باطل ہوتا ہی جو کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے اپنی زندگی میں کسی کو خلیفہ
یا امام مقرر نہیں کیا تہا۔ حالانکہ اس کے علاوہ اور بھی سینکڑوں حدیثیں موجود ہیں۔ جنسے قطعاً
بداہتہً ثابت ہی کہ آپنے امام و خلیفہ کی نعتیں و صفتیں فرما دی تھیں۔ مگر نہ ماننے کا اور نہ سمجھنے کا
کوئی علاج نہیں۔
خیر اب میں بتانا چاہتا ہوں کہ وہ کون شخص تھا جس کے بغض و طعن و عداوت سے لوگ سمجھے جاتے تھے
اور کون امام تھا۔ تاکہ ثابت ہو جاوے کہ وہی امام اہل ذکر ہے۔ اور وہی اس آیت میں مقصود ہی۔
اسقدر تو بداہتہً معلوم ہی اور ہر مسلمان اسکا اقرار کرتا ہی کہ علی ابن ابیطالبؑ سے بغض رکھنا نفاق ہی
اور انکا دشمن منافق ہی۔ کیونکہ اسپر بیشمار حدیثیں دلالت کرتی ہیں منجملہ اُن کے ایک یہ ہی۔

عن ذر قال قال علی رضی اللہ عنہ انہ لعہد النبی الامی صلے اللہ علیہ وآلہ الی انہ لایحبک الا
مؤمن ولا یبغضک الا منافق۔ (ینابیع المودۃ صفحہ ۳۹ مشکواۃ صفحہ ۵۵۵) علیؑ نے فرمایا مجھ رسول خداؐ
نے یہ پختہ بات کہی ہی کہ ای علی تمہارا دوست نہ ہوگا مگر مومن۔ مگر تمہارا بغض نہ رکھیگا مگر منافق۔
دوسری حدیث ہی عن النبی انہ قال لایحبک الا مؤمن ولا یبغضک الا منافق آنحضرتؐ نے فرمایا
ای علی تم کو دوست نہ رکھیگا مگر مومن۔ اور تم سے بغض نہ رکھیگا مگر منافق (جمع بین الصحیحین۔
(ینابیع المودۃ صفحہ ۳۹)

تیسری روایت ام سلمہ ام المؤمنین سے مروی ہی۔ قالت قال رسول اللہؐ لایحب علیاً منافق
ولا یبغضہ مؤمن۔ رواہ احمد والترمذی (دیکھو ینابیع المودۃ صفحہ ۲۹ اور مشکواۃ شریف صفحہ ۵۵۶ مطبع
انصاری دہلی۔)

(چوتھی روایت) اخرج الترمذی عن ابی سعید الخدری قال تعرف المنافقین ببغضہم علیاً۔ ترمذی کی
روایت ہی ابو سعید خدری سے کہ وہ فرماتے تھے کہ ہم لوگ منافقوں کو علی کے ساتھ بغض رکھنے
سے پہچانتے تھے۔ (دیکھو صواعق محرقہ صفحہ ۷۳ چاپ مصر)

(پانچویں روایت) فی مسند احمد بن حنبل عن جابر ابن عبداللہ قال ماکنا نعرف منافقنا معشر الانصار الا ببغضہم علیاً امام احمد بن حنبل نے جابر بن عبداللہ انصاری سے روایت کی ہے کہ ہم لوگ انصار گروہ کے منافقوں کو نہ پہچانتے تھے مگر علی کے ساتھ بغض رکھنے سے۔ (دیکھو ینابیع المودۃ صفحہ ۳۹ چھاپ بمبئی)

علی ہذا القیاس اور بہت سی روایتیں ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ عہد رسول خدا میں بے شمار منافق کر اکثر اصحاب رسول خدا علی ابن ابیطالبؑ پر طعن کرتے اور اُن سے بغض رکھتے تھے موجود تھے اور یہہ کہ وہ لوگ صرف علی ابن ابیطالب علیہ السلام کے بغض وطعن سے پہچانے جاتے تھے۔ اور جو علیؑ سے بغض رکھے یا طعن کرے وہ منافق ہے پس اکثر اصحاب رسول اللہؐ منافق تھے۔

اور حدیث سابق سے جو درمنثور سے منقول ہوئی معلوم ہوا کہ اہل ذکر سے مراد امام ہی۔ اور امام پر طعن کرنے والا منافق ہے۔ لہذا ان سب کو جمع کرنے سے نتیجہ یہہ نکلا کہ علی ابن ابیطالبؑ امام ہیں کیونکہ لوگ اُن سے بغض رکھتے اور اُنپر طعن کرتے تھے۔

اس کے علاوہ کتاب ینابیع المودۃ صفحہ ۳۱ میں امام رضا علیہ السلام سے روایت کی ہی جسمیں تصریح موجود ہی کہ اہل ذکر سے مراد علی ابن ابیطالبؑ اور اون کے اولاد طاہرین ہیں اب اُن دلائل کے بیان کے ذیل میں جن سے ثبوت فضیلت اہلبیت طاہرینؑ سے قرآن مجید سے ہوتا ہے فرماتے ہیں فاسئلوا اہل الذکر ان کنتم لاتعلمون الآیۃ۔ فنحن اہل الذکر لان الذکر رسول اللہ ونحن اہلہ حیث قال تعالیٰ فی سورۃ الطلاق فاتقوا اللہ یا اولی الالباب الذین آمنوا قد انزل اللہ الیکم ذکرا رسولاً یتلوعلیکم آیات اللہ مبینات یعنے نویں آیت جس سے فضیلت اہلبیتؑ ثابت ہوتی ہے۔

فاسئلوا اہل الذکر ہے پس ہم (ائمہ طاہرینؑ) اہل ذکر ہیں۔ اسوجہ سے کہ ذکر رسول اللہ ہیں اور ہم اون کے اہل ہیں (لہذا ہم اہل الذکر ہیں)، جیساکہ خداتعالیٰ سورۂ طلاق میں فرماتا ہے۔ قد انزل الیکم ذکراً رسولاً یتلوعلیکم آیات اللہ مبینات جسمیں خدانے اپنے رسول کو "ذکر" کے نام سے یاد کیا ہی۔ لہذا اون کے اہل اہل الذکر ہوئے)

نیز امام ثعلبی نے اپنی تفسیر میں جابر بن عبداللہ انصاری سے روایت کی ہے قال قال علی ابن ابیطالبؑ نحن اہل الذکر کہ خود حضرت علیؑ کا قول ہے کہ ہم اہل الذکر ہیں۔ (دیکھو ینابیع المودۃ ص۷۹ چھاپ بمبئی)

نیز عبدالحمید بن ابی ولیم سے مروی ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا للذکر معنیان القرآن ومحمد صلے اللہ علیہ وآلہ ونحن اہل الذکر بکلا معنیہ اما معناہ القرآن فقولہ تعالیٰ وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس ما نزل الیہم وقولہ تعالیٰ وانہ لذکر لک ولقومک وسوف تسئلون۔ واما معناہ محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم فالآیۃ فی سورۃ الطلاق فاتقوا اللہ یا اولی الالباب الی آخرہا۔ کہ ذکر کے دو معنی ہیں ایک قرآن دوسرے محمدؐ۔ اور ہم (اہلبیت) دونوں معنوں سے اہل الذکر ہیں۔ اسلئے کہ قرآن ہمارے ساتھ ہے۔ اور ہم قرآن کے ساتھ ہیں۔ لہذا ہم اہل القرآن اور اہل الذکر ہیں۔ رہا قرآن کا ذکر ہونا تو ان دونوں آیتوں سے معلوم ہوتا ہے وانزلنا الیک الذکر وانہ لذکر لک ولقومک اور محمد کا ذکر ہونا اس آیت سے معلوم ہوتا ہے جو سورہ طلاق میں ہے اور وہ یہ ہے۔ فاتقوا اللہ یا اولی الالباب الذین آمنوا۔ قد انزلنا الیکم ذکراً ورسولاً یتلو علیکم آیات اللہ مبینات۔ (ینابیع المودۃ ص۹۷)

بہرحال قرآن کی شہادت۔ صحابی رسول جابر بن عبداللہ انصاری کی شہادت۔ امام رضا علیہ السلام اور امام جعفر علیہ السلام کی شہادت سے اور نیز درمنثور سیوطی کی گواہی سے یہ بات اچھی طرح پایہ ثبوت کو پہونچگئی کہ علی اولا اور علی اہل ذکر ہیں۔ ہر اہل الذکر امام ہے۔ لہذا علی واولاد علی علیہم السلام بھی امام ہیں۔ وہو المطلوب والحمد للہ علی ذالک۔

آیت ۵۶ ج ۱۴ ع ۱۶ سورہ نحل

ضرب اللہ مثلاً رجلین احدہما ابکم لا یقدر علی شیئٍ وہو کل علی مولاہ اینما یوجہ لا یات بخیر ہل یستوی ہو ومن یامر بالعدل وہو علی صراط مستقیم۔" خدائے تعالیٰ مثل دیتا ہے دو شخصوں کی ایک تو اُن میں گونگا ہے۔ کسی کام پر قادر نہیں اور اپنے مولے پر گراں ہے (بسبب مصرف ہونے کے) جہاں اُسے بھیجے کوئی خیر نہ لائے کیا وہ برابر ہو سکتا ہے اُس شخص کے جو عدل کا حکم کرتا ہے اور وہ صراط مستقیم

پر ہے - اس آیت میں ایسے دو شخصوں کی مثال بیان کیگئی ہی جنمیں سے ایک تو ایسا غلام ہی جسکے پاس نہ زبان ہی کہ بول سکے اور نہ کچھہ قوت ہی کہ کچھہ کام کر سکے - اور نہ کوئی اچھی بات اُس سے ہوتی ہی اور بہ سبب ناکارہ ہونے کے اپنے مولا پر بار بھی ہی - دوسرا ایسا شخص ہے جو ہر بات میں چُست ہی - امر بالعدل بھی کرتا ہی - اور صراط مستقیم پر بھی ہے تو کیا دونوں برابر ہوجاینگے ہرگز نہیں -

ہمنے اوپر دلایل قویہ اور براہین جلیہ سے ثابت کردیا ہی کہ صراط مستقیم پر قایم یا خود صراط مستقیم امام ہی اور جب امام صراط مستقیم ہی تو خود صراط مستقیم پر ضرور قایم ہوگا - چنانچہ مشکواۃ سے یہہ حدیث نقل کردی ہی کہ علی لوگونکو صراط مستقیم پر لے چلے اگر لوگ اُسے امام و خلیفہ بناویں -

نیز موفق بن احمد نے اپنی سند سے حسن بصری سے اور اُنہوں نے ابن مسعود سے روایت کی ہی کہ قیامت کے روز کوئی شخص بغیر تذکرہ علی ابن ابیطالب علیہ السلام کے صراط سے نہ گذر سکیگا - جبتک کہ وہ یہہ سند نہ دکھلاوے کہ ولایت علی ابن ابیطالبؑ اور ولایت اہلبیتؑ رکھتا ہی - (دیکھو ینابیع المودۃ صـ۹۴ چھاپہ بمبئی) قال رسول اللہ اذا کان یوم القیامۃ تقعد علیؑ علی الفردوس وہو جبل قد علا علی الجنۃ وفوقہ عرش رب العالمین ومن سفحہ تفجر انہار الجنۃ وتتفرق فی الجنان وعلی جالس علی الکرسی من نور یجری بین یدیہ التسنیم لا یجوز احد الصراط الا ومعہ سند بولایۃ علیؑ وولایۃ اہل بیتہ فیدخل محبیہ الجنۃ ومبغضیہ النار -

جس سے معلوم ہوا کہ علی ابن ابیطالبؑ کی ولایت و محبت صراط مستقیم بھی ہی اور خود وہ صراط کے بھی مالک ہیں - کہ اُس سے کوئی شخص بغیر آپ کی سند کے گذر نہیں سکتا -

نیز کتاب سبعین میں ستھرویں حدیث حضرت ابوبکر صدیق سے اسطرح مروی ہی کہ قال رسول اللہؐ یا ابا بکر کفی وکف علی فی العدل سواء رواہ صاحب الفردوس - (ینابیع المودۃ صـ۹۴ چھاپہ بمبئی) آنحضرتؐ نے فرمایا ای ابوبکر میرا ہاتھہ اور علیؑ کا ہاتھہ عدل میں برابر ہی - اس روایت کو صاحب فردوس الاخبار (دیلمی) نے بھی لکھا ہی -

ان دونوں حدیثوں کے فہم کرنے سے آیت مذکورہ کے دونوں ٹکڑے ۱؎ یامر بالعدل ۲؎ علی صراط
ستقیم کا پتہ چل گیا۔ اور معلوم ہوگیا کہ وہ صرف علی ابن ابیطالبؑ ہی ہیں جن کا ہاتھ عدل میں
رسول اللہ کے ہاتھ کے مساوی ہے۔ اور جو صراط مستقیم پر ہیں۔ اور یہ کامل ترین ثبوت ہے فضیلت
علی ابن ابیطالبؑ کا۔ کہ اون کے عدل کی ثنا و مدح خود خدائے عادل فرماتا ہے۔ جو خلافت
و امامت کے لئے لازم ہے۔

علاوہ بریں خاص حدیث بھی اس مضمون میں مروی ہے عن ابن عباس ہو علی ابن ابیطالبؑ
یعنی ابن عباس سے منقول ہے کہ من یامر بالعدل سے آیہ مذکورہ میں علی ابن ابیطالبؑ مراد ہیں۔

آیت ۵۷ ج ۱۵ ع ۱

سبحان الذی اسرے بعبدہ لیلاً من المسجد الحرام الی المسجد الاقصی الذی بارکنا حولہ لنریہ من آیاتنا
انہ ہو السمیع العلیم۔ پاک ہے وہ پروردگار جو لے گیا اپنے بندہ کو ایک شب مسجد الحرام سے مسجد اقصیٰ
تک جس کے گرداگرد ہمنے برکت دی ہے تاکہ ہم اُسے اپنی نشانیاں دکھائیں۔ بالضرور وہ (خدا) تو
سمیع و علیم ہے۔

یہ آیت آیت معراج اور آیہ اسرے کے نام سے مشہور ہے اسمیں خدا تعالی نے اپنے رسولؐ کے
معراج کا ذکر کیا ہے اور اُنہیں آیات عجیبہ کا جنہیں اونکو دکھایا ہے اور اپنے سمیع علیم ہونے کو
بھی جتایا ہے۔

اس آیت سے جسقدر ہمیں تعلق ہے وہ وہ نشانیاں ہیں جنہیں رسول اللہ صلعم نے دیکھا جنمیں سے
دو کا ذکر اس موقعہ پر ضروری ہے ایک تو اُس سیب کا ملنا معراج میں جس کے کھانے سے
وہ نطفہ بنا جس سے جناب سیدہ فاطمہ زہراؑ کی ولادت ہوئی۔ تفسیر در منثور سیوطی جلد چہارم ص ۱۵۳
میں ہے اسی آیت معراج کی تفسیر میں اخرج الطبرانی عن عائشۃ رضی اللہ عنہا قالت قال رسول اللہ
لما اسری بی الی السماء ادخلت الجنۃ فوقفت علی شجرۃ من اشجار الجنۃ لم ار فی الجنۃ احسن منہا
ولا ابیض ورقا ولا اطیب ثمرۃ فتناولت ثمرۃ من ثمرتہا فاکلتہا فصارت نطفۃ فی صلبی فلما ہبطت

الی الارض واقعت خدیجۃ فحملت بفاطمۃ فاذا اشتقت الی ریح الجنۃ شممت ریح فاطمۃ

اس سے قریب ایک اور روایت حاکم سے نقل کی ہو کہ جبرائیلؑ ایک سیب لائے جسے میں نے کھایا اور اُس سے فاطمہ کا انعقاد ہوا۔ صہ ۱۵۳

ایک تو عجیب آیت آیات اللہ سے یہہ ہتی کہ وہ درخت آپنے دیکھا اور اُس کے پھل کی یہہ تاثیر پائی دوسرے عجیب نشانی خدا کی یہہ ملاحظہ فرمائی کہ جب ساتویں آسمان پر پہونچے تو ساق عرش پر خدا کا نام اپنا نام اور علی ابن ابیطالبؑ کا نام لکھا ہوا پایا۔ علامہ سیوطی تفسیر درمنثور جلد ۴ صہ ۱۵۳ میں لکھتے ہیں اخرج بن عدی وابن عساکر عن انس رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ لما عرج بی رأیت علی ساق العرش مکتوبًا لاالہ الااللہ محمد رسول اللہ ایدتہ بعلی۔ یعنی ابن عدی اور ابن عساکر نے انس بن مالکؓ سے اس روایت کی تخریج کی ہو کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ نے فرمایا۔ جب مجھے آسمان پر معراج میں لے گئے تو میں نے ساق عرش پر لکھا ہوا دیکھا لاالہ الااللہ محمد رسول اللہ ایدتہ بعلی۔ (سوائے خدا کے کوئی معبود نہیں محمد خدا کا رسول ہے میں نے اُس رسول کی مدد علیؑ کے ذریعہ سے کی ہے۔)

یہہ دو عجیب آیتیں تھیں جن کا مشاہدہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ نے فرمایا۔ جن سے فاطمہ اور علی ابن ابیطالبؑ کی کمال فضیلت کا پتہ چلتا ہی۔ یعنی جناب سیدہ فاطمہ زہرا صلوات اللہ علیہا کا میوہ جنت سے پیدا ہونا اور دنیا کی چیزوں سے کوئی تعلق نہ ہونا۔ جس کی وجہ سے تین باتیں آیات خدا سے موجود تھیں۔ ایک وہ معصومہ تھیں کبھی کوئی گناہ ہی نہیں کیا۔ اور کریں کیونکر درانحالیکہ اُن میں ارضی ظلمانیت کا بالکل ہی اثر نہ تھا۔ جنت مجمع الخیر ہی اُس کے پھلوں سے خیر ہی پیدا ہوگا نہ شر۔ دوسرے یہہ کہ آپ بتول عذرا تھیں اور تمام اُن نجاسات ظاہرہ سے بھی پاک جنسے عام عورتیں دنیا کی مستثنےٰ نہیں ہوتیں۔

تیسرے دنیا میں بھی جنت کے پھل کی خوشبو کا آپکے جسم مطہر سے آنا۔ جسے جناب رسول خدا صلعم سونگھا کرتے تھے۔

دوسری عجیب شانی نے یہہ بتایا کہ علی وہ ہیں کہ عرش پر بھی مذکور ہیں اور اُنکا نام رسول اللہ کا مددگار کرکے ساق عرش پر کندہ ہی۔ جس سے پوری طور پر معلوم ہوگیا کہ خدا تعالیٰ جل مجدہٗ وعزت کبریائہٗ نے صرف امیر المؤمنین علی ابن ابیطالب علیہ السلام ہی کو رسول اللہؐ کے لیئے منتخب کیا تھا وہی مددگار بھی تھے اور وہی اون کے بعد اون کے کاموںکو انجام دینے والے خلیفہ بھی۔

بعض دل چلے لوگوں نے یہہ بھی روایت کی ہی کہ رسول اللہ کے نام کے بعد صرف ابوبکر۔ عمر۔ اور عثمان کا نام لکھا ہُوا۔ علی کا پتہ ہی نہ تھا۔ (دیکھو درمنثور جلد ۴ صفحہ ۱۵۴)

مگر اس روایت کی وضعیت اس سے معلوم ہے کہ عرش ایک پاک اور مقدس جگہ ہی جہاں سوائے معصوم کے ایسے لوگوںکا نام نہیں لکھا جاسکتا جو مدتوں بت پرست رہے ہوں اور جن کا وجود بحالت کفر والدین ہُوا ہو کیا بات یقینی نہیں کہ حضرات ثلثہ مدتوں کفر کے بعد مسلمان ہوئے تھے بخلاف علی ابن ابیطالبؑ کہ وہ نفس رسولؐ۔ متحد النور مع الرسول۔ اور فطری مسلم ومؤمن تھے۔ جس محسن نے جناب رسول خدا فطری مسلم بللہ تھے۔

آیت ۵۸ ج ۱۵ ع ۳۔ سورہ بنی اسرائیل

وآت ذالقربیٰ حقہٗ والمسکین وابن السبیل ولا تبذر تبذیرا۔ اے رسول ہمارے دیدو قرابت والوں کو اُنکا حق۔ اور مسکین ومسافر کو بھی دو۔ اور فضول خرچ نہ کرو۔

اس آیت میں حکم ہی کہ ذوالقربیٰ یعنے اپنے قرابت داروں کو اُنکا حق دیدیں چنانچہ جس وقت یہہ آیت نازل ہوئی فوراً ہی جناب سرور کائنات محمد مصطفےٰؐ حضرت فاطمۃ الزہراؑ سلام اللہ علیہا کو بلایا اور اُنہیں فدک مرحمت فرمایا جسکی بابت دو حدیثیں علامہ سیوطی نے تفسیر درمنثور (جلد چہارم صفحہ ۱۷۷) میں نقل کی ہیں۔

۱؎ اخرجہ البزار وابو یعلی وابن ابی حاتم وابن مردویہ عن ابی سعید الخدریؓ قال لما نزلت ہذہ الآیۃ وآت ذالقربیٰ حقہٗ دعا رسول اللہؐ فاطمۃؑ فاعطاہا فدک۔

یعنے ایک بزار۔ دوسرے ابو یعلی۔ تیسرے ابن ابی حاتم۔ چوتھے ابن مردویہ یہہ چار محدثین کبار

راوی ہیں۔ ابو سعید خدری سے کہ جب یہہ آیت نازل ہوئی تو آنحضرتؐ نے فاطمہ کو بلایا اور فدک انھیں دیدیا۔

۲۔ روایت ابن عباس سے ہو قال لما نزلت وآت ذالقربی حقہ اعطی رسول اللہ فاطمۃ فدکاً۔ یعنی جب یہہ آیت آت ذالقربی حقہ اوتری تو رسول اللہؐ نے فاطمہ کی جاگیر میں فدک کو دیدیا۔

نیز کتاب ینابیع المودۃ صفحہ ۹۸ میں ہے۔ فی جمع الفوائد ابو سعید قال لما نزلت وات القربی حقہ دعا النبیؐ فاطمۃ فاعطاہا فدک ؛؛

دوسری روایت امام علی رضا علیہ السلام سے نقل کی ہو صفحہ ۹۹ قال الامام علی الرضا فلما نزلت وات ذالقربی حقہ قال النبیؐ لفاطمۃ علیہا السلام ہذہ فدک قد جعلتہا لک۔

مقصود ان چاروں روایتوں کا ایک ہی ہو کہ بمجرد نزول آیۃ آت ذالقربی احقہ آنحضرتؐ نے فاطمہ کو بلایا اور فدک دیدیا۔ جس سے ثابت ہوا کہ فدک در اصل جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کا حق تھا جسکے ادا کرنے کے لیئے خدا تعالی نے آسمان سے آیت نازل فرمائی اور رسول خداؐ نے اوس کا امتثال کیا جس کے بعد پھر کسی کو عذر اس بارہ میں نہیں ہو سکتا۔ کہ فدک جناب سیدہ کا مال تھا۔ جسے حضرت ابو بکر نے ضبط کر لیا۔ اور مرتے دم تک نہ دیا۔ باوجودیکہ جناب سیدہ ناراض بھی ہوئیں۔ اور ابو بکر و عمر سے تکلم قطع کر دیا اور آخر وقت تک ان سے راضی نہ ہوئیں

یہاں پر چند باتیں سمجھ لینے کی ہیں۔ جو اس آیت اور ان حدیثوں سے سمجھ میں آئیں۔

۱۔ یہہ کہ فدک فاطمہ کا مال تھا جسے حضرت ابو بکر نے ضبط کر لیا اور معلوم ہے کہ کسی مال اور حق ضبط کر لینا قطعاً فعل حرام ہو۔ لہذا حضرت ابو بکر مرتکب فعل حرام کے ہوئے۔

۲۔ جبکہ ابن عباس اور ابو سعید خدری تک معلوم تھا کہ بمجرد نزول آیہ مذکورہ آنحضرتؐ نے فاطمہ کو فدک دیدیا تو ابو بکر صاحب کو جو اقرب الناس الی رسول اللہ کہے جاتے ہیں کیونکر نہ معلوم رہا ہوگا لہذا انہوں نے دیدہ دانستہ رسول صلے اللہ علیہ وآلہ کی مخالفت کی اور عمداً رسول اللہؐ کی مخالفت کرنے والے کے واسطے پروردگار عالم اپنی کتاب میں ارشاد فرماتا ہے۔ ومن یشاقق الرسول

من بعد ما تبین لہ الہدے و یتبع غیر سبیل المومنین نولہ ما تولی و نصلہ جہنم وساء مصیرا - جو کوئی مخالفت کرے رسول کے بعد اس کے کہ اُس پر حق ظاہر ہو گیا ہو اور مومنوں کی راہ کے علاوہ چلے تو ہم اُسے وہی بدلہ دینگے جو اُس نے کیا ہے اور اُسے ہم جہنم میں جلا دینگے اور وہ جہنم بُری بازگشت کی جگہ ہے -

اس راہ سے تو حضرت ابوبکر کا حال بہت خراب معلوم ہوتا ہے - آئندہ اہل اسلام غور کریں -

۳- جناب رسول خدا کو ناراض کیا کیونکہ آنحضرت کی حدیث صحیح متواتر ہے کہ جس نے فاطمہ کو غضبناک کیا اُس نے مجھے غضبناک کیا اور جس نے فاطمہؑ کو ستایا اُسنے مجھے ستایا - (دیکھو ترمذی شریف جلد دوم مصر ص ۳۱۹)

آنحضرت ؐ نے فرمایا فاطمۃ بضعۃ منی یوذینی من اذاہا - فاطمہؑ میری پارہ جگر ہے مجھے ایذا دیتی ہے وہ بات جو اُسے ایذا دیتی ہے -

اور دیکھو صواعق محرقہ و ینابیع المودۃ ص ۲۵۹ انما فاطمۃ بضعۃ منی یریبنی ما یریبہا و یوذینی ما یوذیہا - آنحضرت نے فرمایا فاطمہ میرا ایک ٹکڑا ہے جو بات اُسے تکلیف پہونچاتی ہے وہ مجھے تکلیف پہونچاتی ہے اور جو اُسے ایذا دیتی ہے وہ مجھے ایذا دیتی ہے -

اور یہ بات صحیح مسلم اور صحیح بخاری دونوں کے روسے ثابت ہے - کہ جناب سیدہ ابوبکر پر غضبناک ہوئیں فوجدت فاطمۃ فلم تکلم حتی ماتت - اور ایک روایت یہ بھی ہے فغضبت فاطمۃ فلم تکلم حتی ماتت -

اب یہ دیکھنا ہے کہ جو لوگ رسول اللہ کو ایذا دینے والے ہیں اُنکا انجام قرآن مجید میں کیا لکھا ہے خدا تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے والذین یوذون رسول اللہ لہم عذاب الیم (پ ۱۰ ع ۱) جو لوگ رسول اللہ کو ایذا دیتے ہیں اُن کے لیئے عذاب دردناک ہے - اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ حضرت ابوبکر کے لیئے ایذا دہی رسول اللہ پر کیا چیز تجویز کیجائیگی -

پھر فرماتا ہے ان الذین یوذون اللہ و رسولہ لعنہم اللہ فی الدنیا والآخرۃ واعد لہم عذابا مہینا - جس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ کا ایذا دینے والا دنیا و آخرت دونوں میں ملعون ہے - اور اُسکے لیئے ذلیل کرنے والا عذاب ہے - (پ ۲۲ ع ۴)

عـ۲ چونکہ یہ حکم بذریعہ آیت نازل کیا گیا تھا۔ لہذا اُسکی مخالفت کرنا معصیت خدا ورسول دونوں کی ہے۔ لیکن باوجودیکہ آنحضرتؐ نے اسی آیت کے ذریعہ سے جناب سیدہ کو فدک دیا تھا حضرت ابوبکر نے اُسے ضبط کر لیا اور مخالفت خدا ورسول دونوں اسجگہ صادق آئے اور خدا تعالیٰ اس کے متعلق یہ ارشاد فرماتا ہے ومن یعص اللہ ورسولہ ویتعد حدودہ یدخلہ ناراً خالداً فیہا ولہ عذاب مہین۔ (پ ۴ ع ۱۳) جو کوئی مخالفت کرے اللہ کی اور اُس کے رسولؐ کی اور خدا کے حدود معین کردہ سے تجاوز کرے تو خدا اوسکو جہنم میں داخل کریگا۔ درآنحالیکہ وہ ہمیشہ ہمیشہ اسمیں رہیگا اور اُس کے لیئے عذاب ذلیل کنندہ ہے۔

مگر یہاں تو تینوں باتیں ایک ہی وقت میں پائی گئیں۔

عـ۱ خدا کی مخالفت۔ رسول خدا کی مخالفت۔ عـ۳ حدود خدا سے تجاوز کہ آیت کے برخلاف فدک کو ضبط کر لیا گیا۔ عـ۵ ان تمام امور پر نظر کر کے حضرت ابوبکر کی نسبت خیال کرنا کہ وہ امیر المؤمنین سے افضل ہیں۔ یا یہ کہ اونکو خلافت رسول اللہ کا حق حاصل تھا۔ معلوم کہاں تک درست رہ سکتا ہے اہل نظر غور کر کے جواب دیں۔

اس مقام تک پہونچنے کے بعد ایک شبہہ یہ ہوتا ہے کہ آیت مذکورہ یہ بتا رہی ہے کہ جناب سرور کائنات محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ نے فدک جناب سیدہ کو اُن کے حق کے موافق بموجب حکم الٰہی دیدیا تھا خواہ وہ عطیہ رسول اللہ سمجھا جائے یا حصہ جناب سیدہ سلام اللہ علیہا۔ مگر بہرحال ملک میں جناب سیدہ کے داخل ہو چکا تھا۔ اور آنحضرت کا قبضہ اُسپر سے اُٹھ چکا تھا۔ پھر کیونکر اور کس قاعدے سے آپنے دعوئے وراثت کیا۔ حالانکہ وراثت اُس مال میں جاری ہوتی ہے جو مال مورث ہوا اور یہاں فدک جناب سیدہ کا مال ہو چکا تھا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ جناب سیدہ صلوات اللہ علیہا نے اولاً اپنے اور خدا ورسول کے معلومات کے مطابق نحلہ وعطیہ کا ہی دعوئے کیا تھا جبکہ آپ کو معلوم ہوا کہ ابوبکر نے آپ کے عامل کو برطرف کر کے اپنا کارندہ وہاں بھیجا ہے اور حضرت کو اُس سے محروم کرنا چاہا ہے۔ جب ابوبکر صاحب نے

اس سے انکار کیا اور کہا گیا ثبوت ہی تمہاری دعویٰ ہبہ کا تو امیر المؤمنینؑ اور ام ایمن اور حسنینؑ اور بنا بر بعض روایات کے صرف امیر المؤمنینؑ اور ام ایمن کو پیش کیا۔ ابوبکر صاحب نے اوسکو رد کر دیا جیسا کہ صواعق محرقہ میں ہی (چھاپہ مصر باب ول طعن فدک صفحہ ۲۱) ودعواھا انہ نحلھا فدکا لم تأت علیھا الا بعلی وام ایمن فلم یکمل نصاب البینہ۔ یعنے جو دعوے نحلہ (ہبہ وعطیہ) کا جناب فاطمہؑ نے کیا۔ اوسپر سوائے علیؑ اور ام ایمن کے کوئی تیسرا گواہ نہ لائیں لہذا گواہوں کا نصاب پورا نہوا اسیوجہ سے ابوبکر نے اس دعوے کو رد کر دیا۔)

اور شرح مواقف میں ہی۔ قیل ادعت فاطمہ انہ نحلھا ای اعطاھا فدک نحلۃ وعطیۃ وشہد علیہ علی والحسن والحسین وام کلثوم والصحیح ام ایمن فرد ابوبکر شہادتہم فیکون ظالما قلنا ام الحسن والحسین فللفرعیۃ لان شہادۃ الولد لایقبل لاحد ابویہ واجدادہ عند اکثر اہل العلم وایضا ہما کان صغیرین فی ذالک الوقت واما علی وام ایمن تقصر ہما عن نصاب البینۃ۔ یعنے کہا گیا ہی کہ فاطمہؑ نے دعوے کیا کہ آنحضرت نے فدک ہبہ وعطیہ کے طور سے اون کو عطا فرمایا تھا۔ اور اسپر علیؑ وحسنؑ وحسینؑ وام کلثوم نے شہادت دی اور (بجائے ام کلثوم کے) ام ایمن صحیح ہی۔ پس ابوبکر نے اُن سب کی شہادتوں کو رد کر دیا لہذا وہ (ابوبکر) ظالم ٹھیرے۔ ہم کہتے ہیں کہ ابوبکر نے شہادت حسنؑ وحسینؑ کی اسلیئے رد کی کہ اولاد کی شہادت ماں باپ اور اجداد کے حق میں اکثر اہل علم کے نزدیک قبول نہیں کی جاتی اور وہ اس وقت صغیر السن بھی تھے اور علی وام ایمن کی شہادتوں کو اسلیئے رد کیا کہ گواہوں کا نصاب پورا نہوا تھا۔

اور جب اس دعویٰ صحیحہ میں اُس معصومؑ کو رد کر دیا گیا تو آپ نے میراث کا دعویٰ کیا جس کا اقرار تمام کبار علماء کو ہی اور اب یہ مسئلہ اس حد پر مشہور ہی کہ شاہد پیش کرنے کی اسپر ضرورت نہیں (دیکھو صواعق محرقہ صفحہ ۲۱ چھاپہ مصر) اور دیگر حوالجات تشئید المطاعن) مگر ابوبکر صاحب نے اسکو بھی بنابر اُس اپنی مصنوعی روایت کے جسے اُنہوں نے پیش کیا تھا رد کر دیا۔ اس مطلب کو جناب علم الہدیٰ سید مرتضیٰ رحمتہ اللہ نے کتاب شافی میں لکھا ہی۔ ثم ان الامر فی ان الکلام فی النحل کان المتقدم

نقل از تشئید المطاعن

ظاهر والروايات كلها به واردة وكيف يجوز ان يبتدی بالميراث فيما تدعيه بعينه نحلاً اوليس هذا يوجب ان تكون

قد طالبت بحقها من وجه لا تستحقه منه مع الاختيار وكيف يجوز ذالك والميراث يشركها فيه غيرها والنحل تفرد به

ولا ينقلب ذالك علينا حيث طالبت بالميراث بعد النحل لانها فی الابتداء طالبت منه بالنحل وهو الوجه

الذی تستحق منه فدك فلما دفعت عنه طالبت ضرورة بالميراث وللمدفوع من حقه ان يتوصل الی تناوله بكل

وجه وسبب۔

یعنی گفتگو اس باب میں کہ جناب سیدہ کا دعوے کرنا درباب ہبہ ونحلہ مقدم تھا (دعوے میراث سے) بھی ظاہر ہی اور کل روایات بھی اسی باب میں وارد ہیں۔ اور کیونکر جائز تھا کہ آپ میراث کا دعوے پہلے کرتیں جسمیں آپکی ہبہ کا بھی دعوے تھا اسلیئے تو لازم آتا ہی کہ آپنے بلا وجہ استحقاق بحالت اختیار دعوے میراث کیا اور نیز یہ بات کیونکر جائز ہی کہ آپ پہلے میراث کا دعوے کریں حالانکہ میراث میں تو اور لوگ بھی شریک تھے۔ اور ہبہ میں صرف آپ ہی منفرد ہیں۔ اور یہ اعتراض ہم پر نہیں ہو سکتا جبکہ آپنے میراث کا دعویٰ بعد دعوے ہبہ کے کیا (کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ کیا اس صورت میں بلا استحقاق آپنے میراث کا دعوے کیوں کیا) اسلیئے کہ ابتدا میں آپنے دعویٰ ہبہ کیا جس کے روسے آپ کو استحقاق فدک کا حاصل تھا مگر جب اُس دعوے میں ناکامیاب رہیں تو بمجبوری دعوے میراث کیا اسلیئے کہ جسے اوس کے حق (یقینی) سے محروم کیا جائے اوسکو جائز ہی کہ جس طرح اور جس ذریعے سے ممکن ہو اپنا حق حاصل کرے۔

بہر حال اس بیان سے پایہ ثبوت کو پہونچگیا کہ اولاً آپنے بنابر مقتضائے آیت اور وقوع واقعہ کے دعوے ہبہ کیا مگر جب ابوبکر صاحب نہ مانے تو مجبوراً دعوے میراث پیش کیا۔

اور دونوں طرح آپنے ابوبکر کو قیامت تک کے لیئے مورد الزام بنادیا اولاً دعویٰ ہبہ میں امیر المومنینؑ نفس رسول خاتم المرسلین کو اور ام ایمن کو جنکے لیئے رسول اللہؐ نے اہل جنت سے ہونے کی بشارت دی تھی اور حسنینؑ جو فرزندان رسول تھے پیش کیا۔ جنکی گواہیوں کو رد کرنے سے حضرت ابوبکر قیامت تک الزام سے بچ نہیں سکتے۔ اسلیئے کہ نفس رسول جھوٹھ نہیں بول سکتا۔ وہ عورت جسے خود رسول اللہؐ

نے اہل جنت سے ہونا بتایا ہو جھوٹی نہیں ہو سکتی۔ نیز فرزندان رسول جو معصوم قطعی تھے جھوٹے نہیں ہو سکتے۔ پھر خود جناب سیدہ جو بنابر آیہ تطہیر معصومہ تھیں جھوٹا دعویٰ نہیں کر سکتی تھیں باینہمہ حضرت ابوبکر نے نہ مانا۔ جس کا کوئی جواب صحیح اہل اسلام کے پاس نہیں ہے کہ کس وجہ سے ان معصوموں کو انہوں نے جھوٹا سمجھا۔ اور اس جرم سے وہ کیونکر بری ہو سکتے ہیں۔

پھر جب دعویٰ میراث کیا تو اُسپر قرآن کی آیات سے دلیلیں پیش کیں۔ جسکے مقابلہ میں حضرت ابوبکر نے حدیث لانرث ولانورث پیش کی جسے کوئی صحابی کوئی فرد اہلبیت میں سے کوئی فرد ازدواج میں سے نہ جانتا تھا۔ صرف ابوبکر ہی اُس کے راوی تھے حالانکہ قرآن کے برخلاف رسول خدا کا ارشاد ناممکن ہے۔ یہ کیونکر جائز ہے کہ خدا تعالیٰ تو فرمائے کہ ہر شخص جو مرے اوسکے بعد اوسکی اولاد اوسکی وارث ہوتی ہے۔ پھر انبیاء کی بابت بھی فرما دیا کہ اونکی اولاد بھی اونکی وارث ہوئی ہے پھر کیونکر برخلاف آیات صریحہ قرآن مجید آنحضرت نے فرمایا ہوگا کہ ہم انبیاء کا کوئی شخص وارث نہیں ہوتا۔ خدا تو فرماتا ہے کہ انبیاء کے وارث ہوتے ہیں۔ رسول اللہ کہتے ہیں کہ انبیاء کا کوئی وارث نہیں ہوتا۔ عجیب تماشہ ہے۔

اور چونکہ یہ بات بالکل ناممکن ہے کہ جناب رسالتمآب خلاف حکم قرآنی کوئی بات کہیں۔ اسلیئے یقین کرنا پڑیگا کہ وہ روایت جسے حضرت ابوبکر نے پیش کیا تھا۔ وضعی تھی۔ اور محض بناوٹی جس کا کوئی اعتبار نہیں ہو سکتا۔

لہذا حضرت ابوبکر اس باب میں بھی ہمیشہ کے لیئے ملزم رہے۔ کہ اُنہوں نے آیات قرآن مجید کو رد کیا اور کوئی کافی جواب تسلی بخش نہ دے سکے۔ کہ اُنہیں آیات قرآنی کے تسلیم میں کس وجہ سے عذر ہے۔ اُسپر وہ تیسرا الزام کہ جناب سیدہ کو ناراض کیا جنکی ناراضی عین ناراضی خدا و رسول اور جنکی ایذا عین ایذائے خدا و رسول ہے مستلزم ہوا ہے۔ یکے شد۔ دو شد۔ بلکہ سہ شد۔

اس واقعہ کو کہ جناب سیدہ نے میراث کا بھی دعویٰ کیا تھا امام فخر الدین رازی بھی شرح کبیر (جلد ۳ صفحہ ۲۳۰) میں تسلیم کرتے ہیں اور اس مضمون کو ادا فرماتے ہیں کہ "مروی ہے کہ فاطمہ نے جبکہ میراث طلب کی

تو لوگوں نے (ابوبکر و عمر وغیرہ) نے اونکو اُس سے منع کیا اور آنحضرتؐ کی یہ حدیث پیش کی - کہ نحن معاشر الانبیاء لا نورث ما ترکناہ صدقہ اُس وقت جناب فاطمہؑ نے آیہ للذکر مثل حظ الانثیین (لڑکے کو دوگنا لڑکی کا ملیگا) سے حجت پیش کی (جس سے معلوم ہوتا ہی کہ عموماً ہر اولاد خواہ وہ نبی کی ہو یا غیر نبی کی اپنے باپ کے میراث کی وارث ہوگی) اور شیعوں نے کہا ہی کہ عموم آیت کی تخصیص خبر واحد سے نہیں ہوسکتی (یعنے آیت عام ہی لہذا اُسے ایک خبر واحد جو صرف ابوبکر سے مروی ہی تخصیص نہیں کر سکتی) اور اگر بالفرض جائز بھی ہو تو اس مقام پر جائز نہیں جسکی کئی وجہیں ہیں -

اول - یہہ کہ وہ حدیث خلاف ہے قول خدا تعالیٰ کے جو جناب زکریا کے قول کی حکایت میں فرمایا ہی یرثنی ویرث من آل یعقوب (جس سے معلوم ہوتا ہی کہ حضرت زکریا خدا تعالیٰ سے ایک وارث کا سوال کرتے ہیں - اگر انبیاء کا کوئی وارث نہیں ہوتا تو کیونکر اُنہوں نے وارث اولاد کا سوال کیا) نیز خلاف ہے اس آیت کے جسمیں خدا فرماتا ہی وورث سلیمان داؤد (سلیمان نبی داؤد نبی کا وارث ہوا) اس سے مراد وراثت علم نہیں ہوسکتی بلکہ حقیقتاً وراثت کا لفظ مال میں ہی استعمال ہوتا ہی -

دوم - یہہ کہ مسئلہ میراث کے معلوم ہونیکی ضرورت فاطمہؑ کو تھی نہ ابوبکر کو پھر کیا وجہ کہ آنحضرتؐ نے فاطمہؑ سے تو یہہ حدیث نحن معاشر الانبیاء والی نہ بیان کی اور بیان کی تو ابوبکر سے جنکو اسکی ضرورت نہ تھی - یہہ بات بالکل خلاف عقل ہی کہ آنحضرت اونکو تو نہ بتائیں جسے ضرورت ہی اور بتائیں اوسکو جسے حاجت نہیں -

(سوم) یہہ بھی احتمال ہی کہ ما ترکناہ صدقہ صلحہ ہو لا نورث کا یعنے جس مال کو ہم بطور صدقہ کے چھوڑ جاتے ہیں اوسکی میراث نہیں ہوتی (باقی دیگر اموال و امتعہ میں باقاعدہ میراث جاری ہوتی ہی - یہہ خلاصہ ہی تقریر امام رازی کا جو شیعوں کی طرف سے کی ہی - اوسکے بعد جواب دیتے ہیں

والجواب - ان فاطمۃ علیہا السلام رضیت بقول ابی بکر بعد ہذہ المناظرۃ وانعقد الاجماع علی صحۃ ما ذہب الیہ ابوبکر - فقط ہذا السوال واللہ اعلم - یعنے جواب یہہ ہی کہ فاطمہ علیہا السلام اس مناظرہ کے ابوبکر سے راضی ہوگئیں - نیز اجماع ہو گیا مسلمانوں کا کہ جو کچھہ ابوبکر نے کیا وہ درست تھا - لہذا

شیعوں کا اعتراض ساقط ہوگیا۔ آگے خدا جانے۔"

اس تمام تقریر کو پڑھنے کے بعد ناظرین پر حالی ہو جائیگا کہ امام رازی نے اُن تمام دلائل کو تسلیم کر لیا یعنے حدیث نحن معاشر الانبیاء مخالف ہی آیہ یوصیکم اللہ للذکر حظ الانثیین۔ کے نیز مخالف ہی آیہ یرثنی ویرث من آل یعقوب کے نیز مخالف ہے آیہ وورث سلیمان داؤد کے۔ نیز یہہ بھی ممکن نہیں کہ آنحضرت نے بلا ضرورت ابوبکر سے تو حدیث بیان کی ہو اور فاطمہ سے جنہیں اسکی ضرورت تھی نہ بیان کی۔ نیز یہہ بھی ممکن ہی کہ آنحضرت نے صرف صدقہ کی میراث سے منع کیا ہو نہ تمام دیگر اموال کی وراثت سے۔ مگر جواب صرف یہہ ہی کہ حضرت فاطمہؑ بعد اس جھگڑے کے راضی ہوگئیں اور بعد میں مسلمانوں نے اجماع بھی کر لیا کہ قول وفعل ابوبکر صحیح تھا۔

اس جواب کے جوابات تو بہت سے ہو سکتے ہیں مگر اس مقام پر تبرکاً صرف جناب اکمل العلماء الاعلام حضرت مفتی سید محمد عباس اعلی اللہ مقامہ کے جوابوں کو جو روائع القرآن میں مذکور ہیں لکھہ دینا کافی سمجھتا ہوں جناب مفتی صاحب اعلی اللہ مقامہ فرماتے ہیں (جس کا حاصل مطلب یہہ ہی) کہ ہمارے علماء نے تو پورا جواب اس حدیث کا دیدیا ہی۔ مگر میں اس کلام میں چند اعتراض رکہتا ہوں۔

عا۔ یہہ کہ امام فخر الدین رازی نے لفظ روی (مروی ہی) فرمایا۔ جس سے معلوم ہوتا ہی کہ یہہ روایت کمزور ہی۔ حالانکہ یہہ وہ واقعہ ہے جسے ہزار در ہزار علماء نے اپنی کتابوں میں لکھا ہی اور بڑے بڑے متقدمین احادیث نے اسے نقل کیا ہی۔

عہ۲۔ یہہ کہ اس جواب کا صحیح ہونا دوری ہی۔ یعنے اسمیں دور لازم آتا ہی اور وہ یہہ ہی کہ یہہ جواب اُس وقت صحیح ہوگا جبکہ اونکا مذہب صحیح مانا جائے کیونکہ اجماع مسلمین کا صحیح ہونا اُن مسلمانوں کے صحیح المذہب ہونے پر موقوف ہے۔ حالانکہ اون کے مذہب کا صحیح رہنا اس جواب کے صحیح ہونے پر موقوف ہے۔

عہ۳۔ یہہ کہ یہہ بات بالکل غلط ہی کہ جناب سیدہ ابوبکر سے راضی ہوگئیں۔ حالانکہ امام مسلم اور بخاری (اور دیگر علماء کبار) نے لکھدیا ہی کہ مرتے دم تک جناب فاطمہ علیہا السلام ابوبکر سے راضی نہیں ہوئیں۔ اور اُن سے ترک سلام و پیام کیا۔ بلکہ وصیت بھی کی کہ میرے بعد میری جنازہ پر یہہ لوگ نہ آویں۔ ہم ہم

کس کو صحیح سمجھیں۔ امام رازی کے کلام کو یا امام مسلم و امام بخاری کی روایتوں کو۔؟

۴ یہہ کہ جس اجماع کا دعوی کیا ہی وہ اجماع مخالف ہے اجماع آل عبا کی جو معصوم ہیں۔ کیونکہ تمام ائمہ طاہرینؑ اس اجماع کو غلط سمجھتے رہے۔ اور چونکہ وہ لوگ معصوم تھے لہذا اون کے برخلاف کوئی اجماع صحیح نہیں مانا جا سکتا۔

۵ اچھا ہم نے مانا کہ اجماع صحیح ہو۔ لیکن جسوقت جناب فاطمہ زہراؑ اور ابو بکر صاحب کے درمیان نزاع ہوئی تھی اُسوقت یہہ اجماع کہاں تھا پس اُسوقت تک تو فعل ابو بکر ناجائز رہا جبتک یہہ اجماع نہیں ہؤا تھا۔ (کیونکہ یہہ اجماع کئی سو برس بعد ہؤا ہی) اگر یہہ اجماع حجت ہو بھی تو اُن کے اتباع و اشیاع کے نزدیک نہ عام طور پر۔ کیونکہ وہ اجماع شیعوں کے نزدیک بالکل حجت نہیں جنمیں معصوم داخل نہ ہو۔

۶۔ اگر مان بھی لیا جاے کہ حضرت فاطمہؑ راضی ہوئیں تو یہہ راضی ہونا قہرًا اور جبرًا تھا جیسے کوئی شخص کسی مصیبت پر صبر کرتا ہو اسوجہ کہ جانتا ہی کہ مجھے اس سے رہائی نہیں ملتی۔ مگر دل سے ہرگز راضی نہیں ہوتا پس چونکہ آپکا کوئی مددگار نہ نکلا اور کوئی دوسرا ذریعہ تحصیل حق کا آپکے پاس نہ تھا لہذا سکوت کیا اور صبر سے کام لیا۔ جس کا نام رضامندی رکھہ لیا گیا ہی۔ اسکی مثل بالکل ویسی ہوگی جیسے پروردگار عالم کے گنہگار بندے دن رات اوسکی مخالفت کرتے ہیں حالانکہ وہ اُن کے افعال سے ہرگز راضی نہیں۔ بایں ہمہ اسطرح اونکو رزق دیتے چلتا ہی جیسے کوئی بالکل راضی ہو بلکہ بسا ایسا بھی ہوتا ہی کہ اونکو بہ نسبت مطیع بندوں کے دنیا میں مال و متاع سے بہت زیادہ فائدہ مند کر دیتا ہی اور تمام عمر اونکو خوشحال و فارغ البال رکھتا ہی۔ تو کیا کوئی شخص کہہ سکتا ہی کہ خدا تعالی محض اس انعام و عطا کے سبب سے اُن کافروں یا نافرمانوں سے راضی ہی۔ ؟ پس جسطرح سے کہ خدا تعالی کا صبر و سکوت کفار و عاصین کے معاملہ میں رضامندی کی دلیل نہیں اوسیطرح جناب سیدہ کا سکوت بھی رضامندی کی دلیل نہیں ہو سکتا۔

۷ حدیث احاد سے عدم تخصیص آیت کی بحث جو پیش کی ہی یہہ محض اجتہادی تیزی ہی ورنہ اُس وقت ان باتوں کا کہاں ذکر تھا۔ یہہ باتیں تو دو سو برس بعد اُس کے ایجاد ہوئی ہیں۔ اور اجتہاد و تقلید کا

کا جھگڑا پیدا ہوا ہی۔ اُس وقت یہہ اجتہاد کہاں تھا۔ لیکن چونکہ یہاں یہہ مشکل آن پڑی تھی کہ اگر سیدہ سلام اللہ علیہا کو خطا کار بنا دیں کہ اُنہوں نے جھوٹا دعویٰ کیا تو ظاہر اسلام کے خلاف ہے اور اگر ابوبکر کو خطا کار بتائیں تو مذہب ہاتھ سے جاتا ہی لہذا یہہ بات بنائی کہ حضرت فاطمہؑ بھی مجتہدہ تھیں۔ اور حضرت ابوبکر بھی اونکی یہہ رائے تھی کہ حدیث احاد کسی آیت قرآن کی تخصیص نہیں کر سکتی۔ اور حضرت ابوبکر کی رائے اوس کے برخلاف تھی اور چونکہ یہہ دونو بجائے خود مجتہد تھے لہذا کسی کو خاطی نہیں کہا جا سکتا۔

حالانکہ یہہ محض بنائی ہوئی بات ہی۔ جناب سیدہ معصومہ تھیں اونکو اجتہاد کی ضرورت نہ تھی۔ اور ابوبکر صاحب خود قرآن کی مکرر آیتیں سُن رہے تھے اونکو اُس کے خلاف کرنا ناجائز تھا۔

اسی وجہ سے شاہ عبدالحق محدث دہلوی نے شرح مشکوٰۃ میں لکھا ہی مشکل ترین قضایا قضیہ فاطمہ زہرا است زیرا کہ اگر گوئیم کہ او جاہل بود بایں سنت بوے حدیثی کہ ابوبکر نقل کردہ بعید است از فاطمہؑ واگر التزام کنیم کہ شاید اتفاق نیفتاد او را بسماع۔ ایں حدیث از آنحضرت مشکل میشود۔ کہ بعد از سماع از ابی بکر و شہادت سائر صحابہ برآں چرا قبول نہ کرد و در غضب آمد واگر غضب او پیش از سماع حدیث بود چرا برنگشت از غضب تا آنکہ امتداد کشید تا زندہ بود ہاجرکرد انتہیٰ غرض جو کچھہ ہونا تھا وہ ہو لیا۔ آئندہ اہل اسلام کو کیا کرنا چاہیئے اسمیں غور کرنا ضروری ہی۔ اور موقع کو ہاتھ سے جانے دینا مناسب نہیں ہی وما علینا الا البلاغ المبین۔

آیت ۵۹ ج ۱۵ ع ۱۹

یوم ندعو کل اُناس باِمامھم فمن اوتی کتابہ بیمینہ فاولئک یقرؤن کتابھم ولا یظلمون فتیلا۔

جس دن ہم ہر شخص کو اُسکے امام کے ساتھ بلائینگے۔ پس جن لوگونکو اونکی کتاب (نامۂ عمل) داہنے ہاتھ میں دیجائیگی۔ وہ تو اپنا اعمال کو پڑھینگے اور اُنپر ذرا بھی ظلم نہ کیا جائیگا۔

قیامت کا میدان ہی لوگ بلائے جا رہے ہیں۔ نامۂ اعمال پیش ہو رہے ہیں۔ ہر گروہ کا امام اوس گروہ کے ساتھ ہی۔ اگر امام مؤمن ہی تو مؤمن گروہ کے ساتھ ہی۔ اگر امام فاسق ہی تو فاسق

گروہ کے ساتھ ہی سب کے اعمالوں کی کتاب ون کے ہاتھوں میں دیجا رہی ہی۔ مگر جو لوگ ایسے ہیں کہ اُن کے نامہائے اعمال اُن کے داہنے ہاتھ میں دیئے جائینگے وہ تو اپنی کتاب کو پڑھ کر مسرور ہونگے اور دیکھینگے کہ اُنپر ذرہ برابر ظلم نہیں کیا گیا ہی۔ بخلاف اُن کے جنکے اعمال نامے بائیں ہاتھ میں دیئے جائینگے اُن کے بُرے حال ہونگے جسے وہی خوب سمجھینگے۔

اس آیت میں دو باتیں بیان کے قابل ہیں۔ ایک متعلق آیہ شریفہ کہ کیا ہی اور علمائے اسلام نے اس کے متعلق کیا لکھا ہی۔ دوم اثبات دعوئے وجود امام پر ہر زمانہ و ہر عصر میں۔ پہلے کی متعلق صرف اسقدر معلوم کر لینا کافی ہی کہ علامہ سیوطی نے تفسیر درمنثور جلد چہارم صفحہ ۱۹۴ میں اس آیت کی تفسیر کے مقام میں لکھا ہی۔

۱؎ عن ابن عباسؓ فی قولہ یوم ندعو کل اُناس بامامھم امام ھدے وامام الضلالۃ۔ یعنی ابن عباسؓ سے اس آیت کی تفسیر میں مروی ہی کہ کل اُناس بامامھم سے مراد یہ ہی کہ ہر شخص اپنے امام کے ہمراہ بلایا جائیگا۔ خواہ وہ امام ہدایت ہو یا امام ضلالت۔

جس سے معلوم ہوا کہ امام کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ امام ہی جو راہ راست بتاتا ہی اُسے امام ہُدے کہتے ہیں دوسرے وہ امام ہے جو ضلالت سکھاتا ہی وہ امام ضلالت کہا جاتا ہی۔

۲؎ دوسری روایت اخرج ابن مردویہ عن علیؑ قال قال رسول اللہؐ یوم ندعو کلُّ اُناس بامامھم۔ قال یدعے کل قوم بامام زمانھم۔ وکتاب ربھم وسنۃ نبیھم۔

حضرت علیؑ سے ابن مردویہ نے تخریج کی ہی کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اس آیت کا مقصود یہ ہی کہ ہر قوم اپنے امام زمانہ کے ساتھ اور اپنے رب کی کتاب اور اپنے نبی کی سنت کے ساتھ بلایا جائیگا۔

یہی روایت امام ثعلبی نے بھی اپنی تفسیر میں لکھی ہے (دیکھو غایۃ المرام صفحہ ۲۷۲ چھاپ ایران)

۳؎ یوسف قطان نے بھی اپنی تفسیر میں شعبہ اور اُسنے قتادہ سے روایت کی ہی۔ عن ابن عباس فی قولہ تعالی یوم ندعو کل اُناس بامامھم۔ قال اذا کان یوم القیامۃ دعا اللہ عزوجل ائمۃ الھدے

ومصباح الدجی واعلام التقی امیر المومنین والحسن والحسین ثم یقال لہم جوزوا علی الصراط انتم وشیعتکم وادخلوا الجنۃ بغیر حساب ثم یدعو ائمۃ الفسق وان واللہ یزید منہم فیقال لہ خذ بید شیعتک وامضوا الی النار بغیر حساب"۔

یعنی جب قیامت کا دن ہوگا تو خدا تعالیٰ اماماں ہدایت اور چراغہائے ظلمت اور علمہائے تقویٰ یعنی امیر المومنین اور حسنؑ اور حسینؑ کو بلائیگا اور اُن سے کہیگا کہ تم لوگ صراط پر سے گذر جاؤ تم بھی اور تمہارے شیعہ بھی اور جنت میں بلا حساب داخل ہو جاؤ۔ پھر اماماں فسق کو بلایا جائیگا جنمیں سے بخدا یزید بھی ہوگا۔ اُس سے کہا جائیگا کہ اپنے دوستوں کا ہاتھ پکڑ۔ اور تم سب جہنم میں بلا حساب چلے جاؤ۔

(دوسرے امر کے متعلق) یہ معلوم کر لینا کافی ہوگا کہ ان روایات نے جنکی صحت میں کوئی شبہہ نہیں ہے اور جنہیں ایسے بڑے بڑے علمائے حدیث نے استخراج کیا ہے بتا دیا کہ قیامت کے محشر خیز ویلا ریز دنمیں ہر گروہ اپنے امام زمانہ کے ساتھ بلایا جائیگا۔ جس سے یہ بات قطعی طور معلوم ہوئی کہ ہر زمانہ میں خدا تعالیٰ کا منصوب و معین کردہ ایک امام بالضرور موجود رہتا ہے اگر سامنے موجود ہے تو فہو المراد ورنہ اُسے ماننا پڑیگا کہ موجود ہے مگر غائب ہے۔ کیونکہ اگر ایسا نہ مانا جائے تو آیت اور حدیث دونوں کی مخالفت لازم آئیگی جو بتا رہی ہیں کہ ہر زمانے کا ایک امام منصوب من اللہ ہونا چاہیئے۔ کہ جو اُس زمانہ کے لوگوں کے ساتھ پیشوا بنکر قیامت میں محشور ہوگا اور اُس دن پکارا جائیگا۔ جس سے قطعی طور پر تین باتوں کا ثبوت ہوا۔ جن کا انکار بالکل ناممکن ہے۔

۱ یہ کہ وہ احادیث جو بطریق شیعہ و سنی مروی ہیں۔ کہ اگر ایک دن بھی دنیا حجت خدا سے خالی رہے تو دھنس جائے۔ اور اہل زمین فنا ہو جائیں بالکل صحیح ہیں۔ اور آیت قرآن مجید کے بالکل مطابق ہیں۔

۲ یہ بھی معلوم ہوا کہ حنفی یا وہابی وغیرہ جو منکر وجود امام زمانہ اور مخالف وجود حضرت حجۃ العصر علیہ السلام ہیں وہ بالکل بر سر عناد ہیں آیت قرآنیہ سے۔ اور انکا جھگڑا ہرگز شیعوں سے نہیں ہے اور نہ شیعوں کا اسمیں کچھ ضرر ہے۔ بلکہ وہ خدا سے جنگ کرنا چاہتے ہیں۔ اور اوسکی معلومات کے

برخلاف رائے قایم کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ تو فرماتا ہی کہ ہر زمانہ میں ایک امام منصوب من اللہ ہونا چاہئیے اور یہ لوگ اُس کے منکر ہیں۔ آخر یہ کیسا ایمان ہے کہ قرآن پر عمل کرنے کے دعویدار بھی اور آیات مطالب قرآن کے مطالب سے انکار بھی۔ انسان کو کچھ تو سوچنا چاہئیے کہ ہم کس راہ جارہے ہیں۔

اس آیت وحدیث نے حقیت مذہب شیعہ اثنا عشریہ کو آفتاب سے بھی زیادہ روشن کردیا اور بتادیا کہ تیرہ سو برس سے جو انکا دعویٰ ہے کہ ہر زمانہ کا ایک امام برحق ہوتا ہی اور اُسکا اُس زمانہ میں موجود رہنا لازم ہی خواہ ظاہر یا پوشیدہ وہ بالکل صحیح وصادق ہی اور قرآن منزل من اللہ کے مطابق۔ پس لامحالہ ماننا پڑیگا کہ جو مذہب اس مذہب اثنا عشری کے خلاف ہے وہ باطل ہی۔ کیونکہ دلیل کی صورت یہ ٹھہری کہ مذہب شیعہ مطابق قرآن ہی اور ہر وہ مذہب جو مطابق قرآن ہی برحق ہی۔ لہذا مذہب شیعہ برحق ہی۔

(دوسری صورت) مذہب غیر شیعہ مخالف آیت قرآن ہی اور جو مذہب مخالف آیت قرآن ہے وہ باطل ہی۔ لہذا مذہب غیر شیعہ باطل ہے اب اس زبردست دلیل کے بعد جسکا جی چاہے حق کی طرفداری کری اور جس کا جی چاہی باطل کی راہ لے۔ واللہ الہادی الی سوار السبیل۔

تکمیل یوسف قطانی کی تفسیر نے تو بالکل فیصلہ ہی کردیا کہ وہ امام برحق جو بروز قیامت بلائینگے وہ علیؑ وحسنؑ وحسینؑ ہونگے جس کے بعد آئندہ تشخیص وتعیین کی بھی ضرورت نہ رہی اور اس سے مرزا کا مذہب جو آجکل قادیانی یا مرزائی کے نام سے مشہور ہے باطل ٹھیرا۔ کیونکہ مرزا غلام احمد آنجہانی ہرگز اس سلسلہ امامت علی وحسن وحسین میں نہیں ہیں اور نہ انکی نسبت کوئی نص ظاہر یا باطن موجود ہی وہ بذات خود مدعی نبوت ہوئے۔ لہذا سوائے اسکے کہ اونکی پکار ذیل میں ائمہ حق کے ہو کوئی دوسری صورت سمجھ میں نہیں آتی یہ آیت روائح القرآن میں مذکور نہیں

آیت ۸۰ - ج ۱۵ - ع ۹

"قل رب ادخلنی مدخل صدق واخرجنی مخرج صدق واجعل لی من لدنک سلطانا نصیرا۔"

اے رسول ہمارے کہو کہ اے پروردگار میرے تو مجھے داخل کر (خانہ کعبہ میں یا مکہ میں) بفتح و نصرت اور نکال مجھ کو وہاں سے سلامت۔ اور میرے لیئے اپنے پاس سے مددگار حجت قرار دے۔ (اور حمت فرما)

یہ آیت اُس وقت نازل ہوئی ہے۔ جبکہ آپ کو مکہ سے ہجرت کا حکم ہوا ہے تو فرمایا گیا ہے کہ رسول ہم سے دعا کرو کہ خدایا تو ہمیں مکہ سے بخیر و خوبی باہر لیجا اور بخیر و خوبی واپس لا۔ (تو ہم تمہاری دُعا قبول کرینگے) چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ آنحضرتؐ نے مکہ سے ہجرت فرمائی اور بخیر و خوبی مدینہ میں پہونچے اور آپکو وہاں فتوحات کثیرہ و گرانمایہ حاصل ہوئے پھر آپ مکہ میں واپس آئے اور نہایت کامیاب واپسی حاصل ہوئی۔ مکہ بھی فتح ہوا۔ بُت بھی توڑے گئے۔ اہل مکہ بھی مسلمان ہوئے۔ اور آپ اپنے وطن اصلی میں بھی داخل ہوئے جس کا آپ کو کمال اشتیاق تہا۔ اور اسموقعہ پر آپکے وصی کا مرتبہ و فضل بھی اس درجہ ظاہر ہوا جس سے بالاتر متصور نہیں ہو سکتا کیونکہ امیر المؤمنین علیہ السلام اسموقعہ پر دوش رسول اللہ پر سوار ہوئے ہیں اور بتوں کو خود اپنے دست مبارک سے توڑا ہے جسکی بابت امام شافعی ارشاد فرماتے ہیں۔ (دیکھو ینابیع المودۃ باب ۴۸ صفحہ ۱۱۵ چاپ بمبئی)

قیل لی قل لعلیٍّ مدحاً — ذکرہ یخمد ناراً موصدہ

قلت لا اقدم فی مدح امرءٍ — ضلّ ذو الالباب لی ان عبدہ

والنبی المصطفیٰ قال لنا — لیلۃ المعراج لما صعدہٗ

وضع اللہ بظہری یدہٗ — فاحس القلب منہا بردہٗ

وعلیؑ واضع اقدامہٗ — فی محل وضع اللہ یدہٗ

ترجمہ ۱۔ مجھ سے کہا گیا کہ میں علی کی ایسی مدح کروں جس کا ذکر (جہنم کی) آگ کے شعلوں کو بجھا دے

۲۔ تو میں نے کہا کہ اُس شخص کی مدح کی طرف میں پیش قدمی نہیں کر سکتا جس کے معاملہ میں عقل والے بھی اتنے حیران ہوئے ہوں کہ اوسکی عبادت کرنے لگے۔

۳۔ (بس اتنا ہی سمجھ لو کہ) نبی مصطفےٰ صلعم نے ہم سے بیان کیا کہ شب معراج میں جب مجھے

آسمان پر بلایا۔

۴- تو خدا نے میری پیٹھ پر اپنا ہاتھ رکھا جسکی ٹھنڈک میرے دل نے محسوس کی۔

۵- اور علیؑ نے اپنے پاؤں اوسی جگہ (پشت رسولؐ) پر رکھے جہاں خدا نے اپنا ہاتھ رکھا تھا۔ (جس کا یہ مرتبہ کو اوسکی مدح کیا کی جا سکتی ہے۔)

۲۶۴ ص از روائح القرآن

نیز امام شافعی بنابر روایت شاہ عبد العزیز کے تحفہ اثنا عشریہ میں فرماتے ہیں۔

یارب بالقدم التی اوطاتہا	من قاب قوسین المحل الاعظما
وبحرمۃ القدم التی جلت لہ	کتف المؤید بالرسالۃ سلما
ثبت علی متن الصراط تکرما	قدمی وکن لی محسنا ومکرما

نیز علامہ ابن ابی الحدید معتزلی اپنے مشہور و معروف قصیدہ میں لکھتے ہیں۔

وکسرت اصناما صنت حماہتا	بسم الوشیج الآن حتی تکسر
رقیت باسمی غارب احدقت بہ	ملائک تیلون الکتاب مطہرا
لغارب خیر المرسلین واشرف	الانام واز کے ناعل وطا الثرا
فسبح جبرائیل وقدس ہیبتہ	وہلل اسرافیل رغبا وکبرا

نیز فاضل مشہور فیضی مفسر تفسیر بے نقط فرماتے ہیں۔

امامیکہ روز وفات پیمبر	خلافت گذارد بما تم بشیند
زہے نقش پائے کہ بردوش احمدؐ	زمہر نبوت مقدم کشیند

نیز ایک ایرانی شاعر کہتا ہے۔ اے دادہ شہاں بحکم تو باج بنی وی بعد نبی بر سر تو تاج بنی
آنی تو کہ معراج تو بالا تر شد یک قامت احمدی ز معراج نبی

ترجمہ اشعار یہ۔ ۱- پروردگا اُس قدم کے واسطے جسکو تو نے محل اعظم قاب قوسین میں چلایا۔

۲- اور اُس قدم کے واسطے جسکے لیے تو نے مؤید بالرسالتہ (رسول) کے شانہ کو زینہ بنایا۔

۳- مجھے صراط مستقیم پر اپنے کرم سے ثابت قدم کر اور مجھپر احسان و کرم کرنے والا رہ۔

اس مقام پر چند عبارات روایات کا لکھدینا ضروری ہے جن سے اور بھی ثابت پایۂ ثبوت کو پہونچ جائے کہ واقعاً اس فتح کے موقعہ پر امیر المومنین علیہ السلام دوش رسول پر سوار ہوئے اور آپنے بتوں کو توڑا - اگرچہ اشعار سابقہ امام شافعی اور ابن ابی الحدید کے بھی اس مطلب کے اثبات کے لیئے کافی ہیں

شیخ سلیمان حنفی قندوزی بلخی اپنی کتاب ینابیع المودۃ میں صفحہ ۱۳۹ پر لکھتے ہیں -

(۱) فی جمع الفوائد عن علی قال انطلقت والنبی صلے اللہ علیہ وآلہ حتی اتینا الکعبۃ فقال لی اجلس وصعد علی منکبی فذہبت لانہض بہ فرای منی ضعفاً فنزل وجلس لی فقال لی اصعد علی منکبی فصعدت علی منکبیہ فنہض بی فانہ یخیل الی انی لو شئت لنلت افق السماء حتی صعدت علی البیت وعلیہ تمثال صفر او نحاس فجعلت ازاولہ عن یمینہ و عن شمالہ ومن بین یدیہ ومن خلفہ حتی استمکنت منہ فقال لی رسول اللہ اقذف بہ فقذفت بہ فتکسر کما تنکسر القواریر ثم نزلت فانطلقت انا ورسول اللہ نستبق حتی تواربنا خشیۃ ان یلقانا احد من الناس - لاحمد والبزار والموصلی "

نیز علامہ زمخشری نے تفسیر کشاف میں لکھا ہے (۲) ولما نزلت ہذہ الآیۃ یوم الفتح قال جبرئیل لرسول اللہ خذ مخصرتک ثم القہا فجعل یاتی صنماً صنماً وہو ینکت بالمخصرۃ فی عینہ ویقول جاء الحق وزہق الباطل فینکب الصنم لوجہہ حتی القاہا وبقی صنم خزاعۃ فوق الکعبۃ وکان من قواریر صفر فقال یا علی ارم بہ فحملہ رسول اللہ ...

(۱) علی ابن ابیطالب سے مروی ہے کہ ایک دفعہ میں نبی صلعم کے ساتھ کعبہ میں گیا پس مجھ سے حضرت نے ارشاد کیا کہ بیٹھ جا میں بیٹھ گیا تو آپ میری کندھے پر سوار ہوئے جب میں اٹھنے لگا تو آپنے مجھ میں کمزوری دیکھی پس اور اتر آئے اور خود بیٹھ گئے اور فرمایا کہ تم میرے کندھے پر سوار ہو پس میں دوش مبارک پر سوار ہوا اور آپ اٹھ کھڑے ہوئے اس وقت مجھے معلوم ہوتا تھا کہ اگر چاہوں تو افق آسمان تک پہونچ جاؤں تا اینکہ میں خانہ کعبہ پر چڑھ گیا اس پر پیتل یا تانبے کی ایک مورت رکھی تھی میں اسکو داہنے بائیں ہلانے لگا یہانتک کہ میں نے اس پر قابو پالیا پس مجھ سے رسول اللہ نے فرمایا کہ اسکو پھینکدو میں نے پھینکدیا پس وہ مورت اسطرح ٹوٹ گئی جسطرح کانچ ٹوٹ جاتی ہے پھر میں اتر آیا اور رسول اللہ کیساتھ چلکر گھر میں چھپ گیا اس خوف سے کہ مبادا ہمکو کوئی شخص کفار میں سے دیکھ پائے - ۱۲ -

(۲) جبکہ یہ آیت فتح مکہ کے دن نازل ہوئی تو جبرئیل نے رسول اللہ صلعم سے کہا کہ اپنی چھڑی لیجیئے اور ان بتوں کو گرا دیجیئے پس آپ ایک ایک بت کے پاس آتے تھے اور عصا مبارک سے ہر ایک کی آنکھ کو ٹھکراتے تھے اور کہتے جاتے تھے کہ حق آیا اور باطل جاتا رہا پس وہ بت منہ کے بل گرتے جاتے تھے یہانتک کہ آپنے سب کو گرا دیا خزاعہ کا ایک بت جو کعبہ کی چھت پر تھا اور پیتل کا بنا ہوا تھا باقی رہ گیا تو آپنے فرمایا کہ اے علی تم اسکو بھی گرا دو حضرت نے دوش رسول پر سوار ہو کر اسکو گرا دیا اور وہ ٹوٹ گیا یہ دیکھکر اہل مکہ تعجب سے کہنے لگے کہ ہم نے آجتک محمد سے

حتی صعد فری بہ فکسر فخجل اہل مکۃ یتعجبون ویقولون ما راینا رجلا اسحر من محمد" انتہی

نتیجہ۔ ان تمام روایات سے چند باتیں معلوم ہوئیں ایک یہ کہ امیرالمؤمنین علیہ السلام دوش رسول پر سوار ہوئے حالانکہ یہ دوش مقدس وہ مقام ہے کہ جہاں کسی انسان کے قدم نہیں جا سکتے لہذا امیرالمؤمنین علیہ السلام کے قدم ہائے مبارک کا وہاں جانا دلیل ہے اس بات کی کہ یہ اقدام کہ دوش رسولخدا سے ماہیتاً و حقیقتاً مختلف تھے بلکہ دونوں ایک ہی تھے ورنہ اگر یہ قدم کچھ کم ہوتے مرتبہ میں دوش رسول خدا سے تو ہرگز اسے نہ رسول اللہ قبول فرماتے اور نہ خداتعالیٰ اس پر راضی ہوتا۔

(دوسرے) یہ بھی معلوم ہوا کہ اُسوقت اصحاب میں سے کوئی بھی اس قابل نہ تھا جسے رسول اللہ اپنے کاندھے پر چڑھا سکتے اور یہی فضیلت جناب امیرالمؤمنین علیہ السلام کی اصحاب پر بس ہے اگر دیگر فضائل پر نظر نہ کیجائے۔

(تیسرے) خزاعہ کے بت کا جو اکبر اصنام خانہ کعبہ تھا امیرالمؤمنین سے تُڑوانا بتا رہا ہے کہ اگرچہ یہ کام خاص جناب رسول خدا کا تھا (کیونکہ وہی ازالۂ کفر کے لیے مبعوث ہوئے تھے)۔ مگر امیرالمؤمنین بھی وہی کام کرتے ہیں جو رسول اللہ کا کام ہے۔ اور یہ قائم مقامی دلیل ہے اس بات کی کہ کارہائے رسالت کے انجام دہی کے لیے صرف علی ابن ابیطالب علیہ السلام ہی ضرورت ہے نہ کسی غیر کی۔

(چوتھے) یہ معلوم ہوا کہ اس خانہ کعبہ سے امیرالمؤمنین علیہ السلام ہی کو کوئی خاص خصوصیت ہے جو دوسرے کو نہیں۔ اور غالباً یہ خصوصیت وہی ہو۔ جو حضرت کو اپنی ولادت سے اس خانہ کعبہ کے اندر حاصل تھی۔ لہذا بنظر خصوصیت سابقہ ضرورت تھی کہ اس کام کا انجام صرف امیرالمؤمنین کے ہاتھ دلوایا جائے۔ نیز یہ کہ یہ بار صرف امیرالمؤمنین پر ہی تھا۔ کیونکہ خداتعالیٰ نے اسطرح کا شرف ولادت خانہ کعبہ کے اندر کسی اور کو نہیں دیا کہ دیوار خانہ کعبہ کچھ شق ہوئی اور جناب فاطمہ بنت اسد اُسمیں داخل ہوئیں۔ پھر ولادت ہوئی۔ پھر تین روز تک وہاں مقیم رہیں۔ پھر جب وہاں سے باہر آئیں تو از خود دیوار کعبہ ملگئی۔ لہذا اس شرف کے عطا کا معاوضہ یہی ہو سکتا

تھا کہ امیرالمومنین ہی اس گھر کو بتوں سے صفا بھی کریں کیونکہ ہل جزاء الاحسان الا الاحسان
خداتعالیٰ نے انپر احسان کیا کہ اپنے گھر میں ولادت کا موقعہ دیا۔ اُنہوں نے خداتعالیٰ کے دین پر
احسان کیا کہ اوسکی تائید میں صنم اکبر کو توڑا جسکے بعد پھر کبھی کوئی بت اُس خاص گھر میں
نہیں رکھا گیا۔

اس مقام پر وجوہ لطیفہ اس اعداد کے بہت ہیں جنہیں میں نے اپنے بعض میں مشرحاً بیان کیا ہو
اسجگہ اُنہیں بخیال طول نظرانداز کرتا ہوں۔ اور صرف اس بات کے کہنے کے اکتفا کرتا ہوں کہ اس واقعہ
نے بھی امیرالمومنین علیہ السلام کی خلافت اولیہ پر کافی روشنی ڈالی اور بتادیا کہ اسلام کا کام
بھی وہی کرسکتا ہو جو رسول ہو یا مثل رسول۔ اور جب مثل رسول ہو رسول کا کام انجام دیسکتا ہو
تو وہی ہی خلیفہ بلافصل بھی ہوگا اس وجہ سے سورہ برات کی تبلیغ میں بھی رسول اللہؐ نے
انکو اپنا قائم بنایا بلکہ خداتعالیٰ نے تاکہ آئندہ کسی کو ان کی خلافت اولیہ میں شبہہ نہ رہے
لیکن دنیا کی نافہمی کو کیا کیا جائے۔

تکمیل۔ اس بحث کی آیت کے آخری جملے پر نظر کرنے سے اور بھی تائید ہمارے مقصود کی جسکے
لیئے ضرورت ہو کہ پہلے وہ روایت نقل کردیجائے جو اس آیت کے تحت علامہ سیوطی نے
درمنثور جلد چہارم (ص۱۹۸)

اخرج الحاکم وصححہ بیہقی فی الدلائل عن قتادہ رضی اللہ عنہ فی قولہ وقل رب ادخلنی مدخل صدق
واخرجنی مخرج صدق۔ قال اخرجہ اللہ من مکہ مخرج صدق وادخلہ المدینۃ مدخل صدق۔ قال
وعلم نبی اللہ انہ لاطاقۃ لہ بہذا الامر الا بسلطان فسال سلطانا نصیرا الکتاب للہ تعالی وحدودہ
وفرائضہ واقامۃ کتاب اللہ تعالیٰ فان السلطان عزۃ من اللہ تعالی جعلھا بین عبادہ ولولا
ذالک لغار بعضھم علی البعض واکل شدیدھم ضعیفھم۔

جس سے معلوم ہوا کہ حکم خدا آنحضرتؐ کو یہ ہوا تھا کہ تم مجھ سے ایک مددگار سلطان کی خواہش کرو
کیونکہ بغیر مددگار سلطان کے کتاب خدا کے حدود و فرائض پورے نہیں ہوسکتے اور نہ اُمت کے

وگ غارت وتباہی وجنگ وجدال باہمی سے نجات پا سکتے ہیں۔
اب یہہ سوال ہے کہ آیا یہہ حکم خدا معطل رہا اور رسول اللہ نے دعا نہ کی۔ یا دعا کی اور قبول نہ ہوئی یا قبول ہوئی اور اُس کا ظہور آپ کی زندگی میں ہوا۔ پہلے دو امر تو بالکل ناممکن ہیں کہ خدا تعالیٰ کسی کام کا حکم اپنے رسول کو دے اور وہ اُسے انجام نہ دے۔ یا یہہ کہ رسول دعا کرے اور خدا تعالے اُسے قبول نہ فرمائے تو لامحالہ تیسری بات صحیح رہی یعنے کہ آپنے دعا کی اور آپکے لیئے خدا تعالیٰ کی طرف سے مددگار سلطان دیا گیا۔
اب سوال یہہ ہے کہ آیا وہ مددگار جو آپنے مانگا اور خدا کی طرف سے ملا وہ کون ہے ؟
کیا وہ سلطان مددگار حضرت ابوبکر ہیں۔ یا عمر۔ یا عثمان۔ ؟
معلوم ہے کہ حضرت ابوبکر کو زندگی رسول اللہ میں کوئی قوت وشوکت حاصل نہ تھی وہ صرف بزازہ کا کام کرتے تھے اور اسی پر اونکی بسر اوقات تھی۔ جیسا کہ تاریخ الخلفا سیوطی میں مذکور ہے اُس بنا پر بعد خلافت ملنے کے بھی کپڑے کی گٹھری اُٹھا کر بازار بیچلے بیچنے کے لیئے جسے حضرت عمر نے روکا۔ اور کہا کہ یہہ امر شان خلافت کے خلاف ہے تم اب گاڑھے دہوتر کا کام چھوڑ دو تمہارے لیئے بیت المال سے کچھہ رقم مقرر کردیجائیگی۔ اُس سے بسر اوقات کرنا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔
البتہ بعد رسول اللہ لوگوں نے انکو بعیت فلتہ کرکے بادشاہ بنایا اور پھر اون کے بعد عمر صاحب بادشاہ ہوئے پھر عثمان۔ مگر زندگی رسول میں نہ انکو سلطان حاصل تھا اور نہ نصرت رسول سے کوئی بہرہ۔
ہاں جہانتک دیکھنے کتب سیر واحادیث وتواریخ کے معلوم ہوتا ہے وہ یہہ کہ امیر المؤمنین علیہ السلام نے ہر ہر موقع پر رسول اللہ کی مدد کی۔ جب آپ ہجرت کرکے مدینہ جانے لگے تب آپکے فرش خواب پر سوکر مدد کی جیسا کہ مفصلاً پہلے بیان ہوا۔ جب جنگ بدر ہوئی تو اُسمیں مدد کی۔ جب جنگ خندق ہوئی تو اوسمیں وہ مدد کی کہ ضربۃ علی یوم الخندق افضل

من عبادۃ الثقلین الی یوم القیامۃ کی حدیث کا خلعت آپکو ملا۔ جب جنگ احد ہوئی تو اُسمیں رسول اللہ کی وہ مدد کی کہ لافتا الا علی لا سیف الا ذوالفقار کا خلعت خدا تعالیٰ کی طرف سے اور ہو منی وانا منہ کا تمغہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ کی طرف سے ملا۔ جب جنگ خیبر ہوئی تو اُسمیں وہ مدد کی کہ قلعہ فتح ہوا۔ مرحب قتل ہوا۔ مال غنیمت بیشمار رسول اللہ اور اُن کے اصحاب کے ہاتھ آیا۔ اور ناد علیاً مظہر العجائب کا عجیب وغریب تمغہ آپ کو حاصل ہوا جب فتح مکہ ہوئی تو اُسمیں بھی آپنے وہ مدد کی کہ دوش رسول پر چڑھ کر بت اعظم وصنم اکبر اکبر کو توڑا۔ اور ایسی معراج کا مرتبہ حاصل کیا جو کسی نبی یا ولی کو آپ سے قبل نہ ملا تھا۔

جب جنگ تبوک ہوئی تب بھی آپنے رسول اللہ کی مدد کی۔ کہ مدینہ کی حفاظت فرماتے رہے جسپر آپنے یعنے رسول اللہ نے آپکو انت منی بمنزلۃ ہارون من موسیٰ کا تمغہ مرحمت فرمایا۔ اور بتایا کہ علی میرا خلیفہ وجانشین اور صاحب سلطان ونصرت ہے جسطرح ہارون موسیٰ کے لیئے اونکی زندگی میں صاحب سلطان ونصرت جناب موسیٰ علیہ السلام تھے۔

پس معلوم ہوا کہ جس سلطان نصیر کی دعا رسول اللہ نے کی تھی اور اُنکی زندگی میں اُنہیں حاصل ہوا وہ صرف علی ابن ابیطالب علیہ السلام ہیں جنہیں ہر طرح کا غلبہ کفار ومشرکین پر ہر موقعہ پر حاصل رہا (اسلیئے کہ سلطان کے معنے غلبہ کے ہیں۔ بادشاہ کو بھی سلطان اسی وجہ سے کہتے ہیں کہ وہ غالب ہوتا ہے بلاد وعباد پر) اور مددگار بھی رسول اللہ کے ہر موقعہ پر رہے جبکہ تمام انصار ومہاجر پس پا ہو ہو جاتے تھے۔ اور ایک شخص بھی میدان جنگ میں نظر نہ آتا تھا۔ اور دلیل نفی اس امر کی حضرت ابوبکر سے بہت بڑی یہی ہے کہ حیات رسول اللہ میں نہ کبھی اُنہوں نے کسی کو قتل کیا۔ اور نہ کسی کو اُن کے ہاتھ سے زخم پہونچا اور نہ خود اونکو کسی لڑائی میں زخم لگا۔ جس سے معلوم ہو سکتا کہ یہ بھی مددگاری میں رسول اللہ کے لڑتے تھے اور کفار پر حملہ آور ہوتے تھے البتہ اگر ہوا ہے تو یہ کہ مکہ میں ابتدا عہد رسول اللہ میں ایک کافر کے ہاتھ سے بے انتہا مار پڑی اور اس قدر اُس نے زدوکوب کی کہ ناک اور پیشانی ایک ہو گئی تھی

جس سے اونکی مغلوبیت ہی نہ غلبہ - اور جبکہ کسی کو عہد رسول ہیں غلبہ و نصرت سوا امیر المومنین کے حاصل نہیں ہوا تو سلطان نصیر آپ ہی ہیں جس سے باقرار قتادہ و علامہ سیوطی ناقل روایت آپ ہی بادشاہ ثابت ہوئے اور جبکہ اس آیت بموجب آپ ہی بادشاہ تھے اور زندہ بھی موجود تھے تو قطعاً آپ کی موجودگی میں کوئی دوسرا بادشاہ مقرر نہیں کیا جاسکتا - اور اگر کیا جائے تو اوسکی سلطنت صحیح نہیں مانی جاسکتی - اگر اس کے خلاف کسی کے پاس دلیل ہو تو ہم اسے سننے کے لیئے تیار ہیں

آیت ۶۱ ج ۱۶ ع ۹ سورہ مریم

ان الذین آمنوا وعملوا الصالحات سیجعل لہم الرحمن ودا -

ترجمہ - وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک اعمال کیئے عنقریب اُن کے لیئے خدائے رحمان محبت اہل ایمان پیدا کردیگا کہ وہ اونکو دوست رکھیں -

ظاہر میں تو اس مطلب کا کوئی بڑا وزن نہیں معلوم ہوتا مگر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہی کہ یہ بہت بڑی بات ہی جسے پروردگار عالم نے بیان فرمایا ہی مقصود آیت یہ ہی کہ جو لوگ ہمارے ساتھ ایمان لائے اور ہماری خوشی کے لیئے اعمال صالحہ بجالاتے ہیں ہم بھی اون کے ساتھ یہ سلوک کرینگے کہ اہل ایمان کے دلوں میں اونکی محبت پیدا کردینگے جسکے سبب وہ لوگ اونہیں مقتدا ہر امر میں بناسکیں اور ہر محفل و مجلس میں اونکا ذکر کریں - گویا دوسرے لفظوں میں یہ مطلب ہوا کہ ایسے مومن العمال صالح کرنیوالونکو ہم ہمیشہ ابد الآباد زندہ رکھینگے کیونکہ جب اونکی محبت تمام قلوب میں ہوگی تو وہ اُنہیں ہمیشہ بذکر خیر یاد کرینگے - اور یہی حیات دائمی ہے -

اس آیت کے متعلق ابن حجر مکی نے کتاب صواعق محرقہ بذیل آیہ چہاردہم صفحہ ۱۰۲ چاپ مصر نقل کیا ہی اور اس پوری عبارت کو کتاب ینابیع المودۃ صفحہ ۲۵۲ چاپ بمبئی میں بھی لکھا ہے -

اخرج الحافظ السلفی عن محمد بن الحنفیہ انہ قال فی تفسیر ہذہ الآیتہ لا یبقی مومن الا وفی قلبہ ود لعلی واہل بیتہ و صح انہ صلعم قال احبوا اللہ لما یغذوکم بہ من نعمہ واحبونی لحب اللہ عزوجل واحبوا اہل بیتی لحبی -

یعنے حافظ سلفی نے محمد بن حنفیہ سے اس آیت کی تفسیر میں یہہ روایت کی ہو کہ کوئی مومن نہ بچیگا مگر یہہ کہ اوسکے دلمیں علی اور اُن کے اہلبیتؑ کی محبت ہو گی - نیز یہہ روایت صحیح ہو کہ آنحضرتؐ نے فرمایا تم لوگ خدا سے محبت رکھو اسلیئے کہ وہ تم کو اپنی نعمتوں سے غذا دیتا ہو اور مجھ سے خدائے عزوجل کی محبت کی وجہہ سے محبت رکھو اور میری اہلبیتؑ کی میری محبت کی وجہہ سے محبت رکھو -

موفق ابن احمد نے اپنی کتاب مناقب میں یہہ حدیث وارد کی ہو (اس کتاب کے اجزاء مولف کے نزدیک سروست موجود ہیں) قال ابن عباس ہو علی ابن ابیطالبؑ " ابن عباس کہتے ہیں کہ مراد اس سے علی ابن ابیطالب ہیں - اُس کے بعد لکھتے ہیں وروی زید بن علی عن آبائہ عن علی ابن ابیطالبؑ قال آتینی رجل فقال یا اباالحسن واللہ انی لاحبک فی اللہ فذہبت الی رسول اللہ فاخبرتہ بقول الرجل فقال لعلک یا علی اصطنعت الیہ معروفا قال فقلت واللہ ما اصطنعت الیہ معروفاً فقال رسول اللہ الحمد للہ الذی جعل قلوب المومنین الیک بالمودۃ - قال فنزلت قولہ تعالیٰ ان الذین آمنو وعملوا الصالحات سیجعل لہم الرحمن وُدّا -

یعنے زید ابن علی سے مروی ہو اُنہوں نے اپنے آبائے طاہرین سے روایت کی ہو کہ امیرالمومنینؑ نے فرمایا مجھے ایک شخص ملا جس نے کہا یا اباالحسن میں تم سے برائے خدا محبت رکھتا ہوں پس میں رسول اللہ کے پاس گیا اور اس بات کی خبر دی آپنے فرمایا یا علی شاید تمنے اُس سے نیکی کی ہوگی - میں نے عرض کی قسم بخدا میں نے اُس سے کوئی نیکی نہیں کی - تو رسول اللہ نے فرمایا شکر خدا کا جس نے مومنین کے دلوںمیں تمہاری محبت ڈالی - فرمایا کہ اوسیوقت یہہ آیت نازل ہوئی - ان الذین آمنوا الخ -

اور ابن مغازلی شافعی نے اپنے مناقب میں اس آیت کے متعلق لکھا ہو (یہہ جزو بھی نحیف کے پاس سروست موجود ہو) عن ابی اسحاق عن البراء بن عازب قال قال رسول اللہ صلعم یعنی یا علیؑ قل اللہم اجعل لی عندک عہداً واجعل لی عندک وُدّاً واجعل لی فی صدور المومنین مودۃً

فنزلت الذین آمنوا وعملوا الصالحات سیجعل لہم الرحمٰن وُدّا ؔ" یعنے ابواسحق نے براء بن عازب سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ نے علیؑ سے فرمایا۔ یا علی تم یوں دعا کرو کہ خدایا میرے لیئے تو عہد قرار دے اور میرے لیئے تو اپنے نزدیک وُدّ (محبت) قرار دے اور سینہ ہائے مومنین میں میری محبت ڈال۔ تب یہ آیت نازل ہوئی۔

اوسکے بعد یہ روایت لکھی ہے عن شعبہ عن الحکم عکرمہ عن بن عباس قال اخذ رسول اللہ بیدی علی فصلے اربع رکعات ثم رفع یدہ الی السماء فقال اللھم سالک موسے بن عمران وان اسئلک محمد ان تشرح لی صدری ویسرلی امری واحلل عقدۃ من لسانی یفقھوا قولی واجعل لی وزیرًا من اہلی علیًا واشدد بہ ازری واشرکہ فی امری۔ فقال ابن عباس فسمعت منادیا ینادی یا احمد قد اوتیت ماسئلت فقال النبیؐ یا ابوالحسن ارفع الی السماء وقل اجعل لی عندک عہدًا او اجعل لی عندک ودًّا۔ فانزل اللہ علی نبیہ ان الذین آمنوا وعمل الصالحات سیجعل لہم الرحمٰن وُدّا۔ فتلاھا النبیؐ علی اصحابہ فتعجبو من ذالک عجبًا شدیدًا فقال النبیؐ ہم تعجبون ان القرآن اربع ارباع فربع فینا اہل البیت خاصۃ وربع حلال وحرام وربع فرائض واحکام۔ واللہ وانزل فی علی کرائم القرآن "

جس کا حاصل یہ ہی کہ ایک روز رسول اللہ علی ابن ابیطالب کا ہاتھ پکڑ کر چار رکعت نماز پڑھی پھر ہاتھ اُٹھا کر دعا کی کہ خدایا تجہسے موسےٰ نے بھی سوال کیا تہا اور محمدؐ بھی سوال کرتا ہی کہ تو میرے سینہ کو کشادہ کر میرے کام کو آسان کر میرے زبان کی گرہ کہولدے کہ میری بات لوگ سمجہیں اور میرے اہل میں سے علیؑ کو میرا وزیر بنا۔ جس سے میری پشت مضبوط کر اور اُسے میرے کام میں شریک بنا۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ اُس وقت میں نے ایک منادی کی آواز سُنی وہ کہتا تھا ای احمدؐ تمہارا سوال پورا کیا گیا۔ تب آنحضرتؐ نے فرمایا ای ابوالحسن (علی) اپنا ہاتھ آسمان کی طرف اُٹھا کر یہ دُعا کرو۔ کہ خدایا میرے لیئے اپنے نزدیک عہد قرار دے اور میرے لیئے اپنے نزدیک محبت قرار دے۔ تب یہ آیت نازل ہوئی اُس وقت اصحاب کے سامنے آپنے اُسی پڑہا تو لوگ تعجب کرنے لگے آپنے فرمایا کس بات سے تعجب کرتے ہو بالضرور قرآن مجید چار حصوں میں

نازل ہوا ہو ایک ربع ہم اہلبیت کی شان میں ہو۔ دوسرا ربع حلال وحرام کے بیان میں ہے تیسرا ربع فرائض واحکام کے بیان میں ہو اور علی کی بابت عمدہ سے عمدہ آیتیں قرآن کی نازل ہوئی ہیں"۔ انتہی۔

اس آیت اور اس تفسیر سے چند باتیں مستنبط ہوئیں۔

سب سے پہلے ذہن آپ ہی کی طرف منتقل ہوتا ہو۔ چنانچہ اس کے متعلق روایت بھی موجود ہے جسے علامہ سیوطی نے تاریخ الخلفاء اور ینابیع المودۃ کے مصنف شیخ سلیمان بلخی حنفی نے ص۱۰۳ میں وارد کیا ہے۔

اخرج الطبرانی وابن ابی حاتم عن الاعمش عن اصحاب ابن عباس قال ما انزل اللہ یا ایہا الذین آمنو الا وعلی امیرہا وشریفہا ولقد عاتب اللہ اصحاب محمدؐ فی غیر مکان وما ذکر علیاً الا بخیر"۔

طبرانی اور ابن ابی حاتم دونوں نے اعمش سے اور اعمش نے اصحاب ابن عباسؓ سے روایت کی ہو کہ جہاں جہاں قرآن میں یا ایہا الذین آمنوا ہے اوسمیں علی امیر وشریف آیت ہے اور یھہ کہ تمام اصحاب محمدؐ کو خدا تعالیٰ کئی کئی موقعوں پر (قرآن میں) عتاب کیا ہے مگر علیؑ کو جب ذکر کیا ہے خیر ہی سے ذکر کیا ہے۔

دوسرے یھہ بات معلوم ہوئی کہ الذین آمنو کہکر صرف جناب امیر المومنینؑ کو مراد لینا ایمان کا حصر کرنا ہے ذات امیر المومنین علیہ السلام پر یعنے واقعی مؤمن کامل جسے خدا ہی مومن کامل کہہ سکے کوئی دوسرا سوائے اسکے نہیں۔

اور حقیقت بہی یہی ہے جسکی صریح وصاف دلیل وہ ہے جسے شیخ سلیمان بلخی حنفی نے کتاب ینابیع ص۸۰ پر نقل کیا ہو قال النبیؐ برز الایمان کلہ الی الشرک کلہ (عمرو بن عبدود سے جنگ کے لئے) پورا اور کامل ایمان جارہا ہے پورے شرک کی طرف"۔ جسکے معنے یھہ ہوئے۔ کہ رسول اللہؐ نے اس بات کی شہادت دی کہ علی مجسم ایمان ہوگیا ہو اور ایسا مؤمن ہو کہ اُسے بجائے مؤمن کہنے کے ایمان کہنا چاہیئے۔

غالباً اسیطرف اشارہ ہے اوس حدیث میں جسمیں فرمایا ہے "سلموا علی علی بامرۃ المؤمنین
علیؑ کو امیر المؤمنین کہکر سلام کرو۔" یعنے علیؑ تو مؤمنوں کا امیر ہے۔ اور جب عام مؤمنوں کے
امیر ہوئے تو پھر آپ کو بھی مؤمن کہنا آپ کی کسر شان ہے۔ لہذا آپ ایمان ہیں اور جن کے
دلوں میں آپ کی محبت ہے وہ مؤمن ہیں۔

دوسری دلیل اس دعوے کی وہ روایت ہے جسے ابوالحسن مغازلی شافعی نے مناقب میں نقل کیا ہے
اور جسے کتاب ینابیع المودۃ کے صـ۲۳۵ پر روایت کیا ہے عن علی ابن الحسین قال رسول اللہ صلعم
لعلی ابن ابیطالبؑ یا ابالحسن لو وضع ایمان الخلائق واعمالہم فی کفۃ میزان و وضع عملک
یوم احد علی کفۃ الاخری لرجح عملک علی جمیع ما عمل الخلائق" الخ علی ابن الحسینؑ سے مروی ہے
کہ رسولخدا نے علی ابن ابیطالبؑ سے فرمایا اے ابوالحسن اگر تمام خلائق کا ایمان اور اون کے
اعمال ایک پلہ پر رکھے جائیں اور تمہارا صرف روز احد والا عمل ایک پلہ پر رکھا جائے تو تمہارا
عمل تمام خلائق کے عمل سے بالاتر رہیگا۔

(تیسری دلیل) اس دعوے کی وہ حدیث ہے جسے کتاب ذخائر العقبیٰ میں امام الحرم احمد
بن عبداللہ مکی شافعی نے نقل کیا ہے اور جسے کتاب ینابیع صـ۱۷۹ میں شیخ سلیمان بلخی حنفی نے
نقل کیا ہے۔ عن عمر رضی اللہ عنہ مرفوعاً لو ان السمٰوٰت السبع والارضین وضعت فی کفۃ و وضع
ایمان علیؑ فی کفۃ لرجح ایمان علیؑ۔ اخرجہ ابن السمان فی الموافقۃ والحافظ السلفی"۔
خلیفہ دوم حضرت عمرؓ اس روایت کے راوی ہیں۔ فرماتے ہیں کہ اگر ساتوں آسمان و زمین
ایک پلہ پر رکھے جائیں اور دوسرے پلہ پر ایمان علیؑ کا رکھا جائے تو علیؑ کا ایمان بھاری ہوگا
اس روایت کو ابن سمان نے کتاب الموافقۃ میں نقل کیا ہے اور نیز حافظ سلفی نے۔

تیسرے یہ بات معلوم ہوئی کہ وہ عمل صالح جو شمار میں آسکے اور جسے خداتعالیٰ بھی عمل صالح
کہکے تعبیر فرمائے وہ اگر کہیں ہے تو صرف علیؑ و آل علیؑ کے پاس اور پھر وہ اس حد پر
ہے کہ جب عملوا الصالحات کہا جاتا ہے تو صرف یہی حضرات مراد ہوتے ہیں۔ اور کیوں نہ ہو

جبکہ انکا ایک عمل دنیا کے اعمال سے اشرف و اکمل و اعلیٰ و اجل ہے تو دیگر اعمال کا ضمیمہ ہونے پر کون انکا مقابل ہوسکتا ہے۔ اور کب ان کے مقابل اُس کا نام لیا جاسکتا ہے۔

ملاحظہ ہو یہ حدیث جسے امام ابوالحسن ابن مغازلی شافعی نے نقل کیا ہو اور اُسے صاحب ینابیع نے بھی صفحہ ۱۲۰ چاپ بمبئی پر نقل کیا ہو عن جعفر الصادقؑ عن آبائہ عن النبیؐ قال یا علی لو وضع اعمال اُمتی فی کفتہ ووضع عملک یوم احدٍ فی کفتہ اُخرے لرجح عملک وان اللہ اباہی بک یوم احد ملائکتہ المقربین ورفعت الحجب من السموٰت السبع واشرفت الیک الجنتہ ومافیہا وابتہج بفضلک رب العالمین۔

یعنے جعفر صادقؑ سے مروی ہے وہ اپنے آباء طاہرین رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلے اللہ علیہ وآلہ نے فرمایا اے علیؑ اگر میری تمام اُمت کا عمل ایک پلہ پر رکھا جائے اور صرف روز احد والا تمہارا عمل دوسرے پلہ پر تو تمہارا عمل بھاری رہیگا۔ اور بالضرور خدا نے بروز اُحد تمہارے معاملہ میں اپنے ملائکہ مقربین پر مباہات (فخر) کی۔ ساتوں آسمانوں کے حجاب اُٹھا دیئے گئے تھے۔ اور جنت و مافی الجنت نے جھک جھک کر تمہیں دیکھا اور تمہارے فضل پر خود رب العالمین خوش و مبتہج ہوا۔

چوتھی بات یہ معلوم ہوئی کہ جسقدر احادیث دربارہ محبت امیرالمومنین علیہ السلام کے رسول اللہؐ سے مروی ہیں وہ سب اس آیت کے سبب سے ہیں اور منشاء صحیح ان احادیث کا یہی آیہ شریفہ ہے۔ جسمیں بتصریح خدا نے فرمادیا ہے کہ علی کی محبت لوگوں کے دلوں میں ڈالی جائیگی اسلیئے وہی ایک باایمان اور عمل صالح والا آدمی ہے اور یہی مقصود ہو اُن روایات کا جسمیں فرمایا گیا ہی کہ صرف منافق ہی وہی شخص ہوگا جو علیؑ سے محبت نہ رکھیگا۔

اور پھر یہ محبت یہیں تک نہیں ٹہری کہ صرف مؤمنین کے دلوں تک محدود رہی بلکہ اتنی اونچی ہوئی کہ خداتعالیٰ تک بھی اس نے گذر کیا جسے حدیث طیر اور حدیث رایت واضح کررہی ہی حدیث طیر تو یہ ہی جسے امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں اور بہت سے محدثین نے جنکی تعداد

ہزاروں تک پہونچی ہو نقل کیا ہے اور جسے ینابیع کے صفحہ ۴۶ پر شیخ سلیمان نے بھی وارد کیا ہے

عن سفینۃ مولی النبی قال اھدت امراۃ من الانصار طیرین مشویین بین

رغیفین فقال النبیؐ اللھم ائتنی باحب خلقک الیک والی رسولک فجاء علی فاکل

معہ من الطیرین حتی افنیا۔ (ترمذی شریف ج ۲ ص ۲۹۹)

سفینہ مولی رسول اللہؐ سے مروی ہے کہ انصار کی کسی عورت نے آنحضرتؐ کے پاس ہدیۃً دو پرندے بھنے ہوئے پیش کیے تھے۔ جو دو روٹیوں کے درمیان تھے آپ نے دعا کی خدایا میرے پاس ایسے شخص کو اس وقت لا جو تمام خلق میں تیرے اور تیرے رسولؐ کے نزدیک محبوب تر ہو۔ اس دعا پر امیر المؤمنین علیؑ آئے اور اُن پرندوں کو کھایا یہانتک کہ دونوں صاحب سیر ہو گئے۔

اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ محبت علی صرف دنیا والوں ہی تک محدود نہیں۔ بلکہ خدا و رسول کو بھی تمام خلایق سے زیادہ یہی محبوب ہیں

اور حدیث رایت یہ ہے جسے امام مسلم نے اپنی صحیح میں اسطرح نقل کیا ہے۔ عن ابی ہریرہ

ان رسول اللہؐ قال یوم خیبر لاعطین ہذہ الرایۃ رجلاً یحب اللہ ورسولہ ویحبہ اللہ ورسولہ یفتح

اللہ علی یدیہ قال عمر ابن الخطاب ما احببت الامارۃ الا یومئذ قال فتطاولت لہا رجاء ان

ادعی لہا فدعا رسول اللہؐ علی ابن ابیطالبؑ فاعطاہ ایاہا۔ الخ ینابیع صفحہ ۴۶

ابوہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہؐ نے بروز خیبر فرمایا کہ میں اس رایت کو ایسے شخص کو دونگا جو خدا و رسول خدا کو دوست رکھتا ہوگا اور جسے خدا و رسول خدا بھی دوست رکھتے ہونگے خدا اُس کے ہاتھ پر فتح دیگا۔ حضرت عمر کہتے ہیں کہ میں نے امارت کو کبھی پسند نہیں کیا مگر اُس دن۔ پھر میں نے گردن اُٹھائی کہ شاید میں ہی اُس علم کے لئے بلایا جاؤں۔ مگر رسول اللہ نے علی ابن ابیطالبؑ کو بلایا پھر علم اُن ہی کو دیا۔

اس رایت سے جہاں یہ بات معلوم ہوئی کہ علی ابن ابیطالبؑ خدا و رسول کے دوست تھے وہاں یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت عمر اس فضیلت سے کورے تھے اور جہاں یہ معلوم ہوا کہ علی ابن

ابیطالبؑ خدا و رسول کو محبوب کھتے تھے وہاں یہہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت اس وصف سے بھی خالی تھے ورنہ کوئی وجہ نہ تھی کہ باوجود گردن اُٹھانے کے بھی اونکو علم نہ دیا جاتا ۔ مگر معلوم ہوا کہ یہہ گردن صرف شتر بے مہار کی گردن تھی نہ محبوب خدا و رسولؐ کی ۔

بالجملہ سیجعل لہم الرحمن ودّا کی یہہ ہے کہ امیر المؤمنین علی ابن ابیطالبؑ خود نہج البلاغہ میں فرماتے ہیں (دینا بیع صفحہ چاپ بمبئی) لوضربت خیشوم المؤمن بسیفی ہذا علی ان یبغضنی ما ابغضنی ولو صببت الدنیا بجماتہا علی المنافق علی ان یحبنی ما احبنی ۔ اگر میری اس تلوار سے مؤمن کی خیشوم (ناک) کو بھی کاٹا جائے اور کہا جائے کہ مجھ سے بغض رکھے تو مجھ سے بغض نہ رکھیگا ۔ اور اگر منافق کو ساری دنیا دیدیجائے کہ مجھ سے محبت رکھے تب بھی مجھ سے محبت نہ رکھیگا ۔

و ذالک انہ قضی فانقضی عن لسان النبی الامی ص انہ قال لایبغضک مؤمن ولا یحبک منافق ۔ اور یہہ ایک خدائی فیصلہ ہے جو زبان رسول خداؐ سے جاری ہوا ہے کہ مجھ سے فرمایا یا علی تم سے مؤمن کبھی بغض نہ رکھیگا اور منافق تم سے کبھی محبت نہ پیدا کریگا ۔

اسی مطلب کو ام سلمہ نے بھی ظاہر کیا ہے جیسا کہ ترمذی شریف میں مروی ہے صفحہ ۲۹۹ جلد ۲ چاپ مصر اور جو ینابیع میں بھی منقول ہے ۔ حضرت ام سلمہ سے روایت ہے تقول کان رسول اللہ ص یقول لا یحب علیاً منافق ولا یبغضہ مؤمن ۔ وہ کہتی تھیں کہ رسول اللہ فرمایا کرتے تھے کہ علیؑ کو کوئی منافق نہ دوست رکھیگا اور اُن سے کوئی مؤمن بُغض نہ رکھیگا ۔

نیز صواعق محرقہ صفحہ ۷۳ چاپ مصر ۔ ترمذی شریف جلد دوم صفحہ ۲۹۹ میں مروی ہے عن ابی سعید الخدری قال کنا لنعرف المنافقین نحن معاشر الانصار ببغضہم علی ابن ابیطالبؑ ۔ ابو سعید خدری کہتے ہیں کہ ہم گروہ انصار منافقین کی شناخت صرف بغض علیؑ سے کرلیتے تھے ۔ یعنے جسکو دیکھتے کہ وہ علیؑ سے بغض رکھتا ہے اوسکو ہم منافق سمجھتے تھے ۔

یہی وہ محبت ہے جس کا ذکر صواعق محرقہ چاپ مصر صفحہ ۷۲ نے بھی کیا ہے اور جو ینابیع کے صفحہ ۲۳۵ پر بھی مذکور ہے ۔ عن ام سلمہ عن رسول اللہ من احب علیاً فقد احبنی ومن احبنی فقد احب اللہ ومن

البغض علیاً فقد ابغضنی ومن ابغضنی فقد ابغض اللہ۔ یہ محبت وبغض اس طرح سلسلہ وار ہی کہ جو کوئی علیؑ کو دوست رکھتا ہی وہ رسول اللہ کو بھی دوست رکھتا ہی اور جو رسول اللہ کو دوست رکھتا ہی وہ خدا کو بھی دوست رکھتا ہی اسیطرح بغض کا حال ہے۔ جس سے ظاہر ہی کہ جو کوئی مدعی محبت خدا و رسولؐ ہے اور علی ابن ابیطالبؑ سے بغض دلی رکھتا ہی وہ اپنے دعوی میں جھوٹا ہی۔ اب اُن لوگوں کو سنبھل جانا چاہیئے جو ذکر علی ابن ابیطالبؑ سُنکر چین بجبین ہو جایا کرتے ہیں۔

آیت ۶۲ ج ۱۶ ع ۱۱

قال رب اشرح لی صدری ویسر لی امری واحلل عقدۃ من لسانی یفقہو قولی واجعل لی وزیرًا من اہلی ہارون اخی اشدد بہ ازری واشرکہ فی امری "کہا (موسےٰ نے) اے میرے پروردگار میرے سینے کو کشادہ کر اور میرے کام کو میرے لیئے آسان کر۔ اور میرے زبان کی گرہ کھول دے کہ لوگ میری بات (اچھی طرح سمجھیں) اور میری اہل میں سے میرے لیئے ایک وزیر بنادے۔ میرے بھائی ہارونؑ کو۔ اُس سے میری کمر مضبوط کر۔ اور اُسے میرے کام شریک کر۔

یہ حکایت ہی کلام جناب موسیٰ علیہ السلام کی جبکہ اُنہوں نے اپنے پروردگار سے اس امر کی درخواست کی تھی کہ اُن کے لیئے کوئی مددگار مقرر کیا جائے جو شریک امر رسالت ہو اور اُس سے آپ کو مدد ملے درخواست میں پیش کیا کہ میری اہلبیتؑ میں سے ہارون کو میرا وزیر بنادے۔

اس درخواست سے ایک نتیجہ صاف یہ بھی برآمد ہوتا ہی کہ نبی کا وزیر وخلیفہ وہی شخص ہو سکتا ہی جو اُسکے اہل میں سے ہو۔ ایرے غیرے خلیفہ نبی نہیں بن سکتے۔ چونکہ یہ بات جناب موسےٰ کو سنت اللہ القدیمہ سے معلوم تھی لہذا وہی عرض بھی کیا۔ پس لازم ہے کہ ہمارے رسول خاتم النبیین کا وزیر وخلیفہ بھی اون کے اہل ہی میں سے ہو نہ کہیں اور سے جسکے لیئے سوائے امیرالمومنین علی ابن ابیطالبؑ کے دوسرا مناسب نہیں۔

یہ تو ظاہر آیت سے استدلال ہو سکتا ہے لیکن میں یہاں اس سے بالاتر بات کہنی چاہتا ہوں وہ یہ ہی کہ یہی وہ آیات ہیں جنکو جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ نے طلب وزیر وخلیفہ کے

موقعہ پر جناب باری میں عرض کیا ہے اور جس سے پوری مناسبت اپنی اور جناب موسیٰ اور علی ابن ابیطالب علیہ السلام اور جناب ہارون علیہ السلام کے درمیان ثابت کی ہو۔ چنانچہ اُس موقعہ پر جبکہ حضرت امیرالمومنین علیہ السلام نے مسجد رسول میں سائل کو خاتم (انگوٹھی) مرحمت فرمائی ہے۔ آنحضرت کا یہ کلام منقول ہے۔ فرفع رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم طرفہ الی السماء فقال اللھم ان اخی موسیٰ سئلک فقال رب اشرح لی صدری ویسرلی امری واحلل عقدۃً من لسانی یفقھو قولی واجعل لی وزیرًا من اہلی ہارون اخی اشدد بہ ازری واشرکہ فی امری فانزلت علیہ قرآنا سنشد عضدک باخیک ونجعل لکما سلطانًا۔ اللھم انی محمد نبیک وصفیک اللھم فاشرح لی صدری ویسرلی امری واجعل لی وزیرًا من اہلی علیًا اشدد بہ ازری۔ قال ابوذر فما تم دعاءہ حتی اتی جبرئیل من عند اللہ وقال یا محمد اقرا انما ولیکم اللہ ورسولہ والذین آمنوا الذین یقیمون الصلوٰۃ ویؤتون الزکوٰۃ وہم راکعون (اخرجہ ابو اسحاق الثعلبی فی تفسیرہ) ارجح ملا عبید اللہ عبیدی امرتسری ؁ چاپ لاہور) یعنے جب امیرالمؤمنینؑ نے انگوٹھی سائل کو دی اور سائل اُسے لیکر روانہ ہوا تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ نے اپنی نگاہ آسمان کی طرف بلند کی اور عرض کیا خدایا میرے بھائی موسے نے تجھ سے سوال کیا تھا کہ اے میرے پروردگار میرا سینہ کشادہ کر میرے کام کو آسان کر۔ میری زبان کی گرہ کھول دے کہ لوگ اچھی طرح میری بات سمجھیں اور میرے اہل میں سے میرے بھائی ھارون کو میرا وزیر بنا۔ اُن سے میری کمر مضبوط کر اور انھیں میرے کام میں شریک بنا تو تو نے اسکی بابت قرآن نازل کیا (اور فرمایا) عنقریب ہم تیرے بازو کو تیرے بھائی کے ذریعے مضبوط کرینگے اور تم دونوں کو غلبہ دینگے۔ خدایا میں محمدؐ تیرا نبی اور تیرا صفی ہوں۔ خدایا بس تو میرا سینہ کشادہ کر۔ میرے کام کو میرے لیئے آسان کر۔ اور میرا وزیر میرے اہل میں سے علیؑ کو بنا۔ اُس سے میری کمر محکم کر۔ ابوذر کہتے ہیں کہ ابھی آپنے اپنی دُعا تمام نہ کی تھی کہ جبرائیل خدا تعالیٰ کی طرف سے آئے اور کہا اے محمدؐ پڑھو۔ انما ولیکم اللہ ورسولہ الخ

اس روایت کی نقل ثعلبی نے اپنی تفسیر میں کی ہے۔ اور اُسے مولوی عبید اللہ امرتسری سابق سُنی اور حال مرزائی نے اپنی کتاب ارجح المطالب صـ۸۷ میں بھی نقل کیا ہے۔

تفسیر درمنثور سیوطی جلد چہارم مطبوعہ مصر صـ۲۹۵ میں لکھتے ہیں۔ اخرج ابن مردویہ والخطیب وابن عساکر عن اسماء بنت عمیس قالت رایت رسول اللہ بازاء ثبیر وہو یقول اشرق ثبیر اشرق ثبیر اللھم انی اسئلک بما سالک اخی موسیٰ ان تشرح لی صدری وان تیسر لی امری وان تحل عقدۃ من لسانی یفقھوا قولی واجعل لی وزیرا من اہلی علیاً اخی اشدد بہ ازری۔ واشرکہ فی امری کی نسبحک کثیرا ونذکرک کثیرا انک کنت بنا بصیرا۔ یعنے ابن مردویہ۔ خطیب۔ اور ابن عساکر نے بھی روایت تخریج کی ہے اسماء بنت عمیس سے۔ کہا کہ میں نے رسول اللہ کو سامنے (کوہ) ثبیر کے دیکھا۔ فرما رہے تھے اشرق ثبیر اشرق ثبیر۔ خدایا میں اوسی طرح تجھ سے سوال کرتا ہوں۔ جسطرح میرے بھائی موسےؑ نے تجھ سے سوال کیا تھا۔ کہ تو میرے سینہ کو کشادہ کر۔ میرا کام میرے لیئے آسان کر۔ میری زبان کی گرہ کھول کہ لوگ میری بات اچھی طرح سمجھیں۔ اور میری اہل میں سے میرے بھائی علیؑ کو میرا وزیر بنا۔ اُس سے میری کمر مضبوط کر۔ اور اُسے میرے کام میں شریک بنا تاکہ ہم تیری بہت تسبیح کریں۔ اور تجھے بہت یاد کریں بالضرور تو ہمارا ناظر و بصیر ہے۔

پھر اسی درمنثور صـ۲۹۵ میں دوسری روایت بھی مذکور ہے اخرج السلفی فی الطیوریات بسندہ عن ابی جعفر محمد بن علی قال لما نزلت واجعل لی وزیرا من اہلی ہارون اخی اشدد بہ ازری کان رسول اللہ علی جبل ثم دعا بہ وقال اللھم اشدد ازری باخی علی فاجابہ الی ذالک یعنے سلفی نے طیوریات میں اپنی سند سے ابوجعفر محمد بن علیؑ سے روایت کی ہے کہ جسوقت آیات واجعل لی وزیرا من اہلی ہارون اخی اشدد بہ ازری۔ نازل ہوئی تو آنحضرتؐ پہاڑ پر تھے پس وہیں دعا کی۔ اور کہا خدایا میری کمر محکم کر میرے بھائی علیؑ کے ذریعہ سے۔ تو خدا نے اونکی بھی دعا قبول کی۔

(نتیجہ روایات) ۱ ان روایات نے یہ بتایا کہ آیات مذکورہ کو ایک بڑی حد تک امیر المومنین علی ابن ابیطالب علیہ السلام سے بھی تعلق ہے۔

۲۔ یہی وہ آیات ہیں جن کے ذریعہ سے آنحضرتؐ نے دعا کی اور حضرت امیر المومنینؑ کی وزارت کی وزارت کے خدا تعالیٰ سے خواستگار ہوئے۔

۳۔ آپ نے اپنے تئیں نظیر موسےؑ قرار دیا اور علی ابن ابیطالبؑ کو نظیر ہارونؑ۔

۴۔ اسی موقعہ پر آیت ولایت انما ولیکم اللہ ورسولہ والذین آمنو نازل ہوا۔ جس نے صاف لفظوں میں بتایا کہ خدا نے علی ابن ابیطالب علیہ السلام کو ویسی ہی ولایت وحکومت اپنی جانب سے مرحمت فرمائی۔ جیسی اپنی ولایت اور اپنے رسول کی ولایت وحکومت اہل عالم پر قرار دی ہے۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہنا چاہیئے کہ جس طرح کے حاکم مطابق خدا ورسولؐ ہیں اہل دنیا پر اسی طرح کے حاکم علی ابن ابیطالب علیہ السلام بھی ہیں۔

۵ رسول خداؐ نے حضرت امیرؑ کے لیئے وہی بات چاہی ہے جو موسیٰؑ نے ہارونؑ کے لیئے چاہی تھی اور معلوم ہے کہ موسےؑ نے ہارون کے لیئے وزارت اور خلافت دونوں ہی چاہی تھی ورنہ انکو یہ کہنے کا حق نہ ہوتا کہ یا ہارون اخلفنی فی قومی ' اے ہارون میری قوم میں میرا خلیفہ بن اور جبکہ جناب ہارون علیہ السلام خلیفہ ووزیر دونوں ہی حضرت موسےؑ کے تھے۔ تو امیر المومنینؑ بھی رسول خدا کے خلیفہ ووزیر دونوں ہی ہونگے۔ چنانچہ اس مطلب کی تاکید وتشدید اس حدیث سے بھی حضرت نے کردی تھی۔ کہ انت منی بمنزلۃ ہارون من موسیٰ الخ ینابیع اے علیؑ تم کو مجھ سے وہی قرب حاصل ہے جو ہارونؑ کو موسےؑ سے تھا جس میں آپ نے تمام منازل ہارونیہ کو جناب امیر المومنین علیہ السلام کے لیئے ثابت فرمایا ہے۔ سوائے مرتبہ نبوت کے جس کا استثنا ان لفظوں میں فرما دیا کہ الا انہ لا نبی من بعدی۔

۶۔ وزارت کے لیئے جسے انتخاب فرمایا ہے وہ وہی شخص ہے جو آپ کے اہلبیتؑ میں سے جس سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ رسول کا وزیر جبکہ اُس کے اہل سے ہے ہونا لازم ہے تو اس کا

جانشین لامحالہ اُسی کے اہل میں سے ہوگا۔ پس لامحالہ یہہ ماننا پڑیگا کہ اہل دنیا نے جو کچھہ بمقابلہ اس کلام کے عملدرآمد کیا۔ اور خلافت کو آنحضرت کے اہلبیت سے نکالکر اصحاب میں لے گئے اُنہوں نے رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ کی مخالفت کی اور اُن کی رائے غلط تھی ”خلیفہ“ خلیفہ رسول حضرت علی ہی تھے۔

بہ بربنائے منزل اگر یہی مان لیا جائے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ نے اس اپنے کلام میں صرف امیر المؤمنین علیہ السلام کے وزیر بنائے جانے کی درخواست کی تھی۔ خلافت کی درخواست نہ کی تھی۔ تب بھی اتنا ضرور ثابت ہوا کہ علی کی مثال اس اُمت میں ویسی ہی تہی جیسی ہارون کی مثال اُمت موسےٰ میں۔ اور معلوم ہے کہ جناب ہارونؑ تمام اُمت موسےٰ کے افراد سے افضل و اکمل تھے۔ ورنہ جو ان سے افضل ہوتا وہ موسےٰ کی وزارت کے لیے منتخب ہوتا۔ لہذا ماننا پڑیگا کہ جناب امیر المؤمنین علی ابن ابیطالبؑ بھی تمام افراد اُمت محمدیہ سے اُس وقت افضل و اکمل تھے اور جبکہ اونکی فضیلت تمام افراد پر ثابت ہوگئی تو لامحالہ اُن ہی کو رسول کا خلیفہ بھی ہونا چاہیئے تاکہ مسئلہ عقلیہ تفضیل مفضول کا قبح نہ لازم آئے۔ اسلیئے کہ عقل صریح حاکم ہے کہ مفضول کو فاضل پر ترجیح دینا قبیح ہے۔

خدا تعالی نے تو امیر المؤمنین علی ابن ابیطالبؑ کے لیئے کوئی دقیقہ اس امر میں فروگذاشت نہیں کیا کہ انہیں اس اُمت میں بمنزلہ حضرت ہارونؑ ثابت کرے۔ چنانچہ

ایک مرتبہ اپنے رسول سے کہلوایا انت منی بمنزلۃ ہارون من موسیٰ یا اسطرح کہ علی بمنزلۃ ہارون من موسےٰ

دوسری مرتبہ اس درخواست میں اپنے رسول کے کہلوایا واجعل لی وزیرًا من اہلی علیًا اخی اور وہی آیات پڑھوائی جنکے ہم معنے موسےٰ نے اپنے رب سے درخواست میں کہا تھا۔

تیسری مرتبہ اون کے بیٹوں کا نام شبر و شبیر رکھکر بتایا کہ علیؑ اس اُمت میں مثل ہارون ہیں اُمت موسویہ میں۔ چنانچہ ابن حجر مکی صواعق محرقہ میں لکھتے ہیں اخرج البغوی وعبد الغنی فی الایضاح عن سلیمان رضی اللہ عنہ ان النبی صلے اللہ علیہ وآلہ قال سمی ہارون ابنیہ شبرًا وشبیرًا وانی

سمیت ابنی الحسن والحسین بماسمی بہ ہارون ابنیہ صت ۱۱۵

نیز صاحب قاموس نے بھی لکھا ہے شبّر کبقم وشبیر کقمیر ومشبّر کتحدث ابناء ہارون علیہ السلام قیل وباسمائہم سمی النبیؐ الحسن والحسین والمحسن رضوان اللہ علیہم۔

مگر افسوس کہ اہل دنیا نے ان باتوں سے کوئی معقول سبق حاصل نہ کیا۔ اور جس مطلب کا اظہار رسولخداؐ نے بلکہ اُن سے پہلے اُن کے پروردگار نے جناب امیر علیہ السلام کے لیئے کیا تھا اُسے بالکل محو کر دینے کی کامل کوشش کی۔

اگرچہ اُس وقت توبظاہر وہ لوگ جو مخالف جناب امیرؑ تھے کامیاب ہو گئے۔ مگر حق پر پردہ نہیں پڑسکتا آخروہ مستقرالوجہ روشن ہوکرہی رہا۔ اور بے تعصب راویوں کے قلموں سے بلکہ قہراً متعصبین کے قلموں سے بھی وہ صحیح اور سچے مضامین نکل گئے جو آجتک صفحات تاریخ وسیر وکتب احادیث پر جلی قلموں سے لکھے ہوئے ہیں اور بتارہے ہیں کہ جو کچھ ہوا وہ بالکل واقعہ کے خلاف ہوا۔ مرضی خدا کے خلاف ہوا۔ صرف مرضی ہی نہیں بلکہ نص صریح خدا ورسول کے خلاف ہوا۔ صرف مرضی ہی نہیں بلکہ نص صریح خدا ورسول کے برخلاف ہوا اور اُن کے دشمنوں نے اُن سے وہی برتاؤ کیا جو سامری نے حضرت ہارونؑ کے مقابلہ میں کیا تھا۔

موسےٰ نے ہارون کو جانشین بناکر چھوڑا کہ لوگ انکا اتباع کریں۔ سامری نے گوسالہ بناکر چھوڑا کہ لوگ اُسے معبود مانیں۔

رسول خداؐ نے علیؑ کو خلیفہ بنایا کہ لوگ انکی پیروی سے راہ ہدایت پاویں۔ اون کے مخالفین نے (جو بظاہر دوست تھے) ایک اور ایسے شخص کو جو علیؑ سے وہی مناسبت رکھتا تھا جو گوسالہ کو ہارون سے تھی کھڑا کر دیا کہ لوگ بجائے ہدایت کے ضلالت میں مبتلا ہوں۔

چنانچہ اس موقعہ پر امیر علیہ السلام نے بھی وہی فرمایا جو جناب موسےٰ سے حضرت ہارون نے کہا ان القوم استضعفونی وکادو یقتلوننی قوم نے مجھ کو ضعیف بنادیا اور قریب ہوا کہ مجھے مار ڈالیں اور وہی کیا جو موسےٰ وہارون نے فرعون اور اُس کے ساتھیوں کے ساتھ کیا۔ یعنے قولالہ قولاً

لینا علیہ تیذکرا و تحشی آپ ہمیشہ اُن لوگوں سے نرمی کاہی برتاؤ کرتے رہے اگرچہ اُس طرف سے سختی ہی برابر بڑھتی رہی۔

ہاں اظہار حق میں کبھی کوتاہی نہیں کی اور مختلف صورتوں سے دنیا پر ظاہر کر دیا کہ جو کچھ ہوا حکم خدا ورسول کے خلاف ہوا جسکے نمونے اس کتاب میں بھی مختلف مقامات پر مذکور ہیں۔

آیت ۶۳ ج ۱۶ ع ۱۳ سورہ طٰہٰ

وانہ لغفار لمن تاب وآمن وعمل صالحاً ثم اھتدٰے - پروردگار عالم فرماتا ہے - اور بالغفور میں بخشنے والا ہوں اُس شخص کا جس نے توبہ کی - ایمان لایا عمل نیک کیے - پھر ہدایت پائی - بظاہر اس آیت میں تکرار معلوم ہوتی ہے - اسلیئے کہ توبہ کرنا - ایمان لانا - نیک عمل کرنا - بغیر ہدایت پانے کے ممکن نہیں - جو شخص ہدایت یافتہ ہو وہ مؤمن کیونکر ہو سکتا ہے - حالانکہ خدا تعالیٰ نے توبہ بعد ایمان وعمل صالح کے ہے جو پہلے مذکور ہوا ہے - خدا تعالیٰ کے کلام میں کوئی لفظ زائد وبے معنی نہیں ہو سکتا اسلیئے وہ معجزہ ہے - انتہائے فصاحت وبلاغت پر پہونچا ہوا ہے پھر کیونکر اُسمیں کوئی لفظ بے معنی یا بلا ضرورت داخل ہو سکتا ہے - لامحالہ ماننا پڑیگا کہ اس کا مقصود علاوہ ایمان ظاہری کے جو اوپر مذکور ہوا ہے کچھ اور ہے تاکہ کلام خدا بلاغت سے ساقط نہ ہو - تلاش سے معلوم ہوا کہ یہاں اھتدٰے سے مراد ہے اہلبیت رسول اللہ کی طرف ہدایت پانا - جیساکہ ینابیع المودۃ قندوزی بلخی حنفی مسمی بشاہ سلیمان نے اپنی کتاب کے صنہ ۹ چھاپ بمبئی میں لکھا ہے اخرج ابو نعیم الحافظ عن عون بن ابی جحیفہ عن ابیہ عن علی کرم اللہ وجہہ قال فی ہٰذہ الآیۃ اھتدٰے الیٰ ولایتنا - حافظ ابو نعیم نے عون بن جحیفہ سے اُس نے اپنے باپ سے اُسنے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت کی ہے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا کہ اھتدٰے سے مراد اھتدٰے الیٰ ولایتنا ہے یعنے ہماری محبت کی طرف ہدایت پانا۔

نیز لکھا ہے اخرجہ الحاکم بثلثہ طرق اولہا عن داؤد بن کثیر قال قلت لجعفر الصادق جعلت فداک

ما ہذا الاہتداء من ہذہ الآیۃ قال اہتدے بمعرفۃ الائمۃ الی ولایتنا۔ امام بعد امام منا و ثانیہا

عن ثابت البنانی عن انس بن مالک قال فی ہذہ الآیۃ اہتدے الی ولایۃ اہل بیت النبیؐ

وثالثہا عن محمد بن الباقر نحوہ۔

یعنے حاکم نے بھی تین طریقوں سے اس مضمون کی روایت کی ہے ایک داؤد بن کثیر سے اُس نے امام جعفر صادق سے کہا میں آپ پر فدا ہوں۔ یہ اہتدے کیا ہے۔ (جسکا ذکر خدا نے بعد ایمان کے کیا ہے۔) جو اس آیت میں مذکور ہے فرمایا اس کے معنے میں ہماری ولایت کی طرف ہدایت پانا مراد ہے یعنے ائمہ کی معرفت یکے بعد دیگرے۔

دوسرا طریقہ ثابت بنانی سے ہے وہ انس بن مالک (صحابی رسول) سے روایت کرتا ہے کہ اہتدے سے مراد اہلبیت نبیؐ کی ولایت کی طرف ہدایت پانا ہے۔

تیسرا طریقہ محمد باقرؑ (امام محمد باقرؑ) سے ہے وہ بھی ان ہی لفظوں میں ہے۔

نیز صاحب ینابیع نے (صفحہ ۹ بمبئی) میں لکھا ہے ایضاً اخرجہ صاحب المناقب من اربعۃ طرق اس روایت کو صاحب مناقب نے چار طریقوں سے تخریج کیا ہے (جس کا ترجمہ یہ ہے)

ایک ابو سعید ہمدانی سے وہ روایت کرتا ہے امام محمد باقر علیہ السلام سے وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں وہ اپنے دادا سے کہ علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا واللہ اگر کوئی شخص توبہ کرے۔ ایمان لائے۔ عمل صالح کرے اور ہماری ولایت و محبت اور ہمارے فضل کی معرفت کی طرف اُسے ہدایت نہ ہو تو اسکو کچھ فائدہ نہیں ہو سکتا۔

دوسرا طریق محمد بن غیض بن مختار سے ہے وہ اپنے باپ سے اور وہ امام محمد باقرؑ سے وہ اپنے باپ سے وہ اپنے دادا سے (یعنے علی ابن ابیطالب علیہ السلام سے) آپ نے فرمایا کہ مجھ سے رسول اللہ نے کہا یا علیؑ تم صرف اسلیئے پیدا کیئے گئے ہو کہ اپنے رب کی عبادت کرو اور تم سے دین کے معالم مشرف ہوں۔ اور تمہارے ذریعے سے مٹی ہوئی راہ راست کی اصلاح ہو بالضرور جو تم سے بھٹکا وہ گمراہ ہے۔ اور جس نے تم تک راہ نہ پائی۔ اور یہی مطلب ہے اس آیت کا

جسمیں خدانے فرمایا ہے - وانی لغفار لمن تاب وآمن وعمل صالحاً ثم اهتدیٰ -

تیسرا طریق حارث بن یحییٰ سے ہے محمد باقر علیہ السلام سے آپنے فرمایا اے حارث کیا تم نہیں دیکھتے کہ کیسی شرط لگائی ہے خدا تعالیٰ نے ہرگز انسان کو یہ ایمان اور نہ عمل نیک فائدہ دیسکتا ہے جبتک وہ ہماری ولایت کی طرف راہ نہ پائے -

چوتھا طریق عیسےٰ بن داؤد سے ہے وہ امام موسےٰ کاظم سے وہ اپنے باپ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہما سے اس آیت کی تفسیر میں روایت کرتے ہیں اهتدیٰ لولایتنا یعنے اهتدیٰ سے مراد ولایت ائمہ طاہرین کی طرف راہ پانا ہے -

اس آیت کی تفسیر میں ابن حجر نے بھی صواعق محرقہ میں لکھا ہے قال ثابت البنانی عن انس - اهتدیٰ الی ولایۃ اهلبیتہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم وجاء ذالک عن ابی جعفر الباقر رضی اللہ عنہ (ص چاپ مصر) ثابت بنانی نے انس (ابن مالک) سے روایت کی ہے وہ اس آیت میں اهتدیٰ سے مراد اہلبیت رسول کی طرف ہدایت پانا ہے اور یہی مضمون ابو جعفر باقر رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے -

بہرحال ان تمام بیانات سے معلوم ہوا - کہ اس کا نزول خاص اہلبیت رسول اللہ کی شان میں ہے - اس آیت سے جو عظمت اہلبیت رسول کی ثابت کی اوسکی کوئی حد نہیں معلوم ہوتی کیونکہ صاف لفظوں میں بتا رہی ہے کہ خدا تعالیٰ اگر کسی کو بخشیگا تو صرف اوسکو اولاً کفر و ضلال سے توبہ کی - ثانیاً خدا ورسول پر ایمان لایا - ثالثاً عمل صالح کیئے - رابعاً اہلبیت نبی کی ولایت کی طرف راہ پائی - یعنے اُنہیں والی وحاکم و بادشاہ و خلیفہ و امام مانا - نہ تو صرف کفر سے توبہ کرنا کافی ہے نہ محض خدا ورسول خدا پر ایمان لانا کافی ہے - نہ عمل صالح انسان کو کچھ فائدہ دے سکتے ہیں جبتک کہ امامت ائمہ طاہرینؑ کا قائل نہ ہو - پس مغفرت خدا معلق و مشروط ہے اقرار ولایت ائمہ طاہرینؑ پر جو اہلبیت رسولؐ ہیں -

اور یہی مقصود ہے اُس حدیث مشہور کا جسمیں فرمایا گیا ہے ستفترق اُمتی علی ثلث وسبعین فرقۃ

كلها في النار الا واحدة ۔ یعنے میری اُمت کے تہتّر فرقے ہو جائینگے سب کے سب جہنم میں جائینگے مگر ایک فرقہ۔

آخر کیا وجہ کہ وہ اُمت رسول جو کفر سے توبہ بھی کر چکی ہے خدا و رسول پر ایمان بھی لا چکی ہے۔ نماز و روزہ و حج و زکواۃ کی بھی حتی الامکان عامل ہے۔ اُس کے بہتّر فرقے تو ناری ہوں۔ صرف ایک فرقہ ناجی ہو۔

اس سوال کا جواب اس آیت نے دیا اور بتایا کہ اُن بہتّروں کے ناری ہونے کا سبب صرف اسقدر ہی کہ خدا نے بخشش انسان کو مشروط کر دیا ہی ولایت اہلبیت کی طرف ہدایت پانے پر۔ پس جبتک کہ آدمی ولایت اہلبیتؑ کا قائل نہ ہوگا ہرگز مغفور نہ ہوگا۔ اور معلوم ہے کہ دنیا کے تمام فرق میں سے کامل ولایت اہلبیتؑ کا قائل نہ ہوگا ہرگز مغفور نہ ہوگا اور معلوم ہے کہ دنیا کے تمام فرق میں سے کامل ولایت اہلبیتؑ کا قائل صرف فرقہ اثنا عشریہ ہے لہذا یہی وہ فرقہ ہے جسے رسول اللہؐ نے الا واحدۃً سے استثنا کر کے دکھایا ہے۔

اب مسلمانوں کو اختیار ہے کہ وہ اپنے خدا کے فرمان۔ رسول کی تفسیر اور محدثین کے روایات کو تسلیم کر کے ولایت اہلبیت رسول میں داخل ہوں۔ اور اُنہیں برحق امام مانیں۔ اور یا اُن بہتّر فرقوں میں داخل ہوں جو مغفرت خدا سے بموجب اس آیہ شریفہ کے محروم ہے۔ اس مطلب کی زیادہ تائید اُس روایت سے بھی ہوتی ہے جسے اس آیت کی تفسیر میں ابن حجر مکی نے صواعق محرقہ مطبوعہ مصر میں لکھا ہے۔ اخرج الطبرانی ان علیاً اُتی یوم البصرۃ بذھب و فضۃ فقال یا بیضاء و یا صفراء غری غیری۔ غری اہل الشام اذا ظہروا فشق قولہ ذالک علی الناس فسئلوہ عن ذالک فقال علیؑ ان خلیلی صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم قال یا علی انک ستقدم علی اللہ و شیعتک راضین مرضین و یقدم علی اللہ عدوک غضابا مقمحین ثم جمع علیؑ یدہ الی عنقہ یریہم الاقماع۔

ترجمہ۔ طبرانی نے روایت کی ہے کہ علی (علیہ السلام) کے پاس بصرہ میں اشرفیاں اور درہم لائے گئے تو آپ نے فرمایا اے زرد و سفید (سونا چاندی) تم میرے سوا کسی اور کو فریب دینا۔ تم اہل شام کو فریب دو

جبکہ وہ جنگ کے لیے نکلیں - یہ بات امیرالمؤمنین کے لوگوں کو گراں گذری - تو اس کا سبب آپ سے دریافت کیا - آپ نے فرمایا میرے خلیل (محمد مصطفی) صلے اللہ علیہ وآلہ نے فرمایا ہے کہ یا علی تم اور تمہارے شیعہ خدا کے پاس راضی و مرضی آئینگے اور تمہارے دشمن خدا کے حضور میں غضبناک اور دست بہ گردن آئینگے - پھر آپ نے اقماع کا مطلب بتانے کے لیے ہاتھ گردن میں باندھا - جس کا صاف منشاء بلکہ صریح مطلب یہی ہے کہ نجات یافتہ صرف ایک فرقہ ہے جو شیعہ علی ابن ابیطالب علیہ السلام کہا جاتا ہے - باقی جس قدر لوگ ہیں وہ خداتعالیٰ کے حضور میں دست بہ گردن آئینگے -

یہی منشاء آیت کا بھی ہے کہ نہ تو توبہ فائدہ مند ہے - نہ ایمان خدا و رسول پر - نہ اعمال نیک کوئی اثر دکھا سکتے ہیں - جبتک انسان کو ہدایت نہ ہو - اور وہ ہدایت یہی ہے کہ اہلبیت رسولؐ کی ولایت کا قائل ہو -

(نکتہ) اس آیت میں عجیب نکتہ جو قابل غور ہے وہ یہ ہے کہ خداتعالیٰ نے صرف ولائے اہلبیت کے ماننے کا نام ہدایت رکھا ہے - جس کا صریح مطلب یہ ہوا کہ غیر موالیان اہلبیت طاہرینؑ ضال ہیں - یعنے گمراہ - خواہ وہ کیسے ہی پہنیہ مسلمان کیوں نہوں - کیونکہ ابتک وہ راہ راست پر نہیں پہونچے ہیں - جسے صراط مستقیم کہا گیا ہے - اور جسکی بابت رسول خدا نے فرمایا ہے جیسا کہ سابقاً مذکور ہوا کہ صراط مستقیم سے مراد ولایت علی ابن ابیطالبؑ ہے - اور معلوم ہے کہ جبتک انسان صراط مستقیم پر نہ پہونچیگا منزل مقصود تک نہیں پہونچ سکتا -

اسی مطلب کو آیت نے ظاہر کیا ہے کہ خدا کی مغفرت تو اوسکو حاصل ہوسکتی ہے توبہ و ایمان وعمل صالح کے ساتھ ہدایت یافتہ بھی ہو اور اگر باوجود ان تین باتوں کے ہدایت یافتہ نہیں ہے تو وہ ہرگز نہ بخشا جائیگا -

(دوسرا نکتہ) جہاں اس آیت نے یہ بتایا کہ مغفرت منحصر ہے بعد توبہ و ایمان وعمل صالح کے اہتدا یا تولا ولایت پر وہاں یہ بھی بتادیا کہ شیعہ فرقہ جو ہدایت بالولایت ہے نا بالضرور ہی مغفور ہوگا -

کیونکہ اس کلام الٰہی میں چار قسم کی تاکیدیں مذکور ہوئی ہیں - ایک تاکید حرف اِنَّ خاص تاکید کے لیے آتا ہے اور بیشک یا بالضرور کے معنے دیتا ہے - دوسرے تاکید لام سے جو لَغَفَّارٌ پر ہے کہ یہ بھی شدت اہتمام کو بتاتا ہے - تیسرے تاکید لفظ غفّار سے جو مبالغہ کے واسطے آتا ہے - چوتھی - تاکید جملہ اسمیہ سے جو دوام و استمرار کو بتاتا ہے - اور جب کہ خدا تعالیٰ کسی کی نسبت اسطرح فرمائے کہ بالضرور - بالضرور - بالضرور - بالضرور خدا اسکو بخش دیگا - تو معلوم ہوا کہ مغفرت اوسکی یقینی و حتمی ہے کیونکہ وعدہ الٰہی اور وہ بھی اس زور سے کبھی خلاف نہیں ہو سکتا - بس اس آیت کے رو سے شیعیان علیؑ جو ولایت اہلبیت کی طرف راہ یافتہ ہیں یقیناً مغفور ہوئے اور یہی مقصود ہے اُن روایات کا بھی جنھیں فرمایا گیا ہے کہ شیعہ علیؑ کوئی جہنم میں نہ جائیگا - باقی رہے دوسرے لوگ اونکی بابت مفہوم آیت نے خود فیصلہ کر دیا ہے یعنے جسطرح شیعیان علیؑ قطعاً اور یقیناً بخشے جائینگے اوسیطرح غیر شیعیان علیؑ قطعاً اور یقیناً نہ بخشے جائینگے" اگر یہ آیت آیت قرآن ہے اور یہ تفسیر تفسیر رسول ہے تو دنیا کو بہت جلد ہوشیار ہو جانا چاہیئے - اسلیئے کہ وقت گذر جانے پر ندامت کچھ فائدہ مند نہیں ہوتی - خدا تعالیٰ نے تصریح کر دی ہے - رسول نے اوسکی تصریح کی اور توضیح کر دی - محدثین نے اُسے دنیا کے سامنے پیش کر دیا اب جائے عذر باقی رہ گئی ہے -

اس مقام پر امام فخر الدین رازی نے اپنی تفسیر جلد ششم صـ۸۹ میں اہتدیٰ کی تاویل کے ہاتھ پاؤں مارے ہیں اور چاہا ہے کہ کسی طرح اس لفظ کا تعلق امیر المؤمنین علیہ السلام سے نہ ہونے پائے چنانچہ لکھتے ہیں کہ مفسرین کے درمیان لفظ اہتدیٰ کی تفسیر میں کثیر اختلاف ہے کیونکہ بعد آمن و عمل صالحاً کے یہ لفظ بیکار ہوا جاتا ہے مگر اُن تمام اختلافات کا ملخص تین باتوں میں ہے ایک یہ کہ اہتدیٰ سے مراد استمرار ہو طریقہ حق پر - دوسرے یہ کہ اہتدیٰ سے یہ مقصود ہو کہ وہ شخص جانے یہ فعل یعنے میرا ایمان لانا اور عمل صالح خدا کی ہدایت سے ہے - تیسرے یہ کہ ایمان سے مراد اعتقاد بالدلیل ہو اور عمل صالح سے مراد اعمال درست دیا ہو اور تزکیہ نفس اور انکشاف حقایق اشیاء جو صوفیوں کی اصطلاح ہے اوسکی طرف اہتدیٰ سے اشارہ ہو -

لیکن واضح ہونا چاہیئے کہ نہ تو اہتدا کے معنے استمرار ودوام کے ہیں جیسا کہ اہل لغت جانتے ہیں بلکہ اُس کے معنی ہدایت پانے کے ہیں۔ پس استمرار کے معنے کہاں سے آوینگے اور نہ اسکے معنے جاننے کے ہیں تاکہ کہا جاسکے کہ اس سے مقصود جان لینا ہے کہ یہہ میرا ایمان وعمل خدا کی ہدایت سے ہے اہتدا کے معنے خود ہدایت یافتہ ہونے کے ہیں۔ نہ یہہ کہ جاننا کہ میرا یہہ فعل خدا کی ہدایت سے ہے۔ اور نہ تیسرے ہی معنے درست ہوتے ہیں۔ اسلیئے کہ عمل صالح خود تزکیہ نفس کا باعث ہوتا ہے جسکے بعد دوبارہ تزکیہ کرنے کی ضرورت نہیں۔ علاوہ طریقہ صوفیہ کا انکشاف وتزکیہ شریعت کے اصول سے بالکل الگ ہے۔ اسی وجہ سے شرع محمدی کو شریعت اور صوفیوں کی ایجادات کو طریقت کہتے ہیں اس کا پتہ شریعت محمدیہ میں کہیں نہیں ملتا۔ پھر اسکی طرف قرآن میں کیونکر اشارہ ہوگا۔ علاوہ بریں سارا قرآن صوفیوں کے رد میں ہے پھر کیونکر وہ صوفیوں کے طریقے کی ہدایت کریگا۔

بہرحال یہہ تینوں معنے لفظ اہتدا سے بالکل بعید ہیں اور یہہ تاویلیں صرف اُس حدیث کے مٹانے کے لیئے کی گئی ہیں۔ جسے حافظ ابونعیم وحاکم وغیرہ محدثین نے پیش کیا ہے اور جس سے وجوب ولایت علی ابن ابیطالب کا ثبوت قطعی طور پر ہوتا ہے۔

آیت ۶۴۔ ج ۱۶ ع ۱۷

وامر اہلک بالصلوٰۃ واصطبر علیہا۔ اے رسول اپنی اہلبیتؑ کو حکم دو نماز کا اور تم بھی اُس پر استقلال کرو۔ وصبر کرو۔"

اس آیت سے اہتمام شان اہلبیت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ بخوبی ثابت ہے لیکن اس سے اُس منازعت کا فیصلہ بھی ہوجاتا ہے جو اسلام کے دو بڑے فرقے شیعہ وسنی کے درمیان عرصہ سے چلا آتا ہے۔ اور وہ یہہ ہے کہ اہل سے مراد اس آیت میں خاص وہی لوگ ہیں جو آنحضرتؐ سے جسمانی وروحانی دونوں طرح نسبت اتحاد رکھتے تھے۔ یعنے علیؑ وفاطمہؑ وحسنؑ وحسینؑ علیہم السلام۔ نہ ازواج نبیؐ اور نہ اصحاب۔ انمیں سے کسی کو اہلبیت رسولؐ

ہونے کا شرف حاصل نہیں۔

ملاحظہ ہو یہ حدیث وفی مودۃ القربیٰ عن انس بن مالک وعن زید بن علی ابن الحسین عن ابیہ عن جدہ رضی اللہ عنہم قال کان النبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم یاتی کل یوم باب فاطمۃ عند صلواۃ الفجر فیقول الصلواۃ یا اہل البیت النبوۃ انما یرید اللہ لیذہب عنکم الرجس اہل البیت ویطہرکم تطہیرا تسعۃ اشہر بعد ما نزلت وامر اہلک بالصلواۃ واصطبر علیہا۔ وروی ہذا الخبر اکثر من ثلثمائۃ صحابۃ

یعنے کتاب مودۃ القربیٰ میں انس بن مالک اور زید بن علی ابن الحسینؑ سے مروی ہے وہ اپنے باپ سے اور وہ اپنے جد اعلیٰ علی ابن ابیطالبؑ سے روایت کرتے ہیں کہ جب آیت آیۃ وامر اہلک بالصلواۃ نازل ہوا تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ نو ماہ تک (برابر) دروازہ جناب سیدہ (فاطمہ زہراؑ) پر آتے اور فرماتے الصلواۃ اے اہلبیت نبوت خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ تم سے ہر قسم رجس کو دور کرے اور حق پاک کرنے کا کرے۔" اس روایت کو تین سو سے زیادہ صحابہ نے بیان کیا ہے۔ (ینابیع المودۃ ص۲۶۱ چاپ مصر)

اسی روایت کو باختلاف بعض الفاظ دوسرے طریق سے ینابیع ص۶۶ مطبوع مصر میں لکھا ہے

آمام رضا علیہ السلام درمیان مامون رشید آیات قرآنیہ کے اہلبیت طاہرین کی فضیلت پر استدلال فرما رہے ہیں گیارہ آیتیں اوپر مذکور ہیں بارہویں آیت یہ ہے۔

(ثانی عشرھا) آیۃ وامر اہلک بالصلواۃ واصطبر علیہا وکان رسول اللہ یجیئی الی باب علی وفاطمۃ علیہما السلام بعد نزول ہذہ الآیۃ تسعۃ اشہر کل یوم عند حضور کل صلواۃ خمس مرات فیقول الصلواۃ یرحمکم اللہ فقال ابو الحسن الحمد للہ الذی خصنا بہذہ الکرامۃ العظمے فقال المامون والعلماء جزاکم اللہ انتم اہل البیت عن ہذہ الامۃ خیرا۔ فما نجد الشرح والبیان فیما اشتبہ علینا الا عندکم"

یعنے بارہویں آیت جو مثبت فضیلت اہلبیت میں یہ ہے وامر اہلک بالصلواۃ تو رسول اللہؐ دروازہ علیؑ وفاطمہؑ پر بعد نزول اس آیت کے نو مہینے تک ہر روز نمازوں کے اوقات میں پانچ مرتبہ تشریف لاتے

اور فرماتے الصلواۃ یرحمکم اللہ (یہ فرماکر) ابوالحسنؑ (امام رضاؑ) نے فرمایا۔ خدا کا شکر ہے۔ جسنے ہمیں اس کرامت اعظم کے ساتھ مخصوص مامون (رشید) نے اور دیگر علماء نے کہا خدا آپ اہلبیتؑ کو اس اُمت کی طرف سے جزائے خیر دے۔ کیونکہ جو ہم پر امر مشتبہ ہوتا ہے اوس کی شرح اور اسکا بیان نہیں ملسکتا الاّ آپکے پاس"

نیز امام موفق بن احمد اخطب خطبائے خوارزم میں اپنی کتاب مناقب میں بھی اسے وارد کیا ہے

ان روایات سے کئی باتیں معلوم ہوئیں جو بہت زیادہ قابل لحاظ ہیں۔

۱ یہ کہ خدا تعالیٰ نے خاص طور پر اہتمام فرمایا کہ رسول خداؐ اپنی اہلبیتؑ کو امر بالصلواۃ کریں اور خود بھی اسپر صبر و استقلال فرمائیں۔

۲ یہ کہ رسول خدا نو ماہ تک برابر دروازہ جناب فاطمہؑ پر آکر فرماتے تھے۔ کہ الصلواۃ یرحمکم اللہ الصلواۃ یا اہلبیت النبوۃ۔

۳ بالخصوص دروازہ امیر المؤمنین و فاطمہ زہرا علیہما السلام پر آکر پکارنا اور انکو اہلبیت نبوۃ کہکر پکارنا بتا رہا ہے کہ یہی لوگ آپکے اہلبیت ہیں نہ کوئی اور۔ ورنہ دوسرے ازواج واصحاب کے دروازہ پر بھی جاکر اسطرح پکارتے۔ اگر نو ماہ تک نہیں تو دو چار ہی روز سہی لیکن ایسا نہیں کیا۔ لہذا معلوم ہوا لہذا معلوم ہوا کہ صرف یہی بزرگوار اہلبیت رسولؐ ہیں۔

۴ یہ بھی معلوم ہوا کہ آیہ انما یرید اللہ انہی بزرگواروں کے شان میں نازل ہوا ہے نہ ازواج نبی یا دیگر اصحاب کی شان میں۔

۵ یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ روایت کوئی معمولی نہیں ہے بلکہ تین سو سے زیادہ صحابہ رسولؐ نے اسے روایت کیا ہے مگر افسوس سواد اعظم پر کہ ان لوگوں نے اتنے صحابہ کی تکذیب کی اور چاہا کہ اسے مٹاکر دیگر صحابہ پر جنسے کوئی تعلق اس آیت کو نہیں ہے۔ چسپاں کریں۔ مگر حقیقت حال جو واقع ہو کیونکر مخفی رہ سکتی ہے۔

۶ یہ بھی معلوم ہوا کہ اس زمانے جبکہ صحابہ زندہ تھے اس مضمون سے انکار نہ تھا کہ اہلبیت

رسول صرف علی و فاطمہ و حسنین علیہم السلام ہیں۔ بلکہ یہہ الکار بعد پیدا ہوا ہی۔ ورنہ تین سو سے زیادہ صحابی اس کے راوی نہ ہوتے۔

بہرحال یہہ آیت اور یہہ روایات بالکل اس مسئلہ کا فیصلہ کرنے کے لیئے کافی و وافی ہیں اگر انسان دیانت و عقل سے کام لے ورنہ ہزار دلیلیں بھی ہٹ دھرمی کرنے والے کے لیئے کافی نہیں۔ واللہ الہادی۔

آیت ۶۵ - ج ۱۷ع ۷ سورہ انبیاء

ان الذین سبقت لہم منا الحسنیٰ اولئک عنہا مبعدون۔ بالضرور جن لوگوں کے لیئے ہماری طرف سے حسنیٰ سابق ہو چکا ہی وہ اُس (جہنم) سے دور رہینگے۔ اس آیت کے بعد یہہ آیت ہی

لا یسمعون حسیسہا وہم فی ما اشتہت انفسہم خالدون۔ لا یحزنہم الفزع الاکبر وتتلقاہم الملئکۃ ہذا یومکم الذی کنتم توعدون۔ یعنے وہ ہرگز جہنم کی آواز بھی نہ سنینگے۔ اور وہ جس چیز کے خواہشمند ہونگے اُسمیں ہمیشہ ہمیشہ رہینگے۔ اُنہیں بڑا خوف (قیامت کے دنکا) محزون نہ کریگا۔ اور ملائکہ اونکی استقبال کرکے کہینگے۔ کہ لو یہی وہ (کامیابی کا) دن ہی جسکا تم سے وعدہ (خداتعالیٰ کی جانب سے) لیا گیا تھا۔

اس آیت کا اہتمام تو ان لفظوں سے ہی معلوم ہوتا ہے کہ جن لوگوں کی نسبت یہہ آیت اُتری ہیں وہ کس مرتبے کے لوگ ہونگے۔ جہنم سے دور رہینگے آواز تک اوسکی اُن کے کان میں نہ آئیگی جس سے اُنہیں کوئی ہراس پیدا ہو یا ایذا ہو۔ جو کچھ بھی اُنکا دل چاہیگا وہی اُسمیں ملیگا۔ اور وہ ایک دو دن نہیں بلکہ ہمیشہ اون کے لیئے قائم رہیگا قیامت کے خوف سے جو بڑا خوف ہے اُنہیں بالکل حزن نہ ہوگا۔ ملائکہ بھی بشارت دیتے ہوئے اُنکا استقبال کرینگے۔ آخر سمجھہ میں آسکتا ہے کہ یہہ لوگ کس درجے کے ہونگے۔

ظاہر تو یہی کہ یہہ وہی لوگ ہوسکتے ہیں جن سے جشم زدن بھی لغزش نہ ہونے پائے نیکی کے پُتلے ہوں۔ عبادت کی جان ہو۔ خداتعالیٰ نے روز اول ہی سے اُن کے لیئے جنسے یعنے سعادت لکھی

یا وعدہ جنت کر لیا ہو۔
ایسے لوگ سوائے معصومین کے اور نہیں ہو سکتے خصوصاً بنظر سبقت حسنیٰ کے جنکے سعادت یا وعدہ جنت کے لیے گئے ہیں۔ پس سابق السعادۃ من جانب اللہ وہی لوگ ہیں جنھوں نے چشم زدن بھی مخالفت نہیں کی ہے۔ ورنہ کوئی وجہ نہیں ہے کہ اُن کے لیئے سب سے پہلے وعدہ جنت کر لیا جاتا۔ یا سب سے پہلے اُن کے نام سعادت لکھہ لیجاتی۔ اوروں سے پہلے سعادت کا اُن کے لیئے لکھا جانا یا وعدہ جنت کا سب سے پہلے ہونا بتا رہا ہے کہ مقصود ان سے اہل عصمت ہیں نہ کوئی اور۔
چونکہ معلوم ہے کہ اہل عصمت سوائے آل محمدؐ کے کوئی نہیں لہذا یہ آیت ضرور اُن ہی سے متعلق ہوگی۔ رہا اس کا ثبوت حسّی تو کشاف جلد دوم ص پڑھ لیجئے۔ اُسمیں یہ روایت موجود ہے۔
روی ان علیاً رضی اللہ عنہ قرء ہذہ الآیۃ ثم قال انا منہم۔ مروی ہے کہ علی رضی اللہ عنہ نے اس آیت کو پڑھا اور فرمایا۔ اُن لوگوں میں سے جنکے لیئے سعادت سابق ہو چکی ہے ایک میں بھی ہوں۔
پس باقرار علامہ زمخشری علی ابن ابیطالب علیہ السلام اس آیت کے مصداق ضرور ہیں رہے باقی اور صاحبان جن کا نام زمخشری نے لکھا ہے۔ یعنے ابوبکر۔ عمر۔ عثمان۔ طلحہ۔ زبیر۔ سعد۔ سعید عبدالرحمن بن عوف غرض عشرہ مشہورہ مبشرہ بھی اس آیت کے ذیل میں داخل ہیں۔ اس کے ثبوت کے دلیل کی ضرورت ہے۔
مگر میرے نزدیک بہت دور جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ صرف بقیہ حضرات کے اخلاق پر نظر کر کے آدمی فیصلہ کر سکتا ہے۔ کہ آیا یہ لوگ سبقت لہم منا الحسنیٰ میں داخل ہو سکتے ہیں یا نہیں۔
اولاً لفظ سبقت آیۃ مذکورہ میں ان صاحبان کو از خود نکال دیتا ہے اسلیئے اوائل عمر ان کی باجماع اہل اسلام کفر و بت پرستی میں گذری ہے۔ پھر کیونکر خداتعالیٰ کی سعادت سب سے پہلے ان کے چسپاں ہو سکتی ہے اگر ایسے ہی لوگوں سے سعادت اللہ سب سے پہلے چسپاں ہو تو پھر وہ کون لوگ ہونگے جنسے بعد میں چسپاں ہوگی۔
ثانیاً اُنمیں وہ لوگ بھی بیان کیئے گئے ہیں جنھوں نے امام برحق پر خروج کیا اور مورد عذاب الٰہی

ٹھیرے۔ دیکھیے حدیث مشکواۃ شریف مطبوعہ مطبع انصاری دہلی۔ صـ۳۱۱ کتاب الامارۃ والقضاء۔

من خرج من الطاعۃ وفارق الجماعۃ فمات مات الجاہلیۃ۔ جو شخص طاعت امیر و خلیفہ سے نکل جائے اور جماعت سے جدا ہو جائے پھر اسی حال میں مر جائے اوسکی موت موت جاہلیت (کفر) ہوگی۔ اور یہ قطعی طور پر ناظرین تواریخ و سیر جانتے ہیں کہ طلحہ و زبیر نے امیر المؤمنین و خلیفۃ المسلمین کی طاعت سے نکلکر جماعت امام سے مفارقت کی۔ پھر دوبارہ بھی نہ کی کیونکہ اسکا موقعہ ہی نہ ملا۔ طلحہ عین جنگ جمل میں مارے گئے۔ زبیر وہاں سے بھاگے اور راہ میں انہیں مارڈالا گیا۔ امیر المؤمنینؑ سے دوبارہ بیعت نہ کی۔ کیونکہ اسکا موقعہ ہی نہ ملا لہذا ان دونوں صاحبوں کی موت اس حدیث رسول کے روسے موت جاہلیت ہوگئی۔ اور جب انکی موت جاہلیت ٹھیری تو کیونکر مصداق آیت مذکورہ کے ہو سکتے ہیں۔

ان کا تو فرض تھا کہ اگر علی ابن ابیطالب علیہ السلام سے کوئی صریح غلطی یا گناہ بھی معاذ اللہ ہو گیا ہوتا تو چشم پوشی کرتے اور اطاعت سے باہر نہ جاتے کیونکہ مشکواۃ شریف صـ۳۱۱ میں ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا یکون علیکم امراء تعرفون وتنکرون فمن انکر فقد بری ومن کرہ فقد سلم ولکن من رضی وتابع قالوا افلا نقاتلہم قال لا۔ ما صلوا۔ لا ما صلوا۔

یعنے تم پر بادشاہی کرنے والے نیک بھی ہونگے بد بھی ہونگے۔ بس جو کوئی دل سے کراہت کرے۔ اور اُن سے بری ہو تو وہ بچ گیا۔ اور جس نے کراہت کی دل سے وہ سالم۔ لیکن جو راضی ہو اور تبعیت کرے (وہ البتہ سالم رہیگا) لوگوں نے عرض کی کیا ہم ایسے بادشاہوں اور امیروں سے مقاتلہ نہ کریں (جو برے لوگ ہوں) آپنے فرمایا نہیں جبتک وہ نماز پڑھتے ہوں۔ نہیں جبتک وہ نماز پڑھتے ہوں۔

اول مرتبہ امیر المؤمنین علیہ السلام مرد نماز گذار تو ضرور تھے۔ پھر اس حدیث کے روسے طلحہ و زبیر کو آپسے جنگ کرنا کب جائز تھا اور جب انہوں نے جنگ کی تو رسول خدا کی مخالفت کی تو آنحضرت کی مخالفت کی تو ہرگز مصداق آیات صدر کے نہیں ہو سکتے۔

نیز اسی مشکوٰۃ شریف ص۳۱۲ میں ہے۔ من خلع یداً من طاعۃ لقی اللہ یوم القیامۃ ولا حجۃ لہٗ ومن مات ولیس فی عنقہ بیعۃ مات میتۃ الجاہلیۃ (رواہ مسلم) جو کوئی بیعت امیر وخلیفہ توڑے تو وہ قیامت میں خدا تعالیٰ سے اس طرح ملیگا جسکے پاس کوئی دلیل اپنے بچاؤ کی نہ ہوگی۔ اور جو کوئی ایسی حالت میں مریگا جو اوسکی گردن میں بیعت کسی امام وخلیفہ کی نہ ہو اوسکی موت جاہلیت کی موت ہوگی۔ (امام مسلم نے بھی اسے روایت کیا ہے۔)

اب بتائیے کہ امیر المؤمنین کو باوجودیکہ سب نے خلیفہ برحق اگرچہ چہارم مان لیا تھا پھر طلحہ وزبیر نے ان سے خلع بیعت کیا تو قیامت میں کس دلیل سے وہ نجات پاسکینگے۔ اور مرے بھی تو بغیر بیعت امام کے لہذا اونکی موت اس حدیث کے بموجب موت جاہلیت ہوئی۔ پھر کیونکر مصداق آیات مذکورہ کے بن سکتے ہیں

رہے دیگر حضرات اونکا حال بھی عیاں ہے۔ وعیاں راچہ بیاں۔ لہذا بہر صورت مصداق آیت مذکورہ باقرار علامہ زمخشری امیر المؤمنین علیہ السلام ہوئے اور وہ جو مثل اون کے سابق السعادت ہیں باقی اُن کے علاوہ لوگ۔ تو اُن کے لئے دلیل کافی کی ضرورت ہے۔ یا اُن کے سر سے الزامات کے ہٹانے کی جو قیامت تک نہیں ہٹ سکتے۔

کیونکہ انہیں سے کسی نے رسول اللہؐ کی بیٹی بی بی فاطمہؑ کو ستایا ہے اور اذی اللہ کا مصداق بنا ہے۔ کسی نے خود رسول اللہ کو ہذیان بتایا ہے اور مورد لعن الٰہی بنا ہے۔ کوئی اس حدیث کے ذیل میں داخل ہے۔ عن عمران بن حصین قال مات النبیؐ وہو یکرہ ثلثۃ احیاء ثقیف وبنی حنیفۃ وبنی اُمیۃ۔ (رواہ الترمذی۔ مشکوٰۃ شریف ص۵۴۳ چھاپ نصاری)

عمران بن حصین سے مروی ہے کہ آنحضرتؐ نے رحلت فرمائی۔ درانحالیکہ تین قبیلوں سے ناراض تھے ایک بنی ثقیف۔ دوسرے بنی حنفیہ۔ تیسرے بنی اُمیہ۔ پس جبکہ آپ بنی اُمیہ کے تمام قبیلے سے ناراض گئے۔ تو کیونکر اس قبیلہ کا کوئی شخص آیات مذکورۃ الصدر کا مصداق ہو سکتا ہے۔ ،،

وغیرہ وغیرہ۔

آیت ۶۶ - سورہ انبیاء ج ۱۷ ع ۷

وان ادری لعلہ فتنۃ لکم ومتاع الی حین -" میں نہیں جانتا اُمید ہے کہ (کہدو اے رسول) یہہ امتحان ہو تمہارا اور ایک وقت خاص تک تمہارے لیئے موجب تمتع ہو - یہہ آیت اُس موقعہ پر نازل ہوئی ہے جبکہ آنحضرت صلعم معراج کو تشریف لے گئے ہیں - اور ایک شخص کو بنی اُمیہ میں سے دیکھا ہے کہ منبر پر خطبہ پڑھ رہا ہے - تو آپ کو یہہ امر گران گذرا - اس سے مقصود یہہ ہے کہ اے رسول چاہیے کہ تمہیں یہہ بات شاق نہ گذرے کیونکہ اس سے لوگوں کا امتحان مقصود ہے اور ایک خاص وقت ان کو دنیا سے متمتع کرنا مطلوب ہے -

اس روایت کو سیوطی نے اپنی تفسیر درمنثور میں انس سے اسطرح نقل کی ہے - عن الربیع عن

انس قال لما اسرے بالنبی رائے فلاناً وھو بعض بنی اُمیۃ علی المنبر یخطب فشق ذالک علیٰ رسول اللہ فانزل اللہ وان ادری لعلہ فتنۃ لکم ومتاع الی حین - یقول ھذا الملک

اگرچہ اس روایت میں لفظ فلاناً مذکور ہے نام نہیں لیا گیا ہے مگر ظاہر ہے کہ سردار بنی اُمیہ حضرت عثمان ہیں اگر وہ نہ مقصود ہوں تو امیر معاویہ ضرور مراد ہونگے اسلیئے کہ انکا زمانہ امتحان اہل ایمان کا تھا - ان ہی کے دور میں خلیفہ برحق امیر المؤمنین علی ابن ابیطالب سے جو نفس رسول تھے جنگ کی گئی ان ہی کے دور میں حضرت کو مسند خلافت ظاہرہ سے ہٹایا گیا - ان ہی کے دور میں ممبروں پر آل رسول صلے اللہ علیہ وآلہ کو سب کیا گیا - ان ہی کے دور میں امیر المؤمنین پر لعن کیا گیا - ان ہی کے دور میں ہزاروں شیعہ ناحق قتل ہوئے ان ہی کے دور میں ہزاروں حدیثیں وضعی تصنیف ہوئیں - ان ہی کے دور میں حق کو ناحق اور ناحق کو حق کیا گیا - ان ہی کے دور میں منبر رسول پر ریاح صادر کیئے گئے - جسپر ایک حاضر مجلس نے کہا اخراجہ فی الکثیف راحۃ وعلی المنبر بدعۃ - بھائی اسے بیت الخلا میں دفع کرنا تو موجب راحت ہے مگر بالائے منبر رفع کرنا بدعت ہے وغیرہ وغیرہ -

پس اس آیت کے نزول سے یہہ مقصد ہوا کہ اے رسول ہمارے تم بھی تسکین کرو اور لوگوں سے بھی کہدو

کہ اس موقعہ پر گھبرائیں نہیں یہ تو بغرض امتحان لوگوں کے بادشاہ بنایا گیا ہے (جیسے شیطان کو
بغرض امتحان مردم زندہ چھوڑا گیا ہے) اور یہ مطلوب ہے کہ متاع دنیا کچھ دنوں لوگوں کو حاصل ہو
اُس کے بعد اُن سے مواخذہ خدائی خواہ مخواہ ہوگا۔

(تنبیہ) واضح ہو کہ درمنثور مطبوع حال ہی جملہ رای فلانا دہو بعض بنی اُمیۃ علی المنبر یخطب الناس
فشق ذالک علی رسول اللہ کو نکال ڈالا۔ جو زمانہ حال کے اہل مطبع کی کمال ایمانداری کی دلیل ہے
لیکن نسخہائے قدیمہ قلمیہ میں یہ عبارت موجود ہے۔ جیسا کہ جناب علامہ مفتی سید محمد عباس رضوان
اللہ علیہ نے روائح القرآن میں لکھا ہے۔
اس امر کی دوسری واضح دلیل کہ مراد اس سے حضرت امیر معاویہ ہیں وہ ہے جو اب بھی تفسیر درمنثور
چاپ مصر جلد چہارم کے صفحہ ۳۴۲ پر مندرج ہے۔ البیھقی فی الدلائل عن الشعبی لما سلم الحسن بن علی
رضی اللہ عنہ الامر الی معاویۃ قال لہ معاویۃ قم فتکلم فحمد اللہ واثنی علیہ ثم قال ان ہذا الامر ترکتہ لمعاویۃ
ارادۃ اصلاح المسلمین وحقن دمائہم وان ادری لعلہ فتنۃ لکم ومتاع الی حین ثم استغفر ونزل"
یعنے بیہقی نے دلائل میں لکھا ہے کہ امام شعبی نے روایت کی ہے جب حسن بن علی رضی اللہ عنہ نے
معاویہ کو سلطنت حوالہ کی تو معاویہ نے کہا کہ اُٹھئے اور کچھ بیان کر دیجئے آپ نے کھڑے ہو کر
حمد و ثنا خدا کی پھر فرمایا ایہا الناس میں نے اس امر سلطنت کو معاویہ کے لیئے اس واسطے چھوڑا ہے
کہ مسلمانوں کا خون بہنے سے بچے اور اونکی اصلاح حال ہو (یعنے اگر میں ایسا نہ کروں تو بالضرور مسلمانوں
پر بڑا ظلم ہوگا اور وہ تتر بتر ہو جاینگے) اور میں نہیں جانتا کہ (اوسکا انجام کیا ہوگا لیکن) اُمید
ہے کہ یہ بات لوگوں کے لیئے امتحان ہو اور چند دنوں تک باعث تمتع ہو۔
اس ارشاد سے آپنے بتا دیا کہ یہ آیت خاص اسی مورد کے لیئے نازل ہوئی ہے جسمیں امیر معاویہ کو
ظاہری حکومت ملیگی۔ اور اہل دنیا اسکی وجہ سے امتحان میں پڑینگے کچھ لوگ باوجود شدائد حق پر
قائم رہینگے اور کچھ لوگ طمع دنیا حق سے منحرف ہونگے دین سے نکل جاینگے۔

نیز ایک دوسری روایت بیہقی نے نقل کی ہے کہ امام زہری نے بیان کیا قال خطب الحسن بعض فقال

اما بعد ایہاالناس ان اللہ ہداکم باولنا وحقن دمائکم باٰخرنا وان لہذاالامر مدۃ والدنیا دول وان اللہ تعالیٰ

قال لنبیہ وان ادری اقریب ما توعدون - الی قولہ تعالیٰ متاع الیٰ حین - (در منثور جلد چہارم ص ۳۴۲ چھاپ مصر)

امام حسن علیہ السلام نے خطبہ پڑھا اُسمیں فرمایا کہ ایہاالناس خدانے تم کو ہمارے شخص اول (یعنے رسولِ خداؐ) کے ذریعہ سے ہدایت کی اور ہمارے آخر (قائم آل محمدؐ - یا اپنی طرف اشارہ ہو) کے ذریعہ تمہارے جانوں کی حفاظت کی ہے اور اجان لو) کہ یہ امر (سلطنت) تھوڑے دنوں کی بات ہے - اور دنیا ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں پھرتی رہتی ہے اور (دیکھوکہ) بالضرور خدانے اپنے رسولؐ سے فرمایا ہے وان ادری اقریب ما توعدون اور اسے متاع الیٰ حین تک پڑھا -

سمجھنے والے سمجھتے ہیں اور اہل عقل اچھی طرح پہچان گئے کہ اس سے مقصود کیا ہے - ان روایات نے صاف طور پر بتادیا کہ دراصل حق سلطنت جناب امیرالمؤمنین علیہ السلام اور امام حسنؑ کا تھا لیکن بضرورت حفظ جان ومال مسلمین اور بغرض امتحان اہل دنیا اُسے معاویہ کے حوالہ کیا گیا جس سے خود بخود معلوم ہو گیا کہ معاویہ کا حق ممبر نہ تھا - جسطرح انبیاء اور دیگر اہل حق کے مقابلہ میں ابلیس کو زندہ چھوڑا گیا ہے تاکہ اہل دنیا کا امتحان ہو اور سب لوگ اچھی طرح جان لیں کہ دیندار کون ہے اور بے دین کون - انبیاءؑ کی راہ پر چلنے والا کون ہے اور ابلیس کی راہ پر کون -

پس جسطرح حضرت آدمؑ کے مقابلہ میں ابلیس کا چھوڑا جانا - جناب موسےؑ کے مقابلہ میں فرعون کا عرصہ دراز تک چھوڑا جانا - جناب ابراہیمؑ کے مقابلہ میں نمرود کا دیر تک حکومت کرنا - حضرت ہارون کے مقابلہ میں سامری کو زندہ چھوڑا جانا - رسول اللہ کے مقابلہ میں ابوجہل کو زندہ چھوڑا جانا محض بغرض امتحان مردم تھا - اور اس لیئے کہ ان حضرات کی حقیت اور اُن کفرہ کی ضلالت پورے طور پر واضح کردی - اسیطرح لمقابلہ جناب امیرالمؤمنینؑ اور امام حسن علیہ السلام کے معاویہ کو چھوڑ دینا اظہار تھا امر حق کا تاکہ دنیا پر اچھی طرح واضح ہو جائے کہ حق پر کون ہے اور ناحق پر کون - خداپرست کون ہے - اور دنیا پرست کون -

چنانچہ اس طول مدت میں کھرے کھوٹے کا بھی فرق بھی معلوم ہو گیا - اہل ایمان اور اہل نفاق

ہیں تمائز بھی ہو گیا - اور دنیا پر واضح بھی ہو گیا کہ ان دونوں فریق میں ظالم کون ہے اور عادل کون
عالم کون ہے اور جاہل کون - حقدار کون ہے اور غاصب کون -

آج بھی بہت تھوڑے لوگ ہیں جو جناب امیر المؤمنین علیہ السلام کے مقابلہ میں معاویہ کو اچھا کہتے ہوں - ہزاروں کتابیں اہل اسلام میں ایسی لکھی گئیں جنمیں معائب امیر معاویہ اور مناقب جناب امیر المؤمنین لکھے گئے - جنہوں نے اونکی ناحقی اور انکی حقیت دنیا پر واضح کردی - اور بتادیا کہ اگر کوئی شخص خلیفہ جائز ہوسکتا ہے تو وہ صرف امیر المؤمنین علی ابن ابیطالب ؑ نیز اون کے فرزند امام حسن علیہ السلام اور وہ لوگ جو ان کے قدم بقدم ان کی اولاد امجاد سے ہوں - نہ امیر معاویہ وغیرہ جنکے اوصاف میں اضاعۂ دین داخل ہو -

آیت ۶۷ - ج ۱۷ ع ۹ سورۃ الحج

ھٰذان خصمان اختصموا فی ربھم فالذین کفروا قطعت لھم ثیاب من نار یصب من فوق رؤسھم الحمیم -
یہ دو جھگڑنے والے ہیں - جنہوں نے اپنے پروردگار کی بابت بحث و تکرار کی - پس (ان دونو فریقین میں سے) جو لوگ کافر ہیں اُن کے واسطے آتش جہنم کے کپڑے قطع کیے گئے - (اور) اون کے سر پر گرم پانی (جہنم) کا بہایا جائیگا -

قیامت کے دن ایسا بھی ہوگا کہ جن لوگوں کو کسی پر کوئی دعوےٰ ہے اور وہ انپر ظلم کرچکے ہیں تو انہیں باریتعالیٰ موقع دیگا کہ اُس کے حضور میں وہ اپنا دعوےٰ پیش کریں اور ظالم سے اپنا عوض طلب کریں یا اُسے سزا دلوائیں - کیونکہ وہ دن خاص عدل پروردگار عالم جل جلالہ و عزمجدہ کا ہوگا - ہر ظالم سے مظلوم کو مواخذہ کرنے کا حق ہوگا - ہر ایک فریادی کی فریاد رسی کی جائیگی - ہر حق دار کو موقعہ دیا جائیگا کہ جس نے اُسکا حق لیا ہو اُس سے اپنا حق طلب کرے - اور اپنا دعوےٰ محضر عدالت ربانیہ میں پیش کرے - اسمیں مسلمان مسلمان - مسلمان و کافر - مؤمن و کافر - مؤمن و مؤمن سب ہی ہونگے - مگر سب سے پہلے جنکو حضور باریتعالیٰ میں دعوےٰ پیش کرنے کا موقعہ دیا جائیگا - وہ خاص ذات قدسیہ جناب علی ابن ابیطالب ؑ ہوگی - جیساکہ روایات سے معلوم ہوتا ہے - تفسیر در منثور

علامہ سیوطی جلد چہارم صفحہ ۳۴۸ میں ہے۔ قال علی رضی اللہ عنہ انا اول من یجثو فی الخصومۃ علی رکبتی بین یدی اللہ یوم القیامۃ۔ فرمایا علی رضی اللہ عنہ نے جو کوئی سب سے پہلے دعوے پیش کرنے کے لیئے اپنے گھٹنوں کے بل خدا تعالیٰ کے سامنے بیٹھیگا وہ میں ہونگا۔

پناہ بخدا علی سا ولی خدا۔ اپنے کریم ورحیم ودادگر بادشاہ مطلق کی جناب میں جس وقت دعوے کے لیئے بیٹھیگا اور اُس کے مدعا علیہم حاضر کیئے جائینگے۔ نہ معلوم کیسا عظیم وہولناک سماں ہوگا جسکے تصور سے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ معلوم نہیں وہ کون لوگ ہیں جنہوں نے علی جیسے رحم دل۔ کریم النفس۔ ولی خدا کو اتنا ستایا ہے۔ کہ وہ قیامت تک اس ظلم کو نہ بھولینگے۔ اور آخر روز جزا وسزا اپنا دعوے حضور عادل حقیقی میں پیش کرکے دادرسی کے خواہان ہوکر ہی رہینگے۔ سنبھل جائیں وہ لوگ جو ظالمین علی ابن ابیطالب ہیں۔ اور ہوش میں آکر بیٹھ جائیں وہ لوگ جو اُن ظالموں کے طرفدار ہیں ایسا نہ ہو کہ اُس وقت جبکہ عدل پروردگار عالم اپنی حقیقی مثال سے نمایاں ہوگا اور علی سا فریادی فریاد کریگا اور خدا سا عادل سننے والا سُنیگا۔ تو وہ لوگ بھی اُنہیں ظالموں کے لپیٹ میں آجائینگے جسمیں ظالمین آئینگے۔

میں یہ بتانا نہیں چاہتا وہ کون لوگ ہونگے دنیا خوب جانتی ہے۔ امیرالمؤمنینؑ نے اپنے دور حیات میں برابر ظلم کیا ہے۔ اور بیحد شکایات آپ کی ظالموں کی بابت کتب اہل اسلام میں مندرج ہیں۔ جو اس بات کو واضح کرنے کے ذمہ وار ہیں۔ کہ کن کن لوگوں نے جناب علی ابن ابیطالبؑ پر ظلم کیا اور انہیں اس حد پر مجبور کیا کہ خدا تعالیٰ کے حضور سے بروز قیامت اپنا استغاثہ پیش کریں۔

اس مقام پر کہا گیا ہے کہ تین اور تین شخصوں کی شان میں یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ مگر جب نام بتائے گئے ہیں تو یہ کہا گیا ہے کہ پہلے تین شخص علیؑ۔ حمزہؓ۔ اور ابو عبیدہؓ بن حارث ہیں۔ اور دوسرے تین شخص جو مدعی علیہم ہونگے عتبہ بن ربیعہ شیبہ ابن ربیعہ ولید ابن عتبہ ہیں لیکن سمجھ میں نہیں آتا کہ جناب امیرالمؤمنین علیہ السلام کو ان تین شخصوں سے کیا ایذا پہونچی ہے۔ جسکے لیئے قیامت پر مواخذہ کو اُٹھا رکھا۔ یہ تینوں شخص تو وہی ہیں جو بروز ان ہی بزرگواروں کے

ہاتھ سے قتل ہو چکے تھے۔ اور اپنی سزا کو اُسی زمانے میں پہونچ گئے تھے۔ کیا کہیں ایسا بھی
سُنا گیا ہے کہ کوئی شخص اپنا بدلہ کسی سے اوسکو قتل کر کے لے بھی چکے اور اپنے دل کا بخار نکال لیوے
پھر بھی اُنپر دعوےٰ کرے۔ یہہ دوہری مار تو شاید کسی تو کسی ایسے شخص سے جس کے سینے میں انسانی
دل ہو وقوع میں نہیں آسکتی۔ چہ جائیکہ علی و حمزہ جیسے بہادروں سے جنہوں نے کبھی کسی
اپنے مقتول کو مثلہ کرنا۔ اُسکا لباس اُتارنا۔ اُسے بعد قتل ذلیل کرنا دنیا میں بھی ناپسند کیا
چہ جائیکہ دن۔ جو خاص عزت و ذلت کا دن ہوگا۔

عقل کسی طرح تجویز نہیں کرتی کہ امیر المومنین علیہ السلام جیسا دل رکھنے والا کسی کو قتل بھی کرے
اور پھر اُس سے قیامت میں مواخذہ بھی کرے۔ آخر اب مواخذہ ہی کیا رہا۔ اور دعوےٰ ہی کس بات کا
ہوگا جبکہ اُسے جان سے ہی مار ڈالا اور دنیا ہی میں فیصلہ کرکے اپنا دل ٹھنڈا کر لیا۔
اتنا تو ضرور سمجھ میں آتا ہو کہ علی ابن ابیطالبؑ کا دعوےٰ بپیش خدا قیامت میں پیش ہو۔ کہ کیونکہ
امام بخاری نے بھی اپنی صحیح میں یہہ روایت لکھی ہے۔

عن علی قال فینا نزلت ھٰذہ الآیۃ

(ارجح المطالب مولوی عبید اللہ عبیدی امرتسری ص ۶۸۔) یعنے علی سے مروی ہے کہ ہماری بابت
یہہ آیہ نازل ہوا ہے۔ لیکن یہہ بات کسی طرح سمجھ میں نہیں آتی کہ مدعٰی علیہم وہ لوگ ہوں جو
بروز بدر اُن کے ہاتھوں سے مقتول ہو چکے ہوں۔

البتہ اگر عقل میں آنیوالی بات ہو تو یہہ ہو کہ جن لوگوں نے اُنپر بعد وفات رسول خدا ظلم کیا
اُنپر مصائب کے پہاڑ گرائے اُن کے حقوق تلف کئے۔ اونکو خانہ نشین کیا۔ اور خود جبین کیئے۔
سلطنت کی۔ آسائش کی نیند سوتے رہے۔ اور باوجود ظلم کے اپنی زندگی میں کوئی بدلہ
علی ابن ابیطالبؑ کی طرف سے اُس ظلم کا نہ پایا وہ مدعٰی علیہم ہونے کے زیادہ حقدار ہیں بظاہر
ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حقیقتہً امیر المومنینؑ نے اپنے ظالموں کا نام لیا ہوگا۔ اور اس موقعہ پر بھی تصریح
فرمایا ہوگا کہ کن کن لوگوں پر میرا دعوےٰ ہوگا۔ اور کون کون لوگ میرے ظالم ہیں۔ جس طرح

دیگر مواقع پر تصریح فرما دی ہے۔ جیسا کہ خطبہ شقشقیہ میں موجود ہے۔ واللہ لقد تقمصہا ابن ابی قحافۃ وہو یعلم ان محلی منہا محل القطب من الرحی۔

مگر لوگوں نے اُسے لکھنا مناسب سمجھکر اُن لوگوں کے نام لے دیئے جو بدر میں امیرالمومنین کے ہاتھوں مقتول ہو چکے تھے۔ حالانکہ اس دعوے سے اور اُن سے کوئی مناسبت ہی نہیں۔

بہرحال یہ بھی انتہائے فضیلت ہے امیرالمومنین علیہ السلام کی کہ اُن کو تمام دادخواہوں سے پہلے قیامت میں اپنا دعویٰ پیش کرنے کا موقعہ دیا جائیگا۔ نہ انبیاء کے طبقہ میں سے کوئی ان سے پہلے دادخواہ ہوسکیگا اور نہ اولیا کے طبقے سے۔ جس سے یہ بات بھی یقینی طور پر ثابت ہوئی کہ آپکا مرتبہ فوق مراتب اہل دنیا ہے۔ (باستثنائے ذات سرور کائنات کہ اُنکا استثنا بدلائل ثابت ہے)

دوسرے یہ بھی معلوم ہوا کہ امیرالمومنین علیہ السلام پر کوئی ایسا ہی شدید ظلم کیا گیا ہے۔ جسکی سماعت بروز قیامت خدا تعالی نے سب سے پہلے تجویز فرمائی ہے۔ ورنہ اگر کوئی ہلکا ظلم ہوتا اور اُسی وزن کی کسی اور کا دعوے ہوتا تو عقلاً اوسی کی سماعت مقدم ہونی چاہیئے تھی۔ لیکن اس تقدم سے یہی سمجھ میں آیا کہ وہ مظالم جو امیرالمومنینؑ پر واقع ہوئے سب سے زیادہ اشد و اہم بالشان ہیں۔ حقیقۃً یہ وہ مظالم ہیں جنھیں کثیر مواقع پر امیرالمومنین علیہ السلام نے ظاہر فرمایا ہے اور دنیا کو اس بات سے غافل نہیں رکھا ہے کہ کون کون لوگ حضرت پر ظلم کرنے والے تھے۔

ایک تو وہی خطبہ مشہورہ ہے جسے خطبہ شقشقیہ کہتے ہیں اُسمیں آپنے جس حد پر شکایت کی ہے اور اپنی مظلومیت ظاہر فرمائی ہے اہل فہم پر مخفی نہیں ہے۔

آپ ارشاد فرماتے ہیں۔ اما واللہ لقد تقمصہا فلانؓ وہو یعلم ان محلی منہا محل القطب من الرحی ینحدر عنی السیل ولا یرقی الی الطیر فسدلت دونہا ثوباً وطویت عنہا کشحاً وطفقت ارتای بین اصول بید جذاء او اصبر علی طخیۃ عمیاء یہرم فیہا الکبیر ویشیب فیہا الصغیر ویکدح فیہا مومن حتی یلقی ربہٗ فرایت ان الصبر علی ہاتا احجی فصبرت وفی العین قذی وفی الحلق شجیٰ۔

ارے تراثی نہبا۔ حتی مضی الاول لسبیلہ۔ فادلی بہا الی فلان بعدہ۔

شتان ما یومی علی کورہا ۔ و یوم حیان اخی جابر

فیا عجبا بینا ہو یستقیلہا فی حیاتہ ۔ از عقدہا لآخر بعد وفاتہ ۔ لشدّ ما تشطرا ضرعیہا فصیرہا فی حوزۃ خشناء یغلظ کلمہا و یخشن مسہا و یکثر العثار فیہا والاعتذار منہا۔ (اسکے بعد فرمایا ہے)

فصبرت علی طول المدۃ۔ وشدۃ المحنۃ۔ حتی اذا مضے لسبیلہ جعلہا فی جماعۃ زعم انی احدہم۔ فیا للہ وللشوریٰ متی اعترض الریب فیّ مع الاول منہم حتی صرت اقرن الی ہذہ النظائر لکنی اسففت اذا اسفوا وطرت اذا طاروا فصغے رجل منہم لضغنہ ومال الآخر لصہرہ مع ہن وہن الی ان قام ثالث القوم نافجاً حضنیہ بین نثیلہ ومعتلفہ وقام معہ بنو ابیہ یخضمون مال اللہ خضمۃ الابل نبتۃ الربیع۔ الخ نہج البلاغۃ ص۲۲ چاپ مصر۔

قسم خدا کی فلاں شخص (ابوبکر) نے خلافت کو کرتہ کی طرح پہن لیا۔ حالانکہ وہ جانتا تھا کہ میری جگہ اسمیں ایسی ہے جیسی کہ چکی کی کیل ہیں علم و حکمت کا سیلاب مجھ سے جاری ہو کر گرتا ہے اور میرے بلند مرتبہ تک پرندہ بھی پر نہیں مار سکتا۔ (جبکہ خلافت غصب ہو گئی) تو میں نے ضیر کا پردہ گرا لیا اور اس خلافت سے پہلو تہی کر لی۔ اور سوچنے لگا کہ آیا اپنے کاٹنے والے ہاتھ سے حملہ کر دوں یا اس اندھیر پر صبر کروں جس کے صدمہ سے بڑے لوگ کمزور اور چھوٹے بوڑھے ہو جائیں اور مومن رنج میں گرفتار رہے تا اینکہ اپنے رب سے ملاقات کرے۔ تو مجھے اس مصیبت پر صبر ہی زیادہ مناسب معلوم ہوا۔ پس میں نے صبر کر لیا مگر اس حال سے کہ آنکھوں میں (گویا) کنکریاں پڑی ہوئی تہیں اور حلق میں ہڈی پہنسی ہوئی تھی میں دیکھ رہا تھا کہ میری میراث لٹ رہی ہے یہانتک کہ خلیفہ اول نے دنیا سے اپنی راہ لی اور اپنے بعد خلافت فلاں (خلیفہ ثانی) کے حوالے کرتے گئے۔ پھر آپنے یہ شعر پڑھا جس کا حاصل یہ ہے۔ کہاں میرا یہ دن کہ اونٹنی کے پیٹ پر بیٹھا ہوا مارا مارا پھرتا ہوں اور کہاں وہ دن جو جابر کے بھائی حیان کے ساتھ (چین سے) بسر ہوئے بس کس قدر تعجب ہے کہ یا تو خلیفہ اول خلافت سے استعفا دیکر

تھے یا مرنے کے بعد ہی (اپنے ہی دوستوں میں سے) دوسرے صاحب کے گلے میں باندھتے گئے
ان دونوں نے خلافت کے تھنوں کو کس قدر شدت سے دوہ لیا (اس کلام میں خلافت کو اونٹنی سے
تشبیہ دی) غرض ابوبکر خلافت کو ایسے خشن اور درشت مقام میں رکھتے گئے (خلیفہ ثانی
کی بدمزاجی کی طرف اشارہ ہے) جس کا زخم گہرا تھا اور چھونا بھی ناگوار ہوتا تھا جسمیں لغزشیں
بھی بہت تھیں اور اُن لغزشوں کے بعد معذرت بھی بکثرت ہوتی تھی پس میں نے اس مدت
دراز اور سخت محنت پر صبر کیا یہانتک کہ اُنہوں نے بھی اپنی راہ لی تو وہ خلافت کو ایک پنچایت
میں رکھتے گئے کہ جس کے ارکان میں سے ایک میں بھی تھا۔ بارالہا خلافت کے معاملہ میں
شورے کو کیا دخل میرے استحقاق خلافت کی بابت خلیفہ اول ہی کے مقابلہ میں کب شک
شبہہ تھا جواب میں ایسے لوگوں میں شامل کیا جانے لگا لیکن بہرحال (میں نے ان کا
ساتھ دیا) جب یہ لوگ پست ہوئے تو میں بھی پست ہوا اور جب یہ بلند ہوئے تو میں
بھی بلند ہوا اُنمیں سے ایک شخص نے شورے کے موقعہ پر اپنے دیرینہ کینہ کے سبب مجھ سے
انحراف کیا اور دوسرا اپنے سالے (عثمان) اور چند دیگر بیہودہ باتوں کے سبب پھر گیا
یہانتک کہ قوم کے تیسرے صبا اپنے پہلوں کو آنتوں اور معدہ کے درمیان پھولائے ہوئے
خلیفہ بنگئے اور اُن کے ساتھ اون کے اعزہ واقارب بھی کھڑے ہو گئے یہ لوگ مال خدا
کو اس طرح کھاتے تھے جیسے اونٹ بہار کی گھاس کہاتا ہے۔

پھر ایک مقام پر فرماتے ہیں نہج البلاغۃ صفحہ ۳۳۹ چھاپہ مصر فنظرت فاذالیس لی معین الا اہلبیتی
فضننت بہم عن الموت واغضیت علی القذی وشربت الشجی وصبرت علی اختناق فی الحلق
اخذ الکظم۔ وعلی امر من طعم العلقم۔"

ترجمہ۔ پس دیکھا تو اپنے گھر والوں کے سوا کسی کو مددگار نہ پایا لہذا میں نے اس سے بخل کیا
کہ اُن کو موت کے حوالہ کردوں اور غم وغصہ کے خس وخاشاک پر آنکھیں بند کرلیں اور رنج واندوہ کے
گھونٹ پی لیئے اور صبر کر لیا دم کے گھٹنے پر اور ایسے امر پر جو علقمہ (ایک تلخ بیل ہے) سے زیادہ تلخ تھا۔

پھر ایک اور مقام پر ارشاد فرماتے ہیں (نہج البلاغہ مطبوعہ مصر ص۲۳)

ملکتنی عینی وانا جالس فسنح لی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ فقلت یا رسول اللہ ماذا لقیت من

امتک من الاود واللدد فقال ادع علیھم فقلت ابدلنی اللہ بھم خیرا وابدلھم بی شرا منی"

میں بیٹھا ہوا تھا کہ میری آنکھ لگ گئی تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ کو سامنے دیکھا۔ پس میں نے کہا یا رسول اللہ کیا کچھ نہیں۔ کجی اور خصومت آپکی امت سے مجھے پہونچی فرمایا کہ اُن کے لیے بددعا کرو۔ میں نے کہا خدا مجھکو ان (امت والوں) سے بہتر بدلہ میں دے۔ اور انکو مجھ سے برا شخص بدلہ میں دے۔ یعنے خدا کرے کہ انپر وہ شخص حاکم ہو جو بدترین ہو اور انہیں اوسیطرح الم پہونچائے جیسے انہوں نے مجھے ایذا پہونچائی ہے۔

پھر ایک اور مقام پر فرماتے ہیں (ملاحظہ ہو نہج البلاغہ ص۲۴ مطبوع مصر)

اللھم انی استعدیک علی قریش فانھم قد قطعوا رحمی واکفاؤا انائی واجمعوا علی منازعتی حقا کنت

اولیٰ بہ من غیری وقالوا الا ان فی الحق ان تاخذہ وفی الحق ان تمنعہ فاصبر مغموما او مت متاسفا

فنظرت فاذا لیس لی رافد ولا ذاب ولا مساعد الا اھل بیتی فضنت بھم عن المنیۃ واغضیت

علی القذی وجرعت ریقی علی الشجی وصبرت من کظم الغیظ علی امر من العلقم والم للقلب من

حز الشفا۔

یعنے خدایا میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں قریش کے مقابلہ میں (ابوبکر و عمر وغیرہ) کہ ان لوگوں نے میرا قطع رحم کیا۔ اور میرے ظرف کو اُلٹ دیا (یعنے میرا حق تلف کیا) اور اتفاق اس امر پر کر لیا کہ میرا حق مجھ سے چھین لیں۔ جس حق کا میں اپنے غیروں سے زیادہ مستحق تھا۔ کہنے لگے کہ حق یہ بھی ہے کہ تم نہ لو۔ پس چاہو غم کی حالت میں صبر کرو۔ یا افسوس کی حالت میں مرجاؤ اب جو میں نے نظر کی تو سوائے اپنی اہلبیت کے کوئی عطا کرنے والا۔ اور کوئی دشمن کو دفع کرنیوالا اور مددگار نہ پایا۔ تو میں نے موت سے انپر بخل کیا (یعنے دشمن سے جنگ کی کہ کہیں یہ اہلبیت مارے نہ جائیں کیونکہ فقط یہی چند نفوس میرے مددگار ہیں) اور باوجود کھٹک کے آنکھ بند

کرلی اور غصہ کم گھونٹ پئے اور غصے کے فرو کرنے پر صبر کیا"۔

ناظرین باانصاف بتائیں کہ ان تمام مقامات میں کوئی بھی ایسی جگہ ہے۔ جہاں شیبہ اور ولید بن عتبہ یا ربیعہ مقتولین بدر کی شکایت کی ہے جہانتک دیکھا جاتا ہے یا خلفائے ثلثہ کی شکایت کی ہے یا عموم قریش کی۔ جنمیں یہ بزرگوار ان بھی شریک ہیں ویا بنی اُمیہ کی۔ پس لامحالہ اگر آپ خدا تعالی کے سامنے دعوے کرنے کے لیئے بیٹھینگے تو ان ہی حضرات پر دعواے کرینگے نہ شیبہ و ربیعہ وغیرہ پر جنکی شکایت کبھی آپنے نہ کی۔ اور نہ اُن کا نام کسی موقعہ پر لیا۔ اور کیونکر کرتے درانحالیکہ اُنہوں نے آپکا کوئی حق نہیں چھینا تھا۔ آپکو اظہار حق سے نہیں روکا تھا۔ آپ کی میراث نہیں سلب کی تھی۔ البتہ جن لوگوں نے ظلم و ستم آپ کی میراث چھینی۔ آپکا دروازہ جلانے کو آگ لکڑیاں لے گئے۔ آپ کی گردن میں ریسمان باندھی۔ آپکا حق لے لیا۔ آپکے اکیۓ جود معطل بنانے کی کوشش کی۔ اُنپر ضرور دعوی کرینگے اور وہی لوگ هذان خصمان اختصموا فی ربهم سے مراد ہوسکتے ہیں۔

یہیں سے یہ بھی فیصلہ ہو سکتا ہے کہ فالذین کفروا سے کون لوگ مراد ہیں جنکے لیئے خدا تعالی آتش جہنم کے کپڑے قطع کریگا۔ اور جن کے سروں پر دوزخ کا گرم کھولتا ہوا ڈالا جائیگا۔ ہمیں تصریح کی ضرورت نہیں ہے۔ ہاں اسقدر ضرور سمجھہ لینا چاہیئے کہ یہی وہ لوگ ہونگے جو علی ابن ابیطالب علیہ السلام کے فریق مخالف اور مدعی علیہم ہونگے۔ پھر کیا حال ہوگا اُن لوگوں کا جنپر علی سا شخص دعوے کرے۔ اور کیا ہوگا حال اُن لوگوں کا جو ایسے مدعی علیہم کے طرفدار اور بیجا حامی ہیں۔ خدا تعالی ہدایت کرے اپنے بندوں کو۔

آیت ۷۸-ج ۱۷-ع ۱۷- سورہ حج

یاایہا الذین آمنوا ارکعوا واسجدوا واعبدوا ربکم وافعلوا الخیر لعلکم تفلحون۔ وجاہدوا فی اللہ حق جہادہ ہو اجتباکم وما جعل علیکم فی الدین من حرج۔ ملتہ ابیکم ابراہیم ہو سماکم المسلمین من قبل وفی ہذا لیکون الرسول علیکم شہیدا وتکونوا شہداء علی الناس فاقیموا الصلوٰۃ وآتوا الزکوٰۃ واعتصموا باللہ۔ ہو مولاکم

فنعم المولیٰ ونعم النصیر۔

ترجمہ۔ اے ایمان والو رکوع کرو۔ سجدہ کرو۔ اپنے رب کی عبادت کرو۔ اور نیک کام کرو۔ تاکہ تم کامیاب رہو۔ اور خدا کے بارہ میں خوب جہاد کرو۔ اُس نے تم کو منتخب کیا ہے۔ اور تم پر دین میں کوئی تنگی مقرر نہیں کی۔ اپنے پدر ابراہیم (علیہ السلام) کی تبعیت کرو۔ اُس ابراہیم علیہ السلام نے تمہارا نام اس سے قبل بھی اور اس دور میں مسلمان رکھا ہے تاکہ رسول (محمد صلے اللہ علیہ وآلہ) تم پر گواہ بنے اور تم تمام آدمیوں پر گواہ بنو۔ پس نماز کو قائم کرو۔ اور زکواۃ ادا کرو۔ اور خدا ہی سے اعتصام کرو۔ وہی تمہارا مولا ہے۔ تو وہ بہتر مولا ہے اور بہتر مددگار ہے۔

ان آیات سے جلالت شان اور مطالب عالیہ پر مشتمل ہونا اجازت نہیں دیتا۔ کہ سرسری اسپر گذر کیا جائے۔ اور تفصیل ہدیہ ناظرین کیجائے۔ مگر تنگی وقت اور ضیق مجال زیادہ توسعہ کی رخصت نہیں دیتی۔

اس موقعہ کی آیتوں نے جن مطالب کیطرف اشارہ کیا ہے۔ وہ کئی مطلب ہیں۔

ایک۱ یہ کہ خاص ایمان والونکو مخاطب کیا ہے اور اس خطاب میں کوئی قید یا شرط نہیں لگائی ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ مخاطبین وہی لوگ ہیں جن کا ایمان ثابت وسلم ہے۔ اور اُسمیں شک وریب کو کوئی دخل نہیں ہے۔

دوسرے۲۔ حکم ہوتا ہے کہ جہاد کرو جو حق جہاد ہے۔ ظاہر ہے کہ جو لوگ جہاد سے بھاگتے رہے ہوں یا اپنے نفس پر قابو نہ رکھہ سکتے رہے ہوں وہ محکوم اس حکم کے نہیں ہوسکتے اسلیئے کہ اُنہوں نے ابھی پہلا ہی درجہ جہاد کا طے نہیں کیا۔ تو حق جہاد کا حکم اونکو کیونکر دیا جاسکتا ہے ابھی تو اُن کے لیئے لازم ہے کہ مطلق جہاد میں ثابت قدمی دکہائیں تب محکوم بہ حکم جہاد ہوسکتے ہیں

۳ تیسرے۔ ملۃ ابیکم ابراہیم کا خطاب بتا رہا ہے کہ ان آیات میں مخاطب وہی لوگ ہیں جنکے سلسلہ ابوت میں حضرت ابراہیم داخل ہیں۔ یعنے جن کا سلسلہ نسب حضرت ابراہیم علیہ السلام تک پہونچتا ہے۔ ورنہ یہ کہنا صحیح ہوگا کہ تمہاری باپ ابراہیمؑ کی ملت ہے

چوتھے۔ یہ جملہ کہ لتکونوا شہداء علی الناس تاکہ گواہ لیں تم کو تمام آدمیوں پر جنہیں اولیاء واصفیا

بھی داخل ہیں۔ حق نہیں رکھ سکتے۔ دوم یہ کہ وہ لوگ تمام لوگوں سے سابق الوجود ہیں ورنہ سب پر گواہی کیونکر دے سکینگے جبکہ اُنہیں دیکھا بھی نہ ہوگا۔ سوم۔ یہ کہ وہ انبیائے سابقین سے بھی سوائے جناب رسول خدا کے افضل ہیں۔ اسلیئے کہ وہ تمام آدمیوں پر گواہ بنائے گئے ہیں۔ جنمیں انبیاء و مرسلین بھی داخل ہیں۔ چہارم۔ یہ کہ انکا مرتبہ اس قدر عظیم ہے کہ صرف رسول خدا صلے اللہ علیہ و آلہ اُنپر گواہ ہو سکتے ہیں۔ کسی اور کو اُنپر گواہی کا حق نہیں ہے۔ جس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اگر اُن سے کوئی افضل ہے تو صرف جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ و آلہ نہ کوئی اور۔ پنجم۔ لفظ اجتبا صاف بتا رہا ہے کہ مخاطبین آیات مذکورہ وہی لوگ ہیں جنکو خدا نے برگزیدہ کیا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ جو لوگ خدا کے برگزیدہ ہیں وہ معصوم ہونگے اس سے عام صحابہ یا تمام مسلمان مراد نہیں ہو سکتے۔ اسلیئے کہ وہ مجتبےٰ نہیں ہیں ورنہ اُن سے معاصی و ذنوب کا صدور نہ ہوتا۔ حالانکہ ہم جانتے ہیں کہ ان سے برابر صدور معاصی ہوتا رہا اور اب بھی ہوتا ہے۔

ان تمام وجوہ پر نظر کرتے ہوئے ہرگز جرأت نہیں ہوتی کہ ان آیات کو عام مسلمین سے یا فقط عموم صحابہ رسول خدا صلے اللہ علیہ و آلہ سے چسپان کریں۔ کیونکہ آیات مذکورہ کے الفاظ کا حصار اونکو اپنے اندر آنے سے روک رہا ہے۔ پس لامحالہ ان سے وہی لوگ مراد ہونگے جو معصوم ہیں اور وہ سوائے آل محمدؐ کے اس اُمت میں کوئی نہیں ہو سکتا۔

وہی مجتبےٰ ہیں یعنے معصوم ہیں وہی ایسے ہیں جو بعد رسول خداؐ اہل عالم سے اشرف و اکمل ہیں۔ وہی وجود بعد رسول خداؐ سب سے مقدم ہیں جسپر احادیث نور واضح دلیلیں ہیں۔ وہی دنیا کے تمام انسانوں پر گواہی دینے کا حق رکھتے ہیں۔ وہی اولاد جناب ابراہیم علیہ السلام میں منتخب و چیدہ بزرگوار اور فرزندان ابراہیمؑ کہے جانے کے حقیقی مستحق ہیں۔

یہ تو مختصر سی عقلی بحث الفاظ آیات کے روسے ہوئی۔ اب ذرا تفاسیر پر نظر کیجیے۔

تفسیر درمنثور جلد چہارم صفحہ ۳۷۱ چھاپہ مصر میں یہ روایت مندرج ہے۔

اخرج ابن مردویہ عن عبدالرحمن بن عوف قال قال لی عمر الستا کنا نقرء فیما کنا نقرء وجاہدوا

فی اللہ حق جہادہ فی آخرالزمان کما جاہدتم فی اوّلہ قلت بلیٰ فمتی یا امیرالمؤمنین قال اذا کانت بنو امیۃ الامراء و بنو المغیرۃ الوزراء۔

واخرجہ البیہقی فی الدلائل عن المسور بن مخرمہ قال قال عمر لعبدالرحمن بن عوف فذکرہ ۔"

یعنے ابن مردویہ نے عبدالرحمن بن عوف سے روایت کی ہے کہ مجھ سے عمر ابن الخطاب نے کہا کیا ہم جو کچھ آیات قرآن سے سابق میں پڑھا کرتے تھے۔ اُسمیں یہ آیت نہ پڑھتے تھے کہ تم لوگ جہاد کرو خدا کی راہ میں آخر زمان میں جسطرح تم نے اول زمان میں جہاد کیا ہے؟ میں نے کہا۔ ہاں پڑھتے تو تھے لہ اے امیرالمؤمنین یہ کب ہوگا۔ عمر نے کہا کہ جب بنی اُمیہ بادشاہ ہونگے اور بنی مغیرہ وزیر ہونگے۔ اس روایت کو بیہقی نے مسور بن مخرمہ سے بھی روایت کیا ہے۔

اس روایت شریف سے چند باتیں قابل لحاظ سمجھ میں آئیں۔

ایک یہ کہ آیت مذکورہ آج جو صرف اسقدر ہے " کہ جاھدو فی اللہ حق جہادہ " وہ کبھی سابق میں جاہدو فی اللہ حق جہادہ فی آخرالزمان کما جاہدتم فی اوّلہ " تھی یعنے اس سے یہ فقرہ حذف ہو گیا ہے " فی آخرالزمان کما جاہدتم فی اوّلہ " جس نے صاف بتایا کہ حسب ارشاد حضرت خلیفہ ثانی قرآن میں تحریف ہوئی ہے۔ پہلے آیت کے الفاظ زیادہ تھے۔ اب وہ الفاظ قرآن میں موجود نہیں۔

پس وہ لوگ جو شیعوں پر دعوائے تحریف قرآن کا الزام لگاتے ہیں اونکو اپنے گریبان میں سر ڈالکر دیکھنا چاہیئے کہ اُن کے مسلم الثبوت خلیفہ بھی تحریف کے قایل تھے۔ اگر شیعہ حضرات بھی حضرت عمر کی تقلید کرتے ہوں تو کیا مضائقہ ہے۔ حالانکہ یہ الزام محققین شیعہ پر ہرگز نہیں آسکتا کیونکہ وہ تحریف کے قایل نہیں ہیں۔

(دوسرے) یہ بھی معلوم ہوا کہ جب بنی اُمیہ بادشاہ ہوں اور بنی مغیرہ اُن کے وزرا بنیں جسکی ابتدا حضرت عثمان غنی خلیفہ سوم سے ہو جاتی ہے وہ وقت ایسا ہوگا جسمیں اہل ایمان کامل کو راہ خدا میں جہاد کرنا واجب ہے۔

تیسرے یہ حکم بتا رہا ہے کہ بنی اُمیہ کی سلطنتیں عموماً ناجائز تھیں اور ایسی تھیں کہ اہل ایمان کو حکم ہوا کہ تم ان سے لڑو۔ یا جس قسم بھی جہاد ممکن ہو کرو۔ خواہ جہاد نفسانی ہو یا جسمانی اور جب یہ خلافتیں سرے سے باطل ہوئیں تو لا محالہ کوئی اور خلیفہ برحق رسول کا اُس زمانہ میں ہونا چاہیئے کیونکہ دنیا بغیر کسی نبی ورسول یا خلیفہ رسول کے نہیں رہ سکتی جیسا کہ سابق کی احادیث نے تو مکرر اس کتاب میں لکھے جاچکے ہیں۔ بتا دیا ہے۔

مگر معلوم ہے کہ سوائے بنی ہاشم وآل رسولؐ کے جو معصوم تھے استحقاق خلافت کسی کو نہ تھا لہذا اُن ہی کو اُس زمانہ کا خلیفہ جائز ماننا پڑیگا اگرچہ ظاہری سلطنت سے بہ ظلم وہ محروم رکھے گئے۔ (چوتھے) یہ بھی معلوم ہوا کہ جن لوگوں کو حکم جہاد اس آیت میں دیا گیا ہے وہ عام موجودین صحابہ نہیں ہیں۔ بلکہ وہ لوگ ہیں جو عہد سلطنت بنی اُمیہ میں موجود ہونگے۔ جن سے اوّلاً حضرات خلفائے ثلثہ اور وہ لوگ جو اون کے دور میں فوت ہوئے خارج رہینگے اور اس احاطہ کے اندر آنیکی اُنکو اجازت نہ ہوگی۔

پانچویں۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ عہد بنی اُمیہ میں جو مؤمنین محکوم بجہاد اس آیت کے رو سے ہوئے ہیں وہی ہیں جو فرزندان ابراہیم علیہ السلام ہیں اور معلوم ہے کہ فرزندان ابراہیمؑ کی فرد اکمل صرف محمد وآل محمد صلے اللہ علیہ وآلہ ہیں نہ کوئی اور۔ لہذا وہی محکوم بجہاد اس آیت میں ہیں۔

چنانچہ سب سے پہلے جناب امیر المومنین علیہ السلام نے عہد معاویہ میں جہاد جسمانی کیا۔ پھر امام حسن علیہ السلام نے۔ پھر امام حسین علیہ السلام نے اون کے بعد بقیہ ائمہ طاہرین نے مجاہدہ نفسانیہ سے کام لیا۔ اور وہ صبر کیا جسکی نظیر نہیں ملسکتی۔ کیونکہ جہاں اس آیت کے تحت میں وہ حدیث مذکور ہو جو سابقاً لکھی گئی۔ وہاں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ صرف تلوار سے لڑنا ہی جہاد نہیں بلکہ جہاد نفسی بھی بڑا جہاد ہے۔ چنانچہ اسی تفسیر درمنثور جلد چہارم صفحہ ۳۷۱ میں یہ روایت مذکور ہے۔

ابن ابی حاتم عن الحسن ؓ وجاہدوا فی اللہ حق جہادہ۔ قال ان الرجل لیجاہد فی اللہ حق جہادہ

وما ضرب السیف - ابن ابی حاتم نے حسن رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ آدمی کبھی راہ خدا میں پورا جہاد کرتا ہے حالانکہ اُس نے تلوار نہیں چلائی (یعنے بغیر سیف زنی بھی جہاد ہو جاتا ہے اور وہ سوائے جہاد نفسانی کے اور کیا ہو سکتا ہے) پھر دوسری روایت لکھی ہے عن فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم المجاہد من جاہد نفسہ فی طاعۃ اللہ فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجاہد وہ ہے جو اپنے نفس سے جہاد کرے طاعت خدا میں -

معلوم ہے کہ بقیہ ائمہ طاہرین نے اس دور میں سوائے عبادت و زہد و تعلیم و تلقین و صبر کے کوئی کام نہیں کیا - عام لوگ دنیا کی طرف متوجہ تھے اور یہ دین کی طرف عامۃ الناس کے شاغل لہو و لعب تھے اور ان کے عبادت پروردگار عالم - عامۃ الناس محرمات میں مبتلا تھے - اور یہ تذکیر و تعلیم و تفہیم و تلقین و تبیین میں - جو کتب سیر و تواریخ کے ناظر پر کسی طرح مخفی نہیں -

خلاصہ یہ کہ ان آیات میں حضرات خلفائے ثلثہ کسی طرح داخل نہیں - اور نہ انہوں نے عہد بنی اُمیہ میں جہاد کیا کیونکہ دونو موجود نہ تھے - اور تیسرے صاحب خود بادشاہ تھے - تو اب اُن لوگوں کو تلاش کرنا چاہیئے جو عہد بنی اُمیہ میں رہ کر محکوم جہاد ہو سکتے ہوں - اور ابنائے ابراہیمؑ سے ہوں - اور وہ سوائے علیؑ و اولاد علیؑ کے جو معصوم تھے دوسرا نہیں ہو سکتا خصوصاً جب کہ الفاظ آیات مذکورہ بھی ان کے سوا کسی دوسرے پر صادق آنے سے منکر ہیں -

یہی وہ لوگ ہیں جنکی بابت خدا تعالے نے مداحی کی رسولؐ نے مداحی کی - جس سے قرآن و احادیث کے اوراق بھرے ہوئے ہیں جنکی مداحی صحابہ نے کی تابعین نے کی - یہی وہ ہیں جنکی بابت ابو عمر و عثمان بن بحر الجاحظ معتزلی مشہور امام ادب صاحب کتاب بیان و تبیین اپنے ایک رسالہ خاص میں جسے ینابیع المودۃ مطبوعہ مصر صفحہ ۱۵۲ میں لکھتے ہیں (پہلے امیر المومنین علیہ السلام کی مدح میں بہت سے جملے لکھے ہیں - اسکے بعد لکھتے ہیں ینابیع المودۃ صفحہ ۱۵۵ طبع مصر) واما

جملۃ القول فی ولدہ علی رضی اللہ عنہم فہم معظمون مکرمون عند الناس بدون اختیارہم والمومنون

تعظیمہم وتکریمہم - والقون موقنون فلہم سر کریم وکمال جسیم - وشیم عجیب وعرق طیب - وفضل مبین ووقار متین - وعرق نام - وغصن باسق - واصل ثابت وفرع ثابت فلہذا لم یکتفو ولم یقنعو بذالک التعظیم - والتکریم - واشتغلو بالتکالیف الشداد والمحن الغلاظ والعبادات الشاقۃ والمجاہدات التامۃ -

یعنے خلاصہ تقریر اولاد علی ابن ابیطالب علیہ السلام کی نسبت یہہ ہے کہ وہ حضرت تمام لوگوں کے نزدیک معظم ومکرم بغیر اسکے کہ وہ خود اسے اختیار کریں (یعنے از خود لوگ اونکی تعظیم کرتے تھے نہ اون کی خواہش سے) اور تمام لوگ ان کی تعظیم وتکریم پر ایمان لائے تھے کیونکہ ان کے لئے سر عظیم تھا - اور بڑا کمال تھا - اور خصلت عجیب تھی - اور رگ طاہر - فضل مبین رکھتے تھے اور وقار محکم - عرق نمو کنندہ رکھتے تھے - اور شاخ بلند - ثابت وقائم خبر رکھتے تھے - اور فرع بالندہ - اس وجہ سے ان لوگوں نے اُس تعظیم وتکریم پر اکتفا نہ کی بلکہ خود سخت تکالیف کے برداشت میں مشغول ہوئے اور بڑے بڑے محن اُٹھاتے رہے اور سخت سے سخت عبادتیں کرتے - اور پورے جہاد فرماتے رہے -

اب تو معلوم ہوا کہ پورے جہاد کرنے والے یہی بزرگوار تھے - جنکو آیت مذکورہ میں حکم جہاد دیا گیا ہے - بالجملہ یہی وہ بزرگوار ہیں جنکی نسبت فاضل روزبہان اپنی کتاب ابطال الباطل میں یوں لکھتے ہیں - (روائح القرآن صـ ۳۱۸)

هم صدور ایوان الاصطفاء ۔۔۔ وبدور سماء الاجتباء ومفاتیح
ابواب الکرم ومجاریح ہوبطل النعم ۔۔۔ لیوث غیاض البسالۃ وسباق
مضامیر السماحۃ وخزان نقود الرجاحۃ ۔۔۔ والاعلام الشوامخ فی الارشاد
والہدایۃ والجبال الرواسخ ۔۔۔ فی الفہم والدرایۃ وہم کما قلت
ثم المعاطس من اولاد فاطمۃ ۔۔۔ علوا رواسی طود الغر والشرف
فاقوا العرانین فی نشر الندی کرما ۔۔۔ بسمح کف خلا من ہجنۃ السرف
تلقاہم فی غداۃ الروع اذ رجفت ۔۔۔ اکتاف اکفاہم من ریبۃ التلف
مثل اللیوث الی الاہوال سارعۃ ۔۔۔ حماسۃ النفس الا سیلا الی الصلف

بنو علی وصی المصطفےٰ حقاً   اخلاف صدق نموا من اشرف السلف

یہ بنی خاصل فضل بن روزبہان کے الفاظ جو مدح ائمہ طاہرین اولاد امیر المؤمنین علیہ السلام میں لکھے ہیں جنمیں یہ بھی ظاہر کیا ہے کہ یہی حضرات مجتبےٰ ہیں۔ اور یہی من عند اللہ منتخب گویا یہ ترجمہ ہی اُس جملے کا جو آیت مذکورۃ الصدر میں خداتعالیٰ کے کلام میں آیا ہے هو اجتباكم اُس (خدا) نے تم کو مجتبےٰ (منتخب بنایا ہے۔" اور یہ بھی ظاہر کیا ہے کہ یہی حضرات صاحبان کرم و صاحبان حرب و ضرب ہیں۔ اور سابقین غایات و ہادیان راہ نجات ہیں۔

ترجمہ ظاہری ان الفاظ کا یہ ہے۔ وُہ (یعنے اولاد علیؑ و فاطمہؑ ائمہ طاہرین) مجلس ہائے انتخاب کے صدر۔ آسمان اجتبےٰ کے چاند ہیں۔ دروازہ ہائے کرم کی کنجیاں۔ باران نعمت کے ستارے ہیں بزرگی کے بیشہ کے شیر۔ سرداری کے باغ کے باران ہیں سخاوت کے مضمار کے سبقت لیجانیوالے رجحان کے نقد کے خزانہ دار ہیں ارشاد و ہدایت میں بلند علم۔ اور فہم و علم میں کوہ محکم ہیں سماجاریح کے لیے انوار سما کے ہیں جن کے طلوع پر باران آتا ہے۔)

ترجمہ اشعار۔

(یہ لوگ بلند ناک والے معززین اولاد فاطمہ سے ہیں) جو کوہ عز و شرف پر بلند ہوئے اور سرداروں کے سخاوتوں میں فائق ہو گئے۔ سخاوت بھی ایسی جو عیب و اسراف سے پاک تھی۔ جنگ کے دن جبکہ اون کے ہمسروں کے شانے خوف ہلاکت سے کانپتے ہوں تم اونکو شیروں کی طرح تلواروں اور تیروں میں اپنی شجاعت نفس کی وجہ سے دوڑتا ہوا پاؤگے (نہ یہ خیال ظلم کے) یہ لوگ برحق وصی مصطفےٰ ص علیؑ کی اولاد ہیں یہ سچے ہیں جن کا نمو اشرف اسلاف سے ہوا ہے۔

کیا اب بھی کسی کو عذر ہو سکتا ہے کہ جنکی واقعی یہ حالت ہو اور جو اس مرتبہ عظیمہ پر فائز ہیں جس تک پہونچنا عام انسانی قواے سے ناممکن ہے۔ وہی لوگ مراد ہیں۔ ان آیات میں سے کوئی اور خصوصاً بضمیمہ اُس حدیث کے جو حضرت عمر سے نقل ہوئی۔

علاوہ بریں ہم اسی پر اکتفا کرتا نہیں چاہتے بلکہ اس سے بھی زیادہ تصریح سے بتانا چاہتے ہیں

کہ ان آیات کا مصداق صرف اور صرف رسول خدا اور علیؑ و حسنؑ و حسینؑ اور اُنکی اولاد ائمہ طاہرین ہیں۔ اور کسی کو اسمیں دخل نہیں ہیں۔

ملاحظہ ہو کتاب ینابیع المودۃ صفحہ ۱۱۶ چھاپ مصر۔ بحوالہ حموینی شافعی کہ زمانہ حضرت عثمان ایک روز مسجد رسول میں اصحاب رسول بیٹھے ہوئے اپنے اپنے فضائل کا تذکرہ کر رہے تھے اور امیر المؤمنین خاموش تھے۔ لوگوں نے کہا یا علیؑ آپ بھی کچھ فرمائیے۔ تب آپ نے اپنے فضائل بیان کرنے شروع کیے ہیں اور قسم لوگوں سے اونکی تصدیق کرائی ہے۔ جسمیں ایک یہ بھی ہے قال انشدکم اتعلمون ان اللہ انزل فی سورۃ الحج یا ایہا الذین آمنوا ارکعوا واسجدوا واعبدوا ربکم وافعلوا الخیر لعلکم الخ فقام سلمان فقال یا رسول اللہ من ھٰولاء الذین انت علیہم شہید وہم شہداء علی الناس الذین اجتباہم اللہ ولم یجعل علیہم فی الدین من حرج ملۃ ابراہیم۔ قال عنی بذالک ثلاثۃ عشر رجلاً خاصۃ قال سلمان بینہم لنا یا رسول اللہ قال انا واخی علی واحد عشر من ولدی۔ قالوا نعم" یعنے امیر المؤمنین نے حاضرین سے کہا میں تم کو قسم دیکے پوچھتا ہوں کہ خدا تعالیٰ نے سورہ حج میں یہ آیت نازل کی یا ایہا الذین آمنوا ارکعوا واسجدوا واعبدوا (آخر تک) تو سلمان اُٹھے اور عرض کی یا رسول اللہ یہ کون لوگ ہیں۔ جنپر آپ گواہ ہیں اور وہ تمام آدمیوں پر گواہ ہیں۔ جنہیں خدا نے مجتبےٰ (منتخب) بنایا ہے اور اُنپر دین میں کوئی تنگی نہیں قرار دی۔ پیروی کرو ملت ابراہیم کی۔ تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ نے فرمایا خدا نے اس سے تیرہ آدمیوں کو مراد لیا ہو خاصکر۔ سلمان نے کہا اُنہیں بیان فرمائیے یا رسول اللہ۔ فرمایا۔ میں ہوں اور میرے بھائی علیؑ ہیں اور گیارہ میرے فرزند ہیں (مجموعی تیرہ ہوئے) یہ سنکر تمام حاضرین نے کہا ہاں۔ (صحیح ہے جو آپنے فرمایا)۔

اب تو تصریح معلوم ہو گیا کہ ان آیات کا شان نزول عہد رسول ہی میں ظاہر ہو گیا تھا اور سلمانؓ نے حاضرین خدمت رسولؐ کے سامنے اسے دریافت کر کے حل کر لیا تھا جو آجتک کتابوں میں درج ہی۔ پھر کسی کو اس کے ماننے میں کیا عذر ہو سکتا ہے۔

تتمہ لطیفہ

حضرت عمر کی ناواقفیت لفظ قرآن سے

ان آیات کی تفسیر کے ذیل میں ایک اور لطیف بات علامہ سیوطی نے تفسیر درمنثور میں لکھدی ہے جو قابل یاد رکھنے کے ہے وہ یہ کہ ایک مرتبہ حضرت عمر نے یہ آیت پڑھی ماجعل علیکم فی الدین من حرج تو انہیں نہ معلوم ہو سکا کہ حرج کے معنے عربی زبان میں کیا ہیں آخر بنی مدلج کے ایک شخص کو بلوایا اور اس سے پوچھا کہ بھائی لفظ حرج کے معنے بتاؤ۔ اُسنے کہا کہ اس کے معنے ضیق (تنگی) کے ہیں۔ اصل حدیث یہ ہے اخرج البیہقی فی سننہ عن محمد ابن زید بن عبداللہ بن عمر قال قرء عمر ابن الخطاب ہذہ الآیۃ ماجعل علیکم فی الدین من حرج۔ ثم قال ادعونی رجلاً من بنی مدلج قال عمر ما الحرج فیکم قال الضیق (درمنثور جلد چہارم صٓ ۳۷۲)

آیت ۶۹ ج ۱۸ ع ۱ سورہ مؤمنون

قد افلح المؤمنون الذین ہم فی صلاتہم خاشعون۔ والذین ہم عن اللغو معرضون۔ والذین ہم للزکوٰۃ فاعلون "۔ جہانتک ظاہر آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں اُن اہل ایمان کی مدح کی گئی ہے جنکی نماز بخشوع ادا ہوتی ہو۔ جو غنا و سرود سے دور رہتے ہوں۔ جو زکوٰۃ ادا کرتے ہوں وغیرہ وغیرہ یوں تو احادیث کثیرہ صحیحہ سے یہ بات حد ثبوت کو پہونچگئی ہے کہ اہل ایمان میں فرد اکمل۔ اور جزو اعلیٰ ذات علی ابن ابیطالب علیہ السلام ہے۔ اسلیئے کہ آپ ہی اول المسلمین ہیں۔ آپ ہی اول المؤمنین ہیں آپ ہی امیر المؤمنین ہیں۔ اور آپ ہی اُن آیات میں جن کا صدر یاایہاالذین آمنو ہے رئیس و امیر ہیں۔ اور آپ ہی کے دوست فائز و کامیاب ہیں۔ جیساکہ احادیث ذیل سے معلوم ہوگا۔

(۱) عن ابی ذر قال رسول اللہ صلعم یقول لعلی انت اول من آمن بی وصدق۔ اخرجہ الحاکم (ارجح المطالب مولوی عبیداللہ عبیدی امرتسری صٓ ۴۴۸) ابوذر صحابی رسول سے مروی ہے کہ رسول اللہ نے علی علیہ السلام سے فرمایا کرتے تھے کہ تم ہی سب سے پہلے مجھپر ایمان لائے اور میری تصدیق کی اس روایت کو امام حاکم نے بیان کیا ہے۔

۲۔ عن عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ قال ان رسول اللہ قال لعلی انک اول المسلمین اسلاماً و اول المؤمنین معنی ایماناً و اعلمہم بآیات اللہ و اوفاہم بعہد اللہ و ارؤفہم بالرعیۃ و اقسمہم بالسویۃ و اعظمہم عند اللہ منزلۃ (اخرجہ احمد) ارجح المطالب ص۴۴۹ چھاپ لاہور۔

عمر ابن الخطابؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہؐ نے علی (ابن ابیطالبؑ) سے فرمایا ہے کہ یا علی تم تمام مسلمانوں سے پہلے مسلمان ہو۔ تم تمام مؤمنین سے پہلے مجھپر ایمان لائے ہو۔ تم سب سے زیادہ آیات خدا کو جاننے والے ہو۔ تم سب سے زیادہ عہد خدا کو پورا کرنے والے ہو۔ تم سب سے زیادہ رعایا کے حال پر رافت کرنے والے ہو۔ تم سب سے زیادہ مساوی تقسیم کرنے والے ہو۔ تم اوروں سے زیادہ خدا تعالی کے نزدیک بڑا مرتبہ رکھنے والے ہو۔ اس روایت کو امام احمد بن حنبل نے لکھا ہے۔

۳۔ عن انس قال قال رسول اللہ یا انس اسکب لی وضوء وماء فتوضی و صلے ثم انصرف فقال یا انس اول من یدخل علی الیوم فہو امیر المؤمنین و سید المسلمین و خاتم الوصیین و امام غر المحجلین فجاء علی و ضرب الباب فقال من ہذا یا انس قلت علی قال افتح لہ و دخل۔ (اخرجہ ابن مردویہ)

انس سے مروی ہے کہ رسول اللہؐ نے مجھ سے آب وضو طلب کیا۔ پھر وضو کر کے نماز پڑھی اُس کے بعد کہا کہ اے انس آج جو سب سے پہلے میرے پاس آئیگا وہ "امیر المؤمنین" ہوگا سید المسلمین ہوگا خاتم الوصیین ہوگا۔ امام غر المحجلین ہوگا۔ پس علیؑ آئے اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا اے انس یہ کون ہے؟ میں نے کہا علی ہیں۔ فرمایا ان کے لئے دروازہ کھولدو (اس روایت کے ناقل محدث ابن مردویہ ہیں) ارجح المطالب ۱۶)

۴۔ عن بریدۃ قال امرنا رسول اللہؐ ان نسلم علی علیؑ بامیر المؤمنین (اخرجہ ابن مردویہ) ص۱۶ ارجح المطالب

یعنے بریدہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ و آلہ نے ہم لوگوں کو حکم دیا تھا کہ علی ابن ابیطالب علیہ السلام کو یا امیر المؤمنین کہکر سلام کیا کریں۔

۵۔ قال ابن عباس رضی اللہ عنہما۔ لیس انہ من الکتاب اللہ تعالی یا ایہا الذین آمنو الا و علی اولہا امیرہا و شریفہا۔ (نور الابصار شبلنجی ص۷۲ چھاپ مصر) ابن عباس سے مروی ہے

کہ کتاب خدا میں کوئی ایسی آیت نہیں ہے جسمیں یا ایہا الذین آمنو ہو مگر یہ کہ علی اُسمیں اول اُس کے امیر و شریف ہیں۔

۶ شیعۃ علی ہم الفائزون۔ (الدیلمی) ینابیع المودۃ ص۸۰ علی و شیعتہ ہم الفائزون یوم القیامۃ (الدیلمی) علی ہی کے شیعہ کامیاب ہونے والے ہیں۔ علی اور شیعہ اون کے وہی قیامت کے دن کامیاب ہیں۔" وغیرہ وغیرہ بیشمار روایات جنسے بآسانی اس نتیجہ پر پہونچا جا سکتا ہے۔ کہ ان آیات میں جو اٹھارھواں پارہ قرآن کا شروع ہیں۔ صرف اور صرف علی ابن ابیطالبؑ اور اُن کے شیعہ و احباب مؤمنین ہیں۔ نہ کوئی اور۔ لیکن اس موقعہ پر ایک اور روایت عجیبہ سناتا ہوں۔ جسے محمد بن محمود بن زکریائے قمونی قزوینی شافعی نے اپنے ایک رسالہ میں لکھا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ انہ لما ولد علی نظر الی النبی فتبسم ضاحکا و قال السلام علیک یا رسول اللہ و رحمتہ و برکاتہ۔ ثم اقبل اللہ و جل یقرء القرآن و لم ینزل بعد و قرء سورۃ المؤمنون الی ہم فیہا خالدون۔ فقال رسول اللہ قد افلحو بک یا علی و انت امیرہم۔" جب امیر المؤمنین علیہ السلام پیدا ہوئے تو نظر کی رسول اللہ کی طرف اور مسکرا کے ہنسے اور عرض کی السلام علیک یا رسول اللہ و رحمتہ اللہ و برکاتہ۔ پھر حضرت کی طرف متوجہ ہوئے اور لگے قرآن مجید پڑھنے حالانکہ ابتک قرآن نازل نہ ہوا تھا۔ اور سورہ مؤمنون کو ہم فیہا خالدون تک پڑھا۔ پس یہ سنکر رسول اللہ نے فرمایا۔ یا علی تمہاری وجہ سے اہل ایمان کامیاب ہوئے اور تم اون کے امیر ہو۔" (نقل از روائح القرآن ص۳۲۳)

جس سے چند نتائج برآمد ہوئے۔ پہلا نتیجہ۔ یہ کہ علی ابن ابیطالب علیہ السلام صغر سنی میں ہی صاحب معجزہ باہرہ و آیت ظاہرہ تھے۔ پھر اگر بعد اس زمانے کے اون کے معجزات عجیبہ بیان کیے جاتے ہیں تو کیا تعجب ہے۔

(دوسرا نتیجہ) یہ کہ آپنے قرآن مجید کی تلاوت قبل نزول قرآن فرمائی۔ جس سے اُن احادیث کی کافی تصدیق ہوتی ہے کہ آپکا نور ہمراہ نور رسول خدا صلے اللہ علیہ و آلہ مخلوق ہو چکا تھا۔

اور آپ بھی وجوداً تمام انبیاء سے سابق تھے۔ اور یہ کہ آپکے سامنے تمام اشیائے سابقہ ولاحقہ مستحضر تھے۔
اور کوئی شے مخفی نہ تھی۔

(تیسرا نتیجہ) یہ کہ آپ ہی امیر المومنین ہیں۔ اور آپ ہی کی وجہ سے ایمان والوں کو فلاح حاصل ہوگا۔

(چوتھا نتیجہ) یہ ہے کہ یہ آیات خاص آپ ہی دوستوں اور شیعوں کے حق میں نازل ہوئی ہیں۔ جو انتہائے فضیلت کو آپکے لیئے ثابت کرتے ہیں۔

(پانچواں نتیجہ) یہ کہ آپنے اوسی صغر سن میں رسول اللہ کو پہچانا۔ اور اُنہیں رسول اللہ کہکر سلام کیا پھر کیونکر کہا جا سکتا ہے کہ کوئی مسلمان آپ سے پہلے ایمان لایا۔ درآنحالیکہ اُسوقت تک رسول اللہ کی بعثت یا اظہار رسالت بھی نہ ہوئی تھی۔ ایسی صورت میں آپ سے سابق کسی مسلمان کو مسلمان کہنا ظلم صریح اور کذب فضیح نہیں تو اور کیا ہے۔

میں اس مقام پر ایک دو شاہد اور بھی پیش کرنا چاہتا ہوں۔ جس سے اس مضمون کی کافی تصدیق ہو

(۱) تفسیر درمنثور جلد پنجم ص۱ میں یہ روایت مذکور ہے عن انس قال قال رسول اللہ خلق اللہ جنۃ عدن وغرس اشجارہا بیدہ وقل لہا تکلمی فقالت قد افلح المومنون - ابن عدی۔ حاکم اور بیہقی نے روایت کی ہے کہ خدا تعالیٰ نے جنت عدن کو پیدا کیا۔ اُس کے اشجار اپنی قدرت سے لگائے اور اُس سے فرمایا کہ کچھ کلام کر تب اُس نے یہ آیت پڑھی۔ قد افلح المومنون۔

(۲) عن قتادہ فی قولہ قد افلح المومنون قال قال کعب لم یخلق اللہ بیدہ الا ثلثۃ خلق آدم والتوراۃ بیدہ وغرس جنۃ عدن بیدہ - ثم قال تکلمی فقالت قد افلح المومنون لما علمت فیہا من الکرامۃ - قتادہ سے اس آیت کی تفسیر میں مروی ہے کہ کعب احبار نے کہا کہ صرف تین چیزوں کو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا (یا قدرت سے پیدا کیا) آدم کو اپنے ہاتھوں سے پیدا کیا۔ توراۃ کو اپنے ہاتھوں سے پیدا کیا۔ اور جنت عدن کو اپنے ہاتھوں سے پیدا کیا۔ پھر اُس سے فرمایا کہ کلام کر اُس نے قد افلح المومنون کی تلاوت کی کیونکہ اُس نے اپنے میں کرامت دیکھی۔

اس سے بعد کے شبہہ ہو سکتا ہے کہ امیر المومنین علیہ السلام نے وقت ولادت ہی کلام فرمایا اور آیت

قرآنیہ کی تلاوت کی در انحالیکہ جنت نے جو غیر ذوی العقول سے ہے کلام کا سرزد ہونا ممکن ہوا بلکہ واقع ہوا جیسا کہ روایات سابقہ نے بتایا ہے۔ علاوہ بریں ایک مسلمان کو جسے عموم قدرت خدا تعالیٰ کا یقین ہے وہ کب اس امر میں شبہہ کرسکتا ہے کہ وہ جسے چاہے قدرت تکلم دیدے۔ اور جس ساکن کو چاہے چلنے کی طاقت عطا فرمائے۔

علاوہ بریں اس واقعہ کی تصدیق مناقب بن شہر آشوب سے بھی ہوتی ہے [۹۱] (مناقب ابن شہر آشوب جلد دوم ص۱۳۲ مطبوعہ بمبئی) وفی روایۃ شیعہ عن قتادہ عن انس عن العباس بن عبد المطلب وروایۃ حسن بن محبوب عن الصادق علیہ السلام والحدیث المختصر انہ انفتح البیت من ظہرہ ودخلت فاطمۃ فیہ ثم عادت الفتحۃ والتصقت وبقیت فیہ ثلاثۃ ایام فاکلت من ثمار الجنۃ۔ فلما خرجت قال علی السلام علیک یا ابہ ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ثم تنحنح وقال بسم اللہ الرحمن الرحیم قد افلح المؤمنون الآیہ فقال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ قد افلحوا بک انت واللہ امیرہم تمیرہم من علمک فیمتارون وانت واللہ دلیلہم ربک واللہ یہتدون" جلد دوم ص۱۳۲ بمبئی۔

۹۲ علامہ شمس الدین محمد بن علی بن احمد الداؤدی شاگرد علامہ سیوطی اپنی کتاب طبقات المفسرین میں لکھتے ہیں محمد بن علی بن شہر آشوب بن ابو النصر ابو جعفر سروی ماژندرانی رشید الدین احد شیوخ شیعہ ہیں آپ فن حدیث میں مشتغل رہے۔ اور علماء سے ملے پھر اپنے مذہب کا علم فقہ خوب حاصل کیا اور اصول کا تتبع کیا یہانتک مرد فقیہ ہوگئے پھر علم قرآن و قرأت و تفسیر و نحو میں سب سے مقدم ہوئے وہ اپنے زمانہ کے امام عصر اور یکتائے دہر تھے و تالیف میں علم قرآن و حدیث میں دو کتابیں لکھیں وہ شیعوں میں ایسی ہی تھیں جیسے خطیب بغدادی اہل سنت میں۔ نیز کتاب لسان المیزان میں ابن حجر عسقلانی نے علامہ ابن شہر آشوب کی مدح کی ہے۔ نیز مجد دین۔ فیروز آبادی نے کتاب البلغہ میں۔ نیز جلال الدین سیوطی نے کتاب بغیۃ الدعاۃ میں۔ نیز کتاب وافی بالموقیات میں انکی مدح لکھی ہے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ بزرگوار جسطرح فرقہ شیعہ میں محترم تھے اوسیطرح علمائے اہل سنت کے نزدیک بھی معتبر تھے۔ لہذا ان کی نقل دونوں فریق کے لیئے مستند ہے۔ (محمد ہارون مؤلف کتاب ہذا)

آیت ۷۰ - سورہ نور ج ۱۸ ع ۶

ان الذین لایؤمنون بالآخرۃ عن الصراط لناکبون - جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لائے وہ صراط سے بھٹکے ہوئے ہیں - (یا ہٹے ہوئے ہیں) یعنے راہ راست پر نہیں ہیں -

یہاں راہ راست سے مراد ولایت اہلبیت طاہرین علیہ السلام ہے - جس کا مطلب یہہ ہوا کہ جو لوگ ولایت اہلبیت نہیں رکھتے یعنے اونکو والی وولی وحاکم ومولے نہیں جانتے اونکی بابت یقین رکھنا چاہیئے کہ وہ مؤمن نہیں اور نہ قیامت کا اُن کو یقین ہے - ورنہ اگر اُنہیں کچھ خوف روز قیامت کا ہوتا تو بالضرور راہ راست اختیار کرتے -

اسکی تفسیر میں ملا شیخ سلیمان حنفی قندوزی ینابیع المودۃ چھاپہ مصر میں لکھتے ہیں -

وفی تفسیر وان الذین لایؤمنون بالآخرۃ عن الصراط ناکبون - حموینی بسندہ عن اصبغ بن نباتہ عن علی کرم اللہ وجہہ فی ہذہ الآیۃ قال الصراط ولایتنا اہل البیت -

۲ وفی المناقب عن زید بن موسے الکاظم عن ابیہ عن آبائہ عن امیر المؤمنین علی علیہم السلام - فی ہذہ الآیۃ قال عن ولایتنا اہل البیت "

۳ وعن جعفر الصادق علیہ السلام فی ہذہ الآیۃ قال عن الامام الجائر ون -

یہہ تین روایتیں کتاب ینابیع سے نقل ہوئی ہیں ایک کے راوی علامہ حموینی ہیں جنہوں نے کتاب فرائد السمطین میں نقل کیا ہے کہ حضرت امیر المؤمنین علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ اس آیت میں صراط سے مراد ہم اہلبیت کی ولایت ہے -

دوسری روایت مناقب سے نقل کی ہے اوسکا سلسلہ بھی جناب امیر المؤمنین علیہ السلام تک پہونچتا ہے اور مطلب وہی ہے جو پہلی روایت کا ہے -

تیسری روایت حضرت جعفر صادق علیہ السلام سے ہے - آپنے فرمایا عن الصراط سے مراد عن الامام ہے - یعنے جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لائے وہ امام سے پھرے ہوئے ہیں جس کا حاصل بھی وہی ہے جو روایت سابقہ کا ہے - بہرحال ان روایات نے بتایا کہ صراط سے مراد امام حق اور اُنکی ولایت ہے

مگر افسوس اور ہزار افسوس ہے کہ جو لوگ خود اپنے علمار کی زبانی بھی معلوم کر لیتے ہیں کہ بغیر ولایت آل محمد علیہم السلام کے ایمان صحیح نہیں ہوتا پھر بھی اس رستہ سے علیحدہ ہی رہنا اپنے لیئے باعث نجات سمجھتے ہیں۔

نیز اس آیت کے سیاق نے یہ بھی بتایا کہ قیامت میں جس صراط کے نصب ہونے کا ذکر ہے۔ وہ بال سے باریک اور تیغ سے تیز ہوگی وہ دراصل کوئی پل یا راہ نہیں ہو۔ جس پر لوگوں کو چلایا جائیگا بلکہ وہ ایک معیار ہو جنتی اور دوزخی کا۔ پس جو کوئی اُس دن ولایت آل محمد لیئے ہوئے میدان حشر میں آئیگا وہ جنتی ہوگا اور جو بغیر اس کے حاضر ہوگا وہ دوزخی ہوگا۔ اور معیار قیامت کے دن سامنے ہی موجود ہوگا۔ کیونکہ محمدؐ و آل محمدؐ صلے اللہ علیہ و علیہم تمام انبیار و اصفیاء سے مقدم اُس موقعہ پر تشریف فرما ہونگے اور ہر ایک کو پہچان پہچان کر جنت یا دوزخ کی طرف بھیجینگے رہا اُسکا بال سے باریک کہا جانا اور تیغ سے تیز ہونا تو اس وجہ سے ہے کہ حق از بسکہ نہایت تلخ چیز ہے۔ لوگ اسپر چلنا ایسا ہی سمجھتے ہیں جیسے تلوار کی دھار پر اور جس طرح بال سے باریک چیز نظر نہیں آیا کرتی جبتک آنکھوں کا نور اپنی حد کمال میں نہ ہو اوسیطرح حق بھی اُسوقت تک سوجھائی نہیں دیتا جبتک دیدہ دل پورے طور پر روشن نہو۔ یہی وجہ ہے کہ باطل کے پیرو لاکھوں ملینگے اور حق کے پیرو لاکھ میں دو چار بھی بمشکل نظر آئینگے۔ کیوں؟ اسلیئے نہ کہ اونکو بسبب کوتاہ نظری اور فریب شیطان کے حق سوجھائی نہیں دیا۔ ورنہ کیونکر ممکن ہے۔ کہ کوئی شخص کسی چیز کو دیکھے اور اوسے نافع بھی جانتا ہو پھر بھی نہ اختیار کرے۔ بہرحال ولائے آل محمد علیہ السلام صراط ہے۔ اور واقعی یہ ایسی کٹھن راہ ہو کہ اُمت محمدیہ کے بہتر فرقوں میں سے صرف ایک فرقہ اسپر چل سکا ہو۔ بقیہ فرق سے اسکا تحمل نہ ہوسکا۔ خدا تعالی اوروں کو بھی اس راہ پر چلنے کے لیئے چشم بینا و گوش شنوا۔ و پائے مستقیم المشی مرحمت فرمائے۔ و ہو الہادی الی الصراط المستقیم۔

آیت ۱۷ - ج ۱۸ ع ۱۱ - سورہ نور

اللہ نور السموات والارض مثل نورہ کمشکوٰۃ فیہا مصباح المصباح فی الزجاجہ الزجاجۃ کانہا کوکب دری یوقد من شجرۃ مبارکۃ زیتونۃ لا شرقیۃ ولا غربیۃ یکاد زیتہا یضیئی ولو لم تمسسہ نار نور علیٰ نور۔

اللہ آسمانوں اور زمین کا روشن کرنیوالا ہے اُس کے نور کی مثل ایسی ہے جیسے ایک مشکوٰۃ ہو جسمیں چراغ رکھا ہو اور وہ چراغ کسی قندیل میں ہو اور قندیل ایسی چمکتی ہو۔ جیسے روشن ستارہ۔ اور وہ چراغ مبارک درخت زیتون (کے تیل) سے جلایا گیا ہو۔ جو نہ شرقی ہے اور نہ غربی۔ جس کا تیل بغیر آگ کے قریب ہوئے روشنی دینے لگتا ہو۔ نور پر نور ہے۔

یہ آیت اپنے غموض و اشکال وجہ سے معرکۃ الاراء ہے۔ بیسیوں مطلب اس کے مفسرین نے لکھے ہیں اور مختلف خیالات اپنے اُس کے متعلق ظاہر کیئے ہیں جنکی تفصیل کے واسطے ایک بڑے دفتر کی ضرورت ہے۔ اور یہ اُسکا موقع نہیں۔ یہاں تو صرف یہ دکھانا ہے کہ مشکوٰۃ اور نور اور مصباح سے کیا مراد ہے۔ زجاجہ کیا ہے۔ اور کوکب کون۔ اُس کے بعد آپ ہی مفہوم آیت واضح ہو جائیگا۔

کتب احادیث و سیر پر نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت بھی مدح خمسہ نجبا میں نازل ہوئی ہے۔ اور بڑی فضیلت اس سے اُن کی بیان کی گئی ہے۔ ابن مغازلی شافعی اپنی کتاب مناقب میں بذیل آیات جو فضائل اہلبیت طاہرین میں نازل ہوئی ہیں۔ آٹھویں آیت یہ لکھی ہے اور اپنی اُس سند سے جو نہایت مستحکم و متقن ہے مستند کیا ہے۔ ملاحظہ ہو۔ لکھتے ہیں۔ قولہ تعالیٰ کمشکوٰۃ فیہا مصباح اخبرنا احمد بن محمد بن عبد الوہاب اجازۃ ان ابا احمد عمر بن سعد اللہ بن شوذب اخبرہم ثنا محمد بن الحسن بن زیاد ثنا احمد بن خلیل حدثنی محمد بن ابی محمود۔ ثنا یحیی بن ابی معروف ثنا محمد بن سہل البغدادی۔ عن موسی ابن القسم عن علی ابن جعفر قال سئلت الحسن عن قول اللہ عزوجل کمشکوٰۃ فیہا مصباح قال المشکوٰۃ

فاطمۃ والمصباح الحسن والحسین الزجاجۃ کانہا کوکب دری قال کانت فاطمۃ کوکبا دریا من نساء العالمین یوقد من شجرۃ مبارکۃ الشجرۃ المبارکۃ ابراہیم لاشرقیۃ ولاغربیۃ - لایہودیۃ ولانصرانیہ یکاد زیتہا یضیی قال یکاد العلم ان ینطق منہا ولو لم تمسسہ نار نور علی نور قال فیہا امام بعد امام قال یہدی اللہ لنورہ من یشاء یہدی لولایتنا من یشاء -

یہہ ایک مفصل روایت ہے جسمیں اس آیت کے ہر ہر فقرہ کا مطلب بیان کیا گیا ہے سلسلہ روایت علی ابن جعفر تک پہونچتا ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے امام حسن بصری سے اس آیت کی تفسیر پوچھی - تو کہا کہ کمشکواۃ فیہا مصباح میں

مشکواۃ حضرت فاطمہؑ ہیں - اور

مصباح امام حسنؑ و حسینؑ ہیں - اور

کوکب دری کا یہہ مطلب ہے کہ فاطمہؑ تمام عالم کی عورتوں سے روشن تر اور انمیں مثل ایک ستارہ روشن کے ہیں -

یوقد من شجرۃ مبارکۃ میں شجرہ مبارکہ سے مراد حضرت ابراہیم علیہ السلام یعنے فاطمہ و حسنین اوسی درخت مبارک کے روغن سے روشن ہوئے ہیں -

لاشرقیۃ ولاغربیۃ کا مطلب یہہ ہے کہ فاطمہ نہ یہودیہ ہے اور نہ نصرانیہ (بلکہ مومنہ پاک ہی)

یکاد زیتہا یضیئ کا مطلب یہہ ہے کہ قریب ہے کہ علم خود اون کے اعضاء وجوارح سے بول اوٹھے -

نور علی نور سے مراد یہہ ہے کہ اون کے اندر امام بعد امام موجود ہے یعنے اون ہی سے ائمہ اثنا عشر پیدا ہونگے جو یکے بعد دیگرے امام ہونگے -

یہدی اللہ لنورہ من یشاء کا مطلب یہہ ہے کہ خدا جسے چاہتا ہے انکی ولایت کی طرف ہدایت کرتا ہے -

اس روایت کو مولوی عبید اللہ عبیدی امرتسری نے بھی اپنی کتاب ارجح المطالب مطبوعہ لاہور صفحہ ۸۶ میں نقل کیا ہے اور ابن مغازلی سے روایت کی ہے مگر بظاہر کاتب سے غلطی رہ

گئی ہے۔ کیونکہ اسمیں صرف اتنا بیان ہے۔ کہ مشکواۃ سے فاطمہؑ مراد ہیں (امام حسنؑ و امام حسینؑ کا ذکر اسمیں نہیں کیا گیا۔) چنانچہ مولوی صاحب موصوف کی عبارت یہ ہے

چراغدان سے مراد جناب فاطمہؑ ہیں۔ اور شجرہ مبارکہ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور لاشرقیۃ ولاغربیہ سے یہ مراد ہے کہ جناب فاطمہؑ نہ تو یہودیہ تھیں اور نہ نصرانیہ اور نور علی نور سے یہ مراد ہے کہ ان سے امام کے بعد امام پیدا ہوتا رہیگا۔ اور اللہ ہدایت کرتا ہے اپنے نور سے جسے چاہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ ہماری ولایت سے جسے چاہے ہدایت کرسکتا ہے۔"

لیکن بہرحال یہ بات پایہ ثبوت کو پہونچ گئی کہ اس آیت میں مشکواۃ سے مراد جناب فاطمہ زہراؑ دختر رسول خداؐ صلے اللہ علیہ و آلہ مراد ہیں۔ اور نورٌ علی نور سے امام کے بعد امام کا اون سے پیدا ہونا مقصود ہے۔ جس سے چند فائدے مستنبط ہوئے۔

(ایک) یہ کہ خود جناب فاطمہؑ زہرا علیہا السلام معدن علم و نورالٰہی ہیں۔ ان کو کسی سے تعلیم کی ضرورت نہیں۔ اور جب یہ نورالٰہی ہیں تو معصوم بھی ضرور ہونگی۔

(دوسرے) یہ کہ مصباح یعنے چراغ سے مراد حسنین علیہما السلام ہیں جو اُسی مشکواۃ سے پیدا ہوئے ہیں۔ مگر بسبب اسکے کہ خود بھی امام ہیں اسلیئے اُن سے زیادہ روشنی رکھتے ہیں۔ جسکی تشبیہ چراغ روشن سے دیگئی۔

(تیسرے) یہ کہ فاطمہ علیہم السلام علم سے اس سے مملو ہیں کہ گویا علم اُن کے پہلوؤں سے خود تکلم کرتا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ یعنے گویا علم اُن سے چھوٹا پڑتا ہے۔ اور یہ کمال فضیلت ہے اُن معصومہ کے واسطے۔

(چوتھے) کہ جتنے امام و پیشوائے خلق پیدا ہوئے وہ صرف اون ہی کی نسل سے پیدا ہوئے لہذا اُن ائمہ علیہم السلام کے علاوہ جو نسل جناب فاطمہؑ سے نہیں ہیں اونکو امام کہنا جیسے امام ابوحنیفہ۔ امام شافعی۔ امام غزالی وغیرہ ظلم صریح ہے۔ کیونکہ امامت

حصہ ہے اولاد فاطمہ کا نہ کسی اور کا۔

(پانچویں) یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ ائمہ جو اولاد فاطمہ سے ہیں سب کے سب انوار الٰہیہ ہیں اور اُن کا علم کسی دوسرے سے مقتبس نہیں بلکہ وہ خود مجسم علم و نور ہیں۔

(چھٹے) یہ بھی بات اس سے معلوم ہوئی کہ اگر دنیا میں کسی کی اقتدا لازم ہے تو وہ صرف اُن ہی کی جو انوار الٰہیہ ہوں اور بلا واسطہ اونکو خدا تعالیٰ سے علم حاصل ہوا ہو نہ وہ جو لوگوں سے پڑھ لکھ کر ملا بنے ہوں۔ کیونکہ ایسے لوگوں سے غلطیوں کا ہونا ہر وقت ممکن ہے۔ بخلاف اُن انوار الٰہیہ کے جو اولاد فاطمہ علیہا السلام سے ہیں اور جن کا علم الٰہی ہے۔

آیت ۲۷۔ ج ۱۸۔ ع ۱۱۔ سورہ نور

فی بیوت اذن اللہ ان ترفع ویذکر فیہا اسمہ یسبح فیہا بالغدو والآصال۔ رجال لاتلہیہم تجارۃ ولا بیع عن ذکر اللہ "

یہ آیت اپنی سابقہ آیت سے مرتبط ہے جسکا مطلب یہ ہے کہ وہ مشکواۃ (جس کا اوپر ذکر آیا) ایسی گھروں میں ہے جنکی بابت پروردگار عالم کا اذن ہے کہ اونکی تعظیم کی جائے۔ اور اُنمیں اونکا نام لیا جائے۔ جنمیں سحر و شام ایسے لوگ تسبیح خدا کرتے ہیں جنہیں نہ تجارت اور نہ بیع ذکر خدا سے غافل کرتی۔ (بلکہ وہ ہر حال میں ذکر یاد خدا کرتے رہتے ہیں)

اس آیت میں خانہ جناب علی و فاطمہ علیہا السلام کی عظمت کو بیان کیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ وہ مشکواۃ (فاطمہ علیہا السلام) جنکا بیان اوپر ہوا وہ ایسے گھروں (خانہ علی علیہ السلام) میں ہے جسکی تعظیم کا خدا نے حکم دیا ہے۔ اور یہ کہ اوسمیں ہمیشہ اُسکا ذکر کیا جائے۔

اُس گھر کی یہ صفت ہے کہ جو لوگ وہاں کے ساکن ہیں وہ صبح و شام یاد الٰہی میں معروف۔ اس آیت نے چند باتیں بتائیں۔

اول۔ یہ کہ خانہ علی و فاطمہ وہ گھر ہے۔ جس کا ذکر خصوصیت کے ساتھ قرآن مجید میں کیا گیا گویا یہ دوسرا بیت مقدس یا خانہ کعبہ ہے۔

(دوم) یہ کہ دنیا محکوم ہے کہ اسکی تعظیم کرے۔
(سوم) اس مکان کے رہنے والے عام انسان نہیں ہیں۔ بلکہ یہ وہ لوگ ہیں جن کی
عبادت کسی وقت قطع نہیں ہوتی۔ صبح ہو خواہ شام وہ ہمیشہ یاد خدا میں رہتے ہیں۔
(چہارم) انکی عبادت اس درجہ مقبول بارگاہ ایزدی ہے کہ خصوصیت کے ساتھ پروردگار عالم نے اوسے
اپنی مقدس کتاب میں بیان کیا۔
(پنجم) یہ لوگ ایسے نہیں جو تجارت و بیع کو دیکھتے ہی۔ رسول اللہ کا ساتھ نماز سے چھوڑ کر
بازاروں میں دوڑ جاتے ہوں جیسے وہ لوگ تھے جنکا ذکر سورہ جمعہ میں آیا ہی۔ کہ
اذا راُو تجارۃً او لہوا انفضوا الیہا وترکوک قائما۔ جب یہ (اصحاب رسول) تجارت
یا کھیل کی کوئی چیز دیکھتے ہیں تو اُسی طرف ٹوٹ پڑتے ہیں۔ اور اے رسولؐ
ہمارے تمکو اکیلا نماز میں استادہ چھوڑ جاتے ہیں۔
یہ وہی اصحاب رسول ہیں جنپر سواد اعظم جان دیتا ہی اور اون کے اتباع و اقتدا کو
واجب بتاتا ہے حالانکہ انکی تو یہ حالت ہتی کہ نہ نماز سے دلچسپی رکھتے تھے اور نہ
صحبت رسول سے بلکہ جہاں تجارت کا نام آیا یا کوئی کھیل کود کی چیز سنی۔ اور فوراً ا
آنحضرتؐ کا ساتھ چھوڑ کر بلکہ نماز میں کھڑا چھوڑ کر مسجد سے جا باہر کھڑے ہوئے
اور تماشہ دیکھنے یا تجارت میں مشغول ہوگئے۔
کیا ایسے لوگوں سے کچھ اُمید کیجا سکتی ہے کہ انمیں روحانیت کی بو ہوگی۔ یا
ان سے کوئی علمی و عملی فائدہ حاصل ہوسکیگا۔؟ کیا یہی فعل ان کی اقتدا کو ان کی
لازم کرتا ہی۔ کیا اس سے یہ بات نہیں معلوم ہوئی کہ اگر ان سے اقتدا کی جائیگی۔ تو
مقتدی میں بھی وہی باتیں پیدا ہو جائینگی جو مقتدا کے اندر مذہب اور دین سے
بے پروائی کی ہیں۔؟
کیا اس سے یہ معلوم نہیں ہوا کہ یہ اصحاب نماز و دین و مذہب کی طرف سے بالکل بے پروا تھے

کیا اس سے یہہ نہیں معلوم ہوا کہ ان لوگوں کو سوائے دنیا اور لذات دنیا کے کسی چیز سے کچھ مطلب نہ تھا۔ تجارت تو خیر ایک نفع کی چیز ہے اگر اوسکی طرف دوڑ گئے تو کچھ تعجب نہیں تعجب تو اس بات کا ہے کہ یہہ سفید ڈاڑھیوں والے اس سن میں بھی لڑکپن کے خواص اپنے میں موجود رکھتے تھے۔ اور بچوں کی طرف تماشہ باجے ناچ رنگ کی آواز سنتے ہی اُدھر دوڑ جاتے تھے۔ اور اسکی بھی پرواہ نہ کرتے تھے۔ کہ ہمراہ رسولؐ نماز میں کھڑے ہوئے ہیں۔ اس امر کی تصدیق ایک نہیں بلکہ کثیر روایات سے ہوتی ہے۔ تفسیر درمنثور جو روایات کا ذخیرہ ہے اس کے متعلق بہت سی روایتیں پیش کرتی ہے۔ جنمیں سے ایک یہہ بھی ہے۔

(ترجمہ روایت) بیہقی نے شعب الایمان میں مقاتل ابن حیان سے روایت کی ہے کہ آنحضرتؐ جمعہ کے دن خطبہ بیان فرمایا کرتے تھے اور نماز پڑھتے تھے۔ اور دحیہ کلبی ایک مرد تاجر تھے اور قبل مسلمان ہونے کے جب مدینہ میں بصیغہ تجارت آیا کرتے تو لوگ اونکی لدی ہوئی چیزوں کو دیکھنے اور اونسے مال تجارت خریدنے کے لیئے جایا کرتے تھے۔ ایک دن جبکہ اتفاق سے جمعہ تھا اور تمام لوگ (اصحاب کبار) رسول اللہؐ کے پاس موجود تھے۔ اور آنحضرت استادہ خطبہ فرمارہے تھے کہ دحیہ کا قافلہ مدینہ میں طبل اور لہو (کھیل تماشہ) کے ساتھ آگیا۔ یہی وہ لہو ہے جس کا ذکر خدا نے فرمایا ہے۔ لوگوں (اصحابنے) جو مسجد میں سُنا کہ دحیہ مال تجارت لیکر احجار الزیت کے پاس آگئے ہیں (احجار الزیت ایک مقام کا نام ہے بازار مدینہ میں) اور آوازیں سنیں۔ تمام آدمی دحیہ کی طرف تجارت اور کھیل دیکھنے کے لیئے نکل گئے اور رسول اللہؐ کو کھڑا ہوا (مسجد میں) چھوڑ گئے۔ درانحالیکہ کوئی بڑا آدمی بھی آپکے پاس نہ رہ گیا (جس سے یہہ بھی معلوم کہ کبیر السن لوگ سب کے سب چلے گئے تھے۔ جنمیں حضرت صدیق اکبر اور فاروق اعظم اور عثمان غنی بھی داخل ہیں۔ کیونکہ یہہ بھی کبیر السن اور بڑے لوگوں میں تھے) راوی کہتا ہے۔ مجھے ایسی خبر ملی ہے کہ تین دفعہ ایسا ہی اتفاق ہوا (کہ آنحضرتؐ کو مسجد میں نماز پڑھتے ہوئے چھوڑکر۔ سب لوگ بازار میں تجارت کے لیئے چلے گئے) اور مجھے یہہ بھی معلوم ہوا کہ جو لوگ مسجد میں رہ گئے تھے وہ بہت

آنحضرتؐ نے یہ دیکھکر فرمایا کہ اگر یہ لوگ بھی (جو باقی رہ گئے تھے) چلے گئے ہوتے تو ان سب پر (عذاب کے طور پر) پتھر نازل ہوتا۔ تب یہ آیت نازل ہوئی۔ قل ما عند اللہ خیر من اللھو و من التجارہ واللہ خیر الرازقین۔ اے (ہمارے رسول) کہدو ان لوگوں سے کہ جو ثواب خدا کے پاس (تمہارے نمازوں اور عبادتوں کے لیے) ہے وہ بہتر ہے اس کھیل اور تجارت سے (جس کی طرف تم دوڑ جاتے اور رسولؐ کو تنہا چھوڑ جاتے ہو) تفسیر در منثور جلد ششم صـ ۲۲۱ مطبوعہ مصر)

اس روایت نے بتایا کہ (۱) اصحاب رسول ہنوز کھیل تماشے پر دلدادہ تھے۔ نماز سے اُسے بہتر جانتے تھے۔ (۲) تجارت اور دنیا طلبی کو خدا طلبی سے بہتر سمجھتے تھے۔ (۳) کبیر یعنی بڑے سن والے لوگوں میں کوئی وہاں نہ رہ گیا۔ بلکہ ایسے لوگ عموماً مسجد سے چلدیئے۔ (۴) تھوڑے سے آدمی باقی رہ گئے جو سن دار نہ تھے۔ غالباً انمیں امیر المؤمنین علیہ السلام بھی ہونگے۔ (۵) یہ فعل ان اصحاب کا ایسا تھا جسپر خدا کو آسمان سے پتھر برسانا پڑتا۔ اگر تھوڑے سے لوگ جو ثابت قدم رہے مسجد میں نہ رہ گئے ہوتے۔

ان ہی کے مقابلے میں خدا تعالیٰ سورہ نور میں فرماتا ہے کہ اس گھر (خانہ علیؑ و فاطمہؑ) کے رہنے والے لوگ ایسے ہیں جنہیں بیع و تجارت ذکر خدا سے غافل کر سکے بلکہ یہ وہ لوگ ہیں جو شام و سحر یاد الٰہی میں ہی مصروف رہتے ہیں۔

اب اہل انصاف غور کریں کہ ایسے ممدوحین قابل اقتدا ہو سکتے ہیں یا وہ جنکی خستہ حالی سورہ جمعہ میں بیان کی گئی ہے۔ اور آیا وہ افضل الناس ہیں جو سورہ نور میں مذکور ہیں۔ یا یہ جو سورہ جمعہ میں مذکور ہیں۔

نیز یہ بھی یاد رکھنے کی بات ہے کہ یہ گھر وہ ہے جسکی تعظیم و ترفیع کا حکم خدا نے دیا ہے۔ پھر اگر کوئی شخص اس گھر کے رہنے والوں کی توہین و تذلیل کرے یا دھمکائے یا اُسے جلا دینا چاہے اوسکی نسبت مسلمانوں کو کیسا خیال اپنا قائم کرنا چاہیے۔

کیا یہ بات حد یقین کو نہیں پہونچی ہے کہ اس گھر پر حضرت عمر آگ لکڑی لیکر آئے - اور اُسے جلا دینے کی دہمکی دی - بلکہ ملل ونحل شہرستانی کے مطالعہ سے تو معلوم ہوتا ہے کہ اُسکا دروازہ بھی گرادیا اور جناب فاطمہؑ کو ایسا صدمہ پہونچایا کہ اونکا اسقاط حمل ہُوا - اور اس صدمہ سے بیمار ہوکر آخروہ معصومہ راہی جنت ہوئیں -

بہر حال ہمیں اب یہ دکھانا ہے کہ آیت مبعوث عنہا (فی بیوت اذن اللہ ان ترفع) خاص شان میں جناب فاطمہ و علی علیہما السلام کے آئی ہے اور اونکی عظمت کو ظاہر کر رہی ہے -

ملاحظہ ہو تفسیر درمنثور جلد پنجم ص۵ چاپ مصر) اخرج ابن مردویہ عن انس بن مالک و بریدہ قال قرء رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ہذہ

اس گھر پر لکڑی لانیکا ذکر کبار علمائے اہل سنت نے اپنی اپنی کتابوں میں کیا ہے جنمیں سے چند کی عبارتیں یہاں نقل کی جاتی ہیں -

۱ - امامت والسیاست ابن قتیبہ ص۱۳ قال وان ابابکر رضی اللہ عنہ تفقد قوماً تخلفوا عن بیعتہ عند علی کرم اللہ وجہہ فبعث الیہم عمر فجاء فناداہم وہم فی دار علی فابوا ان یخرجوا فدعی بالحطب وقال والذی نفس عمر بیدہ لتخرجن اولاحرقنہا علی من فیہا فقیل لہ یا اباحفص ان فیہا فاطمہ فقال وان انتہی بقدر الحاجتہ - راوی نے کہا کہ ابوبکر صاحب نے اُن لوگوں کو تلاش کیا جو اونکی بیعت سے تخلف کرکے علی کرم اللہ وجہہ کے پاس بیٹھے رہے تھے پس اُن کے پاس عمر کو بھیجا اُنہوں نے آکر اُن لوگوں کو پکارا وہ لوگ اُس وقت علی کے گھر مجتمع تھے اُن لوگوں نے نکلنے سے انکار کیا تو عمر نے لکڑی منگوائی اور کہا کہ قسم ہے اوس خدا کی جس کے ہاتھ میں عمر کی جان ہے تم لوگ نکل آؤ ورنہ میں اس گھر کو مع اُن لوگوں کے جو اسمیں ہیں جلا دونگا کسی نے کہا اے ابوحفص (عمر) اسمیں فاطمہ بھی تو ہیں - کہا ہوں -

۲ - عقد فرید ابن عبدربہ - الذین تخلفوا عن بیعۃ ابی بکر علی والعباس والزبیر وسعد بن عبادہ فاما علی والعباس فقعدا فی بیت فاطمہ حتی بعث ابوبکر عمر ابن الخطاب لیخرجہما من بیت فاطمۃ وقال لہ ان ابیا فقاتلہما فاقبل بقبس من نار علی ان یضرم علیہما الدار فلقیتہ فاطمۃ فقالت یا ابن الخطاب جئت لتحرق دارنا قال نعم اویدخلوا فیما دخلت فیہ الامۃ فخرج علی حتی دخل علی ابی بکر انتہی بقدر الحاجتہ (منقول از تشیید المطاعن ص۴۳۵)

الآیۃ فی بیوت اذن اللہ ان ترفع فقام الیہ رجل فقال ای بیوت ہذہ یا رسول اللہ قال بیوت الانبیاء۔
فقام الیہ ابوبکر فقال یا رسول اللہ ہذا البیت منہا البیت علی وفاطمہ قال نعم من افاضلہا۔

یعنے انس بن مالک اور بریدہ راوی ہیں کہ آنحضرتؐ نے اس آیت (فی بیوت اذن اللہ ان ترفع) کی تلاوت کی۔ تو ایک شخص استادہ ہوا اور عرض کی یا رسول اللہ یہ کون سے مکانات ہیں (جنکی تعظیم کا اذن خدا کی طرف سے ہے) فرمایا خانہ ہائے انبیار ہیں۔ تب ابوبکر کھڑے ہوئے اور کہا یا رسول اللہؐ یہ کہکر گھر یعنے خانہ علی وفاطمہ بھی اُن ہی مکانات میں سے ہے؟ (جنکی تعظیم لازم ہے) فرمایا ہاں (بلکہ) اُن سب سے افضل ہے۔

مولوی عبید اللہ عبیدی امرتسری بھی اپنی کتاب ارجح المطالب میں (صہ ۸۵ چھاپہ لاہور) میں اس روایت کو لکھتے ہیں۔ اور اُنکا ترجمہ حسب ذیل فرماتے ہیں۔

انس بن مالک اور بریدہ رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ جناب سرور کائنات صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مذکورہ بالا آیت پڑھی ایک شخص عرض کرنے لگا یا رسول اللہ یہ کن گھروں سے مراد ہے آپ نے فرمایا انبیار کے گھروں سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یہ گھر یعنے جناب علیؑ وفاطمہؑ کا ان ہی گھروں میں سے ہے۔ حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بلکہ ان کے بہترین میں سے ہے"

ان روایا سے یہ بھی معلوم ہوا کہ خانہ جناب علیؑ وفاطمہؑ عام لوگوں کے گھروں سے افضل نہیں بلکہ ان کو وہ شرف ہے کہ انبیار کے گھروں سے بھی بہترین ہو اور جب ان کے مکانات انبیار کے مکانات سے افضل ہوئے۔ تو اُن مکانات کے رہنے والے کیوں نہ انبیار سے افضل ہونگے۔ (سمجھنے کی بات ہے)

(بقیہ حاشیہ صفحہ ماسبق۔) یعنے جن لوگوں نے بیعت ابوبکر سے تخلف کیا تہا وہ علی وعباس وزبیر وسعد بن عبادہ اُنمیں سے علیؑ وعباسؓ فاطمہؑ کے گھر میں بیٹھے ہی رہتے تا اینکہ ابوبکر نے عمر کو بہیجا کہ اُن کو اُس گھر سے نکال لائیں اور عمر کو حکم دیدیا تہا کہ اگر وہ دونو آنے سے انکار کریں تو اُن سے قتال کرنا پس عمر ابن خطاب آگ لیئے ہوئے اس قصد سے چلے کہ خانہ فاطمہ کو اُن دونو آدمیوں سمیت جلا دیں پس فاطمہ عمر سے ملیں اور کہنے لگیں اے ابن خطاب اسلیئے آئے ہو کہ ہمارے گھر کو جلا دو کہا ہاں جلادونگا یا یہ کہ وہ بھی اُسی امر (یعنے بیعت ابوبکر) میں داخل ہو جائیں جسمیں ساری اُمت داخل ہوئی ہے پس علی نکل آئے اور ابوبکر کے پاس گئے)

اکثر مفسرین نے اپنی کمال عقلمندی سے یا فضیلت علیؑ و فاطمہؑ کے اخفا کی غرض سے یہ لکھدیا ہے
کہ فی بیوت سے مراد مسجدیں ہیں چنانچہ علامہ زمخشری بھی کشاف میں لکھتے ہیں۔ کہ "وہ تتعلق
بما قبلہ ای کمشکوٰۃ فی بعض بیوت اللہ وہی المساجد یعنے یہہ آیت اپنے ماقبل سے متعلق ہے جس کا
مطلب یہہ ہے کہ وہ مشکوٰۃ خدا کے بعض گھروں میں ہے۔ اور وہ مسجدیں ہیں"
مگر کوئی ان مفسر بزرگ سے دریافت کرے کہ آیا عام مسجدوں کی یہی شان ہے جو ان گھروں کی آیت مذکورہ
میں بیان کی گئی ہے اس گھر کے رہنے والوں کی بابت تو خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ صبح و
شام تسبیح خدا میں مصروف رہتے ہیں اور یہہ کہ ان کے رہنے والونکو بیع و تجارت یاد خدا سے
غافل ہی نہیں کرتی۔ حالانکہ عام مسجدوں کا کیا ذکر ہے جب خود رسول خدا صلے اللہ علیہ و آلہ
وسلم کے مسجد کے نمازیوں کو لہو و تجارت نے یاد خدا سے غافل کردیا اور وہ آنحضرتؐ کو تنہا چھوڑکر سودا
سلف اور باجہ سننے کو بازار میں نکل گئے۔ پھر کیونکر کہا جا سکتا ہے کہ ان بیوت (مذکورہ آیت)
سے مراد مساجد ہیں۔ شاباش ہے فہم پر ایسے مفسروں کے جو اتنے معمولی نکتہ کو نہیں سمجھ سکتے۔
اور تفسیر قرآن لکھنے بیٹھتے ہیں۔ حالانکہ خود بھی دیکھہ رہے ہیں۔ کہ آج بھی جتنی مسجدیں ہیں۔ اور
اونمیں مسلمان نمازی نماز پڑھتے ہیں اونکی یہہ حالت نہیں کہ تجارت و لہو اونکو یاد خدا سے غافل نہ
کرتی ہو۔ بلکہ اکثر تو وہی لوگ ہوتے ہیں جو خالص دنیا طلب ہیں۔ کسی شرم و لحاظ یا خوف برادری
سے مسجد میں آجاتے اور ٹوٹی پھوٹی نماز پڑھ لیا کرتے ہیں۔ بہر حال ناظر منصف کو غور کا اب موقعہ
حاصل ہے کہ وقت باقی ہے۔

(لطیفہ) کسی عرب نے جب یہہ آیت سنی کہ خدا فرماتا ہے فی بیوت اذن اللہ ان ترفع تو اوسے
بجائے فی بیوتٍ پڑھنے کے فی بیوتٌ پڑھنے لگا لوگوں نے دریافت کیا یہہ کیا بے قاعدگی ہے کہ بجائے تنوین زیر کے پیش کی
تنوین دیکر پڑھتا ہے تو کہنے لگا جناب والا اذن اللہ ان ترفع خدا نے تو اجازت دی ہے کہ اسے رفع دیا جائے (یعنی پیش دیکر پڑھا جائے)
مثل مشہور ہے کیا کابل میں گدھے نہیں۔ عرب میں بھی ایسے لوگ موجود تھے جو آیت کے معنے اسطرح سمجھتے تھے کہ بجائے تفخیم کے
رفع یعنے ضمہ دینا چاہیے۔ ماشاء اللہ۔ فقط۔

